نعتیہ ادب کا کتابی سلسلہ

نعت رنگ

وأحسن منك لم تر قط عيني
وأجمل منك لم تلد النساء
خلقت مبرأ من كل عيب
كأنك قد خلقت كما تشاء

ڈاکٹر سیّد تقی عابدی (کینیڈا)

اردو کا سحبانِ محمد ﷺ

اگر اس کو شاعرانہ تعلّی کہا جائے تو بجا ہے۔ تعلّی شاعر کا ذاتی حق ہے۔ چناں چہ اسی لیے میر مہدی حسین مجروحؔ نے کہا:

مدحت سنج ہے دن رات مجروحؔ
یہ اردو میں ہے سحبانِ محمد ﷺ

اسے زمانہ کی ستم ظریفی نہیں تو کیا کہیں کہ مجروحؔ کی نعت گوئی سے عوام ہی نہیں بلکہ خواص بھی ناآشنا ہیں۔ ہم اس تحریر میں مجروحؔ کے تعارف میں ان کی حیات، شخصیت، فن، تصانیف اور منتخب کلام کو پیش کریں گے۔

میر مہدی مجروحؔ فرزند میر حسین فگارؔ ۱۸۳۳ء کے لگ بھگ دہلی میں پیدا ہوئے اور تقریباً ستر (۷۰) برس اس دارِ فانی میں زندگی بسر کرکے ۱۵رمئی ۱۹۰۳ء مطابق ۱۷رصفر ۱۳۲۱ھ دلّی میں درگاہ قدم شریف کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ جناب مالک رام ''تلامذۂ غالبؔ'' میں لکھتے ہیں، ''وفات سے کچھ وقت پہلے چند بار ''اغفرلی الٰہی'' کہا اور اسی حالت میں جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ یہی ''اغفرلی الٰہی'' ان کی تاریخِ وفات ۱۳۲۱ھ ہے۔ چناں چہ نواب احمد سعید خان طالبؔ کا لکھا یہ قطعۂ تاریخ ان کی قبر پر کندہ ہے:

یادگارِ غالبؔ معجز بیاں — میر مہدی سیّد والاتبار
کرد از دنیا چوں آہنگِ سفر — گفت ''اغفرلی الٰہی'' چند بار
(۱۳۲۱ھ)

میر مہدی مجروحؔ غالبؔ کے بہت چہیتے شاگرد تھے۔ غالبؔ کے تقریباً پچاس خطوط جو صرف

D:NaatRang-15
File: Aasi Kirnali
1st Proof

سات آٹھ سال کی مدت میں لکھے گئے ہیں اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ شاید ہی کوئی دوسرا شاگرد غالبؔ کے دل و دماغ پر اس طرح رچا بسا ہوگا۔ شاید اسی لیے علامہ اقبالؔ نے داغؔ کی نظم کا مطلع ہی غالبؔ اور مجروحؔ کے ناموں کے ساتھ باندھا۔

عظمتِ غالبؔ ہے اک مدت سے پیوندِ زمیں
مہدیٔ مجروحؔ ہے شہرِ خموشاں کا مکیں

میر مجروحؔ دلّی کے ایک نجیب و شریف سادات خاندان سے تھے۔ محمدﷺ و آلِ محمدﷺ کی مدحت سرائی ان کی رگوں میں صدیوں سے دوڑ رہی تھی۔ پردادا فقیر اللہ فقیرؔ شاہ عالم کے دربار کے ممتاز شاعر تھے۔ والد میر حسین فگارؔ دلّی کے مشہور شاعر، چچا میر حسن فارسی کے جید عالم اور آپ کے بڑے بھائی سرفراز حسین مجتہد العصر والیٔ رام پور کے مصاحب تھے۔ اس کے علاوہ مجروحؔ کو غالبؔ، مومنؔ، ذوقؔ، شیفتہؔ، نیرؔ، عارفؔ، داغؔ، امیرؔ مینائی اور حالیؔ جیسے صاحبوں کی صحبت میں رہنے کا موقع ملا اور انھی بزرگوں کی خوشبو کو وہ بیسویں صدی کے اوائل تک بکھرتے رہے۔ اسی لیے ضیاء الدین نیر کی یاد میں جو دلّی کا یادگار مشاعرہ ہوا اس میں حالیؔ نے کہا تھا:

داغؔ و مجروح کو سن لو کہ پھر اس گلشن میں
نہ سنے گا کوئی بلبل کا ترانہ ہرگز

میر مجروحؔ کا نام اردو ادب کے فراموش شدہ شعرا کی فہرست میں نظر آتا ہے۔ فلکِ کج رفتار نے غدر ۱۸۵۷ء میں ان کا بیشتر شعری اثاثہ لٹا دیا۔ چناں چہ زندگی کے سفر کے اواخر میں دوستوں نے ہمت کر کے کچھ بچا ہوا کلام شائع کروایا جو اب کمیاب اور نایاب ہوتا جا رہا ہے۔ مجروحؔ کی تصانیف میں ان کا دیوان ''مظہرِ معانی'' مطبوعہ ۱۸۹۸ء کتب خانہ شبلی میں موجود ہے اس میں دیباچۂ مصنف، تقریظیں، قصائد، غزلیات، مخمس، رباعیات کے علاوہ مختلف اہم اشخاص کی وفات کی تاریخیں موجود ہیں۔ یہ دیوان ۲۴۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس دیوان میں ایک نعتیہ قصیدہ اور دو نعتیہ غزلیں ہیں۔ دوسری تصنیف ''ہدیۃ الائمّہ'' نعت اور سلاموں کا مجموعہ ہے جو اب بالکل نایاب ہے اس کا ایک نسخہ میرے ذاتی کتب خانہ ٹورنٹو میں موجود ہے۔ یہ نسخہ ۱۱۸ صفحات پر مشتمل ہے جس میں دیباچۂ مصنف، ۱۲ نعتیہ غزلیں، ۸۱ رباعیات، ۳ منقبتیں، ساٹھ سلام اور آٹھ نوحوں کے علاوہ مخمس، دعائیہ غزل اور ایک فارسی کی تضمین بھی

شامل ہے۔

تیسری تصنیف ''انوارالاعجاز'' جو معجزاتِ رسولِ اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کی اہلبیتؓ سے متعلق تھی، نایاب ہے اور چوتھی تصنیف ''طلسمِ راز'' جس پر غالبؔ کی فارسی تقریظ ہے، مفقود ہے۔ آشوبِ غدر کی لوٹ مار اور غارت گری کے بعد جو کچھ کلام بچا رہا یا بعد میں تخلیق ہوا وہ اس عظیم شاعر کی فن کارانہ شخصیت کو اُجاگر کرنے کے لیے کافی ہے۔ مجروحؔ اپنے دیوان ''مظہرِمعانی'' کے دیباچہ میں لکھتے ہیں، ''یکا یک اس چرخ کج رفتار و زمانہ ناہنجار نے ایک ایسا فتنہ اٹھایا کہ ہنگامہ رستاخیز کو بھی پرے ہٹایا۔ وہ غدر ۱۸۵۷ء کا تھا جس نے مردوں سے خاک کا پیٹ بھر دیا۔ دہلی کو آدمیوں سے خالی کر دیا۔ کبھی مرگِ اصبا دل شکن، کبھی زمانے کے رنج ومحن اس میں کیسی فکر شعر وسخن فراہم ہوئے۔ کوئی غزل کی فرمائش کرتا ہے، کوئی تاریخ کہنے کی خواہش کرتا ہے۔ ہر چند کہا کہ وہ ''دفتر گاہ خورد ہوا'' گھر لٹ گیا۔ وطن چھٹ گیا۔ تصنیف کا ذخیرہ خوانِ یغما ہوگیا۔ بلبل شوریدہ مغز سے ترانہ سرائی کی اُمید غضب ہے مگر کوئی سنتا نہ تھا وہی اصرار باقی رہا۔ ناچار قولِ سعدیؔ پر عمل کرنا پڑا ''کہ آزردن دلِ دوستان جہل است و کفارہ یمن سہل است۔'' جب کوئی فرمائش کرتا تو بجا لانا پڑتا وہ بھی اس بے دلی سے کہ مسودہ تک بھی پاس نہ رکھا جاتا تھا۔

مجروحؔ کے باقی ماندہ نعتیہ کلام میں ایک نعتیہ قصیدہ اور چودہ نعتیہ غزلیں ہیں۔ اس کے علاوہ تیرہ نعتیہ رباعیات بھی ہیں اور اس طرح سے کل اشعار کی تعداد تین سو کے لگ بھگ ہے۔ اگرچہ باقی اشعار کی تعداد کم ہے لیکن تقریباً نعت کے تمام اساسی اور ثانوی موضوعات کی جھلک ان میں نظر آتی ہے۔ غالبؔ کے پچاس خطوط سے یہ واضح ہے کہ اکثر اوقات مجروحؔ، غالبؔ سے استفادہ اور استفسار کرتے تھے اور اپنے کلام کی نوک پلک بناتے تھے۔ جس قدر غالبؔ کے اشعار میں باریکی، پیچیدگی اورشوکتِ الفاظ کی گھن گرج کی آلائش ہے اس کے برخلاف مجروحؔ کے اشعار میں صاف گوئی، سادگی اور نکھری زبان کی نمائش ہے۔

مجروح قادرالکلام شاعر تھے۔ انھیں نثر لکھنے کا سلیقہ بھی استاد ہی سے ملا تھا۔ اسی لیے اردو معلیٰ کے علاوہ مختلف کتابوں پر ان کی تقریظیں آج بھی جلوہ نمائی کرتی ہیں۔ کلام میں فصاحت بلاغت روزمرہ کا استعمال، محاورات، کنایات اور مجازِ مرسل کی خوب صورت جھلک نظر آتی ہے۔ اگرچہ صنائع اور بدائع بہت کم ہیں لیکن تلمیحات اور زود فہم تشبیہات، استعارات

D:NaatRang-15
File: Aasi Kimali
1st Proof

کی چمک دمک سے کلام منور ہے۔ اس تحریر میں راقم نے مجروحؔ کے نعتیہ اشعار کو موضوعی تقسیم کے تحت پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ چناں چہ محاسنِ شعر اور زبان دانی پر تبصرے کو کسی اور موقع پر موقوف کیا۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ جس طرح رحمت کا احاطہ ممکن نہیں اسی طرح رحمت للعالمین ﷺ کے مدحت کے موضوعات کا کامل بیان امکان پذیر نہیں لیکن چوں کہ نعت ایک اہم موضوعِ سخن ہے اس کے مسائل کو سمجھنے کے لیے نعت کے علما نے اس کے موضوعات کو مختلف طریقوں میں پیش کیا ہے اور موضوعات کو مختلف خانوں میں رکھنے کی کوشش کی ہے۔ اگرچہ موضوع کی وسعت اور حدوں کی شناخت نے بعض مسائل کو ایک سے زیادہ خانوں میں جگہ دی ہے۔ میری نظر میں نعت کے موضوعات پر ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری کی کاوش جو کچھ عرصے قبل ''نعت رنگ'' میں شائع ہوئی، عمدہ اور جامع فہرست ہے۔ موصوف نے نعت کے موضوعات کو دو بنیادی شقوں میں تقسیم کرکے انھیں اساسی اور ثانوی موضوعات کا نام دیا ہے۔ کیوں کہ اس تقسیم میں اس بات کی گنجائش بھی ہے کہ بعض ثانوی مسائل کو اساسی صف میں شامل کیا جائے اس لیے راقم کچھ تغیرات کے ساتھ اسی تقسیم کے تحت میر مجروحؔ کے نعتیہ اشعار کو پیش کر رہا ہے۔

ا۔ مولود نگاری (میلادنامہ)

یعنی نعت کے وہ اشعار جو حضور ﷺ کی ولادت کے واقعات، برکات اور آپ ﷺ کے فضائل سے متعلق ہیں، مجروحؔ کے دیوان ''ہدیۃ الایمہ'' میں ایک ''غزل مسلسل'' اسی موضوع پر ہے جس میں بیس سے زیادہ اشعار ہیں۔ اس کے علاوہ دوسری غزلوں اور نعتیہ قصیدہ میں بھی اس موضوع پر خوب صورت اور عمدہ اشعار ہیں۔ چند اشعار مولود نگاری کے غزل مسلسل سے ملاحظہ ہوں:

یہ روز مولد سلطانِ دیں ہے — یہ دن عید سرور مومنیں ہے
ہوا پیدا وہ نام آور جہاں میں — نبوت کے جو خاتم کا نگیں ہے
ہوا طالع وہ خورشید جہاں تاب — کہ جس کے نور میں سایہ نہیں ہے
وہ چمکا نور اس ظلمت سرا میں — جو اوجِ قرب کا ماہِ مبیں ہے
بڑھائی پائے اقدس نے یہ عزت — کہ رشکِ عرش مکہ کی زمیں ہے

یہی ہے چارسو مکہ میں آواز کہ اب خوبیِ دوعالم کی یہیں ہے
چلو مجروحؔ اب مولا ﷺ کے در پر کہ خوبیِ دین و دنیا کی وہیں ہے

ب۔ نور نگاری

یعنی نعت کے وہ اشعار جو حضور ﷺ کی نورانی صفت کو موضوع بنا کر مختلف پیرائے میں بیان کیے گئے ہیں۔ نعت نگاری میں یہ موضوع بہت ہی تازگی اور دل کشی سے مضمون ہوا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی مشہور حدیث ''سب سے پہلے میرا نور اللہ نے خلق کیا۔'' اس موضوع کی کشش ہے۔ دورِ رسالت ﷺ سے آج تک شاید ہی کوئی نعت گو ایسا ہو جس نے اس موضوع کو نظرانداز کیا ہے۔ مجروح کے پاس تقریباً ہر نعتیہ غزل اور نعتیہ قصیدہ میں اس مضمون پر کئی خوب صورت اشعار نظر آتے ہیں۔ ہم کچھ اشعار بطور نمونہ پیش کرتے ہیں:

اللہ رے نور روئے تجلی نقاب کا ہر ذرّہ کر دیا ہے نظیر آفتاب کا
لو آؤ نور وادیٔ ایمن کو دیکھ لو سرکا ہے روئے پاک سے گوشہ نقاب کا

☆

بشر کا کس کو حضرت ﷺ پر گماں ہے خدا کا نور پردہ سے عیاں ہے
اسی اک نور کا پرتو ہے ہرجا وہ اوّل ہو کہ پایان رسالت
وہ بحر نور جس کا حسن طلعت تجلی زارِ انوار خدا ہے
محمد ﷺ نورِ ذات کبریا ہے خدا سے کم ہے اور سب سے سوا ہے

ج۔ معراج نگاری

یعنی نعت کے وہ اشعار جو معراج کے مضمون سے وابستہ ہوں۔ اس میں حضور ﷺ کا فلکی سفر براق کی رفتار، قاب و قوسین کا تذکرہ قربِ الٰہی اور مشاہدۂ حق کے مسائل کا ذکر ہوتا ہے۔

یہ مضمون مجروحؔ کا دلچسپ موضوع رہا۔ معراج پر نعتیہ قصیدہ کے علاوہ دو مسلسل غزل بھی اسی موضوع پر نظر آتی ہیں۔ شاید ہی مجروحؔ کی کوئی نعتیہ غزل ایسی ہو جس میں یہ مضمون رقم نہ کیا گیا ہو۔ ہم چند اشعار پیش کرتے ہیں:

شبِ معراج شاہِ انس ﷺ و جاں ہے بہت اپنے پہ نازاں آسماں ہے

سواری میں براقِ برق رفتار غضب کچھ گرم خیزی سے رواں ہے
ہوئی ہے روشنی اس شب میں ایسی کہ ظاہر دل کا سب راز نہاں ہے
بچھے ہیں زیرِپا بالِ ملائک اور اوپر نورِ حق کا سائباں ہے
ہوا ثابت یہ معراجِ نبیﷺ سے کہ واں کوئی نہیں ہے وہ جہاں ہے
ندائے قرب تھی نزدیک آؤ ہمیں قوسین کی دوری گراں ہے

☆

شبِ معراج میں تشریف جولائے احمدﷺ غل فرشتوں میں یہ اُٹھا کہ وہ آئے احمدﷺ
قاب قوسین سے نزدیک ہو معبودِ جہاں ایسی جا کون پہنچتا ہے سوائے احمدﷺ

☆

تعالیٰ اللہ ہوا قرب خدا بھی اور اس حد کا کہ تھا قوسین سے نزدیک تر زانو محمدﷺ کا
اس کی کاشف ہے خود شبِ معراج فرش ہے آسماں محمدﷺ کا

☆

محفل قرب کی خبر کس کو واں تو اللہ یا محمدﷺ ہے

☆

شبِ معراج کا نہ پوچھو حال طے ہوا کیا یہ مرحلہ جلدی
آسماں پر براقِ برق نسب نگہِ تیز سے گیا جلدی
گرم بستر ہی تھا کہ آ پہنچے اس سے بس ہوگی اور کیا جلدی

☆

مقام قرب ہے قوسین اس کا خدا سے گرچہ ظاہر میں جدا ہے

د۔ سراپا نگاری (حلیہ شریف)

نعت کے وہ اشعار جو حضورﷺ کے نورانی چہرے، عنبر فشاں گیسو، قد و قامت پر لکھے گئے۔ مجروحؔ کی ہر نعتیہ غزل میں حضورﷺ کی سراپا نگاری پر کچھ اشعار ضرور نظر آتے ہیں۔ چوں کہ یہ مضمون بہت زیادہ نعتوں میں تکرار کیا گیا ہے۔ کئی نعت گو شعرا کے پاس اشعار میں آورد ہے لیکن یہ مجروحؔ کا کمال ہے کہ جمالِ محمدﷺ کو اس طرح سے نظم کیا کہ

شیرینی کے ساتھ ساتھ اشعار میں آب ذلال کی پاکیزگی اور روانی ہے۔

کہوں کیا خوبیٔ شکل مبارک کہ اُس پر ناز خلاق جہاں ہے
مشرقستاں تجلی ہو سراسر عالم رخ پرنور اگر اپنا دکھائے احمدﷺ
ہوش میں پھر نہ کبھی حضرتِ موسیٰ آئیں وہ زلف عنبر افشان محمدﷺ
مفسر سورۂ واللیل کی ہے جلوۂ خاص اگر اپنا دکھائے احمدﷺ

راقم نے اس اساسی موضوعات کی فہرست میں ذکرِ رحمت، ذکرِ باعثِ تخلیقِ کائنات، ذکرِ دیارِ مدینہ، ذکرِ محبوبِ الٰہی، ذکرِ خلق مجسم ذکر مسائل تصوف کو بھی اس لیے شامل کیا گیا ہے کہ اغلب نعت گو شعرا نے ان مضامین کو اساسی اہمیت دی ہے اور وہ اپنے یہ اشعار اپنی نعتیہ تخلیق کا عصارہ گردانتے ہیں اور میر مجروحؔ ان شعرا سے الگ نہیں۔

ھ۔ ذکرِ رحمتِ للعالمین ﷺ

رحمتِ خدا کی عام بنی شافع انامﷺ اللہ رے شوق اس دل پر اضطراب کا
خدا سے دیکھیے نسبتِ نبیﷺ کی یہ رحمت ہے وہ ربّ العالمیں ہے
وظیفہ ہے یہی شیطاں کا ہر دم کہ احمدﷺ رحمت للعالمیںﷺ ہے

و۔ ذکرِ بخشش و شفاعت

حاضر ہیں ہم سوال کریں منکر و نکیر یاں حب احمدیﷺ ہے خلاصہ جواب کا
یہ کس سے ہو سکے ہے بجز فیض مصطفیٰ ﷺ جو معصیت میں رنگ دکھائے ثواب کا
کرلیں بہت سے جرم اکٹھے کہ حشر میں ہوگا مقابلہ کرم بے حساب کا
چشم کرم دریغ نہ ہو اُس سے یا نبیﷺ مہدیؔ کو آسرا ہے تمھاری جناب کا

☆

خطر کیا مہر محشر سے ہے ان کو جنھیں ان کی ولا کا سائباں ہے
خدا غفار اور احمدﷺ ہے مختار ہمیں اب خوف محشر کا نہیں ہے
بھلا میں کون اور کیا میرے عصیاں مرا مولا شفیع المذنبیںﷺ ہے

☆

عاصیانِ سقیم کو مژدہ کہ شفیع الوریٰ محمدﷺ ہے

☆

دوزخ کا کچھ ہراس نہ کچھ جرم کا خیال ہم ہو لیے ہیں شافعِ روزِ جزا کے ساتھ

☆

نگاہِ لطف یا مولا کہ مجروحؔ تمھارے در کا اک ادنیٰ گدا ہے

☆

ہوا گرم اس کا بازار شفاعت پتا اب جنس عصیاں کا کہاں ہے
اغثنی یارسولﷺ اللہ اغثنی بہت رنجوں میں جان ناتواں ہے
گنہ گاری سے کیوں ڈرتا ہے مجروحؔ ترا مولا شفیع انس و جاں ہے
دیکھ سکتا ہے ہم کو دوزخ میں کب دلِ مہرباں محمدﷺ کا

ز۔ ذکرِ دیارِ مدینہ

مجروحؔ کے دیوان میں اس مضمون پر دو مسلسل غزلیں اور کئی چیدہ چیدہ اشعار ہیں:

ہے بانگِ دور باش ادب بہرِ فرش عرش روضہ ہے یہ جنابِ رسالتﷺ مآب کا

☆

تری درگہ میں مجروحؔ حزیں کی یہ عرض اے رہنمائے انس و جاں ہے
مدینہ اس کو پہنچا دے کہ کب سے بھٹکتا یہ غبار ناتواں ہے
در فیض شہ گردوں مکاں ہے گنہ گاروں کا یہ دارِ اماں ہے
قدم رکھا ہے اُس کے در پہ شاید مرے پاؤں کے نیچے آسماں ہے
ہیں اس آرام میں یثرب کے ساکن کہ اُن کو خلد میں جانا گراں ہے
فرشتے کیوں نہ آنکھوں سے لگائیں مدینہ کی یہ گرد کارواں ہے

☆

سرِ شام اس لیے چھپتا ہے خورشید بنے تا شمع ایوانِ محمدﷺ

☆

در خیرالوریٰ پہ جا جلدی باغِ جنت کو دیکھ آ جلدی

پاؤں چلنے میں گر کریں سستی — سر سے لے اپنے کار پا جلدی
درِ سرورِ پہ جبہ سائی کی — کر رہے ہیں ملائکہ جلدی
مضطرب ہوں بسانِ قبلہ نما — مکہ دکھلائے اب خدا جلدی

☆

ہے فلک آستاں محمد ﷺ کا — ہے ملک پاسباں محمد ﷺ کا
تختِ شاہی سے کام کیا مجروحؔ — میں ہوں اور آستاں محمد ﷺ کا

☆

روضۂ پاک شہ یثرب و بطحا دیکھو — خاص جو طور میں تھا یاں اُسے ہر جا دیکھو

رباعی

کہ عزم لوئے مدینہ جانے کے لیے
موجود ہے خضر راہ بتانے کے لیے
موسیٰؑ کو عطا ہوا ہے دستِ بیضا
اس راہ میں روشنی دکھانے کے لیے

☆

رفعت یہ مدینہ کی ہوئی خاک کی ہے
کم جس سے کہ قدر عرش و افلاک کی ہے
کیوں کر نہ ہو اس زمیں کا یہ عز و شرف
یاں قبرِ مبارک شہ لولاک ﷺ کی ہے

ح۔ ذکرِ باعثِ تخلیقِ کائنات

وہ خواہاں جس کا اک عالم ہے خواہاں — وہ طالب جو کہ مطلوب جہاں ہے
وہ ہے دنیا کی پیدائش کا باعث — وہ آدمؑ کا چراغ دودماں ہے
تھا بہانہ وجود ہر دوجہاں — اصل میں مدعا محمد ﷺ ہے
وہ اصل مدعا جس کے سبب سے — وجود آدمؑ و حوا ہوا ہے

D:NaatRang-15
File: Aasi Kimali
1st Proof

ط۔ ذکرِ مطالبِ عرش

چپ رہو اے مسجانِ فلک　　ہو رہا ہے بیاں محمدﷺ کا
کیا سجدہ ملائک ن اسی کی دیکھ کر عظمت　　ودیعت جبہ آدمؑ میں تھا جو نور احمدﷺ کا
سر پھوڑیں کیوں نہ رشک سے کروبیانِ عرش　　انھی جبیں کو عشق ہے اُس نقش پا کے ساتھ
اُس میں امینِ وحی کو بیگانگی سی ہے　　ہیں خاص نسبتیں جو نبیﷺ کو خدا کے ساتھ
برائے غسل لایا آبِ جنت　　یہ وجہ نازشِ روحؑ الامیں ہے
ترنم ریزی مرغانِ جنت　　ندائے خیرمقدم کا نشاں ہے
ہم بھی تو خواجہ تاش میں بگڑے نہ کس طرح　　تھاما ہے جبریلؑ نے حلقہ رکاب کا

ی۔ ذکرِ علمِ لدنی و اُمی

اُمی ہوا اگرچہ وہ ظاہر پہ اصل میں　　کشاف ہے حقائق اُم الکتاب کا
وہ ہے علمِ لدنی کا مفسر　　وہ اسرارِ خدا کا ترجماں ہے
وہ اُمی ہے مگر قلبِ مصفا　　علومِ لامتناہی کا مکاں ہے
وہ بحر فضل ہے اُس کا کہ جس کے　　ہر ایک قطرہ میں اک دریا بھرا ہے
وہ شہر اعظم علم الٰہی　　کہ در جس کا علیؑ مرتضیٰ ہے

ک۔ ذکرِ مہرِ نبوت

کچھ ماجرا نہ مہرِ نبوت کا پوچھیے　　نقطہ ہے حق کے یہ قلمِ انتخاب کا
کیا مہرِ نبوت نے یہ ثابت　　کہ ہے اب ختم قرآنِ رسالت
ملی تھی اس لیے مہرِ نبوت　　کہ تا آخر ہو فرمانِ رسالت

ل۔ ذکرِ حضورﷺ کا سایا نہ ہونا

رباعی

احمدﷺ کے ہے سب سے بڑھ کے پایا اس کا
ثانی کوئی دہر میں نہ پایا اُس کا

تھا رتبہ جسم پاک از بس کہ بلند
آیا نظر اس لیے نہ سایا اُس کا

☆

اُفتادگی کسی کی نہ تھی آپ کو پسند سایا اس لیے نہ پڑا اُس جنابﷺ کا
ہوا طالع وہ خورشید جہاں تاب کہ جس کے نور میں سایا نہیں ہے
سایا ہو کس طرح قدِ معجز نما کے ساتھ حضرتﷺ کا کچھ لگاؤ نہ تھا ماسوا کے ساتھ

رباعی

ہر چند گناہ کا بار لایا ہوں میں
پر رحم کا خواست گار آیا ہوں میں
ہو شعلہ فشاں جب آفتاب محشر
بے سایا کے سائے میں خدایا ہوں میں

م۔ ذکرِ حضورﷺ کے سر پر ابر کا سایا ہونا

الطافِ حق نے بارشِ رحمت رکھی سدا
سایا ہٹا نہ آپ کے سر سے سحاب کا

ن۔ ذکرِ حبیبِ خدا

حبیب خاص کی ہے آمد آمد خدا اس دم نہایت شادماں ہے
اور بھی گو ہوئے خلیل و کلیم پر حبیب خدا محمدﷺ ہے
ثنا گر ہو کے اترائے نہ سحبان حدا خود ہے ثناخوانِ محمدﷺ

س۔ انبیا سے تقابل

یوں جنگلوں میں خاک اُڑانے سے فائدہ کیوں ہو لیے نہ خضرؑ مرے رہنما کے ساتھ
بچھا تھا رہ میں معجزۂ عیسوی کا فرش جب آپ آئے اُس لب معجزنما کے ساتھ

☆

اور بھی گو ہوئے خلیلؑ و کلیمؑ پر حبیب خدا محمدﷺ ہے

D:NaatRang-15
File: Aasi Kimali
1st Proof

☆

بنے اُس کے طفیلی آدمؑ و نوحؑ　نہ ہوتے کیوں کہ مہمانِ رسالت

☆

خدا نے سب سے افضل تر کیا اسلاف کو ترے
خلیل اللہ القاب ہمایوں تھا ترے جد کا

ع۔ ذکرِ سلام اور سلامی

میرے دل کے نگیں پہ اے مجروحؔ　نقشِ صل علےٰ محمدﷺ ہے
کسی نے کیا لیا نامِ محمدﷺ　لبِ جبریلؑ پر صل علےٰ ہے
ہوئی کس ذات سے ہے اس کو نسبت　زہے صل علیٰ شانِ رسالتﷺ

ف۔نامِ گرامی محمدﷺ کا ذکر

صل علیٰ کا شور جو ہے آسمان تک　آیا ہے نام لب پہ مرے کس جناب کا
محمدﷺ کہتے ہی آتا ہے آرام　عجب یہ نام بھی نامِ خدا ہے
مجروحؔ کی دعا ہے کہ ہنگام اختصار　یہ جان نکلے نعرۂ یامصطفیٰﷺ کے ساتھ
بیٹھے ہو کیوں خموش لیے جاؤ نامِ پاک　آتا ہے دل کو چین مرے اس صدا کے ساتھ

ص۔ ذکرِ یکتائی

نہیں کیا کچھ خدائی میں خدا کی
مگر ایک آپﷺ کا ثانی نہیں ہے

ق۔ زندۂ جاوید

ہو نہ کس طرح زندۂ جاوید
ذاتِ حق میں فنا محمدﷺ ہے

ر۔ ترکِ دنیاداری

ہوتی نظر زخارفِ دنیائے دوں پہ کیا

ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی۔ کراچی

نعت کے جگنوؤں کے تعاقب میں
ماضی کا سفر

ہمیں اس بات کی خبر ہے کہ:

جو تھا نہیں ہے، جو ہے نہ ہوگا، یہی ہے اک حرف محرمانہ

لیکن گزرتا ہوا زمانہ اس ماضی کے نقوش کو نہ مٹا سکتا ہے اور نہ دھندلا سکتا ہے جو ہمارے وجود کا حصہ ہیں اور جو ہمارے ذہن کی لوح پر مرتسم ہیں۔

ماضی کے نقوش انسانی زندگی کی طرح گونا گوں، رنگ برنگے اور متنوع ہوتے ہیں۔ ماں کی محبت کا کوئی اَن مٹ نقش، باپ کی رفاقت کا کوئی نہ بھولنے والا واقعہ، کسی عزیز دوست سے اچانک لڑائی اور اس کے نتیجے میں جسم کے کسی حصے میں باقی رہ جانے والا زخم کا نشان، جو وقت گزرنے کے ساتھ جتنا ہلکا اور مدہم ہو جاتا ہے اتنا ہی عزیز ہو جاتا ہے۔ بچپن میں سنے ہوئے بول اور شعر۔

اب ذرا اپنے مکانوں کا ایک ہلکا سا خاکہ اور نقشہ آپ کے سامنے پیش کر دوں۔ کانپور میں ہمارے علاقے کا نام بیگم گنج تھا۔ بیگم گنج کا چوراہا دادا میاں کا چوراہا کہلاتا تھا۔ کسی میونسپل الیکشن کے موقع پر کارپوریشن نے اس خالص مسلم آبادی والے علاقے کے اس چوراہے کا نام ''حضرت غلام رسول رسول نما دادا میاں کراسنگ'' رکھ دیا تھا اور پتھر کا بہت بڑا بورڈ نصب کر دیا تھا۔ اس چوراہے کے بالکل سامنے دادا میاں کا حاطہ (احاطہ) تھا۔ بڑا سا پھاٹک جس سے ہاتھی گزر جائے۔ پھاٹک کے اندر داخل ہوتے ہی دائیں ہاتھ پر دادا میاں کی مسجد، مسجد بہت بڑی نہیں تھی مگر اس میں عجب کیفیت تھی۔ ان دنوں مسجدوں کی دروازے راتوں کو بند نہیں کیے

جاتے۔ مسافر، ایک آدھ رات کے لیے مسجدوں میں ٹھہر جاتے۔ ہم لوگ اپنے گھر کی بزرگ خواتین کے حکم سے انھیں کھانا پیش کرتے، اور سونے کے لیے تکیہ اور چادر بھی۔ ایسی مسجد سے ملا ہوا ہمارا مردانہ مکان تھا۔ ایک کمرہ اور ایک حجرہ، ایک برآمدہ اور بڑا سا صحن۔ جمعہ کے دن جمعہ کی نماز مسجد کے علاوہ اس مردانے میں بھی ادا کی جاتی۔ اور رات کو محمد جان (میرے والد) اور کچھ بڑے ہونے کے بعد میں اور میرے بھائی بھی اسی مردانے میں سوتے۔ گرمیوں میں صحن میں اور جاڑوں میں برآمدے اور کمرے میں۔ گرمیوں میں کئی اور لوگ بھی ہمارے مردانے کے صحن میں سوتے۔ سردیوں میں بھی مہمان برآمدے میں اپنا ٹھکانا لیتے۔ مردانے سے کوئی دو تین سو قدم کے فاصلے پر ہمارا زنانہ مکان تھا۔ اس دروازے کو بھی پھاٹک کہنا چاہیے۔ جس وقت گھر میں کوئی خادمہ یا بچہ نہیں ہوتا تو گھر کی عورتیں اسی پھاٹک کی کنڈی بجا کر مردانے سے رابطہ قائم کرتیں۔

زنان خانہ بہت بڑا تھا۔ ایک بہت بڑا کچا صحن جس میں سب ماموں زاد، چچازاد، خالہ زاد، محلے کے بچے کرکٹ کھیلتے۔ پھر ایک بڑا پختہ چبوترہ تھا۔ اس کے بعد برآمدہ اور پھر کمرے... گھر کے اندر چہار دیواری کھینچ کر دو چھوٹے مکان بنا دیے گئے تھے۔ ان میں سے ایک ہمارا تھا۔ زنان خانہ ماشاء اللہ خوب آباد تھا۔ دادی بی، دو پھوپھیاں، ایک پھوپھی زاد بھائی کا کنبہ اور عزیز رشتے دار خواتین جن میں سے کچھ مستقل مقیم تھیں اور کچھ عارضی طور پر آ کر رہتیں۔ ان سب کی دلچسپیاں الگ الگ تھیں، مگر ایک دلچسپی سب کے درمیان مشترک تھی۔ وہ تھی سیرت اور میلاد کی کتابوں کا پڑھنا اور نعت خوانی۔ جہاں اتنی سننے والیاں اور پڑھنے والیاں ہوں وہاں ''مولود'' کی محفلوں، سیرت کے اجتماعات کے لیے کوئی بہانہ بھی درکار نہیں تھا۔ گا گا یا ان کی بیٹیاں آ گئیں تو اچھی پھدا نے کسی نعت کی فرمائش کر دی۔ برآمدے میں ایک بڑا سا تخت بچھا تھا اور چار پانچ چار پائیاں دن میں بھی بچھی رہتیں۔ اچھی پھوا تخت پر بیٹھی رہتیں اپنی جانماز پر، گا گا یا احمدی بیگم نعت خوانی شروع کر دیتیں... سننے والیاں آتی جاتیں اور چارپائیوں پر بیٹھتی جاتیں۔ ان غیر رسمی محافل نعت کے علاوہ ربیع الاول میں تقریباً پورے مہینے زنان خانہ ذکرِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے منور رہتا۔ سال میں دو بار سفیدی کرائی جاتی۔ رمضان المبارک میں اور ربیع الاوّل میں۔ اور ہمیشہ ... چونے کی پتائی ہوتی۔ سفید رنگ... گھر کے کسی سفید پوش نورانی بزرگ کی طرح دکھائی دیتا۔

ہر دن تو نہیں مگر ہر ہفتے دو تین دن ان محفلوں کے بعد بتاشے تقسیم کیے جاتے۔ شاید

بتاشے چھ آنے یا آٹھ آنے سیر تھے اور اتنے ہلکے ہوتے کہ ایک سیر میں پینتیس چالیس بتاشے آجاتے۔ جب باقاعدہ محفل ہوتی تو اچھی پھدا نکتیاں تقسیم کر دیتی تھیں۔ چھوٹی چھوٹی کاغذی تھیلیوں میں۔ میلاد کی ایسی محفلوں میں بڑی خواتین کے ساتھ لڑکیاں بالیاں بھی شرکت کرتیں اور نعتیں پڑھتیں یا میلادِ سعیدی اور میلادِ اکبر سے کوئی ''بیان'' پڑھ کر سناتیں۔ ان دنوں بہت سے مسلمان گھرانوں اور محفلوں میں ''استانی جی'' کی حکومت کا آغاز ہو چکا تھا۔ اچھی پھدا اس کے سخت خلاف تھیں۔ اپنی ''معتبر'' آواز میں رُک رُک کر اور بڑی متانت کے ساتھ وہ کہتیں ''اللہ اکبر! اپنے حبیب اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو بھی پیشہ بنایا جا رہا ہے۔ ارے اللہ اور اس کے رسول کے نام سے ہم اپنی زبانوں کو پاک کیوں نہ کریں۔'' میلاد کی ان روایتی اور مقبول کتابوں کے علاوہ ہمارے زنان خانے تک علامہ راشد الخیری کی تصنیف ''آمنہ کا لعل'' پہنچ چکی تھی۔ مگر لڑکیوں کو اس کی نعتوں کے پڑھنے میں لطف نہ آتا۔ باجی نے اس کی یہ صورت نکالی کی نثری بیان تو ''آمنہ کا لعل'' سے پڑھے جائیں اور نعتیں میلاد کی مروّجہ کتابوں سے۔

ان محفلوں میں پڑھی جانے والی نعتیں اب تک میرے ذہن میں گونج رہی ہیں اور ان شاموں اور راتوں کی خوشبو، روشنی اور فضا جیسے آج بھی حقیقت کی طرح اپنے آپ کو دہرا رہی ہیں۔ ان محفلوں میں جب لڑکیوں کی آواز زیادہ بلند ہوتی اور باہر گلی تک پہنچنے کا اندیشہ ہوتا تو اچھی پھوا کی ''ہوں'' گونجتی اور آوازیں پست ہو جاتیں۔ زیادہ تر حمدیں اور نعتیں میلادِ اکبر سے پڑھی جاتیں۔ ان نعتوں کی دھنیں کس نے اور کب بنائیں؟ مجھے معلوم نہیں، لیکن ہر گھر اور ہر محفل میں یہی آشنا دھنیں سنائی دیتیں۔ یہی نہیں بلکہ ربیع الاوّل میں شہر شہر انھیں دھنوں سے ایک میلادی اور ثنائی ماحول پیش کرتے۔ شاید یہ خواجہ محمد اکبر وارثی کا کمال ہو کہ انھوں نے ایسی بحریں منتخب کیں جو ہمارے اجتماعی شعور اور لاشعور میں گونج رہی تھیں۔ میں اس نکتے کو کئی مضامین میں پیش کر چکا ہوں کہ بعض آوازیں، بعض دھنیں اور بول ہمارے اجتماعی لاشعور کا حصہ ہیں۔ یہ آوازیں اور یہ موسیقی عرصے تک گونجتی رہتی ہیں اور جب اجتماعی زندگی میں تبدیلی آتی ہے تو ان کی جگہ دوسری آوازیں لے لیتی ہیں۔ (ملاحظہ ہو ''نعت اور گنجینۂ معنی کا طلسم''۔ ''نعت رنگ'' نمبر۴)

D:NaatRang-15
File: 1-Kashafi
Final

خواجہ محمد اکبر وارثی اچھے شاعر تھے اور میلادِ اکبر کا شعری حصہ دوسرے میلادوں کے شعری حصے سے بدرجہا بہتر ہے۔ اب بھی اچھی نعتوں کے مصرعے دو یا زیادہ ہم آہنگ ٹکڑوں پر

مشتمل ہوتے ہیں۔ یوں نغمگی میں اضافہ ہوتا ہے اور طرز بھی ایسی بن جاتی ہی کہ کئی آوازوں کا، مل کر پڑھنا اچھا معلوم ہوتا ہے۔ میلادِ اکبر کی ایک خصوصیت مجھے لڑکپن میں بھی بہت پسند تھی، اگر چہ اس کا تجزیہ بڑے ہو کر، کر سکا۔ میلادِ اکبر میں نثری بیان، آنے والی حمدیہ یا نعتیہ نظم سے مل جاتا تھا۔ مثلاً ''اتنی تو اعلیٰ شان اور اس پر یہ قرب اور احسان کہ ہم تو تمھاری رگِ گلو سے بھی نزدیک تر ہیں۔ اب کیا تلاش کریں اور کہاں ڈھونڈنے جائیں''۔ اس کے فوراً بعد یہ حمد آجاتی تھی۔

تجھے ڈھونڈتا تھا میں چار سو، تری شان جل جلالہ
تو ملا قریب رگ مگر، تری شان جل جلالہ
تری یاد میں ہے کلی کلی، ہے چمن چمن ہوا لعلی
تو بسا ہے پھول میں ہو بہ ہو، تری شان جل جلالہ

نثر میں بھی شعر کا سا درو دبست ہے... اور پھر اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ جل جلالہ کا لاحقہ۔ آج لوگ اس صمد وغنی کے نام کے ساتھ کوئی تکریمی لقب، خطاب اور اظہار استعمال نہیں کرتے۔ ذاتِ باری ہمارے احترامی اظہار سے بے نیاز ہے مگر ہمیں تو بندگی کے آداب آنے چاہییں... سورۃ الفاتحہ ہمیں یہی درس دیتی ہے۔ میلاد کی محفلوں میں اس کا کتنا لحاظ کیا جاتا تھا۔ اور اس کا تعلق میلاد ناموں سے تھا۔ ہماری خواتین زیادہ پڑھی لکھی نہ تھیں، مگر وہ محبت کے قرینوں سے آگاہ تھیں اور:

ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

عربی کے تعظیمی ٹکڑوں اور کلمات کے مفہوم سے خوب واقف تھیں۔ جل جلالہ، ہوالعلی، سبحان ربی الاعلیٰ، عم نوالہ، ہو الاوّل ہو الآخر، ہو الظاہر ہوالباطن... یہ کلمات میلاد کی محفلوں میں بار بار آتے تھے۔ انھیں صحیح طور پر ادا کیا جاتا اور سمجھا جاتا تھا۔

ان محفلوں میں درود کثرت سے پڑھا جاتا۔ حضور کی زندگی اور سیرت کے کسی پہلو اور واقعے کو بیان کرتے ہوئے بیان کرنے والی خاتون ذرا رکتی۔ ان کے اس وقفہ کو لڑکیاں بالیاں اور نعت پڑھنے والیاں خوب سمجھتی تھیں اور فضا میں یہ آواز بلند ہوتی۔

پڑھو درود پڑھو، عاشقو! درود پڑھو
درود سے کبھی غافل نہ ہو، درود پڑھو

درود ابراہیمی اور مسنون و ماثور درودوں کے بعد بھی اور درود اور نغمات پڑھے جاتے:

ہر درد کی دوا ہے صلِ علیٰ محمد

اور پھر درود کا رشتہ محفل سے جوڑ دیا جاتا۔ درود و سلام اور ذکرِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ موجیں ایک دوسرے کے جلو میں بڑھتی جاتیں اور ہونٹوں کے ساحل سے نکل کر دل کی گہرائیوں سے اُتری جاتیں۔

محمد مصطفیٰ صلِ علیٰ کی آج محفل ہے
حبیب کبریا، صلِ علیٰ کی آج محفل ہے
پڑھو صلِ علیٰ، صلِ علیٰ، صلِ علیٰ ہر دم
کہ محبوب خدا صلِ علیٰ کی آج محفل ہے

محفل کا اختتام ہمیشہ سلام اور دعا و مناجات پر ہوتا۔ ایک خاتون آنسوؤں سے بھیگی آواز میں اللہ کی بارگاہ میں یہ استغاثہ پیش کرتیں۔

آہ جاتی ہے فلک پر رحم لانے کے لیے
بادلو! ہٹ جاؤ دے دو راہ جانے کے لیے

اس وقت یہ علم نہ تھا کہ یہ مناجات آغا حشر کاشمیری کی لکھی ہوئی ہے۔ مدتوں بعد یہ خبر ہوئی۔ اس مناجات میں جو ڈرامائی کیفیت ہے وہ خود اپنے شاعر کی نشان دہی کر رہی ہے۔

کئی سلام ان محفلوں میں پڑھے جاتے۔ ایک تو وہ مقبول سلام جو عربی بھی اور اردو بھی

یا نبی سلام علیک یا رسول سلام علیک

حفیظ جالندھری کا سلام مردانہ جلسوں اور میلادوں میں تو اکثر پڑھا جاتا:

سلام اے آمنہ کے لعل اے محبوبِ سبحانی

مگر خواتین کی محفلوں میں مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ کا سلام سب سے زیادہ مقبول تھا۔ ہمارا گھرانا نہ دیو بندی تھا نہ بریلوی، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے عقائد دیو بندیوں سے قریب تر تھے۔ مگر تصوف کی چادر سروں پر تنی ہوئی تھی اور ہمارے ہاں بحث و تکرار کی گنجائش نہ تھی۔ کسی سے اس کے عقیدے کی بنا پر کوئی پرسش نہ تھی۔ خواتین میں خاص طور پر نزاعی مسائل سے آگاہی اور دلچسپی نہ تھی۔ اللہ کی وحدت، کبریائی اور لاشریک ہونے پر زور، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، ان کی شفاعت پر یقین، ان کی سنت کو اپنانے کا جذبہ، صحابہ کرام کے واقعات کو

سننا سنانا، اُمہات المومنین اور بناتِ طاہرات سے وابستگی، محرم میں ذکرِ حسینؓ، اور حضرتِ حسینؓ کے ایصالِ ثواب کے لیے عزیزوں اور غریبوں میں قبولی اور شربت کی تقسیم۔ ذکر ہو رہا تھا مولانا احمد رضا خاں کے سلام کا۔ ہمارے گھرانے کی زنانہ محافلِ میلاد میں یہ سلام ہی پڑھا جاتا۔ والدہ مرحوم کو مسدسِ حالی کے نعتیہ بند اور یہ سلام بے حد عزیز تھا۔ سردیوں میں جب ان پر تنفس کے دورے پڑتے تو وہ اکثر حالی کی مسدس کے بند پڑھتیں۔

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والے

ان کی آواز سن کر محسوس ہوتا کہ بارش کی نرم نرم پھوار درختوں کے پتوں کو بھگو رہی ہے۔ یا ان کے ہونٹوں سے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت، ہدایت اور شفاعت کا نغمہ پھوٹ نکلا ہے۔ تنفس کی وجہ سے آواز کا زیرو بم، چشمے کا سرور بن جاتا۔

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام　　　شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام
شہرِ یار حرم! تاج دارِ حرم　　　نوبہارِ شفاعت پہ لاکھوں سلام

اور پھر ان اشعار کی درماں صفتی نظروں کے سامنے آجاتی۔ باجی کی سانس آہستہ آہستہ معمول پر آجاتی۔ دورہ ختم ہوجاتا۔ غبار آلودہ فضا نکھر جاتی اور ذکرِ رسولِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی ایک امتی کنیز اپنی تکلیف کے حلقے کو توڑ کر حصار عافیت میں آجاتی۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب کا سلام بہت طویل ہے اور باجی مرحومہ کو اس کے بیشتر حصے پسند تھے۔ وہ ہر محفل کے لیے اس کے مختلف اشعار کا انتخاب کرتیں۔ بچیوں سے سنتیں، ان کا تلفظ درست کراتیں۔ باجی کے الفاظ تو یاد نہیں مگر اس سلام کے بارے میں وہ جو کچھ کہتیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ سلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اور سیرتِ مبارکہ کے بہت سے پہلوؤں کا احاطہ کر لیتا ہے، اس میں صحابہ کرام اور اُمہات المومنین کا ذکر ایسے مصورانہ کمال کے ساتھ کیا گیا ہے کہ ہمیں سرکار کی محفل میں پہنچا دیتا ہے۔ اس محفل کو ذہنی طور پر دیکھے سمجھے بغیر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت کو کون سمجھ سکتا ہے؟ آج سلام کے اشعار پڑھتا ہوں تو باجی کے اس تنقیدی شعور پر حیرت ہوتی ہے جس کا منبع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تھی۔ احمد رضا خاں صاحب علیہ الرحمۃ کا سلام نعت کا گل دستہ نہیں بلکہ باغ ہے اور امت کے اتحاد کی ایک دستاویز ہے (اس بات پر قلق ہوتا ہے کہ ہم اپنے اکابر کا نام لے کر اور ان کا حوالہ دے کر کیسے پارہ پارہ ہوگئے ہیں)۔ تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ یہ ایک باغ ہے۔ یہ کنج سراپا ہے، یہ روش ذکر

فصاحت و بلاغت رسولِ عربی ہے، یہ تختہ اصحاب کرام ہے۔ یہ ''محلات'' اُمہات المومنین ہیں اور اسی باغ میں یہ قصر اہلِ بیت ہے۔ اردو میں بڑے خوب صورت سلام موجود ہیں لیکن کسی سلام میں مولانا احمد رضا خاںؒ کے سلام کی جامعیت نہیں... اس سلام میں دل اور دماغ دونوں ختم الرسل، امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانے پر سرِ نیاز خم کیے حاضر ہیں۔

علوئے مرتبہ حضرت ابوالقاسم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان اشعار کے آئینے میں دیکھیے:

نقطۂ سرِ وحدت پہ یکتا درود   مرکزِ دورِ کثرت پہ لاکھوں سلام
صاحبِ رجعتِ شمس و شق القمر   نائبِ دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام
سرِ غیب ہدایت پہ غیبی درود   عطرِ حبیبِ بہایت پر لاکھوں سلام

ان اشعار میں درود کی صفات پر غور فرمایے سرِ وحدت کی نسبت سے یکتا درود، سرِ غیب کی نسبت اور رعایت سے غیبی درود... ان اشعار میں صفت، استعارہ بن گئی ہے اور استعارہ شاعری کی معراج ہے۔

اس سلام پر ایک مستقل مضمون لکھنے کی تمنا ہے۔ اس وقت اور زیادہ تفصیل میں جانے سے میں اپنے موضوع سے ہٹ جاؤں گا۔ بس ایک شعر سنانے کی اجازت چاہتا ہوں۔ یہ شعر بچپن سے میرے ساتھ ہے۔ باجی خود یہ شعر پڑھتیں یا محفل میں کوئی اور پڑھتا تو آنسو ان کی آنکھوں سے رواں ہو جاتے اور میں آج بھی گریہ کے بغیر یہ شعر نہیں پڑھ سکتا... یہ شعر حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی سیرت اور زندگی کا آئینہ خانہ ہے۔ جدھر دیکھیے چراغاں ہے۔ یہ شعر حدیثِ دل بھی اور سورۃ النور کی تفسیر اور خلاصہ بھی ہے:

بنتِ صدیقؓ، آرامِ جانِ نبیؐ
اُس حریمِ براَتؓ پہ لاکھوں سلام

حریمِ براَت کی ترکیب پر ہماری زبان اور شاعری، دونوں کا ناز بجا ہے۔ درست کہ اس ترکیب کے دونوں جزو عربی زبان کے ہیں مگر میں اس بات پر اصرار کروں گا کہ یہ ترکیب اردو زبان کی ہے۔

D:NaatRang-15
File: 1-Kashafi
Final

پروفیسر محمد اقبال جاوید۔ گوجرانوالہ

ظہورِ قدسی: پس منظر

(اردو نعت کے آئینے میں)

رسول پاک ﷺ کی تشریف آوری اس کائنات کا ایک ایسا عظیم ترین واقعہ ہے جو اپنے دور ہی کے لیے نہیں بلکہ ہر دور کے لیے انقلاب آفرین ثابت ہوا کہ آپ ﷺ ہی وجہِ وجودِ کائنات تھے۔ آپ ﷺ ہی ازل انوار بھی تھے اور ابد آثار بھی اور آپ ﷺ ہی کے لیے رنگ و نور کے قافلے صدیوں سے مصروفِ سفر بھی تھے اور شہیدِ جستجو بھی۔ یہ حقیقت ہے کہ جہاں جہاں روشنی ہے وہ حضور ﷺ ہی کے دم قدم سے ہے اور جہاں جہاں تاریکی ہے وہ اجالے کے لیے اسی نور کی طرف لپک رہی ہے کہ آپ ﷺ ہی کی محفل تجلی کی روشن سحر ہے۔ آپ ﷺ کا وجودِ پاک الوہی انوار کا پرتو، آپ ﷺ ہی کے فرمودات، سعادت و ہدایت کی مشعل، آپ ﷺ ہی کی کتاب انسانیت کے لیے آخری ضابطۂ حیات اور آپ ﷺ ہی کی اطاعت اُخروی سرخ رُوئی کی واحد ضمانت ہے۔ آپ ﷺ ہی کی سیرت نے ہمیں نورِ بصیرت بخشا، آپ ﷺ ہی کے نقشِ پاک کی چاندنی سے دنیا کا غم کدہ تابندہ ہوا، آپ ﷺ ہی سے قلبِ مضطر کو سوز کی دولت ملی، آپ ﷺ ہی کے طفیل انسان کو خود آگہی اور خداشناسی کی نعمت عطا ہوئی۔ حق یہ ہے کہ آپ ﷺ ہی ہمارے درد کا درماں اور ہماری زیست کا عنواں ہیں:

جو آپ ﷺ آگئے ہیں تو نور آگیا ہے
وگرنہ چراغوں سے لَو جا رہی تھی

حق یہ ہے کہ اگر آپ ﷺ تشریف نہ لاتے تو فکر و نظر کی دنیا ویران، علم و عمل کے سلسلے افسردہ، اخلاق و کردار کے گلزار پژمردہ اور بصارت و بصیرت ہوتی سے تاریک کی کائنات اور حالات کی

D:NaatRang-15
File: Iqbal Javed-1
Final

وہ دبیز تاریکی اور گہری اور گہری ہوتی جاتی جو ظہورِ قدسی سے قبل کائنات پر مسلط تھی۔ ظہور قدسی سے قبل کا غبار اور بعد کا نکھار خود بولتا ہے کہ آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی قدر ہمارے لیے ایک عظیم احسانِ ربی ہے اور اُن ﷺ سے زیادہ اجمل، احسان اور اکمل انسان پر آج تک سورج طلوع نہیں ہوا اور نہ ہوگا۔ اردو نعت کے آئینے میں یہ حقیقت یوں جھلکتی ہے:

ترے آستاں سے پہلے کوئی آستاں نہیں تھا — وہ زمیں تھا میں، کہ جس کا کوئی آسماں نہیں تھا
سفرِ سما سے پہلے، ترے نقش پا سے پہلے — یہ تبسمِ کواکب سرِ کہکشاں نہیں تھا
نہ خرد کی روشنی تھی، نہ جنوں کی آگہی تھی — تری رہبری سے پہلے، یہ جہاں، جہاں نہیں تھا
کئی آنسوؤں کے قلزم ترے در پہ بہہ چکے ہیں — غم دل کا تجھ سے پہلے کوئی رازداں نہیں تھا
وہ شہِ ورائے دیدہ، میں نوائے نارسیدہ — تری رحمتوں سے پہلے کوئی درمیاں نہیں تھا
تو جوازِ دوجہاں ہے، تو ہی رازِ کن فکاں ہے — تو کہاں کہاں نہیں ہے، تو کہاں کہاں نہیں تھا

(سلیم گیلانی)

اک وہم وگماں ہوتے، اگر آپ ﷺ نہ ہوتے — ہم لوگ کہاں ہوتے، اگر آپ ﷺ نہ ہوتے
کعبے کو صنم خانہ بنائے ہوئے اب تک — ہم سجدہ کناں ہوتے اگر آپ ﷺ نہ ہوتے
یہ کوثر و تسنیم، یہ جنت کے نظارے — مانندِ خزاں ہوتے اگر آپ ﷺ نہ ہوتے
ہر جلوۂ کثرت میں یہ وحدت کے قرینے — کس طرح بیاں ہوتے اگر آپ ﷺ نہ ہوتے
ہم آج ہیں کعبہ کی اذاں دہر میں اے شاذ — صحرا کی اذاں ہوتے، اگر آپ ﷺ نہ ہوتے

(شاذ تمکنت)

رنگِ ہستی آپ ﷺ کے فیضان سے نکھرا حضور ﷺ
آپ ﷺ کی آمد سے پہلے کب تھا یہ نقشہ حضور ﷺ
آپ ﷺ کا دینِ حیات آموز جب پھیلا حضور ﷺ
مٹ گئی یکسر تمیز بندہ و آقا حضور ﷺ
دیدۂ خورشید نے دیکھا نہ دیکھے گا حضور ﷺ
آپ ﷺ سا خلوت گزین و انجمن آرا حضور ﷺ

(حفیظ تائب)

فروغِ آدمِ خاکی تری دعوت کی تابانی
چراغِ بزمِ انسانی ترا درسِ رواداری

ہدایت سے تری بالیدگی ہے آرزوؤں میں
تری آمد سے پہلے ذہن تھا وحشت کا زناری
(محمد صادق)

آنکھوں میں نور، دل میں بصیرت ہے آپ ﷺ سے
میں خود تو کچھ نہیں مری قیمت ہے آپ ﷺ سے
ہے آپ ﷺ ہی کے دم سے یہ ایمان کی زمیں
اور دین کی یہ چھت بھی سلامت ہے آپ ﷺ سے
یہ آپ ﷺ ہی کا فیض دلوں کا گداز ہے
ان برف کی سلوں میں حرارت ہے آپ ﷺ سے
اس خاک کو کیا ہے ستاروں سے بھی بلند
انسانیت کی شوکت و عظمت ہے آپ ﷺ سے
(شہزاد احمد)

تھا ان سے قبل فروغِ بہار نامفہوم
ریاضِ دہر تھا اک دفترِ خزاں کی طرح
(حفیظ احسن)

جب تو نہ تھا، ذلیل تھا دنیا میں آدمی
بخشی ہے موت کو تری حکمت نے زندگی
(احسان دانش)

دنیا میں تھے ہم خوار اگر آپ ﷺ نہ آتے
یہ زیست تھی بے کار اگر آپ ﷺ نہ آتے
گلشن کی یہ رونق ہے فقط آپ ﷺ کے باعث
ویران تھے گلزار، اگر آپ ﷺ نہ آتے
ہرگز کبھی دنیا میں شفایاب نہ ہوتے
اخلاق کے بیمار، اگر آپ ﷺ نہ آتے
اب بھی نظر آتا ہمیں حیواں کے برابر
انسان کا معیار، اگر آپ ﷺ نہ آتے
یہ چاند، یہ سورج، یہ ستارے بھی نہ ہوتے
اس طرح ضیا بار، اگر آپ ﷺ نہ آتے
یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم آج بھی ہوتے
باطل کے پرستار، اگر آپ ﷺ نہ آتے
(خالد بزمی)

کہا جاتا ہے کہ چوں کہ حضورﷺ کی تشریف آوری اور بعثت سے قبل، جزیرۃ العرب کی اخلاقی، فکری، سماجی اور مذہبی صورتِ حال انتہائی دگرگوں تھی، بنابریں نبیٔ آخرالزماںﷺ وہاں تشریف لائے۔ تاریخی کتب میں بھی عموماً ظہورِ قدسی کے پس منظر کے طور پر عموماً عرب ہی کی پریشاں حالیوں کو پیش کیا جاتا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ حضورﷺ کی بعثت کی ضرورت غالباً اور اولاً عرب ہی کو تھی مگر حقیقت یہ ہے کہ صرف عرب ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کم و بیش ہر اعتبار سے گھٹاٹوپ تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی، روشنی کی کسی کرن کے لیے ترس رہی تھی۔ چوں کہ ربّ العالمین کو ایک وجودِ ذی جودﷺ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجنا مقصود تھا۔ اس لیے لازم تھا کہ اس ذریعۂ رشدو ہدایت کی طلب کسی ایک خطے کو نہ ہو بلکہ پوری کائنات اُس کی منتظر ہو اور زبانِ حال سے اُسے پکار رہی ہو۔ اُس دور کی تاریخ پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے پتا چلتا ہے کہ یہود و ہنود، نصاریٰ اور پارسی بالخصوص اور اہلِ عرب بالعموم، جہل و گمرہی کے اُس مقام تک پہنچ چکے تھے جسے قرآن کی بلیغ زبان لپکتے ہوئے الاؤ کے گڑھے کے کنارے سے تعبیر کرتی ہے۔ الغرض:

دیار و دشت میں سایوں کی حکمرانی تھی کوئی کرن تھی نہ گردوں پہ کوئی تارا تھا
حقیقتیں بھی جہالت کی اوٹ میں گم تھیں بتوں کے نام پہ مذہب اک استعارا تھا
(راسخ عرفانی)

جدھر دیکھو اُدھر بے چارگی تھی آپﷺ سے پہلے
بہت مجبور ہرسُو زندگی تھی آپﷺ سے پہلے
بظاہر پھول کھلتے تھے مگر خوش بو سے عاری تھے
گلستاں میں کہاں یہ تازگی تھی آپﷺ سے پہلے
جدھر دیکھو ادھر جہل و جنوں کی حکمرانی تھی
بہت خوار و زبوں فرزانگی تھی آپﷺ سے پہلے
(خالد بزمی)

زمانے میں پہلے تھے وحشت کے سائے ہر اک سمت بادل مصائب کے چھائے
کنارے ہلاکت کے دنیا کھڑی تھی گناہوں کا انبار سر پر اُٹھائے
(محمد صادق)

عرب کی سرزمیں پر خیمہ زن گہرا اندھیرا تھا
جہاں تک کام کرتی تھی نظر ظلمت کا ڈیرا تھا
عرب سے مختلف تھا گرچہ کچھ ایران کا عالم
یہاں بھی تھا مگر ناگفتنی ایمان کا عالم
وہی یونان کہلاتا تھا جو تہذیب کی دنیا
وہی روئے زمیں پر آج تھا تخریب کی دنیا
یہ تحقیق و تجسّس کا جہاں تھا آج ویرانہ
فلاطوں کی خرد، سقراط کی دانش تھی افسانہ
بہت چمکا زمیں پر چین کی تہذیب کا تارا
مگر اب بجھ کے ٹھنڈا ہوچکا تھا یہ جہاں آرا
غرض دنیا میں چاروں سمت اندھیرا ہی اندھیرا تھا
نشانِ نور گم تھا اور ظلمت کا بسیرا تھا
(جگن ناتھ آزاد)

اک جہالت کی گھٹا تھی چارسُو چھائی ہوئی ہر طرف خلقِ خدا پھرتی تھی گھبرائی ہوئی
شاخ، دیں داری تھی بے طرح مرجھائی ہوئی لہلہا اُٹھی، تری جب جلوہ آرائی ہوئی
تیرے دم سے ہوگئیں تاریکیاں سب منتشر پا گئی راحت ترے آنے سے چشمِ منتظر
(بشن سنگھ بیکل)

آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے تھا ہر منظر، ہر نقش دوعالم
اُجڑا اُجڑا، پھیکا پھیکا، ہلکا ہلکا، مدہم مدہم
حسن کا چہرہ اُترا اُترا، عشق کی رنگت بدلی بدلی
دہر کا نقشہ بگڑا بگڑا، زیست کا مقصد مبہم مبہم
آنکھ کی پتلی سہمی سہمی، دل کی دھڑکن ٹھہری ٹھہری
شوق کا دریا سمٹا سمٹا، جوشِ جنوں کے طوفاں کم کم
چاندکی کرنیں میلی میلی، صبح کے جلوے دُھندلے دُھندلے
کوچۂ ہستی سونا سونا، محفلِ فطرت برہم برہم

دنیا کی دنیا آزردہ، ہر شے افسردہ، پژمردہ
تارا تارا، ذرّہ ذرّہ، موتی موتی، شبنم شبنم
(عاصی کرنالی)

یہ جہانِ آب و گل مدت سے تاریکی میں تھا
تھی مسلط ہر طرف ظلم و جہالت کی گھٹا
کاروانِ زندگی بہکا ہوا، بھٹکا ہوا
سارا عالم ایک سکتہ، ساری دنیا اک خلا
اہلِ دانش بھی فریبِ جہل میں آئے ہوئے
بے یقینی کے اندھیرے ذہن پر چھائے ہوئے
خود تراشیدہ بتوں کے سامنے جھکتے تھے سر
آدمی دنیا میں رہ کر اپنے رب سے بے خبر
لوگ اپنی خواہشوں پر صرف رکھتے تھے نظر
مٹ گیا تھا رفتہ رفتہ امتیازِ خیر و شر
راہبر بھی راستوں کے پیچ و خم میں کھو گئے
دیکھتے ہی دیکھتے انسان حیواں ہوگئے
(ماہرالقادری)

رُبعِ مسکوں میں سراسر شیطنت کا تھا چلن
کفر و شرک ایمان کے مفہوم پر تھے خندہ زن
چاند، سورج اور سیاروں کو سمجھے تھے خدا
نورِ حق سے گمرہوں کی آنکھ تھی ناآشنا
تیرگی کا اک مرقع تھی یہ بزم رنگ و بو
نورِ ایمان و صداقت کی نہ تھی کچھ آبرو
اک تباہی کا مرقع تھا جہانِ بے سکوں
روحِ اخلاق و شرافت شرم سے تھی سرنگوں
(یزدانی جالندھری)

یہ تھا دنیا کا عالم، عالمِ اسلام سے پہلے
خدا کے نام سے واقف نہ تھے اس نام سے پہلے
سمجھ سکتا نہ تھا انسان رازِ زندگانی کو
کوئی ساحل نہ ملتا تھا جہانِ زندگانی کو
بہ اطمینان مصری تھے نہ شامی تھے نہ یونانی
جدھر دیکھو ستم کیشی، جہاں دیکھو ستم رانی
کہاں تھی عارض یورپ پہ یہ سرخی بہاروں کی
خزاں تھی مہتمم ہندوستاں کے لالہ زاروں کی
چراغِ روح بادِ گمرہی سے بجھنے والا تھا
بساطِ آب و گل پہ دھیما دھیما سا اُجالا تھا

وہ دن نزدیک تھا شمس و قمر بے نور ہوجاتے
صدف کے دل میں تابندہ گہر بے نور ہوجاتے
(احسان دانش)

ظہورِ اسلام سے قبل، مصر تہذیب و تمدن اور صنعت و حرفت میں ممتاز و منفرد تھا۔ اور اس کا یہ معاشرتی اور ثقافتی ارتقا مذہب کے زیرِاثر تھا مگر ظہورقدسی کے وقت، یہ تہذیب آخری سانس لے رہی تھی اور ساتھ ہی ہندوستان، بابل، نینوا، چین اور یونان کا تمدن اپنی ظاہری چمک کے باوجود عملاً بے اثر ہو چکا تھا۔ بعد میں جب اس تہذیب و ثقافت اور علم و ہنر پر اسلامی اقدار و علوم کا پرتو پڑا تو نہ صرف اس کا اپنا رُخ بدلا بلکہ اس نے اپنے انداز سے دنیا کے دیگر خطوں کو بھی متاثر کیا۔ مصر میں حضرت موسیٰؑ فرعون کے ہاں پرورش پاتے رہے اور انھی کے ہاتھوں بفضلہٖ تعالیٰ فرعونیت غرقِ دریا ہوئی، وہ بنی اسرائیل کو لے کر فلسطین میں چلے گئے، وہیں اُن کے بعد حضرت عیسیٰؑ کا ظہور ہوا، زرتشتی، مسیحیوں کے ساتھ ایک طویل عرصہ تک محوِ پیکار رہے مگر ایرانیوں اور عیسائیوں نے اس جدل و پیکار میں اپنے مذہب کو ایک دوسرے پر مسلط نہ کیا بلکہ وہ ایک دوسرے کے مذہبی آثار اور اقدار کا احترام کرتے رہے اور انھوں نے اپنے اپنے مذہب کو، اپنے اپنے ملک تک محدود رکھا۔ چھٹی صدی عیسوی کے بعد مسیحیت عقائد کے اعتبار سے مسخ ہوگئی۔ اساسی اصولوں کی جگہ فروعی مسائل نے لے لی، فرقہ بندی نے اجتماعیت کو پارہ پارہ کر دیا۔ ہر فرقہ خود کو حق پر اور دوسرے کو غلط سمجھنے لگا۔ یوں لفظی ہنگامے اور مناظراتی تنازعے گلی کوچوں تک پھیل گئے۔ فکر و نظر کا اختلاف، دست و بازو کے تصادم تک آ پہنچا اور حق یہ ہے کہ یہی مٹنے والی قوموں کا عالمِ پیری ہوا کرتا ہے۔ دوسری طرف شاہِ روم کی طرف سے رعایا کے مذہبی جنون پر کوئی سی پابندی نہ تھی بلکہ وہ اپنی جگہ مصروف و مطمئن اور رعایا اپنی جگہ بے کار بحثوں میں مگن، البتہ مسیحیت مصر اور حبش تک پھیل گئی تھی اور بحیرۂ قلزم سے دریائے روم تک تثلیث چھا چکی تھی۔ ایران کے مجوسی خود مذہبی اعتبار سے لفظی تو تکار میں اُلجھے ہوئے تھے اور وہاں کی کوئی حکومت بھی ان مذہبی بکھیڑوں سے بے نیاز، خود کو مستحکم کرنے کی فکر میں رہتی تھی۔ جب کہ انسانی سکون پر اضطراب کے سائے گہرے ہوتے جا رہے تھے۔ عوام شاہی جبر و استبداد کا نشانہ تھے۔ بادشاہ خود کو فوق البشر اور دوسرے انسانوں کو جانور سمجھتے تھے، مظلوموں کی روحیں چیختی تھیں مگر ان کے لب سلے ہوئے تھے ذہنی خلفشار، روحانی کرب اور قلبی اضطراب کسی آنے والے انقلاب کا پیش خیمہ تھا

کہ نہ حریتِ ذات باقی رہی تھی نہ آزادیٔ ضمیر، نعت نگار شعرا کے الفاظ میں:

تیری آمد سے قبل، جانِ جہاں! روحِ عالم تھی مضطر و بے تاب
ہر طرف تیرگی کا عالم تھا ہر طرف گمرہی کا تھا سیلاب
حق کو پہچانتا نہ تھا کوئی رحمت ایزدی کے بند تھے باب
سب تھے بے بہرۂ حلال و حرام سب تھے ناواقفِ عذاب و ثواب

(عابد نظامی)

عالم تمام مطلعِ نور و ضیا نہ تھا جب تک ظہور ماہِ رسالت ہوا نہ تھا
اپنے خدا سے کوئی بشر آشنا نہ تھا منزل نہ مل سکی کہ کوئی رہنما نہ تھا
آئے رسول پہلے مسیحؑ و خلیلؑ بھی لیکن ان انبیا میں کوئی مصطفیٰ ﷺ نہ تھا
بے نور و بے سرور تھی دنیا کی انجمن کعبے میں بھی چراغِ ہدایت جلا نہ تھا

(حافظ مظہرالدین)

پہلے بھی آچکے تھے رسولانِ ذی وقار لیکن رُکی نہ خلق و مساوات میں بہار
آئی نہ اعتدال پہ رفتارِ روزگار انساں کو تھا بتوں کے محاسن پہ اعتبار
بدلا وہ تونے ذہن کو، دل کو، مزاج کو حیرت شکستہ آئینے لائی، خراج کو

(احسان دانش)

آماجگاہِ کفر تھے سب دشت اور جبل آفاق میں بتوں کی خدائی کا تھا عمل
پجتے تھے مہر و مہ کہیں مسجود تھے ہبل دامانِ اہرمن میں تھا انسانیت کا پھل
ہر مہرہ پٹ چکا تھا بساطِ حیات کا عقدہ کھلا کسی سے نہ توحیدِ ذات کا

☆

انجیل نے دیے تھے جو صدق و صفا کے درس ہمدردیٔ خلائق و لطف و عطا کے درس
احسان و عدل و تزکیہ و اتقا کے درس حبِ خدا کے درس، حصولِ رضا کے درس
سب رفتہ رفتہ طعمۂ تثلیث ہوگئے ظلمت میں روشنی کے وہ مینار کھو گئے

☆

توریت نے جلائے تھے نیکی کے جو چراغ توحید کی شراب سے چھلکے تھے جو ایاغ
انسان کو ملا تھا حقیقت کا جو سراغ حق کی شمیم سے مہک اُٹھے تھے جو دماغ

دنیائے آب و گل میں کسی کا نشاں نہ تھا　　باقی کوئی بھی نقش تہہِ آسماں نہ تھا
(محشر رسول نگری)

بزمِ طرب نہ کلبۂ احزاں میں روشنی　　گلشن میں روشنی نہ بیاباں میں روشنی
تارے بجھے بجھے تھے قمر تھا اُداس اُداس　　مفقود تھی چراغِ فروزاں میں روشنی
جذبات پہ تھی کہر کی چادر پڑی ہوئی　　آتی کہاں سے دیدۂ حیراں میں روشنی
میخوار و بت پرست کا قصہ تو درکنار　　موجود تھی نہ عابدِ یزداں میں روشنی
انساں بھٹک رہا تھا اندھیرے حصار میں　　قلبِ حزیں، نہ ذہنِ پریشاں میں روشنی
(عارف سیمابی)

مصطفیٰ کے خیرمقدم کو رسول ﷺ آتے رہے　　مکتبِ عصمت کی تعلیمات پھیلاتے رہے
حضرت آدمؑ ادائے لغزشِ معصوم سے　　فیضِ استغفار انسانوں کو سمجھاتے رہے
نوحؑ نے سیلاب سے فرشِ زمیں کو دھو دیا　　اور خلیلؑ اللہ زمیں پر پھول برساتے رہے
لحنِ داوٗدی نے نغمہ ریز کی ساری فضا　　یوسفؑ و یعقوبؑ بزمِ ناز گرماتے رہے
طور پر انوارِ رحمت سے چراغاں ہوگیا　　معجزاتِ ابنِ مریمؑ شوق بھڑکاتے رہے
مرسلین و انبیا جذباتِ عز و شوق سے　　نعتِ محبوبِ خدا ہر دور میں گاتے رہے
(افتخار حیدر)

جزیرہ نمائے عرب (عرب کا لغوی مطلب ہے بے آب و گیاہ صحرائی زمین یا قرآن کے الفاظ میں ارضِ غیر ذی زرع۔ ۱۴/۳۷) کے مغرب میں روم کی سلطنت اور اہلِ روم کے مذہبی ہنگامے تھے۔ جب کہ مشرق میں ایرانی حکومت اور یزدان و اہرمن کی داستانیں تھیں، روم اور ایران کی حدوں سے متصل عرب کسی حد تک اس مذہبی نزاع سے اثر پذیر تھے مگر وسطی عرب کا زیادہ تر حصہ، اس مذہبی بحث و جدل سے کلیتاً بے نیاز اور رومی و ایرانی حکومتوں کے اثر و نفوذ سے محفوظ تھا۔ گویا عرب تمدنی، ثقافتی اور مذہبی اعتبار سے اپنی وضع پر قائم تھے۔

مشرق و مغرب کے درمیان تاجروں کو عرب سے گزرنا پڑتا تھا۔ تاجر قدرتی چشموں کے کناروں پر اور کھجوروں کے سائے تلے رُکتے اور ستاتے تھے۔ اور انھی مقامات پر بعض خوش عقیدہ تاجروں نے اپنے اپنے بت بھی رکھ دیے تھے۔ اور یوں ایک اعتبار سے یہ مقام سفری نوعیت کے عبادت خانے بن گئے تھے۔ وہ وہاں رُکتے اور ان بتوں سے سفری تحفظ اور تجارتی

برکت کے طالب ہوا کرتے تھے۔ اور اس طرح صحرائے عرب میں قافلوں کے راستے بھی متعین ہوگئے تھے اور ٹھکانے بھی۔

ظہورِ اسلام کے وقت مکہ ایک تجارتی شہر تھا۔ اور حرم کعبہ کی وجہ سے یہ شہر تب بھی محفوظ، مامون، معتبر اور مقدس سمجھا جاتا تھا جب کہ دیگر عرب صحرائی اور خانہ بدوش تھے۔ جہاں بارش نے سبزہ اُگا دیا، وہیں ڈیرے ڈال دیے۔ سورج کی حدت نے سبزے کو خشک کیا تو کسی اور سبزہ زار کی تلاش میں چل نکلے، ان کی زندگی کا بہترین ساتھی اونٹ ہی تھا جو سفر میں سواری کا کام دیتا اور حضر میں خوراک کے تقاضے پورے کرتا۔ مکے کی تمدنی اور تجارتی ترقی کا ذکر قرآن پاک (سورۂ قریش) میں بھی ہے کہ موسموں کی حدت و شدت میں سفر کے خوگر قریش کو اللہ تعالیٰ نے شکر پر اُبھارا اور اپنی عبادت کی ترغیب دی کہ اللہ تعالیٰ ہی بھوک میں خوراک مہیا کرتا اور عالمِ خوف کو فضائے امن عطا کرتا ہے۔

صحرائے عرب میں آباد قبیلے بکھری ہوئی چھوٹی آبادیوں کی حیثیت رکھتے تھے۔ جن میں نہ کوئی حکومتی ضابطہ تھا نہ کوئی اخلاقی اصول اور نہ کوئی مذہبی طرزِ عمل۔ ہر قبیلہ اپنے طور پر آزاد اور اپنے حقوق کا خود محافظ تھا۔ اپنے دشمن سے بدلہ لینے کو عرب ضروری جانتے تھے۔ بدلہ نہ لے سکنے کی صورت میں، غیرت و حمیت سے مجبور ہوکر اور طعنہ زنی سے بچنے کے لیے وہ علاقہ ہی چھوڑ جایا کرتے تھے۔ ان قبیلوں کے قریب سے گزرنے والے قافلوں کے تحفظ کی کوئی ضمانت نہ تھی۔ معمولی باتوں پر رنجشیں پھلتی، پھولتی اور پھیلتی چلی جاتی تھیں اور انسانی خون انتہائی بے قدر ہو چکا تھا۔ اس کے باوجود وہ عزتِ ذات اور عزتِ احباب کے انتہائی قائل تھے۔ انتقامی جذبات کے ساتھ عفو و درگزر ایسی خصوصیات سے بھی متصف تھے۔ ''سیرتِ محمد ﷺ'' کے مصنف محمد حسین ہیکل کے الفاظ میں:

> عربوں کی اس مردانگی اور ان کی اپنے شرف و مجد کی حفاظت اور صحرا نشینی کی وجہ سے نہ تو روم نے ان کے ساتھ جنگ کرنے میں اپنا اقتصادی اور سیاسی فائدہ دیکھا اور نہ ایران نے ان کو اپنے زیرِ نگیں کرنے میں کوئی مصلحت سمجھی۔ ان دونوں (ایران و روم) کو اس قسم کے منافع یمن سے حاصل ہوسکتے تھے جسے دونوں حکومتیں اپنے اپنے قابو میں رکھنے کے لیے مصروفِ عمل رہیں۔ اگرچہ بدوی اخلاق ان باشندوں میں بھی سرایت

کر چکے تھے جو ملک بھر میں گنتی کے چند شہروں میں بود و باش کیے ہوئے تھے۔ ان شہروں میں بیرونِ عرب سے جو تاجر آتے وہ سفر کی کلفت دُور کرنے کے لیے ان میں اُتر پڑتے اور ان کے عبادت خانوں میں دیوتاؤں سے بیابان کے خطرات میں اپنی حفاظت کے لیے استمداد بھی کرتے، یہ شہر مکہ، طائف اور یثرب وغیرہ ہیں جو کسی زمانے میں پہاڑوں کے مختصر درّوں یا صحرا کے دامن میں کسی بڑے نخلستان کے سہارے آباد ہوگئے۔ ان شہروں میں رہنے والے اگرچہ ایک ہی جگہ پر مستقل قیام کر چکے تھے۔ مگر بدوی تہذیب و تمدن اور عزتِ نفس و قیامِ حریت وغیرہ جملہ فضائل و عادات میں اپنے بادیہ نشین ہم وطنوں کے ساتھ پوری طرح متشابہ تھے۔ (ص۸٦)

مولانا حالی، مسدس میں انھی حالات و کیفیات کا یوں نقشہ کھینچتے ہیں:

عرب جس کا چرچا ہے یہ کچھ وہ کیا تھا جہاں سے الگ اک جزیرہ نما تھا
زمانے سے پیوند جس کا جدا تھا نہ ''کشورستاں'' تھا نہ کشورکشا تھا
تمدن کا اس پر پڑا تھا نہ سایا
ترقی کا تھا واں قدم تک نہ آیا

نہ آب و ہوا ایسی تھی روح پرور کہ قابل ہی پیدا ہوں خود جس سے جوہر
نہ کچھ ایسے سامان تھے واں میسر کنول جس سے کھل جائیں دل کے سراسر
نہ سبزہ تھا صحرا میں پیدا نہ پانی
فقط آبِ باراں پہ تھی زندگانی

زمیں سنگلاخ اور ہوا آتش فشاں لوؤں کی لپیٹ بادِ صر صر کے طوفاں
پہاڑ اور ٹیلے، سراب اور بیاباں کھجوروں کے جھنڈ اور خارِ مغیلاں
نہ کھیتوں میں غلہ نہ جنگل میں کھیتی
عرب اور کل کائنات اس کی یہ تھی

عربوں کے چاروں طرف بت پرستی زوروں پر تھی۔ توحید کا نظریہ دُھندلا چکا تھا۔ یہ بت پرستی عرب میں، قربِ الٰہی کا ذریعہ بن کر در آئی تھی۔ انسان ویسے بھی ''خوگرِ پیکرِ محسوس''

ہے۔ وہ تو نبیؑ کی موجودگی میں، محض اس کے وقتی طور پر نظروں سے اوجھل ہوجانے پہ گوسالہ سازی اور گوسالہ پرستی شروع کر دیتا ہے۔ عرب میں بتوں کی تین شکلیں تھیں، انسان کی شکل پر بنے ہوئے لکڑی یا دھات کے بت ''صنم'' کہلاتے تھے، پتھر سے تراشے ہوئے اسی نوعیت کے بتوں کو ''وثن'' اور محض پتھروں کو ''نصب'' کہتے تھے۔ بعض پتھروں میں اگر کوئی چمک دمک ملتی، کوئی طبعی ندرت ہوتی تو اُسے بھی خدا رسیدہ اور خدا فرستادہ سمجھ لیا جاتا تھا۔ چناں چہ ''ہبل'' نامی بت انسانی شکل کا تھا۔ اور عقیق سے تراشا ہوا تھا۔ اور یہ خانۂ کعبہ کی چھت پر رکھا گیا تھا۔ اس کی پوجا ہوتی تھی اور لڑائیوں میں اس کے نام کے نعرے لگائے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ خانۂ کعبہ میں اور بھی بہت سے بت تھے۔ جیسا کہ قبل ازیں لکھا جاچکا ہے کہ مکہ اس دور میں بھی مرجعِ خلائق تھا اور اس ارادت اور رجوع کی وجہ خانۂ کعبہ تھا۔ اہلِ عرب ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب میں باہمی پیکار و آویزش ختم کرکے اس گھر کی زیارت کے لیے دُور دُور سے آیا کرتے تھے۔ اور یہ سفر، ذریعۂ تجارت بھی بنا کرتا تھا اور باعثِ عبادت بھی۔

ودلاتِ نبوی ﷺ سے چند ہفتے قبل (۵۷۰ء۔۵۷۱ء میں) ابرہہ حاکمِ یمن خانۂ کعبہ کو مٹانے کے درپے ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی معجزانہ انداز میں یوں حفاظت فرمائی کہ دیکھنے والے اس رنگِ اعجاز کو دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ اصحابِ فیل کی تباہی و بربادی نے کعبۃ اللہ کے ساتھ ساتھ مکے کی مذہبی عظمت میں بھی اضافہ کیا، اہلِ مکہ شراب نوش بھی تھے اور عیاش بھی۔ اُن کے ہاں نکاح کی صرف ایک اور زنا کی کئی شکلیں مروّج تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کے تمام نکاح ناجائز قرار دیے اور کم و بیش اسلامی طرزِ نکاح کو باقی رکھا۔ اہلِ مکہ چاہتے تھے کہ وہ اور ان کی بستی حملہ آوروں سے محفوظ رہے۔ گو ان کی ان عیاشانہ بدمستیوں سے حرمِ کعبہ بھی محفوظ نہ تھا۔ وہ کعبۃ اللہ کے سامنے مے نوشی اور جنسی اختلاط کی محفلیں رچاتے تھے۔ ان کی ان حرکات کو بت اپنی پتھرائی ہوئی آنکھوں سے دیکھتے تھے اور اہلِ مکہ اُن کی اس دید کو تائید اور تحسین سمجھتے اور ان کی سرپرستی میں اپنی بدمستیوں کو جاری و ساری رکھتے کہ اُن کے زیرِ سایہ وہ ہر نوع سے امن میں ہیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ کعبہ جائے امن ہے اور مکہ مقامِ امن اور بت اُن کی عافیت کے ضامن اور آسائش کے محافظ۔

دینِ ابراہیمی کی حقیقی ہیئت کو عربوں کی بت پرستی نے مسخ کر دیا تھا۔ وہ بتوں کے مجاور تھے اور بت ان کے مشکل کشا، حاجت روا اور سفارشی۔ وہ حج اور طواف بھی بتوں ہی کا

کرتے اور سجدہ بھی انھی کے حضور میں گزارتے تھے۔ جانوروں کی قربانیوں کے لیے بھی بتوں کے آستانے تھے۔ اسی لیے قرآنِ پاک نے فیصلہ دیا کہ آستانوں پر ذبح کیے گئے جانور حرام ہیں اور ان جانوروں کا گوشت بھی قابلِ استعمال نہیں۔ جنھیں ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ عرب اپنی آمدن اور پیداوار میں اللہ کا بھی حصہ رکھتے تھے اور بتوں کا بھی، ہوتا یہ تھا کہ اللہ کا حصہ بتوں کی طرف منتقل کر دیتے مگر بتوں کے حصے کے ''تقدس'' کو قائم رکھتے اور کسی طور بھی مجروح نہ ہونے دیتے، قرآنِ پاک نے اہلِ مکہ کے اس طرزِ عمل کو انتہائی برا قرار دیا۔ چوپایوں کے سلسلے میں بھی عجیب و غریب نوعیت کی نذریں مانتے تھے اور تیروں کے ذریعے فالیں نکالتے تھے، جوئے بازی کی مختلف شکلیں رائج تھیں اور کاہنوں اور نجومیوں کی باتوں پر اعتقاد قائم تھا۔ مناسکِ حج بھی گوناگوں بدعتوں کی زد میں تھے۔ یہاں تک کہ عریاں حالت میں طواف کیا جاتا تھا۔ ''مشرکین جن کا دعویٰ تھا کہ ہم دینِ ابراہیمی پر ہیں، شریعتِ ابراہیمی کے اوامر و نواہی سے کوسوں دُور تھے۔ اس شریعت نے جن مکارمِ اخلاق کی تعلیم دی تھی، ان سے ان مشرکین کو کوئی واسطہ نہ تھا۔ ان میں گناہوں کی بھرمار تھی اور طولِ زمانہ کے سبب ان بت پرستوں کی وہی عادات و رسوم پیدا ہو چلی تھیں جنھیں خرافات کا درجہ حاصل ہے۔ ان عادات و رسوم نے ان کی اجتماعی، سیاسی اور دینی زندگی پر نہایت گہرے اثرات ڈالے تھے۔'' (''الرحیق المختوم'') گویا:

تمام عالمِ امکاں پہ شب کا پہرہ تھا — طلوعِ صبح سے محروم تھی نگاہِ بشر
نہ کوئی راہ نما اور نہ کوئی منزل تھی — کہ مدتوں سے بجھا تھا چراغ راہ گزر
ہر ایک شخص تھا ظلماتِ شب کا زندانی — کسی بھی ذہن میں باقی نہ تھا یقینِ سحر
خیال و فکر تھا صدیوں سے زنگ آلودہ — فسردہ دل تھے، نہ باقی تھا زندگی کا شرر
دلوں پہ قفل لگے تھے، نگاہ ویراں تھی — نہ تھی کسی کو بھی اپنی تباہیوں کی خبر

(حافظ لدھیانوی)

جوا، بادہ کشی، غارت گری، ظلم اور بے رحمی — ہر ایسی معصیت اک دل لگی تھی آپ سے پہلے
حقیقی بیٹیوں کو باپ زندہ گاڑ دیتے تھے — یہ غیرت بھی عجب بیہودگی تھی آپ ﷺ سے پہلے
اب اور اس سے زیادہ شرم کی کیا بات ہو بزمیؔ — بشر کی زندگی شرمندگی تھی آپ ﷺ سے پہلے

☆

اُفق تا بہ اُفق بے کراں اندھیرے تھے — حضورِ پاک ﷺ سے پہلے یہ کب سویرے تھے

جدھر بھی دیکھو وہی جرم کی نمائش تھی جدھر نگاہ کرو، مجرموں کے ڈیرے تھے
(خالد بزمی)

وحشیوں کا راج تھا شہرِ خلیلؑ اللہ پر کوئی بھی حسنِ عمل ان ساربانوں میں نہ تھا
عقل و دانش، علم و حکمت پر تھی چھائی تیرگی کوئی در، کوئی دریچہ ان مکانوں میں نہ تھا
(سلیم اختر فارانی)

زندگی اُلجھی ہوئی تھی کفر کے زنار میں بت پرستی ہو رہی تھی خانۂ غفار میں
کبر و نخوت، قتل و غارت، بغض و کینہ انتقام الغرض انسان تھا انسانیت پر اتہام
(خورشید آرا بیگم)

خرد کی زلف پریشاں تھی کہ آپ ﷺ سے پہلے حیات سر بہ گریباں تھی آپ ﷺ سے پہلے
(لیث قریشی)

بے رنگ تھے حالات اگر آپ ﷺ نہ آتے بنتی نہ کبھی بات اگر آپ ﷺ نہ آتے
گم راہ بشر تک نہ پہنچتیں، مرے آقا ﷺ فطرت کی ہدایات اگر آپ ﷺ نہ آتے
انسان کو معلوم نہ ہوتی مرے مولا انسان کی اوقات اگر آپ ﷺ نہ آتے
اُٹھتے نہ سدا پردۂ اسرار کے پردے یوں بہر ملاقات اگر آپ ﷺ نہ آتے
بنتی نہ کبھی تیرہ زمانے کا مقدر انوار کی برسات، اگر آپ ﷺ نہ آتے
مٹ جاتیں زمانے سے کسی نقش کی صورت تابندہ روایات اگر آپ ﷺ نہ آتے
اے ابرِ کرم، بحرِ عطا، کون سمجھتا مفہومِ عنایات اگر آپ ﷺ نہ آتے
(طفیل ہوشیارپوری)

فضا زمانے کی تھی مکدر، ظہورِ خیرالبشر ﷺ سے پہلے
جہاں میں تھا مستقل اندھیرا، نمودِ نورِ سحر سے پہلے
(عبرت صدیقی)

سب سے ابتر تھی عرب کی سرزمیں کی کیفیت ہو چکا تھا محو سب کے دل سے خوفِ عاقبت
ہو چکا تھا محو ابراہیمؑ کا دینِ حنیف ربِّ دوعالم کے بن بیٹھے تھے کچھ انساں حریف
کر گئی تھی خیرہ آنکھوں کو عجم کی آزری چار سُو تھی بت پرستی، بت فروشی، بت گری
ہو چکے تھے مسخ موسیٰؑ کی شریعت کے اصول کھو چکے تھے لوگ ایمان و صداقت کے اصول

ہوگیا تھا از سرِ نو زندہ سحر سامری ہر دماغ و دل پہ حاوی تھا جنونِ زرگری
تھا کہیں تثلیث کا چرچا، کہانت کا کہیں نام تک باقی نہ تھا صدق و امانت کا کہیں
رشتۂ ملت سے کٹ کر رہ گئی تھی زندگی کتنے ہی خانوں میں بٹ کر رہ گئی تھی زندگی
(یزدانی جالندھری)

تہی دستوں کو ٹھکرا کر رعونت مسکراتی تھی
شرارت نشے میں تھی خود ستائی گل کھلاتی تھی
عوام الناس میں دختر کشی کی رسم جاری تھی
جفا کا دور دورہ تھا ستم کی شہریاری تھی
بہادر پتھروں کے سامنے سر کو جھکاتے تھے
گرج سے کانپتے تھے، بجلیوں سے خوف کھاتے تھے
حرم میں ہو رہی تھی بت پرستی بے حجابانہ
بنا رکھا تھا بیت اللہ کو یکسر صنم خانہ
ہبل کا کوئی بندہ تھا، صفا کا کوئی شیدائی
حضوری میں کوئی عزیٰ کی کرتا تھی جبیں سائی
درندوں کی طرح بپھرے ہوئے چلتے تھے راہوں میں
لہو میں بجلیوں کی چشمکیں، شعلے نگاہوں میں
کنیزانِ حرم کو زینتِ آغوش کہتے تھے
نشے کی رو میں لغزش کو کمال ہوش کہتے تھے
سمجھتے تھے مہذب خود ستاؤں، خود پسندوں کو
غرض یہ ہے خدا کی راہ ملتی تھی نہ بندوں کو
(احسان دانش)

کوئی دور وہ تھا عرب اور عجم کا کہ شیرازہ بکھرا ہوا تھا اُمم کا
سراسر جہاں گو کہ ظلمت سرا تھا مگر حال بدتر تھا ارضِ حرم کا
وہاں رنگ یہ تھا کہ ہر ہر قبیلہ پرستار تھا اپنے اپنے صنم کا
گزرتی تھیں یوں قتل وغارت میں صدیاں کہ امکاں نہ تھا صلح کے ایک دم کا
(راجا محمد عبداللہ نیاز)

D:NaatRang-15
File: Iqbal Javed-1
Final

لسانی رنگینی، طبعی موزونیت، لفظی در و بست اور شعری مناسبت عربوں کو فطری طور پر ودیعت ہوئی تھی۔ نثر خال خال اور شعر روزمرہ تھا، وہ اپنی شاہ کار نظموں کو کعبے میں لٹکاتے تھے، میلوں ٹھیلوں میں فخریہ اشعار پڑھے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ بدکاروں کی داستانوں کو شعری پیکروں میں ڈھال کر داد و تحسین طلب کی جاتی تھی۔ عشق کی بدمستیاں ان کی شاعرانہ عظمتوں کا نشانِ امتیاز تھیں۔ اپنے آبا و اجداد کی بہادری، سخاوت اور برتری کی داستانوں کے ساتھ ساتھ اپنے گھوڑوں، اونٹوں اور اپنی محبوباؤں کا ذکر بھی اُن کی شاعری کے کمال کا جمال تھا۔ باپ کی بیوی، بیٹے کو، باپ کی وفات کے بعد، وراثت کے طور پر ملتی تھی۔ بیویوں کی کوئی حد مقرر نہ تھی۔ حقیقی بہنوں تک سے ایک ساتھ شادی تھی۔ عرب کا معروف شاعر امراء القیس اپنے ایک قصیدے میں اپنی پھوپھی زاد بہن سے بدکاری کی داستان جمالیاتی دل پذیریوں کے ساتھ بیان کرتا ہے اور یہ قصیدہ کعبے میں آویزاں کیا جاتا ہے۔ حروف کی حرمت ختم ہوچکی تھی۔ الفاظ کا وقار، اشعار کا افتخار اور افکار کا اعتبار بری طرح کجلا چکا تھا۔ فکری، ادبی، اخلاقی اور روحانی پژمردگی کا عالم کچھ یوں تھا:

حق بات پہ کٹتی تھی زباں آپ ﷺ سے پہلے ... متروک تھا اخلاصِ بیاں آپ ﷺ سے پہلے
خورشید کی حدت تو کجا، شامِ الم سے ... مہتاب بھی تھا شعلہ بجاں آپ ﷺ سے پہلے
بے کیف بہاروں کا تصور ہی عجب تھا ... ہر پھول تھا مجبورِ خزاں آپ ﷺ سے پہلے
سینوں میں نہ دھڑکن تھی، نہ سانسوں میں حرارت ... محروم تھا احساسِ زیاں آپ ﷺ سے پہلے

☆

فضائے دہر مکدر تھی آپ ﷺ سے پہلے ... حیات، موت سے بدتر تھی آپ ﷺ سے پہلے
بنامِ عجز و عبادت ہر اک بشر کی انا ... ہلاک تیشۂ آذر تھی آپ ﷺ سے پہلے
برہنہ سر تھیں قبائل کی عزتیں راسخؔ ... دریدہ حسن کی چادر تھی آپ ﷺ سے پہلے

(راسخ عرفانی)

وہ دن بھی تھے کہ سرابوں کا نام ساحل تھا ... نہ کائنات کی آنکھیں نہ وقت کا دل تھا
بدی کا غلغلہ تھا، ظلم پر جوانی تھی ... درندگی و جہالت کی حکمرانی تھی
گمان و وہم کا نام اعتبار رکھا تھا ... خدا کو مورتیوں میں اُتار رکھا تھا
کوئی نظارہ دل کش نہ تھا نظر کے لیے ... ترس رہا تھا جہاں افضل البشر ﷺ کے لیے

(مظفر وارثی)

فسق و فجور ہر طرف، جام بدست ہر کوئی جس کی طرف بھی دیکھیے محوِ خیال دلبراں
ناچ رہی تھی ہر طرف بہیمیت، درندگی گونج رہا تھا ہر طرف شور صدائے الاماں
ہوتی تھی روز تار تار چادر عصمت و حیا دامنِ شرف و نام کی بکھری ہوئی تھیں دھجیاں
بیوہ کوئی فگندہ سر، آہ بہ لب کوئی یتیم کوئی غریب نالہ کش، کوئی ضعیف سرگراں
(زکی کیفی)

بے صدا و بے نوا و بے فغاں و بے ستیز بے کسوں کے سر تھے ہر پائے ستم پر سجدہ ریز
خار و خس کو کھا رہی تھی اک ہوائے شعلہ ریز
ظالموں کو مستقل مظلوم دیتے تھے خراج درد سارے لا دوا تھے، زخم سارے لاعلاج
اور یہ ساری زمیں خاموش تھی بے احتجاج
روشنی محدود تھی بس وسعتِ افلاک میں آپ ﷺ سے پہلے اندھیرا تھا فضائے خاک میں
وحشتوں کا رقص تھا، ہر سینۂ سفاک میں
ظلمتوں کو روشنی سے تولتا کوئی نہ تھا شب اثر وحشت میں آنکھیں کھولتا کوئی نہ تھا
گنگ تھیں ساری زبانیں بولتا کوئی نہ تھا
(صہبا اختر)

مختصر یہ کہ

☆ جملہ مذاہب عالم کی حقیقی تعلیمات مسخ ہو چکی تھی اور روایات و رسومات نے مذہب کا درجہ لے لیا تھا۔
☆ نظریۂ توحید، آتش پرستی اور بت پرستی کے نرغے میں اپنی حیثیت اور واقعیت کھو چکا تھا۔
☆ آسمانی ہدایات دھندلا چکی تھیں۔ علم و نظر کی دنیا دُور دُور تک ویران اور جہالت کے سائے انتہائی گہرے ہو چکے تھے۔
☆ مذہبی فرقے، قتل و غارت کے شیدا اور کفر سازی کے شائق تھے۔ قبائلی جنگ و جدل کے سلسلے سال ہا سال رواں دواں رہتے تھے۔ خون ریزی کے مناظر، وقتی تفریح مہیا کرتے اور بسمل کی تڑپ جشن رقص کا کیف عطا کرتی تھی۔
☆ بت تراشی اور مجسمہ سازی سے مستقل فن کی حیثیت اختیار چکے تھے اور یہ فن ہر لحظہ نت نئی شکلوں سے جلوہ گر ہوتا رہتا تھا۔ کہیں پتھر مسجود تھے کہیں شجر معبود۔

☆ چھٹی صدی عیسوی میں ہندوؤں کے بتوں کی تعداد تیس ملین تک پہنچ چکی تھی۔ اور حضرت ابراہیمؑ کے مبارک ہاتھوں سے استوار ہونے والا، خدا کا پہلا گھر ۳۶۰ بتوں میں گھرا ہوا تھا۔

☆ لوگ اعمال کی جواب دہی سے بے نیاز تھے بلکہ ان باتوں کو بے بنیاد سمجھتے تھے۔ آخرت کے تصور کے دھندلا جانے کی وجہ سے ہر اخلاقی شائستگی ختم ہو چکی تھی۔

☆ آگ، سورج، جن، فرشتے اور ستارے معبود بن چکے تھے۔ راہبیت اپنی جملہ خرابیوں اور تمام تر غلاظتوں کے ساتھ اپنی انتہا کو چھو رہی تھی۔

☆ عبادت گاہیں، عیاشیوں کے اڈے بن چکی تھیں۔ عورت، عشرت، دولت، غفلت اور زندگی، درندگی کا روپ دھار چکی تھی۔ عصمت آوارہ قہقہوں کے نرغے میں، انسانیت ظلم و استبداد کے پنجے میں اور شرافت، خباثت کے احاطے میں دم توڑ رہی تھی۔

☆ معاشرہ، اعتدال کے حسن، توازن کے جمال اور سکون کی سعادت سے کلیتاً تہی تھا۔ قومی فکر، سیاسی شعور اور علمی رسوخ بے حیثیت تھا۔

☆ کہیں عورت کو خاوند کے ساتھ جلا دیا جاتا تھا اور کہیں معصوم مسکراہٹوں کو زندگی کے لبوں سے چھیننے کے لیے انھیں زندہ درگور کر دیا جاتا تھا۔

☆ بادشاہ خدائی صفات کے حامل اور قابلِ پرستش سمجھے جاتے تھے اور انسانی جبینیں حقیقی سجدوں کی تابشوں سے محروم تھیں۔

اس تمام تفصیل کو قرآن پاک اپنی ایک آیت میں سمیٹ دیتا ہے کہ:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِى النَّاسِ (۳۰/۴۱)

(اس وقت انسانی سیہ کاریوں سے حالت یہ ہو چکی تھی کہ خشکی و تری میں ہر جگہ فساد ہی فساد نظر آتا تھا۔ کوئی شے اپنے صحیح مقام پر نہیں رہی تھی) اور قرآن ہی نے یہ حقیقت بھی واضح فرمائی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آتی ہے تو تخریب تہذیب میں، خزاں بہار میں، کلفت راحت میں، ظلمت نور میں اور پژمردگی شگفتگی میں بدل جایا کرتی ہے۔ وَ هُوَ الَّذِىْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَاقَنَطُوْا وَ يَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ۔ (۲۸/۴۲)... اور یہ اللہ ہی کی ذات ہے جو ایسی ناامیدیوں کے بعد اپنے سحابِ کرم کو بھیجتی اور اس طرح اپنی بساط رحمت کو صفحۂ ارضی پر بچھا دیتی ہے۔

الغرض:

ہر طرف تھیں جہالت کی تاریکیاں   چارسُو تھی فلاکت کی منحوس شب

تین سو ساٹھ بت خانۂ حق میں تھے بت پرستی میں اتنے بڑھے تھے عرب
عام تھا ان میں آزار دختر کشی ہر کوئی تھا پرستار بنت عنب
(حفیظ تائب)

توحید سے عرب کوئی آشنا نہ تھا حضرت سے پہلے کوئی یہاں باخدا نہ تھا
مقصودِ زندگی کا تعین ہوا نہ تھا فکر و عمل کسی کا حقیقت نما نہ تھا

☆

اوہام کا طلسم تھا مذہب ہنود کا لاکھوں تھے بت کدے تو کروڑوں تھے دیوتا

☆

ایرانیوں کا مرکز فکر رسا تھی آگ ان کی نظر میں مظہرِ نورِ خدا تھی آگ

☆

یورپ میں بربریت و وحشت کا دور تھا ظلم و ستم کا راج تھا، ظلمت کا دور تھا

☆

یوں ظلمتیں نہ چھائی تھیں آفاق پر کبھی ڈستی تھی سانپ بن کے نہ یوں رہ گزر کبھی
آوارہ یوں ہوئی تھی نہ پہلے نظر کبھی ہوتا تھا یہ گماں کہ نہ ہوگی سحر کبھی
(محشر رسول نگری)

زندگی ایک رات، تیرہ و تار نہ کوئی رہنما، نہ راہ گزار
چارسُو اک مہیب تاریکی ہر طرف مطلعِ جہاں پہ غبار
انتظارِ سحر میں نوعِ بشر شمع ساں اشکبار و زار و نزار
(حفیظ ہوشیارپوری)

جب تک جمال شاہ اُمم جلوہ گر نہ تھا عالم تمام مطلع شمس و قمر نہ تھا
گھر تھا منات و لات کا، اللہ کا گھر نہ تھا جب کعبہ جلوہ گاہِ شہ ﷺ بحر و بر نہ تھا
(حافظ مظہرالدین)

اصنام کا سکہ تھا رواں آپ ﷺ سے پہلے تھی ذاتِ خدا وہم وگماں آپ ﷺ سے پہلے
ہر چند ضیا بار تھے مہر و مہ و انجم ظلمت تھی گراں تابہ کراں آپ ﷺ سے پہلے
انسان سے بیزار تھا اس دور کا انساں انسان پہ جینا تھا گراں آپ ﷺ سے پہلے

D:NaatRang-15
File: Iqbal Javed-1
Final

کر دیتے تھے زندہ ہی اُسے دفن زمیں میں بیٹی تھی ندامت کا نشاں آپ ﷺ سے پہلے
ہر سانس میں تحریص کا روشن تھا الاؤ ماحول تھا یوں شعلہ فشاں آپ ﷺ سے پہلے
(طفیل ہوشیارپوری)

دنیا پہ چھا رہی تھیں ہرسُو سیہ گھٹائیں تاریکیوں میں انساں رستہ بھلا چکا تھا
توحیدِ حق سے خلقت بیگانہ ہو رہی تھی سرمایہ کارواں سب اپنا لٹا چکا تھا
دختر کشی وہاں تھی، رسم ستی یہاں تھی اک معصیت کی بستی انساں بسا چکا تھا
بھولا ہوا تھا انساں، اچھے برے کی پہچاں انسانیت کا اپنی جوہر مٹا چکا تھا
شرم و حیا کا پردہ چہروں سے اُٹھ گیا تھا شیطان گویا غالب، انساں پہ آچکا تھا
(قاضی عبدالرحمٰن)

جہاں تک اس امر کا تعلق ہے حضور ﷺ کی بعثت کلاہی میں کیوں ہوئی، اصل وجہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کہ یہ جگہ اس اعزاز و شرف کے لیے کیوں منتخب کی گئی؟ کیوں کہ سورۂ انعام میں یہ واضح اعلان ہے کہ ''اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَه'' (اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ اس کا پیغام کہاں اور کس کے حوالے کیا جائے گا) بظاہر عربوں کے اندر کچھ قابلِ قدر فطری خصوصیات مرورِ زمانہ اور پستیٔ حالات کے باوصف ایسی تھیں جن کا رُخ بدلا اور پلٹا جاسکتا تھا، مثلاً سخاوت، مہمان نوازی، وفائے عہد، خودداری وعزتِ نفس، عزم بالجزم، بردباری اور امانت و دیانت، جب کہ فصاحت و بلاغت اور شعر وسخن کی خوبیاں تعلیانہ خودنمائی کے لیے استعمال ہوتی تھیں۔ دوسرے جغرافیائی اعتبار سے مکہ روئے زمین کے مرکز میں واقع ہے۔

یہی ''ام القریٰ'' ہے۔ جملہ بستیوں کی ماں، ماں وہ ہے جس کے بغیر اولاد کا کوئی سا تصور بھی نہیں ہے۔ اور اولاد ماں ہی کے گرد منڈلایا کرتی ہے۔ حق یہ ہے کہ مکہ کے بغیر دیگر جملہ بستیوں کا وجود موہوم اور بے معنی ہے۔ چوں کہ اولاد کی دنیاوی اور دینی تربیت ماں ہی کی آغوشِ شفقت میں ہوا کرتی ہے۔ اس لیے ضروری تھا کہ کائنات کی دنیاوی ہدایت، اُخروی سعادت، روحانی رفعت، نظری عصمت اور قلبی عفت کے سوتے مکہ ہی سے پھوٹیں، رحمت کی گھٹائیں یہیں سے اُٹھیں اور دنیا کے گوشے گوشے کو پُر بہار اور پُرانوار کر گئیں۔ اسی لیے یہیں حضرت ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ کے اوّلین گھر کی بنیاد رکھی تھی۔ یہیں بحکمِ الٰہی انھوں نے دنیا بھر کو اس گھر کے حج کی دعوت دی تھی اور ان کے اس صدائے دعوت کو خود اللہ تعالیٰ نے چار دانگِ عالم میں پھیلایا

اور پہنچایا تھا یہ ندائے غائبانہ باپوں کی پشتوں اور ماؤں کے پیٹوں تک بھی پہنچی، سنی گئی اور نسلِ انسانی تعمیل کی پابند قرار پائی۔ اور یہیں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ نے ایک ایسے پیغمبرﷺ کی بعثت کی دعا کی تھی جو مکے والوں ہی سے ہو جو اللہ تعالیٰ کی آیتیں سنائے، کتاب پڑھائے، دانائی سکھائے اور دلوں کو تزکیہ بخشے۔ ان دو جلیل القدر پیغمبروں کی ان دعاؤں کے نتیجے کے طور پر مکہ ہی کے مقدر میں تھا کہ وہ دعوتِ اسلامی کا مرکز بنے اور وہیں سے توحید و رسالت کی کرنیں دنیا بھر میں پھیلیں اور یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ قبل ازیں جزیرۃ العرب ہی بیشتر الوہی ہدایتوں کا مرکز رہا ہے۔ اور مولانا سیّد ابوالحسن ندوی کے الفاظ میں اس کی تبلیغ و اشاعت کا ذمہ دار بنایا کہ ان کے دلوں کی تختی بالکل صاف تھی۔ اس میں پہلے سے کچھ نقوش تحریر اور نقش و نگار موجود نہ تھے، جن کو مٹانا مشکل ہوتا۔'' (''نبیٔ رحمت ﷺ''، ص۴۶) گویا حالات اُس نہج تک آگئے تھے کہ وہ عظیم و جلیل شخصیت ﷺ ظہور میں آتی جس کی پُرنور یادوں سے قدیم صحائف منور ہیں اور ہر مذہب نے جسے ہادیٔ منتظر کے طور پر پیش کیا ہے جو فی الواقع آیۂ کائنات کا معنیٔ دیریاب ہے۔ اور جس کا انتظار، تاریخِ مذاہب کا ایک دل آویز باب ہے۔

گویا حالات ہر اعتبار سے پختہ تر ہو چکے تھے۔ رواں دواں ساعتیں اور داغ داغ فضائیں شدت سے کسی کی راہ تک رہی تھیں۔ اور قیامت تک کے لیے ایک آخری نظام، آخری ہدایت اور آخری تغیر کے برپا ہوجانے کا وقت آگیا تھا۔ سچ یہ ہے کہ حضور ﷺ کی تشریف آوری، تاریخِ عالم کا ایک انقلاب آفرین اور شاداب ترین واقعہ ہے، اخلاق و کردار کی ناہمواریوں نے کسی آنے والے کا راستہ ہموار کر دیا تھا اور حالات و کیفیات کی ناسازگاریوں نے کسی عظیم الشان انسان کی تشریف آوری کے لیے فضا کو سازگار بنا دیا تھا کہ:

اندھیروں کے مقابل آفتاب آیا ہی کرتا ہے
بشر بے چین ہو تو انقلاب آیا ہی کرتا ہے
پرانے ساغروں میں جب کھنک باقی نہیں رہتی
تو گردش میں نیا جامِ شراب آیا ہی کرتا ہے
یہ آثارِ بہاراں ہیں نہ گھبراؤ چمن والو!
گلوں کے داغ دھونے کو سحاب آیا ہی کرتا ہے
جہاں اہلِ چمن مدت سے بیٹھے ہوں تہی دامن
وہاں تک سایۂ برگِ گلاب آیا ہی کرتا ہے

D:NaatRang-15
File: Iqbal Javed-1
Final

نئے جب ولولے بیدار ہوجاتے ہیں سینوں میں
پرانی آرزوؤں پر شباب آیا ہی کرتا ہے
بنا لیتے ہیں جس کو منتہائے شوق دیوانے
وہ نظارہ نظر کے ہم رکاب آیا ہی کرتا ہے

اور نظر کے ہم رکاب آنے والے اس نظارے کے انتظار کو اردو نعت کے آئینے میں ایک نظر دیکھیے:

انبیا کو تھی امامِ انبیا کی آرزو
کارواں کو اک امیرِ کارواں درکار تھا
عشق کو مطلوب تھا اک پیکرِ حسن و جمال
عشق کو قلب و نظر کا امتحاں درکار تھا
(حافظ مظہرالدین)

اک تباہی کا مرقع تھا جہانِ بے سکوں
روحِ اخلاق و شرافت شرم سے تھی سرنگوں
بربریت کی لکھی تھی ہر قدم پر داستاں
دامنِ صحرا میں پھیلی تھی لہو کی سرخیاں
شامِ استبداد کی تھی زلف لہرائی ہوئی
ہر طرف جبرِ غلامی کی گھٹا چھائی ہوئی
الغرض تھی ہر قدم پر گمرہی سی گمرہی
سر میں انساں کے سمایا تھا جنوں خود سری
ذہن و فکرِ آدمیت میں تھا برپا انتشار
تھا زمانے کو پیامِ آخری کا انتظار
(یزدانی جالندھری)

صحرائے روح کو تھی کسی ابر کی تلاش
سایہ زمیں پہ ڈھونڈ رہے تھے ابھی شجر
جذبوں کا کوئی رُخ نہ تخیّل کی کوئی سمت
پردہ کھنچا نہ تھا ابھی مابین خیر و شر
موسم زمیں گرفتہ تھے اشجار کی طرح
انسان برگ خشک کے مانند، دربدر
تھا ساری کائنات کو بس اُن ﷺ کا انتظار
جن کے لیے پلٹتی رہی سوئے شب، سحر
(جمشید چشتی)

نقطۂ آغاز بھی اور ارتقا بھی تھا وہی
انتہا بن کر جو آیا ابتدا بھی تھا وہی
وہ نبی جب بھی تھا جب کوئی نبی آیا نہ تھا
اس کے سائے تھے بہت سے جس کا خود سایہ نہ تھا
پیشوائی کو ہزاروں انبیا بھیجے گئے
اس کی خاطر روشنی کے دائرے کھینچے گئے

اس لیے آخر میں آیا وہ حبیبِ کردگار
تا کہ دنیا سیکھ جائے احترامِ انتظار
(صہبا اختر)

تھیں ظلمتیں ہی ظلمتیں اِدھر اُدھر یہاں وہاں محیطِ ابرِ کفر تھا چمک رہی تھیں بجلیاں
لٹک رہی تھی زندگی مثالِ گردِ ناتواں نہ ہم سفر، نہ رہ گزر، نہ راہبر، نہ کارواں
کلی کلی فگندہ سر، گلوں کے لب پہ ہچکیاں چمن چمن تھی تیرگی، روش روش دھواں دھواں
بادِ سموم کھیلتی پھرتی تھی برگ و بار سے فصلِ خزاں کا راج تھا گم تھے بہار کے نشاں
خلقِ تباہ حال پر رحمتِ حق نے کی نظر بھیجا رسولِ پاک ﷺ کو آئے امامِ اِنس و جاں
(زکی کیفی)

وہ جو شنم کی پوشاک پہنے ہوئے
زرد پتوں کے جسموں میں لہرا گئے
جن کے نقشِ کفِ پا کی رعنائیاں
نسلِ آدم کو خاکِ شفا بن گئیں
عرشِ اعظم کی دہلیز کے اس طرف
نام جن کا ازل ہی میں لکھا گیا
جو کتابِ جہاں کے سیاہ حاشیے پر
اُجالوں کی رحمت رقم کر گئے
جن سے پہلے تھی ظلمت میں لپٹی ہوئی
غم زدہ زندگی
فکرِ جامد، تمدن کے آثار مفقود تھے
نخلِ تہذیب پر ایک وحشی خزاں کا اثر
قلبِ انسانیت
سسکیوں، آنسوؤں اور زخموں کا بے نور گھر
ایسے عالم میں ربّ تعالیٰ کو پھر
اپنی مخلوق پر رحم آ ہی گیا

D:NaatRang-15
File: Iqbal Javed-1
Final

تاجِ رحمت کو سر پر سجائے ہوئے
پرچمِ عدل و احساں اُٹھائے ہوئے
وہ جو آئے تو عہدِ بہار آگیا
عشق کو جن کے دل کی شریعت کہیں
ذکر کو جن کے جاں کی عبادت کہیں
وہ حبیبِ خدا
احمدِ مجتبیٰ
اُن پہ قربان ہمارے تمھارے وجود
اُن پہ پیہم سلام
اُن پر دائم درود

(صبیح رحمانی)

مؤرخین کے نزدیک ولادتِ باسعادت کے بارے میں، دن، ماہ اور سال کے ضمن میں اختلاف ہے۔ بعض ربیع الاوّل کی ۹ اور بعض ۱۲ تاریخ لکھتے ہیں۔ مہینے کے بارے میں بعض نے محرم، صفر، رجب اور رمضان بھی لکھا ہے۔ سال کے بارے میں عام الفیل کا ذکر جابجا نظر آتا ہے۔ بہرکیف اکثریت کی تحقیق یہی ہے کہ دن دوشنبہ (پیر) مہینہ ربیع الاوّل اور سال عام الفیل ہے۔ سال کے بارے میں حضور ﷺ کی ایک حدیث اسی خیال کی موید ہے اور پیر کے دن اسی بنا پر روزہ رکھنے کا عمل (حضور ﷺ) بھی روایات میں موجود ہے۔ اور حضرت عباسؓ کی یہ روایت بھی کہ ''تمھارے نبی ﷺ دوشنبہ کو پیدا ہوئے۔ دوشنبہ ہی کو ان کی بعثت ہوئی اور اُسی دن ہجرت کی اور اسی دن مدینہ منورہ داخل ہوئے۔'' (احمد بن حنبل، بیہقی) اردو میں عزیزہ شہناز کوثر نے رسالہ ''نعت'' لاہور کے تین شماروں (اپریل، مئی، جون ۱۹۹۲ء) میں پیر کے دن کی اہمیت پر بالتفصیل روشنی ڈالی ہے:

راجا رشید محمود کہتے ہیں:

دن ایک سے خدا نے بنائے سبھی مگر اک ''روز'' محترم نہ کیوں سارے دنوں سے ہو
یہ دن خدا کا ہم پہ ہے احساں بہت بڑا تشریف لائے دنیا میں سرکار ﷺ پیر کو

ہلال جعفری، پیر کے دن ہی کو اپنے درج ذیل اشعار کی ردیف بنائے ہوئے ہیں:

حسن اکرام کا خلاق بنا پیر کا دن ۔ دنوں عالم کے مقدر کی ضیا پیر کا دن
مرحبا، صل علیٰ، صل علیٰ پیر کا دن ۔ باعثِ عظمتِ کونین بنا پیر کا دن
اپنے دامن میں لیے نورِ خدا کے جلوے ۔ بزمِ عالم میں ہوا جلوہ نما پیر کا دن
وجد میں محفلِ کونین کا ہر ذرّہ ہے ۔ سازِ فطرت کے ہے تاروں کی صدا پیر کا دن
ہر کلی فرطِ مسرت سے چٹک کر بولی ۔ دوش پر لایا ہے رحمت کی گھٹا پیر کا دن
نارِ نمرود کو گلزار بنانے والا ۔ کشتیٔ نوحؑ کی تقدیر بنا پیر کا دن
یدِ بیضا کی قسم ہے، یدِ بیضا کی قسم ۔ جلوۂ طور کی ہے ایک ادا پیر کا دن
مدنی چاند، تری گرد سفر کے صدقے ۔ سر بسر بقعۂ انوار بنا پیر کا دن
کس نے اپنے رُخِ روشن سے ہٹائے گیسو ۔ آج کی رات کو تفویض ہوا پیر کا دن
کس کی بعثت سے یہ کس نور کی آمد ہے ہلالؔ ۔ آج گہوارۂ انوار بنا پیر کا دن

تاریخی اور جغرافیائی اعتبار سے یہ سال بھی اہم ہے۔ خصوصیت کے لحاظ سے یہ مہینہ بھی وقیع اور عظمتوں کے نقطۂ نظر سے یہ دن بھی رفیع۔ یہی وہ سال ہے جب اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی حفاظت معجزانہ انداز سے یوں کی کہ عقل انگشت بدنداں اور فکر سربگریباں ہو کر رہ گیا۔ باطل کے ناپاک عزائم کی دھجیاں فضائے عالم میں بکھر گئیں اور اس عظیم و جلیل آستاں کی طرف نگاہِ بد سے تکنے کی جسارت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مٹی میں مل گئی۔ ننھے ننھے پرندوں کے ذریعے ہاتھیوں اور ان کے سواروں کا کھائے ہوئے چارے کی طرح چورا چورا ہو جانا، قرآن پاک کے اوراق میں محفوظ ہو کر ایک تاریخی صداقت بن گیا۔ مولانا محمد حنیف ندوی کے الفاظ میں:

> جہاں تک اصول و شعائر کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت بہ ذاتِ خود فرماتے ہیں اور مسلمانوں کو جو مکلّفِ بنایا ہے تو محض ان کی قوتِ ایمانی کی آزمائش کے لیے، ورنہ حاشا للہ، بغیر اللہ تعالیٰ کی اعانت اور فضل کے حقیر ترین دشمن پر بھی قابو پا لینا دُشوار ہے۔ اس کا قانون یہ ہے کہ جب تک اس کے ماننے والوں میں غیرت و حمیت کا جذبہ باقی رہتا ہے وہ ان کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اس کے دین کی حفاظت کریں اور حفاظت کے ضمن میں خون کا آخری قطرہ بھی بہا دینے سے دریغ نہ کریں اور جب یہ

جذبہ مفقود ہو جائے اور جب ایسی ہمت اور شجاعت والی جماعت باقی نہ رہے جو جان نچھاور کر کے ملت اور اس کے شعائر کی حفاظت کر سکے۔ اس وقت وہ براہِ راست اپنی قدرت اور حکمت کو بروئے کار لاتا ہے اور دین کو اعدائے دین کے چنگل سے چھڑا لیتا ہے۔

جہاں تک ربیع الاوّل کا تعلق ہے، لغوی اعتبار سے ربیع کہتے ہی موسمِ بہار کو ہیں۔ یہ مہینہ انسانوں کے لیے ماحولیاتی اعتدال، موسمی رعنائی، جسمانی آسودگی اور نباتاتی بالیدگی کا پیغام لے کر آتا ہے۔ مذہبی اعتبار سے بعض مہینے ولادت باسعادت سے قبل بھی متبرک اور افضل تھے۔ مگر ربیع الاوّل میں ظہورِ قدسی نے خود اس مہینے کو ماحولیاتی شگفتگی کے ساتھ ساتھ روحانی تفضّل کی وہ عظمت عطا کی کہ سال بھر کے باقی مہینے رشک سے تکتے رہ گئے:

اہلِ دل جانتے ہیں شانِ ربیع الاوّل آنکھ والوں کو ہے عرفانِ ربیع الاوّل
ہر مہینے پر فضیلت ہے مدارج میں اسے ہر مہینہ ہے ثناخوانِ ربیع الاوّل
اس کی جو بارھویں تاریخ ہے، تاریخی ہے یہی دن ہے بہ خدا جانِ ربیع الاوّل
ماہِ طیبہ ہی نے اس ماہ کو چمکایا ہے نورِ حق، نورِ شبستانِ ربیع الاوّل

(عزیز حاصل پوری)

حیاتِ طیبہ میں بھی یہ مہینہ بہت سے اہم تاریخی واقعات کا مظہر ہے۔ اسی طرح پیر کا دن بھی اپنے اندر قدر فضیلتیں لیے ہوئے ہے کہ جن کی تفصیل کے لیے دفتر مطلوب ہیں اور حقیقی فضیلت تو اس دن کو ظہورِ قدسی ہی سے نصیب ہوئی ہے، سالوں، مہینوں اور دنوں میں یہ مرتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا۔

یہ حاملانِ عرش کا غوغا عجیب ہے اے خاک تیرا عرش سے بالا نصیب ہے
آتا ہے آج وہ جو خدا کا حبیب ﷺ ہے جھک جائے تجھ پہ عرش وہ موقع قریب ہے

بالا جو لامکاں سے ترا افتخار ہے
یہ آمدِ رسول ﷺ خدا کی بہار ہے

(ممتاز جہاں گنگوہی)

قبلِ ولادتِ پاک اور بوقت ولادتِ پاک، حضرت آمنہ سے بہت سی محیر العقول روایات منقول ہیں اور تاریخ نے بہت سے ایسے واقعات بھی محفوظ رکھے ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ اس دن

رنگ ونسل کے بہت سے بت بھی زمیں بوس ہوئے، کبر ونخوت کے بہت سے کنکر سے بھی مٹی میں ملے اور کفر وشرک کے بھڑکتے ہوئے شعلے بھی سیاہ لوش ہوکر رہ گئے۔ الغرض دوشنبہ کا دن اپنے اندر سعادتوں اور حیرتوں کا ایک عجیب امتزاج لیے ہوئے ہے جب کہ اس الوہی صداقت کے ظہور کی ساعت کے صبحِ صادق کو چنا گیا، یوں:

وہ صبحِ نور آ پہنچی، سیاہی چھٹ گئی یکسر
سحر نے نور پھیلایا در و بامِ تمنا پر
زمانہ منتظر تھا جس کا صبحِ عید آ پہنچی
اندھیرا چھا رہا تھا تابشِ خورشید آ پہنچی
کبھی ایسی سحر دیکھی نہ تھی افلاک نے اب تک
نہ پایا تھا سکوں اس دیدۂ نم ناک نے اب تک
کبھی پہنی نہ تھی گل نے قبائے زرنگار ایسی
نہ آئی تھی کبھی گلزارِ ہستی میں بہار ایسی
عطا وسعت ہوئی صحرا کو، نزہت گلستانوں کو
چھپایا دامنِ رحمت میں حق نے خستہ جانوں کو
شرف جس سے ملا ہے اس جہاں کے تاج داروں کو
ملی جس سے قبائے لالہ و گل خار زاروں کو
اسی دن کے لیے تو بزمِ ہستی کو سنوارا تھا
یہی مقصودِ عالم تھا، یہی خالق کا پیارا تھا

(حافظ لدھیانوی)

مبارک ہو جنابِ مصطفیٰ ﷺ کی آمد آمد ہے　　زمیں پر سربراہِ انبیا کی آمد آمد ہے
خدائی شاد ہوگی مژدۂ اتمامِ نعمت سے　　سریر آرائے اقلیمِ ہدیٰ کی آمد آمد ہے
سنانے کے لیے آیاتِ قرآں اہلِ عالم کو　　رسولِ ہاشمی ﷺ سے خوش نوا کی آمد آمد ہے
خدائے پاک نے فریاد سن لی غم نصیبوں کی　　جہاں میں حضرت خیرالوریٰ ﷺ کی آمد آمد ہے
دیارِ دل کو خوش بوئے عقیدت سے بسا لیجے　　وفا کی مشعلوں سے جادۂ جاں جگمگا لیجے

(حفیظ تائب)

D:NaatRang-15
File: Iqbal Javed-1
Final

خلیلؑ اللہ نے جس کے لیے حق سے دعائیں کیں
ذبیحؑ اللہ نے وقتِ ذبح جس کی التجائیں کیں
جو بن کر روشنی پھر دیدۂ یعقوبؑ میں آیا
جسے یوسفؑ نے اپنے حسن کے نیرنگ میں پایا
کلیمؑ اللہ کا دل روشن ہوا جس ضوفشانی سے
وہ جس کی آرزو بھڑکی جوابِ لن ترانی سے
وہ جس کے نام سے داؤدؑ نے نغمہ سرائی کی
وہ جس کی یاد میں شاہِ سلیمانؑ نے گدائی کی
دلِ یحییٰ میں ارماں رہ گئے جس کی زیارت کے
لبِ عیسیٰؑ پہ آئے وعظ جس کی شانِ رحمت کے
وہ دن آیا کہ پورے ہوگئے تورات کے وعدے
خدا نے آج ایفا کردیے ہر بات کے وعدے

(حفیظ جالندھری)

آگئے، جن کے نظارے جستجو کرتے رہے
جن کے بارے میں ستارے گفتگو کرتے رہے
جن کی خاطر پھول شبنم سے وضو کرتے رہے
انبیا بھی جس نبی ﷺ کی آرزو کرتے رہے
ہر خوشی لکھی گئی، ہر بہتری لکھی گئی
آپ ﷺ آئے، تیرگی پر روشنی لکھی گئی

(محمد حنیف نازش قادری)

بھٹکتے دور کو رستہ دکھانے رہنما آیا
سفینے سے تباہی کو بچانے ناخدا آیا
خبر سچائی کی دیتا زمانے کو خبیر آیا
شہنشاہی بھی جس کے پاؤں چومے وہ فقیر آیا
جسے حق نے کیا تسلیم، ختم المرسلیں آیا
جسے دنیا نے مانا، رحمۃ للعالمیں آیا
خلیق آیا، کریم آیا، رؤف آیا، رحیم آیا
کہا قرآں نے جس کو صاحبِ خلقِ عظیم آیا
بشر بن کر زمانے کا جمالِ اوّلیں آیا
متاعِ صدق لے کر صادق الوعد و امیں آیا
سراپا علم بن کر صاحبِ اُم الکتاب آیا
زمینِ تشنہ لب کی زندگی بن کر سحاب آیا
تجلّی عام فرماتا ہوا شمس الضحیٰ آیا
امام الانبیا آیا، محمد مصطفیٰ ﷺ آیا

(جگن ناتھ آزاد)

محمد ﷺ جلوہ فرما ہوگئے ہیں بزمِ امکاں میں
کھلا ہے آج پہلا پھول فطرت کے گلستاں میں
مرا جی چاہتا ہے نعت کی صورت میں ڈھل جائیں
وہ نغمے جو مچلتے ہیں مرے سازِ رگِ جاں میں
گلوں کی انجمن میں تم سے تخلیقِ بہاراں ہے
تمھی نورِ آفریں ہو چاند تاروں کے شبستاں میں

تمھارے پیکرِ اقدس کی تنویروں کا کیا کہنا
کہ جیسے آیتیں روشن نظر آتی ہیں قرآں میں
تمھاری یاد ہو، ہم ہوں، مسلسل اشکباری ہو
یہی موتی ہوں آنکھوں میں، یہی دولت ہو داماں میں
تمھارے عشق سے آباد کرلے اپنے سینے کو
کوئی نیکی تو کر لے آدمی عمرِ گریزاں میں
ذرا دیوانے کا دستِ جنوں چالاک ہوجائے
کہاں کا فاصلہ ہوتا ہے دامن اور گریباں میں
کسی کے عشق نے وہ نور بخشا ہے مرے دل کو
کہ ہے ہر تار سورج کی کرن میرے گریباں میں
یہ سب شیرازہ بندی اُن کے اعجازِ نظر سے ہے
کہاں کا نظم تھا ہستی کے اوراقِ پریشاں میں
یہ میرے شعر اے عاصیؔ، یہ میری بن کھلی کلیاں
مری جرأت تو دیکھو، لے چلا اُن کے گلستاں میں
(عاصی کرنالی)

کعبۂ جاں، قبلۂ قلب و نظر پیدا ہوئے — خواجۂ کونین، شاہ بحر و بر پیدا ہوئے
ہر قدم اک مشرق نور و ضیا کا سامنا — ہر نفس امکان معراج نظر پیدا ہوئے
جس زمیں کو پائے بوسی کا شرف حاصل ہوا — اس زمیں میں لعل و یاقوت و گہر پیدا ہوئے
عارف ارض و سما، میر بساط کائنات — خیر سے خیر الامم، خیرالبشر پیدا ہوئے
اب نہ اُتریں گے صحیفے، اب نہ آئیں گے رسول — لے کر قرآں، آخری پیغام بر پیدا ہوئے
جس نے دیکھا پھر نہ دیکھا اور کچھ ان کے سوا — اک نظر میں سیکڑوں حسنِ نظر پیدا ہوئے
(احسان دانش)

جاہلیت کی جہاں سے دُور آلائش ہوئی
آپ ﷺ آئے عالمِ امکاں کی زیبائش ہوئی
اس مکاں کے بام ودر کے ذرّے ذرّے پردرود
جس مکاں میں سیّد والا ﷺ کی پیدائش ہوئی

D:NaatRang-15
File: Iqbal Javed-1
Final

میری سانسیں آپ ﷺ کی صبحِ ولادت پر نثار
جس کے صدقے میں مری بخشش کی گنجائش ہوئی
کھل اُٹھے، صدیوں کے مرجھائے ہوئے دل کھل اُٹھے
زندگی کے باغ کی اس طرح آرائش ہوئی
پڑھنے والا آگیا چہروں کی چپ تحریر کو
بول اُٹھی خامشی، جذبوں کی پیمائش ہوئی
(انور جمال)

اب نغمہ نغمہ، نغمۂ تار حیات ہے　　اب نشہ نشہ، نشۂ عرفانِ ذات ہے
اب پردہ پردہ، پردۂ ساز جمال ہے　　اب بادہ بادہ، بادۂ عرفانِ حال ہے
اب جرعہ جرعہ، جرعۂ جامِ الست ہے　　اب ذرّہ ذرّہ، ذرّۂ خورشیدِ مست ہے
اب قطرہ قطرہ، قطرۂ اشک نیاز ہے　　اب توبہ توبہ، توبۂ سوز و گداز ہے
اب غنچہ غنچہ، غنچۂ زلف نگار ہے　　اب لالہ لالہ، لالۂ رخسار یار ہے
اب جلوہ جلوہ، جلوۂ سرو و سمن ہوا　　اب خندہ خندہ، خندۂ صبح چمن ہوا
اب جذبہ جذبہ، جذبۂ عشقِ رسول ﷺ ہے　　اب شیوہ شیوہ، شیوۂ عدل و اصول ہے
اب نعرہ نعرہ، نعرۂ توحید بن گیا　　اب سجدہ سجدہ، سجدۂ اُمید بن گیا
(عاصی کرنالی)

آخر میں مولانا ابوالکلام آزاد (''البلاغ'' جنوری ۱۴، ۲۱، ۲۸، ۱۹۱۶ء) کا ایک دل آویز اقتباس کہ الفاظ اس کا حسن سمیٹنے اور اس کی تاثیر بیان کرنے سے قاصر ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ربوبیت نے جس طرح جسم کے لیے زمین کے اندر طرح طرح کے خزانے رکھے ہیں، اسی طرح روح کی غذا کے لیے بھی اس کے آسمانوں کی وسعت معمور ہے، جس طرح جسم کی غذا اور زمین کی ماڈی حیات ونمو کے لیے آسمانوں پر بدلیاں پھیلتیں، بجلیاں چمکتیں اور موسلا دھار پانی برستا ہے۔ ٹھیک اسی طرح اقلیمِ روح و قلب کی فضا میں بھی تغیرات ہوتے ہیں، یہاں اگر زمین کی مٹی پانی کے لیے ترستی ہے تو وہاں بھی انسانیت کی محرومی ہدایت کے لیے تڑپنے لگتی ہے، یہاں پتے جھڑتے ہیں، ٹہنیاں سوکھنے لگتی ہیں اور پھولوں کے رنگین ورق بکھر جاتے ہیں تو تم کہتے ہو کہ آسمان کو رحم کرنا چاہیے۔ وہاں بھی جب سچائی کا درخت مرجھا جاتا

ہے، نیکی کی کھیتیاں سوکھ جاتی ہیں، عدالت کا باغ ویران ہوجاتا ہے اور خدا کے کلمۂ حق و صداقت کا شجرۂ طیبہ دنیا کے ہر گوشے اور ہر حصے میں بے برگ و بار نظر آنے لگتا ہے تو اس وقت روحِ انسانیت چیختی ہے کہ خدا کو رحم کرنا چاہیے۔ یہاں زمین پر موت طاری ہوتی ہے تو خدا کی بارش اُسے زندگی بخشتی ہے وہاں انسانیت ہلاک ہوجاتی ہے تو خدا کی ہدایت اُسے پھر اُٹھا کر بٹھا دیتی ہے۔

> اور وہ پروردگار عالم ہی تو ہے بارش سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے جو بارانِ رحمت کے آنے کی خوش خبری سنا دیتی ہیں یہاں تک کہ جب اس کا وقت آجاتا ہے تو وہ وزنی بادلوں کو حرکت دیتی ہیں اور ہم انھیں ایک ایسے شہر کے اوپر لے جا کر پھیلا دیتے ہیں جو ہلاک ہوچکا ہے اور زندگی کے لیے پیاسا ہے۔ پھر پانی برستا ہے اور زمین کی موت کو زندگی سے بدل دیتا ہے اس کی نموبخشی سے طرح طرح کے پھل پیدا ہوتے ہیں اور مخلوقات اپنی غذا حاصل کر لیتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح ہم مُردوں کو بھی اٹھاتے ہیں اور یہ جو کچھ کہا گیا ہے، سو دراصل ایک مثال ہے تاکہ تم دانائی اور سمجھ حاصل کرو۔

عالمِ انسانیت کی فضائے روحانی کا ایسا ہی انقلابِ عظیم تھا جو چھٹی صدی عیسوی کے وسط میں ظاہر ہوا۔ وہ رحمتِ الٰہی کی بدلیوں کی ایک عالم گیر نمود تھی جس کے فیضانِ عام نے تمام کائناتِ ہستی کی سرسبزی اور شادابی کی بشارت سنائی اور زمین کی خشک سالیوں اور محرومیوں کی بدحالی کا دور ہمیشہ کے لیے ختم ہوگیا۔ وہ خداوندِ قدوس جس نے سینا کی چوٹیوں پر کہا تھا کہ میں اپنی قدرت کی بدلیوں کے اندر آتشیں بجلیوں کے ساتھ آؤں گا اور دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ میرے جاہ و جلال الٰہی کی نمود ہوگی۔ سو بالآخر وہ آگیا اور سعیر و فاران کی چوٹیوں پر اس کے ابرِ کرم کی بوندیں پڑنے لگیں۔

یہ ہدایتِ الٰہی کی تکمیل تھی۔ یہ شریعتِ ربانی کے ارتقا کا مرتبۂ آخری تھا، یہ سلسلہ ترسیلِ رسل و نزولِ صحف کا اختتام تھا۔ یہ سعادتِ بشری کا آخری پیام تھا۔ یہ وراثتِ ارضی کی آخری بخشش تھی۔ یہ اُمتِ مسلمہ کے ظہور کا پہلا دن تھا اور اس لیے یہ حضرت ختم المرسلین و رحمۃ للعالمین محمد ﷺ بن عبداللہ کی ولادت باسعادت تھی۔ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم۔

D:NaatRang-15
File: Iqbal Javed-1
Final

پروفیسر محمد اکرم رضا۔ گوجرانوالہ

کاروانِ نعت کا شوقِ منزل آشنائی

(تعریف، تاریخ، فروغ، رجحانات اور تقاضوں کے تناظر میں)

تاریخ شاہد ہے کہ ...

بے شمار قافلے منزل ارتقا کا تصور لے کر وقت کی بساط پر سفر کر رہے ہیں۔ ان میں سے بعض قافلوں کو منزل نصیب ہوتی ہے جب کہ بیشتر قافلے زندگی کے ریگزاروں میں گم ہو کر اپنی شناخت بھی کھو بیٹھتے ہیں۔ منزل کو گم کر بیٹھنے والوں کا کوئی سراغ نہیں ملتا، ان کی بے چارگی کو ختم کرنے کے لیے کوئی مغنی مسیحا نفس بن کر نمودار نہیں ہوتا۔ کہیں سے حدی خوانی کی معمولی سی صدا بھی نہیں ابھرتی۔ ساحل امید سے محروم رہنے والوں کو کوئی نوحہ خواں بھی میسر نہیں آتا۔

مگر...

ایک قافلہ ایسا ہے جو صدیوں سے منزل نور کی جانب رواں دواں ہے۔ اس قافلے کا ہر فرد ذوق عمل سے سرشار اور حسن عقیدت کا افتخار ہے۔ اس قافلے کے کسی مسافر کے قدموں میں کبھی بھی ادنیٰ سی لرزش یا فکری لغزش کا گمان تک نہیں ہوتا۔ اس سعید قسمت قافلے کا ہر مسافر اپنے افکار میں منزل شوق کا تصور بسائے ہوئے ہے۔ نظروں کے آبگینے اس منزل شوق کے انوار سے ہر پل مستنیر نظر آتے ہیں۔ یہ قافلہ زمانے کے مروّجہ کسی بھی ''منزل نما'' کا سہارا لیے بغیر مسلسل آگے بڑھ رہا ہے۔ قدموں میں تھکن نہیں، افکار میں الجھن نہیں، جذبات میں ٹھہراؤ نہیں، عزائم میں کم زوری نہیں، تصورات میں تفکر کی کوئی پرچھائیں نہیں۔ یہ قافلہ حدود سے قیود سے ماورا ہے۔ زمان و مکان کے تخیلات سے سربلند ہے۔ اس کا چھوڑا ہوا ہر نقش قدم پیچھے آنے والوں کے لیے سنگ میل بنتا جا رہا ہے۔ اور اس کے آگے کو بڑھتا ہوا ہر قدم منزل نور کی پابوسی

کی حسین ترین ساعتوں کو چھونے کے لیے بے قرار ہے۔ یہ ایک سیل نور ہے جو کناروں سے اچھلتا، رکاوٹوں سے الجھتا، جذبات عقیدت کی سچائی سے سلجھتا اور اپنی بے کرانی کے احساس میں مچلتا ہوا آگے کو بڑھ رہا ہے۔

ازل اس کے پیچھے ابد سامنے
نہ حد اس کے پیچھے نہ حد سامنے

مہر و ماہ کی نیرنگی اس کاروانِ شوق کی بلائیں لے رہی ہے۔ ستاروں کا حسن اس کاروان عشق کے مسافروں کے قدموں پر تصدق ہو رہا ہے۔ بہاریں اپنی مہک باری لٹا رہی ہیں۔ گل و لالہ اپنا اثاثۂ حیات ارمغان عقیدت میں سجا کر پیش کر رہے ہیں۔ اس قافلے کے مسافران خوش ادا میں سے ہر ایک وقت کا مغنی بھی ہے اور حدی خواں بھی۔ کہ جس کی آواز بے کراں سناٹوں کے طلسم کا پردہ چیر کر رہ نوردوں کو تھکن سے نا آشنا رکھتی ہے۔

یہ کاروان مدحت رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے جس کے راستے کا عرفان روز الست کی پہنائیوں سے ابھرا تھا۔ جب رب کریم نے تمام انبیا و رسل کی ارواح سے عظمت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلیم کرنے کا عہد لیا تھا۔ اور اقرار کی صورت میں فرشتوں اور اپنی ذات کو گواہ بنا کر ان کے سروں پر نبوت و امامت کے تاج سجا دیے تھے۔ وقت نے نجانے کتنی گردشیں دیکھیں۔ تاریخ نے نجانے کتنی کروٹیں بدلیں، زندگی نے نجانے کتنے قرنوں اور صدیوں کی مسافت کو طے کیا۔ زمانہ نجانے کتنے انقلابات سے دوچار ہوتا رہا۔ نظام ہستی نجانے کتنے پیچ وخم سے آشنا ہوتا رہا۔ مگر یہ کاروان نعت مصطفیٰ علیہ التحیتہ و الثنا اسی شان سے منزل نور کی جانب گامزن رہا۔ وہ منزل نور جو انوار مصطفیٰ ﷺ سے آباد ہے۔ جو تذکر رسالت سے ضوبار ہے۔ جس کے جلوے ثنائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے زندگی پاتے ہیں اور جس کی صبح و شام کے ظہور کا تصور حیات ارضی کی پابندیوں سے نا آشنا ہے۔ اور جس کی بہار سامانی خوش بوئے محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عبارت ہے۔ اقبال کے تخیل کی اڑان اس منزل نور کی وسعتوں کی جھلک دیکھنے کی آرزو کرتی ہے۔

ہر کجا بینی جہان رنگ و بو   آنکہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نور مصطفیٰ او را بہاست   یا ہنوز اندر تلاش مصطفیٰ است

یہ سب کیا ہے؟ فقط توصیف وثنائے حضور علی الصلوٰۃ والسلام کی جلوہ گری ہے۔

حضور محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کی مدحت و نعت کا تصور کرتے ہی دل و جان محبت حضورﷺ کی مہک سے بسنے اور محسوسات کے شہ پارے صورت سیل رواں امنڈنے لگتے ہیں۔ فکر کو معرفت کا گداز اور تخیل کو ذوق پرواز میسر آنے لگتا ہے۔ اور جب مداح حبیب خدا اس ممدوح آدم و نبی آدم، نازش وسعت دوعالم، عرب وعجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربارِ دُربار بنی۔ ہدیۂ عجز و نیاز پیش کرتا ہے تو پھر اس کا قلم شہپر جبریل کا روپ دھارنے، اس کا عشق گیسوئے سرمستی کو سنوارنے اور اس کا وجدان روحانی لطافتوں کے نقوش پاکیزہ کو ابھارنے لگتا ہے۔

اس تمام تر سعی مدحت و ثنائے مصطفیٰ ﷺ میں شاعر کا کمال فقط اس قدر ہے کہ وہ اپنے دیدۂ باطل کو وا کیے ہوئے جمال مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جلوہ کاریاں اور اسوۂ سیّد الانبیا کی ضو پاشیاں دیکھ رہا ہوتا ہے۔ گفتار رسول کریم کی فکر انگیزیوں سے لے کر کردار مصطفیٰ کی معجز نمائیوں تک اور انوار نبوی کی تجلیات زاریوں سے لے کر اسوۂ کامل کی عمل افروزیوں تک اگر شاعر نعت نگاری کا حق ادا کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو یہ صرف سیرت وصورت مصطفیٰ کی جامعیت کا کمال ہے۔ کیوں کہ نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی جو پرتوِ انوار خداوندی اور مظہر شان کبریائی ہے، جو مجمع اوصاف انسانی اور مجموعہ محاسن ایمانی ہے، کا ہی حسن ایمان افروز، شاعر کے ذہن کو گیرائی، ادیب کے قلم کو گہرائی اور دانشور کے فکر و تدبر کو برنائی عطا کرتا ہے۔

یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل اور ناقابل تردید ہے کہ ممدوح جتنا حسین وجمیل اور صاحب اوصاف پاکیزہ ہوگا اس کا قصیدہ بھی اتنا ہی مکمل اور جامع ہوگا۔ اور اگر ممدوح وہ ذات والا صفات ہو کہ جسے ازل سے لے کر ابد تک کے تمام محامد ومحاسن عطا کیے گئے ہوں، جو بعد از خدا بزرگ توئی قصۂ مختصر کے مصداق اور زینت دہِ جملہ انفس و آفاق ہے تو پھر نعت گو شاعر جس قدر بھی عقیدت و محبت کے جواہر آبدار اور در ہائے تابدار لٹائے، صفت و ثنائے حضور کے فریضۂ ایمانی سے کما حقہ، سبکدوش نہیں ہوسکتا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عظیم صدیوں سے شاعروں اور ادیبوں کے لیے ذریعۂ اظہار عقیدت نبی ہوئی ہے۔ قصیدۂ نبوی خواہ نظم میں ہو یا نثر میں، صورت تقریر ہو یا قالب تحریر میں، سب کا مقصود حصول خوشنودئ مصطفیٰ ہے اور وہ اس لیے کہ خوشنودئ مصطفیٰ ہی عین رضائے خدا ہے کیوں کہ ثنائے مصطفیٰ صرف بندگان خدا ہی کو نہیں بلکہ خود خالق کائنات کو بھی

D:NaatRang-15
File: Akram Raza-1
Final

محبوب و منظور ہے۔ یہی تو ایک ایسا موضوع دلپذیر ہے کہ جہاں خالق و مخلوق ایک ہی مطلوب و محبوب کے تذکار کو عام کرنے کے سلسلہ میں ایک ہی مقام مدحت و ثنا پر دکھائی دیتے ہیں۔ ذات خداوندی فکر و تخیل سے ماوریٰ ہے اور بندۂ عجز گزار کی کیا مجال کہ ذات کبریائی کی ہمسری کا خیال بھی ذہن میں لائے مگر جہاں صفت و ثنائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام آتا ہے بارگاہ خداوندی سے بھی نہایت ہی سربلند خطبات و القاب کے ساتھ تذکار رسول کی کہکشائیں بکھیری جا رہی ہیں اور بندگان خدا بھی تمام تر عشق و وابستگی کا پرچم لہراتے ہوئے، دربار رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی مناجاتوں کی رسائی کی تمنا دل میں سجاتے ہوئے اپنی اپنی عقیدت طرازیوں کے سامان بہم پہنچا رہے ہیں۔ اسی ذات بابرکات کو محبوب ﷺ خدا ہونے کا شرف حاصل ہے اور وہی ذات مطلوب و مقصودِ کائنات ہے۔ لامکاں کی رفعتوں سے بھی رحمتوں کی سوغات نازل ہو رہی ہے اور روئے زمین پر بسنے والے بے شمار انسان بھی ازل سے ابد تک کے سلسلۂ روز و شب میں درود و سلام کے ہدیۂ ہائے نیاز حضور پرنور سیّد یوم النشور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نچھاور کر رہے ہیں۔ ایک شاعر نے اس حقیقت کو کیا خوب واضح کیا ہے۔

دل از عشق محمد خویش دارم
رقابت باخدائے خویش دارم

نعت جو روز ازل سے کائنات انسانی کی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قلبی و روحانی وابستگی کی مظہر بنی ہوتی ہے۔ ایک ایمان افروز صنف ادب ہے۔ نعت عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے لفظی معنی تو تعریف و ستائش کے ہیں مگر لغات میں اس کے مستعمل معنی توصیف و ثنائے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی درج ہیں۔ بلاشبہ یہ اس لفظ کی خوش قسمتی ہے کہ یہ ہمیشہ سے صرف اور صرف حضور نبی کریم کے اوصاف بیان کرنے کے معنوں میں استعمال ہوتا آیا ہے، ہوتا ہے اور ہوتا رہے گا۔ تمام زبانوں کے ذخیرۂ الفاظ میں بہت کم الفاظ اتنے خوش نصیب ہوتے ہیں کہ کسی سے نسبت رکھنے کی بنا پر سربلند و سرفراز اور متبرک و محترم ہو جائیں۔ نعت کا یہ اعزاز کثرت استعمال سے اپنی اہمیت سے محروم نہیں ہوا بلکہ ہر آنے والا دن اس کی عظمت و تقدیس کو وظیفۂ حیات بناتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ لمحہ لمحہ، پل پل، ساعت ساعت، نعت کی قبولیت اور تاثر انگیزی دلوں کی دھڑکنوں میں ڈھلتی جا رہی ہے۔

صفت و ثنائے رسول ﷺ کا آغاز تو ازل کی ان مبارک ساعتوں میں ہی ہوگیا تھا

جب رب دوعالم نے عالم ارواح میں سرکار دوعالم کی محفل نعت کا اہتمام کیا تھا اور تمام انبیا کرام کے روبرو حضور ﷺ نبی کریم کے محاسن بیان فرماتے ہوئے انبیائے کرام سے ان کی اعانت و اطاعت کا پیمان لیا تھا۔ امیر خسروؒ نے بھی ایک نعت میں اس طرف اشارہ کیا ہے۔

نمی دانم چہ منزل بود شب جائیکہ من بودم بہر سو رقص بسمل بود شب جائیکہ من بودم
خدا خود میر مجلس بود اندر لامکاں خسرو محمد ﷺ شمع محفل بود شب جائیکہ من بودم

سیّدنا آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیا و رسل اپنے اپنے عہد نبوت میں نہ صرف خود بے چینی و بے قراری کے ساتھ نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے منتظر رہے بلکہ اپنی اپنی امتوں کے سامنے آپ ﷺ کے محامد و محاسن بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ کی نعت و توصیف کی مقدس روایت کو بھی آگے بڑھاتے رہے۔ بالخصوص حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تو "**ومبشراً برسول یاتی من بعد اسمہ احمد**" فرما کر نہ صرف اپنے بعد آپ ﷺ کی تشریف آوری کی سعادت آفریں نوید سنائی بلکہ آپ کی نعت بیان فرماتے ہوئے آپ ﷺ کے اسم گرامی کا اعلان بھی کر دیا۔ آپ ﷺ کی تشریف آوری میں انبیا و رسل کی دعاؤں کا جواب تھی۔

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دعائے خلیلؑ اور نویدِ مسیحاؑ

جیسا کہ ہم نے عرض کیا سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت سب سے پہلے خالق کائنات نے بیان فرمائی۔ قرآن مجید جو کہ اس کائنات کے لیے سب سے بڑا ضابطۂ حیات ہے۔ فی الواقع نعت رسول کریم ﷺ بھی ہے۔ قرآن کریم آپ ﷺ کی صورت نورانی اور سیرت ایمانی کی ابدی گواہی ہے۔ آپ ﷺ کی گفتار کی پاکیزگی، آپ ﷺ کے کردار کی سربلندی، آپ ﷺ کی تقدس مآبی، آپ ﷺ کی راست فکری، آپ ﷺ کی سیادت و قیادت، آپ ﷺ کی شفقت و عنایت، آپ ﷺ کی رحمت بے پایاں، آپ ﷺ کا لطف فرواں، آپ ﷺ کی معاملہ فہمی، آپ ﷺ کی نکتہ سنجی، آپ ﷺ کی خلوت گزینی، آپ ﷺ کی نکتہ آفرینی، آپ ﷺ کے روئے انور کی طلعتیں، آپ ﷺ کے فکر و تدبر کی رفعتیں، آپ ﷺ کا حسن جہاں افروز، آپ ﷺ کا جلال باطل سوز، آپ ﷺ کا نور نظر نواز، خدائے دو جہاں سے راز و نیاز، چہرۂ "والشمس" کی تابانیاں، کاکل "واللیل" کی لطف سامانیاں، فرق "طٰہٰ" کی ضوباریاں، لب ہائے جاں نواز کی گلکاریاں،

D:NaatRang-15
File: Akram Raza-1
Final

مصداق ''مزمل و مدثر'' شرح اول و آخر، تفسیر ظاہر و باطن، معیار تقدیس سخن، وہ لازوال رحمتہ للعالمینی، وہ کرم گستر شفیع المذنبینی، آپ ﷺ کے صحابہ کبار، آپ ﷺ کے ساتھیوں کے تذکار، آپ ﷺ کے شہر مقدس کے چرچے، آپ ﷺ کے مہک بار رستے، آپ ﷺ کا افتخار ''الفقر فخری'' آپ کے فکر وعمل کی روشنی، بے مثال بشریت کی سرافرازیاں، اسوۂ پاکیزہ کی عالم طرازیاں، آپ ﷺ کی صداقت شعاری، اخلاق ومروت کی پاسداری، آپ ﷺ کے اعجاز نطق کی تسخیر سامانی، بوریا نشینی میں انداز سلطانی، حب خدا کے لیے حب مصطفیٰ کے تقاضے، ''وما ینطق عن الھویٰ'' کے قدسی زمزمے، غرضے کہ قرآن پاک مکمل طور پر آپ ﷺ کے اوصاف حسنہ کا تذکرہ ہے۔ اس لحاظ سے قرآن مجید ایسی نعت رسول ﷺ ہے جو کلک قدرت سے رقم ہو رہی ہے۔ آپ ﷺ مجمع کمالات ہیں، سرچشمۂ صفات ہیں۔ زمانے بھر کے خصائص کا پیکر ہیں۔ عقیدتوں کا مرجع اور عشق و سرمستی کا محور ہیں۔ اس لیے آپ کو ''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر'' کے مصداق ٹھہراتے ہوئے آپ ﷺ کی ذات والا صفات میں ازل سے ابد تک کے محاسن و محامد کا اجتماع کر دیا گیا۔

رنگ، خوشبو، صبا، چاند تارے، کرن، پھول، شبنم، شفق، آبجو چاندنی
تیرے معصوم پیکر کی تخلیق میں حسن فطرت کی ہر چیز کام آگئی

جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی بار اپنی زبان مبارک سے بھی اپنی نعت بیان فرمائی۔ ایک دن حضور ﷺ مسجد نبوی میں صحابہ کرام کے ہجوم میں تشریف فرما تھے۔ صحابہ آپس میں مختلف انبیاے کرام کی خصوصیات اور خصائص بیان کرنے لگے۔ حضور نبی کریم ﷺ کے استفسار پر صحابہ نے آپ کو اپنی گفتگو سے آگاہ کیا تو آپ نے ان کی گفتگو کی تصدیق فرمائی پھر فرمایا ''مگر مجھے بھی تم پہچانتے ہو۔'' یہ کہہ کر آپ نے اپنی نعت بیان فرمانا شروع کر دی۔

میں اولاد آدم کا سردار ہوں اور مجھے کوئی فخر نہیں۔ میں پہلا شخص ہوں گا جو جنت کے دروازوں کو حرکت دے کر ان میں داخل ہوں گا اور میرے ساتھ مسلمان فقرا ہوں گے اور مجھے کوئی فخر نہیں۔ اور اس دن اللہ کی حمد و ثنا کا پرچم میرے ہاتھوں میں ہوگا اور حضرت آدمؑ اور ان کے سوا دوسرے لوگ میرے پرچم کے نیچے ہوں گے اور مجھے کوئی فخر نہیں۔ (الحدیث)

اپنے بارے میں ان ارشادات بصورت نعت سے آپ کو بتقاضائے ناز اپنی علو مرتبتی

مقصود نہیں تھی بلکہ اس کا مقصد انشراحِ حقیقت تھا کہ میرے صحابہ بھی میرے مقام سے آگاہ ہو جائیں کہ خدا نے انبیا کے مقابلے میں مجھے کن فضائل سے نواز رکھا ہے۔

نعت کہنے کے لیے شاعری کی کوئی خاص ہیئت مخصوص نہیں ہے۔ نعت کہنے کے لیے صرف موضوع کی پابندی ہوتی ہے ہیئت کی نہیں۔ شاعری کی مختلف ہیئتوں مثلاً قصیدہ، مثنوی، غزل، رباعی، قطعہ، مسدس، مخمس وغیرہ میں سے کسی بھی ہیئت میں نعت رسول ﷺ مقبول کہی جاسکتی ہے لیکن نعت کے موضوع سے انحراف یا تجاوز نہیں کیا جا سکتا۔ نعت کہتے ہوئے بظاہر شاعر کو یوں نظر آتا ہے کہ اس کا موضوع تو بالکل مختصر ہے کیوں کہ نعت صرف حضور ﷺ کی صورت و سیرت اور اسوۂ حسنہ کا نام ہے۔ لیکن نعت لکھتے ہوئے شاعر کو قدم قدم پر شہپر جبریل کی ضرورت پڑتی ہے اور اسے بجا طور پر احساس ہونے لگتا ہے کہ چوں کہ اس کے ممدوح (حضور نبی پاک ﷺ) کے فضائل و محاسن لامحدود ہیں اس لیے اس کے موضوع کے مندرجات بھی لامحدود ہیں۔

عام طور پر نعت غزل کے اسلوب پر لکھے ہوئے ایسے اشعار کو کہا جاتا ہے جن میں حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ذات گرامی سے اظہار عقیدت کیا گیا ہو۔ نعت میں چوں کہ حضور محمد ﷺ مصطفیٰ کی ذات والا صفات کی مدح سرائی ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے نعت کو نعتیہ قصیدہ بھی کہا جاتا ہے۔ اسی لیے بعض شعرا نے نعتوں کو قصائد کا رنگ دیا ہے۔

نعت کہنے کے لیے بڑے اہتمام کی ضرورت ہوتی ہے۔ نعت کا زمزمۂ قدسی ایک ایسے دل کا تقاضہ کرتا ہے جو اخلاص و نیاز مندی سے بھرپور ہو۔ نعت ایک ایسے لہجے کی متقاضی ہوتی ہے جو احترام وعقیدت کے ساتھ ساتھ ادب و احتیاط کا مظہر ہو، نعت کے لیے عشق و وارفتگی کی متاع گراں مایہ درکار ہوتی جو جمال مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم پر دل و جان تصدق کر دینے کے لیے مہمیز کا کام دے۔

ڈاکٹر سیّد محمد عبداللہ فن نعت پر اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں:

> نعتیہ شاعری کی مشکل یہ ہے کہ اگر یہ ایک طرف مذہبی شاعری ہے تو دوسری طرف اس کے رشتے عاشقانہ شاعری سے ملتے ہیں۔ اور اس کے باوجود حق یہ ہے کہ نہ یہ مذہبی شاعری ہے اور نہ عاشقانہ شاعری بلکہ ایک ہی صنف ہے جو ایک عجیب قسم کے مگر گہرے روحانی تجربے سے ابھرتی ہے۔ یہ خدا سے محبت کی شاعری نہیں کہ جس کا مخاطب کسی کو کبھی نظر نہیں

D:NaatRang-15
File: Akram Raza-1
Final

آیا، اگر چہ وجدان میں ہے اس لیے اس شاعری کی ساری رمزیں ماورائی ہیں۔ مگر نعت کا موضوع ایک پیکرِ محسوس ہے۔ اس کی محبت ایک پیکر محسوس کی محبت ہے۔ اس لیے اس کی نعت کی رمزیں اور اس کے استعارے مبالغہ و اغراق کی تاب نہیں لا سکتے۔ نعت گو اس کی مدح میں حقیقت گوئی پر مجبور ہے۔ ورنہ ہر گام سوء ادب کا خطرہ ہے اور اس پر یہ کہ محبت کے پر احترام جذبے کو ادب کی قیود میں سنبھال کر لے جانا بھی پڑتا ہے لیکن اس کے باوصف گداز اور گھلاوٹ کی شرط لازم ہے۔

ڈاکٹر سیّد محمد عبداللہ کے نزدیک چوں کہ نعت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیکرِ محسوس سے محبت کا دوسرا نام ہے۔ اس لیے مدحت نگار حضور محمد مصطفیٰ کے مقام و مرتبے کے اظہار کے سلسلے میں صداقت نگاری پر مجبور ہے۔ احمد رضا خان فاضل بریلویؒ نے نعت رسول کے سلسلے میں ادب و احتیاط کو عشق رسول کی منزل اولین قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

حقیقتاً نعت شریف لکھنا نہایت مشکل کام ہے۔ جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں۔ اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔ البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں راستہ صاف ہے۔ جتنا چاہے آگے بڑھ سکتا ہے۔ غرض ایک جانب اصلاً کوئی حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت حد بندی ہے۔

نعت کی اس لافانی عظمت کو دل میں بسائے جب عرفی جیسا قادر الکلام شاعر مقام نعت پر پہنچتا ہے تو حیرت و استعجاب کی وادیوں میں کھو کر بڑی درماندگی اور بے بسی کے عالم میں کہتا ہے:

عرفی مشتاب ایں رہِ نعت است نہ صحرا است آہستہ کہ رہ بردم تیغ است قدم را
ھشدار کہ نتواں بیک آہنگ سرودن نعت شہ کونین و مدیح کے وجم را

تاریخی اعتبار سے میمون بن قیس کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس نے حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کرتے ہوئے پہلا قصیدے لکھا۔ مؤرخین نے اسی قصیدہ کو عربی کی پہلی نعت قرار دیا ہے۔ وہ آپ کے کردار کی سربلندیوں کا سن کر آپ سے ملاقات کا اشتیاق لیے مکہ چلا آیا مگر کفار مکہ نے اس ڈر سے کہ قبولیت اسلام کے بعد اس کی شاعری تبلیغ اسلام کے لیے مدو

معاون ثابت ہوگی اس کو بہت کچھ اپنے پاس سے دے کر واپس بھیج دیا۔ میمون بن قیس قبولِ اسلام سے محروم واپس چلا گیا مگر اس کے اشعار آج بھی موجود ہیں۔

قرآن نے ایسے شعرا کی تعریف کی ہے جنھوں نے اپنی فکری و شعری صلاحیتیں دین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فروغ کے لیے وقف کر رکھی ہیں۔ عہد نبوی میں جن صحابہ نے اپنی قوت شعر کو تبلیغ اسلام کا ذریعہ بنا لیا تھا ان میں حضرت حمزہؓ، حضرت علی المرتضیٰؓ، حضرت حسانؓ بن ثابت، حضرت کعبؓ بن زہیر، حضرت کعبؓ بن مالک، حضرت عبداللہؓ بن رواحہ، حضرت ضرارؓ بن خطاب اور حضرت مالکؓ بن الخط وغیرہ شامل ہیں۔ ان میں سے حضرت حسانؓ بن ثابت اور حضرت کعبؓ بن زہیر عربی کے ممتاز ترین نعت گو شاعر ہیں۔ دونوں کو حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں نعتیہ اشعار سنانے اور آپ ﷺ کی زبان مبارک سے دادِ تحسین حاصل کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ معتبر اور مستند راویوں نے بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ نبی کریم نے مسجد نبوی میں ایک منبر حسانؓ بن ثابت کے لیے مخصوص کر دیا تھا۔ حضرت حسانؓ اس منبر پر کھڑے ہو کر نعتیہ اشعار پڑھا کرتے تھے اور رسول کریم ﷺ انھیں داد دیا کرتے تھے۔ جناب رسول ﷺ خدا نے کئی مواقع پر فرمائش کر کے بھی اشعار کہلوائے ہیں اور ان کے کلام کو سن کر ان کے حق میں دعائے خیر کی ہے اور اصلاحی مشورے بھی دیے ہیں۔

حضرت حسانؓ بن ثابت نعت گو شعرا کے امام برحق اور کاروان مدحت و نعت کے سالار ہیں۔ بارگاہ رسالت سے انھیں دعائیہ انداز سے "اللّٰھم ایدہ بروح القدس" کی جاں فزا اور روح پرور بشارت سے نوازا گیا۔ آپ کا نعتیہ دیوان شائع ہو چکا ہے۔ ان کے یہ اشعار بالخصوص زبان زدِ عام ہیں۔

واحسن منک لم ترقط عینی   واجمل منک لم تلد النساء
خلقت مبرأً من کل عیب   کانک قد خلقت کما تشاء

عہد نبوی ﷺ کے کاروان نعت و مدحت کی ایک اور نمائندہ شخصیت حضرت کعبؓ بن زہیر ہیں۔ یہ پہلے کافر تھے اور حضور پاک ﷺ کی ہجو بیان کیا کرتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد مدینہ منورہ پہنچ کر مسجد نبوی میں حاضر ہوئے عرض کیا ''کہ میں دامنِ اسلام میں پناہ لینے کے لیے آیا ہوں۔'' قبولیتِ اسلام کے بعد انھوں نے حضور ﷺ کی شان میں اپنا قصیدہ پیش کیا۔ کعبؓ کا یہ قصیدہ ''بانت سعادُ'' کے نام سے مشہور ہے۔ یہ قصیدہ فن نعت گوئی میں ایک نئے باب کا اضافہ

کرتا ہے۔ شروع کے اشعار کعب نے اپنی محبوبہ ارسعاد کے حسن و جمال کے بارے میں کہے ہیں۔ محبوبہ کے تذکرے کے بعد اس نے اپنی اونٹنی کی خوبیاں پیش کی ہیں۔ اس کے بعد سرکار دوعالم کی مدح شروع ہوئی ہے۔ مدح میں حضورﷺ کی ذات بابرکات کے ساتھ ساتھ آپ کے صحابہ کرام اور آپﷺ کے فدا کاروں کی عقیدت و محبت کی بھی تعریف کی گئی ہے۔ کعبؓ بن زہیر قصیدہ پڑھتے ہوئے جب اس شعر پر پہنچے:

ان الرسول لسیف یستضاء به　　مهند من سیوف الهند مسلول

تو حضور اکرمﷺ نے اس کو حشو کے عیب سے پاک کرتے ہوئے کعب سے فرمایا کہ اس کو یوں پڑھو:

ان الرسول لنور یستضاء به　　مهند من سیوف الله مسلول

جب حضرت کعبؓ نے حضور کے ارشاد کے مطابق پڑھا تو آپ نے حضرت کعبؓ کو اپنی چادر جو آپ اس وقت اوڑھے ہوئے تھے عطا فرما دی۔ اسی لیے یہ قصیدہ دو ناموں سے مشہور ہے۔ ایک تو ''قصیدہ بردہ'' (چادر والا قصیدہ) اور دوسرا ''قصیدہ بانت سعادُ'' ناقدین کے نزدیک اس قصیدہ کو اگرچہ عرب کی جاہلی شاعری کا نمونہ سمجھنا چاہیے مگر یہ قصیدہ، فنی سربلندیوں، نبی کریمﷺ سے والہانہ عقیدت، شوکت الفاظ اور زور بیان کے لحاظ سے فن نعت گوئی میں ایک نئے باب کا اضافہ کرتا ہے۔ اس نعتیہ قصیدے کی تشبیب عربی قصیدے کے لوازم کے مطابق بہاریہ اور عاشقانہ ہے۔ مختلف زبانوں میں اس کی شرحیں لکھی جا چکی ہیں۔ اردو میں بھی اس کے ترجمے ہوئے اور شرحیں لکھی گئیں۔

جب ممدوح کائنات حضور انور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سامنے ہوں تو پھر جذبات عقیدت کیوں کر نعتیہ اشعار کے پیرائے میں نہ ڈھلتے ہوں گے۔ حسن کامل جلوہ افروز ہو تو عشق خود بخود زمزمہ پردازیوں میں ڈھلنے لگتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ عہد نبویﷺ میں بہت سے صحابہ کرام اور صحابیات نے نہایت ہی قابل قدر اور خوب صورت عربی نعتیں کہی ہیں۔ یہ علیحدہ امر ہے کہ شعر و سخن کے اسرار و رموز سے آگاہ عشاق نے شاعری کو مستقل طور پر دربار مصطفویﷺ سے قلبی و روحانی وابستگی کا وسیلۂ اظہار بنا لیا جب کہ بہت سی نامور شخصیات کے دامن میں صرف ایک دو نعتوں کے جواہر پارے ہی دکھائی دیتے ہیں۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ، بنت رسول حضرت فاطمۃ الزہراؓ، حضرت عبداللہ بن رواحہ، حضرت حمزہؓ، حضرت اسد بن ابی الیاس، حضرت

ابوعزۃ الجمعی، حضرت مالکؓ بن عوف، حضرت عمرؓ بن سبیع الرہادی، حضرت العباسؓ بن مرداس، حضرت اعشیٰؓ بکر بن رائل اور ان کے علاوہ بیسیوں دوسری محترم شخصیات کی نعتیں بھی صرف عربی ادب کے لیے ہی نہیں بلکہ ادب عالم کے خوشہ چینوں کے لیے سرمایۂ افتخار ہیں۔

عربی نعت گوئی کا یہ سلسلہ صدیوں کے پس منظر سے ابھرتا اور ہر آنے والے دور سے اپنی مقبولیت اور پذیرائی کا خراج لیتا رہا۔ عرب ہو یا عجم، مشرق ہو یا مغرب، ایشیا کی نورِ ایمانی سے منور فضائیں ہوں یا افریقا کی وادیٔ ظلمات کے حیرت کدے ہر جگہ اسم محمد ﷺ سے نور آفریں سویرے پھوٹتے رہے۔ عربی زبان کو رسول ﷺ اللہ کی زبان پاک ہونے کا شرف حاصل تھا اس لیے عرب و عجم میں عربی نعت گوئی کو اجر و سعادت کا وسیلہ سمجھتے ہوئے لاتعداد عربی نعتیں کہی گئیں۔ غیر صحابی عربی شعرا میں سے جن اصحاب کو نعت گوئی میں غیر معمولی شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی ان میں جمال الدین یحییٰ الصرحری، ابو محمد عبداللہ التقر اطیسی، جمال الدین ابن نباتہ، محمد بن احمد الابیوروی، ابو زید عبدالرحمٰن سعید الوزیر الاندلسی، سیّدنا ابوحنیفہ نعمانؒ بن ثابت اور علامہ بوصیریؒ مصری خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ سیّدنا ابوحنیفہؒ کا ''قصیدۃ النعمان'' جہاں فن نعت گوئی میں اعلیٰ مقام رکھتا ہے۔ وہاں ان کی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے غایت درجہ محبت و عقیدت کا ثبوت بھی پیش کرتا ہے۔ اس قصیدہ کے تین اشعار ملاحظہ ہوں۔

یا سیّد السادات جئتک قاصدا ازجو رضاک واحتمی رحماک

انت الذی لولاک ماخلق امرءً کلا ولا خلق الوریٰ لولاک

انت الذی من ورک البدا التبیٰ والشمس مشرقۃ بنور بھاک

علامہ بوصیری بلاشبہ ایسے عندلیب ریاضِ رسول ﷺ تھے کہ جن کے قدسی زمزموں سے ایوان مدحت و نعت تا حشر آباد رہے گا۔ وہ کاروان عشق و مستی کے سالار اور عربی نعت گو شعرا میں ممتاز ترین حیثیت کے حامل تھے۔ مصر کے رہنے والے تھے ۶۹۵ھ میں وفات پائی۔ بوصیریؒ کا زمانہ حضور نبی کریم ﷺ کے وصال سے صدیوں بعد کا ہے۔ ان پر فالج کا شدید حملہ ہوا اور یہ چلنے پھرنے سے بھی معذور ہوگئے۔ شدید بیماری جب مسلسل کئی برسوں پر محیط ہوگئی تو انھوں نے ایک نعتیہ قصیدہ لکھا۔ اس کے بعد انھیں خواب میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوا تو انھوں نے کمالِ وارفتگی و شیفتگی، حسنِ عقیدت اور سوز و گداز سے یہ نعتیہ قصیدہ حضور ﷺ اکرم کی نذر کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم یہ قصیدہ سن کر بہت خوش ہوئے اور بوصیریؒ کو

D:NaatRang-15
File: Akram Raza-1
Final

اپنی چادر اوڑھا دی۔ بوصیریؒ اس ایمان افروز خواب سے بیدار ہوئے تو صحت یابی ان کا مقدر بن چکی تھی۔ اس روایت کی بدولت امام بوصیریؒ کے قصیدہ کو ''قصیدۂ بردہ'' (چادر والا قصیدہ) کہا جاتا ہے۔ اس طرح بوصیریؒ کا قصیدہ تاریخ نعت گوئی میں شہرت عام اور بقائے دوام کا مستحق ٹھہرا۔ کیوں کہ نہ صرف یہ نعتیہ قصیدہ بارگاہِ رسالت میں منظور و مقبول ہوا بلکہ اس کے مصنف کو بھی شفا و ردا سے نوازا گیا تھا۔

''قصیدہ بردہ'' کی تقلید میں بہت سے شاعروں نے عربی نعتیہ قصائد کہے۔ یہ قصائد بھی فنی و معنوی لحاظ سے بلند مقام کے حامل ہیں۔ لیکن قبولیت عام، اثر پذیری اور سعادت دارین کی جو دولت بوصیریؒ کے قصیدۂ نعتیہ کے حصے میں آئی، کوئی اور شاعر اس کا حق دار نہ بن سکا۔ عرب و عجم میں آج تک اس قصیدے کی بے شمار شرحیں اور تراجم چھپ چکے ہیں۔ قصیدہ بردہ کے تین شعر ملاحظہ ہوں۔

نبنا الامرہ الناھی فلا احدٌ ابرّ فی قول لامنہ ولا نعم
ھوا الحبیب الذی ترجیٰ شفاعتہ لکل ھولٍ من الاھوال مقتحم
فانہ شمس فضلٍ ھم کواکبھا یظھرن انوارہ للناس فی الظلم

نعت رسول ایسی مبارک و مسعود صنف سخن ہے جس کی بدولت شاعر اپنی واردات روحانی کے اظہار کے پہلو بہ پہلو سنت خداوندی کی بجا آوری کی سعادت بھی حاصل کر لیتا ہے۔ اس لیے خاندان رسول ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے علاوہ مختلف شہروں اور ملکوں میں بسنے والے عشاقِ رسولِ کریم ﷺ نے مختلف ادوار میں نعت گوئی کی صورت میں دوجہاں کی سعادتیں اپنے دامانِ آرزو میں سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔ عربی کو چوں کہ زبان رسول ﷺ ہونے کا اعزاز حاصل ہے اس لیے حجاز و شام سے لے کر برصغیر پاک و ہند تک ہزاروں شعرا نے زبان عربی کو وسیلۂ اظہار مدعا بناتے ہوئے چمنستانِ مدحت و ثنائے مصطفیٰ میں نغمہ سرائی کا حق ادا کیا ہے۔ متذکرہ بالا نعت نگاروں کے علاوہ ان میں ابو العتاہیہ، ابن الفارض، ابن خلدون، علامہ ابن حجر عسقلانی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، علامہ آزاد بلگرامی، قاضی محمد متقی المعصومی، احمد شوقی وغیرہ خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ آج کے دور میں بھی متعدد شعرا کی عربی نعتیں دل و نظر کے لیے سرمایۂ ایمان و یقین بنتی رہتی ہیں۔

حضور محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم وجہِ تکوین دوعالم ہیں۔ باعث تخلیق کائنات ہیں،

فخر سامانی حیات ہیں، افتخار روح ہستی ہیں، نازش بلندی و پستی ہیں، خیر البشر ہی نہیں محبوب ربّ دو جہاں بھی ہیں، مقصد حیات ہی نہیں مقصود این و آں بھی ہیں۔ حسن ازل ہی نہیں شان ابد بھی ہیں، احمد ﷺ ہی نہیں محمد ﷺ بھی ہیں۔ اس لیے خالق کائنات نے "ورفعنا لک ذکرک" کا اعلان فرما کر ابدالاباد تک کے لیے آپ کی مدحت و ثنا اور تعریف و توصیف کا اہتمام فرما دیا ہے۔ یہ معمورۂ ہستی آپ ﷺ کے ذکر سے آباد، قلبِ فطرت آپ ﷺ کے تصور سے دل شاد ہے۔ ملک آپ کے افکار کی تاثیر سے معمور اور ہر قلب تیرہ آپ کے انوارِ سیرت سے پرنور ہے۔ ہر صدی آپ کی عظمت کی آئینہ دار اور ہر عہد آپ کی رحمت سامانیوں کا اظہار ہے۔ حجاز کے صحراؤں میں، افریقا کی تاریک وادیوں میں، یورپ کے حکمت کدوں میں، ایشیا کی عبادت گاہوں میں غرضے کہ کہاں کہاں فاما بنعمة ربک فحدث کی تعمیل کی صورت آپ کی صورت و سیرت کا چرچا نہیں ہوتا۔ ہر ملک میں، ہر زبان میں، ہر دور میں، ہر لمحہ، ہر لحظہ ہر ساعت اس حقیقت ازلی کا اظہار ہو رہا ہے کہ:

چشم اقوام یہ نظارا ابد تک دیکھے
رفعت شان "رفعنا لک ذکرک" دیکھے

چوں کہ صفت و ثنائے مصطفیٰ کا ذمہ خود خدائے حی و قیوم نے اٹھا رکھا ہے۔ اس لیے ہر جگہ "قیل و قال محمد ﷺ" کی حکایت دراز روشنی، فکر و نظر کا باعث بنی ہوئی ہے۔ فارسی زبان میں نعت گوئی کی ابتدا اس وقت ہوئی جب مجاہدین اسلام نے ایران فتح کر لیا۔ سیّدنا فاروق اعظمؓ کے زمانے میں ایران کی فتح کے ساتھ ہی اسلام اور عربی ادب کو فروغ ہوا تو ایرانی شعرا نے غزل کے انداز میں نعتیں کہیں اور حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و عقیدت کا ثبوت دیا۔ یہی فارسی نعت ہماری اردو نعت کی بنیاد ہے۔ فارسی کی نعتیہ شاعری کو اس لحاظ سے بھی اہمیت حاصل ہے کہ فارسی ہی نے نعت گوئی کو ایک مقبول عام صنف سخن کی حیثیت سے شعر و ادب کے میدان میں نمایاں کیا۔ جہاں نعت رسول ﷺ، عشاق مصطفیٰ ﷺ کے دلوں کی دھڑکن بن کر اپنے زندہ و پائندہ وجود کا بھرپور احساس دلا رہی ہے۔ فارسی زبان میں نعتیہ شاعری کے عروج کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ اس پر طویل عرصہ تک تصوف کا غلبہ رہا اور صوفیائے کرام فارسی کو عشق نبوی ﷺ کے اظہار کا ذریعہ بنا کر مدحت و نعت کے گلہائے رنگارنگ سجاتے رہے۔

فارسی زبان میں شیخ مصلح الدین، عبد الرحمٰن جامی، عرفی شیرازی، قدسی نظری، فیضی،

D:NaatRang-15
File: Akram Raza-1
Final

مولانا روم، خواجہ معین الدین چشتی، خواجہ نظام الدین اولیا، امیر خسرو، حکیم قاآنی، ابوالفرج رونی، اوحد الدین انوری، حافظ شیرازی، نظامی، خاقانی ایسے نام ہیں کہ جن کی نعتیں فارسی ادب کی آبرو اور وقار ہیں۔ ان شعرا نے اردو نعت کو بہت متاثر کیا۔ اس لحاظ سے یہ حقیقت ہے کہ اردو شاعری کی دوسری اصناف سخن کی طرح نعت بھی فارسی سے ورثہ میں ملی ہے۔ قدسی کی یہ نعت بقائے دوام سے ہمکنار ہو چکی ہے اور اس نعت کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ سینکڑوں فارسی اور اردو شعرا نے اس کے اشعار کی تضمین کی ہے:

مرحبا سیّد مکی مدنی العربی دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی
چشم رحمت بکشا سوئے من انداز نظر اے قریشی لقب و ہاشمی و مطلبی

جامیؒ کی یہ نعت دلوں کی تار چھیڑتی اور عشق و سرمستی کی رفعتوں سے آشنا کرتی ہے:

یا شفیع المذنبیں بار گنہ آوردہ ام بردرت ایں بار باپشت دوتاہ آوردہ ام
چشم رحمت برکشا موئے سفید من نگر گرچہ از شرمندگی روئے سیاہ آوردہ ام

امیر خسروؒ صاحب سوز و گداز تھے۔ مرشد کی نگاہ کیمیا اثر نے سوز عشق کی لذتوں سے بہرہ ور کر دیا تھا۔ ان کی غزل نما نعتیں ان کے دلی جذبات کی ترجمان اور عشق رسول ﷺ کی آئینہ دار ہیں۔ بلا شبہ امیر خسروؒ وہ خوش نصیب شاعر ہیں کہ جن کا کلام ہر دور میں مقبولیت سے ہمکنار رہا ہے۔ ذیل کے اشعار میں ان کا انداز مدحت دیدنی ہے:

اے چہرۂ زیبائے تو رشک بتانِ آذری ہر چند وصفت می کنم درحسن زاں زیباتری
خسرو غریب است و گدا افتادہ در شہر شما باشد کہ از بہر خدا سوئے غریباں بنگری

شیخ سعدیؒ کے یہ چار مصرعے فصاحت و بلاغت کی تمام تر خوبیاں لیے ہوئے ہیں۔ یہ حضور نبی کریم ﷺ کی صورت نورانی کے آئینہ دار بھی ہیں اور آپ کی بے مثال سیرت و کردار کے پاسدار بھی۔ آپ ﷺ کی صورت پاکیزہ اور سیرت مطہرہ کی عظمتوں کو اتنے ادبی اختصار اور معنوی جامعیت کے ساتھ بیان کرنا صرف شیخ سعدیؒ کا ہی معمولی اعزاز ہے۔ یہ چار مصرعے دیکھیے:

بلغ العلیٰ بکمالہ کشف الدجیٰ بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ صلّو علیہ وآلہ

شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی ایک بلند پایہ فقیہ ہی نہیں، بلند مرتبہ عاشق رسول بھی تھے۔ ان کے یہ چار مصرعے بھی مدتوں سے شہرت و پذیرائی کی معراج کو چھو رہے ہیں:

یا صاحب الجمال و یا سیّد البشر من وجھک القمر لقد نور المنیر

لا یمکن الثناء کما کان حقہ   بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کا اسم گرامی اتنا مبارک، مسعود، مطہر، روح پرور اور حلاوت آفریں ہے کہ اس نام نامی کی ادائیگی کے وقت تمام تر احتیاط و ادب کے باوجود بے ادبی کا احتمال فکر و تصور کولرزائے رکھتا ہے۔ فارسی کا یہ شعر اسی حقیقت کا انتہائی خوب صورت اظہار ہے۔

ہزار بار بشویم دہن بمشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

عربی اور فارسی نعتیں ہوں یا دنیا کی دوسری زبانوں میں کہی جانے والی نعتیں یہ حقیقت ہے کہ دنیا بھر کے مدحت نگاران مصطفیٰ ﷺ اپنی تمام تر خداداد فکری و نظری صلاحیتوں کے بھرپور استعمال کے باوجود اس امر کے اعتراف پر مجبور ہیں کہ وہ مطلعِ ایمان و یقین پر روز ازل سے جلوہ فگن ہونے والے ''سراج منیر'' کی غیر فانی تابشوں کی مظہر ایک معمولی سی کرن بھی احاطۂ تحریر میں نہیں لا سکے۔ نعت رسول ﷺ تو شعار خداوندی ہے، بندۂ ناچیز کیسے اس سنت خداوندی سے مکمل طور پر عہد برآ ہو کر نعت گوئی کا حق ادا کرنے کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ غالب نے اپنے اس شعر میں اسی احساس عجز کی ترجمانی کی ہے:

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذات پاک مرتبہ دانِ محمد است

ناصر علی سرہندی کی یہ رباعی کس قدر بلیغ اور معنی خیز ہے:

پیش از ہمہ شاہان غیور آمدۂ   ہر چند کہ آخر بظہور آمدۂ
اے ختم رسل قربِ تو معلوم شد   دیر آمدۂ ز راہ دور آمدۂ

اردو شاعر کا آغاز فارسی شاعری کی روشنی میں ہوا اور وہ تمام اصناف شاعری اپنا لی گئیں جو فارسی شاعری کا طرۂ امتیاز تھیں۔ غزل، قصیدہ اور دوسری اصناف کے ساتھ ساتھ اردو مثنوی کے آغاز میں حمد کے بعد نعت کو بالالتزام جگہ دی گئی۔ خواہ ایسا روایت کے طور پر کیا گیا یا حضور نبی کریم ﷺ سے عشق و عقیدت کی بنا پر۔ اگرچہ اردو نعت نے تمام تر تاثر انگیزی، حسنِ عقیدت اور عشق آفرینی کی لذت عربی نعت سے پائی ہے کیوں کہ عربی نعت نے تو جمالِ مصطفوی ﷺ کی طلعتوں کے ہجوم میں اپنے سفر کا آغاز کیا تھا مگر معنوی لحاظ سے اردو نعت نے عربی سے کہیں زیادہ فارسی کا اثر قبول کیا ہے۔ خاص طور پر حضرت محمد جان قدسی اور مولانا

D:NaatRang-15
File: Akram Raza-1
Final

عبدالرحمٰن جامی کی نعت گوئی تو اردو نعت کو سوز و گداز اور معنی آفرینی کا ذوق عطا کرنے کا باعث بنی ہے۔

وقت کا قافلہ رفعت مقام مصطفیٰ ﷺ کے پرچم کے سائے میں آگے بڑھتا رہا اور اردو زبان کی ترویج و ترقی کے ساتھ ساتھ اردو نعت مسلسل سنورتی، نکھرتی اور عشاق رسول ﷺ کے جذبات کی ترجمانی کرتی رہی۔ اردو نعت کو عام کرنے میں صوفیائے کرام نے عظیم کردار ادا کیا ہے۔صوفیائے کبار کا تذکرہ کرتے ہوئے والی آسی لکھتے ہیں:

> ان (صوفیا) کی زبان فارسی تھی جس سے یہاں کے لوگ ناواقف تھے۔ اس لیے اللہ والوں کے اس گروہ نے یہاں بولی جانے والی زبانیں سیکھیں اور پیغام اسی زبان کے ذریعے ملک کے کونے کونے میں پھیلا دیا۔ جس نے علم تصوف اور رسول خدا کی محبت کو عام کرنے میں بڑی مدد دی۔ اردو نعت گوئی کو ترقی دینے میں ان صوفیۂ کرام اور اولیائے کبار کا بڑا ہاتھ ہے۔ جس کو کبھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہ انھی کا کرم ہے کہ آج بھی ملک کے گوشے گوشے میں نعت کے نغمہ ہائے دل کش گونج رہے ہیں۔

اردو نعت میں اولیت کا شرف (غالبًا) حضرت سیّد محمد حسینیؒ خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کو حاصل ہے۔ حضرت خواجہ گیسو دراز ولی کامل تھے۔ قدرت نے مذاق شعر گوئی ودیعت کو رکھا تھا۔ تذکرہ نگاران کی اس نعت کو اردو شاعری کی اوّلین نعت قرار دیتے ہیں۔

اے محمد ﷺ حجلو جم جم جلوہ تیرا　　ذات تجلی ہوئے گی سیں سپورن سہرا

لولاک لماء خلقت الافلاک خالق پالائے

فاضل افضل جتے مرسل ساجد سجود آئے

امت رحمت بخشش ہدایت تشریف پائے

حضرت فخر الدین نظامیؒ بھی اس دور (۸۶۵ھ) کے صوفی شاعر ہیں۔ ان کی مثنوی ''کدم راؤ پدم راؤ'' میں موجود نعت قدیم اردو کا نمونہ ہے۔ اس میں ہندی اور سنسکرت کے الفاظ عام ہیں جب کہ خواجہ گیسو درازؒ کی نعت ان کی نسبت زیادہ عام فہم اور روز مرہ سے زیادہ قریب ہے۔ فخر الدین نظامی کی نعت کا ایک شعر ہے:

توہیں ایک سا جاگسائیں امر　　سری دوی تیں کی جگ تورا دگر

ان کے علاوہ بھی ہمیں قدیم اردو اور ہندی کی آمیزش سے مختلف شعرا کا نعتیہ کلام میسر آتا ہے۔ ان میں سے کبیر داس کا ایک دوہہ بہت مشہور ہے جس کا ایک مصرع ہے:

کہت کبیر سنو بھئی سادھو نام محمد ﷺ آئے

بہمنی دور میں چوں کہ اردو زبان ابھی بالکل ابتدائی مدارج میں تھی اس لیے اردو نعت بھی اس دور میں اپنے دلآویز خدو خال اجاگر نہ کر سکی، نامانوس تراکیب، ہندی سنسکرت کے الفاظ کی بھرمار کی وجہ سے آج کی مروّجہ اردو زبان کے الفاظ کی تلاش کار دشوار نظر آتی ہے۔ چوں کہ نعت رسول کریم ایسی خوشبو ہے جو ہر زبان اور ہر اسلوب سے اپنی مہکباریوں کا خراج لیتی رہی ہے۔ اس لیے اس دور کے شعرا بھی اس خوشبوئے عطر بیز سے نہ صرف اپنے مشام جاں کو معتبر کرتے رہے بلکہ اس کی لطافتوں سے اپنے ماحول کو پاکیزگی عشق و عقیدت بخشتے رہے۔

دسویں صدی ہجری میں محمد اشرف کی نوسرہار اور خوب محمد چشتی کی خوب ترنگ میں ان شعرا کے نعتیہ اشعار کا سراغ ملتا ہے مگر ان کو بھی ہم باقاعدہ نعت گوئی کی ابتدا کا نام نہیں دے سکتے۔ کیوں کہ یہ نعتیہ اشعار مثنویوں کا ضرور حصہ سمجھتے ہوئے لکھے ہیں۔ البتہ ان سے اس حقیقت کا ادراک ضرور ہوتا ہے کہ اردو میں نعت گوئی کا آغاز اس وقت ہی ہوگیا تھا جب اس زبان نے برصغیر پاک و ہند کے دبستان ادب میں اپنے وجود کا احساس دلانا شروع کیا تھا چوں کہ نعت رسول کریم ﷺ دلوں کی دھڑکنوں سے ابھرتی اور روحانی احساسات کو قوت اظہار بخشتی ہے۔ اس لیے اردو زبان کے آغاز کے ساتھ ہی شعرائے اردو کو مدحت و نعت کی صورت میں اپنے جذبات عقیدت کے سہارے دربار نبوی ﷺ میں اپنی تمناؤں کے گلاب نذر کرنے کا موقع میسر آگیا۔ اور پھر جوں جوں زبان اردو سنورتی، نکھرتی اور روز مرہ کے سانچے میں ڈھلتی گئی۔ اردو نعت بھی اپنے لہجے کا گداز اسلوب کی ندرت، زبان کی حلاوت اور بیان کی رفعت منوانے پر قادر ہوتی گئی۔ اردو نعت کے تدریجی ارتقا کے دوران میں برصغیر کے حجرہ نشین صوفی شعرا فارسی اور عربی نعتیں بھی رقم کرتے رہے اور ان زبانوں میں نعت گوئی کا یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

قطب شاہی دور میں زبان اردو کافی حد تک ہندی اور سنسکرت کے اثرات سے آزاد ہو کر عربی اور فارسی الفاظ اور ان سے متعلقہ تراکیب کو اپنا چکی تھی اس لیے اس دور میں اردو نعت بھی کہیں زیادہ صاف اور سلیس دکھائی دیتی ہے۔ اس دور میں محمد قلی قطب شاہ پہلے شاعر ہیں جنھوں نے اردو نعت کو باقاعدہ صورت دیتے ہوئے اسے غزل کی ہیئت دی۔ ان کی نعت کے دو

شعر دیکھیے:

اسم محمد ﷺ تھے اہے جگ میں سوخا قانی مجھے بندہ نبی ﷺ کا جم رہے سہتی ہے سلطانی مجھے

باراجو ہے شیطان میں سنچرے نہ قطبا کان میں امید کے گل داں ہیں باراہے رحمانی مجھے

اس دور میں محمد قلی قطب شاہ کے علاوہ محمد قطب شاہ، عبداللہ قطب شاہ کی نعتیں اردو ادب کا وقار اور اعزاز ہیں۔ ان کے علاوہ ملاوجہی کی مثنوی قطب مشتری میں موجود نعتیہ اشعار سے بھی اردو نعت کے تدریجی مراحل کی نشان دہی ہوتی ہے۔ اس دور کے ایک اور ممتاز نعت گو حیدرآباد کے سیّد بلاقی ہیں۔ جن کی نعتیہ مثنوی معراج نامہ کے نام سے معروف ہے۔ یہ مثنوی ۱۰۸۰ھ میں لکھی گئی۔ اس میں حضور محمد ﷺ مصطفیٰ کے واقعہ معراج کو منظوم کیا گیا ہے۔ یہ طویل نعتیہ مثنوی پندرہ سو سے زائد اشعار پر مشتمل ہے۔ عادل شاہی دور کے شاعر میر محمد باقر آگاہ کی مثنوی راحت جان اور فتاحی کے مولود نامہ کا پتہ بھی چلتا ہے۔ عادل شاہی دور کے مولانا نصرتی کا لکھا ہوا معراج نامہ بھی اردو نعت میں خاص قدر و قیمت کا حامل ہے۔ ان کی تصنیف علی نامہ کا یہ شعر اردو شاعری کے ارتقا کے ساتھ ساتھ اردو نعت کی تاثراتی سربلندی کا بھی ترجمان ہے۔

تمھیں اے شہنشاہ دنیا و دیں

شجاعت کی ہے صف کا کرسی نشیں

دکن کے ادبی افق پر مختلف ادوار میں جگمگانے والے ہاشمی، ناظم حیدر آبادی، معین شاہ کے علاوہ مختار کی مثنوی معراج نامہ ایک گراں قدر نعتیہ کاوش ہے۔ ''دکن میں اردو'' کے مطابق یہ مثنوی ۱۰۹۴ھ میں لکھی گئی۔ اس میں معراج نبوی کے واقعات تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔ یہ مثنوی ۲۳ ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ اس سلسلہ میں عبدالمحمد ترین کی مثنوی شمائل النبی (۱۱۱۱ھ) اور میر فیاض ولی (۱۱۵۹ھ) کی نعتیہ مثنوی روضۃ الانوار کا تذکرہ کیے بغیر اردو نعت کے ارتقائی ادوار کا جائزہ مکمل نہیں ہوسکتا۔

سیّد محمد فراقی بیجاپوری (۱۱۴۴ھ) بھی اس دور کے شاعر تھے۔ انھیں یہ اعزاز حاصل ہے کہ انھوں نے نعت گوئی کو اپنا شعار بنا کر خود کو تازیست مدحت رسول کریم ﷺ کے لیے وقف کر لیا تھا۔ ان کا رجحان طبع درویشی وفقیری کی طرف تھا۔ انھوں نے ساری زندگی نعت و منقبت لکھتے لکھتے بسر کر دی۔

ان کی نعتوں کے مطالعہ سے اردو زبان کی ترقی کے علاوہ اردو نعت کی غزل کے انداز

پر پذیرائی کا احساس ہوتا ہے۔ فراقی کی زبان اپنے ہم عصروں کی نسبت کہیں زیادہ صاف ستھری اور خوب صورت ہے۔ ان کی ایک نعت کے یہ دو شعران کی عظمت فن کے آئینہ دار ہیں۔

مدینے میں اگر پیدا ہوا ہوتا تو کیا ہوتا محمد ﷺ کی گلی بھیتر فنا ہوتا تو کیا ہوتا
ازل کی دین میں یارب اگرمفلس بھکاری ہوں نبی ﷺ کے آستانے کا گدا ہوتا تو کیا ہوتا

اردو کی قدیم ترین نعتوں میں شاہ وجہ الحق ابدالی پھلواروی کی نعت بہت مؤثر اور اس وقت کے لحاظ سے نئے طرز کی ہے۔ شاہ ابدالی ۱۱۲۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۰۰ھ میں وصال فرمایا۔ نعت کے دو اشعار ملاحظہ ہوں۔

دو جگ کے سردار محمد ﷺ نبیوں کے سالار محمد ﷺ
امت کے غم خوار محمد ﷺ سب کے پالنہار محمد ﷺ
صلی اللہ علیہ وسلم

کم و بیش تمام شعرائے اردو نے نعت کو ذریعہ حصول ثواب و برکت سمجھتے ہوئے اس میدان میں اپنی خداد صلاحیتوں کے جوہر دکھائے ہیں۔ بعض شاعروں نے نعت کو زندگی بھر کے لیے اپنی ادبی وفنی ریاضتوں کا مرکز ومحور بنا لیا جب کہ بعض شعرا صرف ایک دو نعتیں ہی کہہ سکے۔ اس طرح شاید ہی کوئی صاحب ایمان اردو شاعر ہو جو نعت گوئی کی سعادت سے محروم رہا ہو۔ نعتیہ مثنویاں، معراج نامے، وفات نامے، میلاد نامے، نعتیہ قصائد یہ سب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ''شان رفعنا'' کے مظہر ہیں۔ ولی دکنی، سودا، میر، جرأت، درد، انشا، ناسخ، مصحفی، میرحسن، نظیرا کبر آبادی، مومن وغیرہ سب نے اردو نعت کی ترقی اور ترویج و اشاعت کے سلسلہ میں بھرپور کردار ادا کیا ہے۔ غالب بھی کسی سے پیچھے نہیں رہے۔ ان کا شعر:

منظور تھی یہ شکل تجلی کو نور کی قسمت کھلی ترے قد و رخ سے ظہور کی

مقام مصطفیٰ ﷺ کی رفعتوں کا ترجمان ہے۔ اسی طرح غالب کا شعر:

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا کہ میرے نطق نے بوسے مری زبان کے لیے

جب بھی زبان پر آتا ہے، احساسات کے نہاں خانوں سے درود و سلام کے قدسی زمزمے ابھرنے لگتے ہیں۔ حالاں کہ یہ ایک غزل کا شعر ہے۔

D:NaatRang-15
File: Akram Raza-1
Final

قدیم نعت گو شعرا میں سے مولانا کافی مرادآبادی، غلام امام شہید اور کرامت علی خان شہیدی ایسے خوش بخت شاعر ہیں جنھوں نے اردو نعت کو ندرتِ اسلوب اور جدتِ فکر وفن سے

آشنا کیا۔ غلام امام شہید نے اردو فارسی دونوں زبانوں میں بلند پایہ نعتیں کہی ہیں۔ ان کے نعتیہ کلام میں زبان و بیان کی شگفتگی اور قادر الکلامی نظر آتی ہے۔ ان کی نعتیہ تصنیف ''میلادِ شہیدی'' آج تک میلادالنبی کے سلسلہ میں منعقد ہونے والی تقریبات میں پڑھی جاتی ہے۔ متعدد نعتوں کے علاوہ ان کی یادگار ایک نعتیہ قصیدہ بھی ہے جو بحر طویل میں لکھا گیا ہے۔ بحر چھوٹی ہو یا بڑی، ان کا قلم جوشِ محبت و عقیدت سے لبریز دکھائی دیتا ہے۔ چھوٹی بحر کی ایک نعت کے دو اشعار دیکھیے:

محمدﷺ قبلہ گاہ مقبلاں ہے　　　　محمدﷺ بادشاہ دو جہاں ہے
محمدﷺ مدعائے کن فکاں ہے　　　　محمدﷺ سے ہوئی تکوین کونین

کرامت علی خان شہیدی وہ عظیم نعت گو ہیں جنھوں نے اپنے فکر وفن کی جولانیوں سے نعت کی درخشندہ روایت کو بصد اہتمام وشکوہ آگے بڑھایا ہے۔ ان کی کہی ہوئی نعتیں ان کے سوزِ قلبی کی غماز اور ان کے جذباتِ عقیدت کی ترجمان ہیں۔ ان کے ہاں جذبہ عشقِ رسولﷺ اپنی پوری اثر آفرینی کے ساتھ موجزن دکھائی دیتا ہے۔ ان کی نعتوں میں ناز فرمائی کے تقاضے نہیں بلکہ نیاز آفرینی کے جلوے ہیں۔ عقل وخرد کی ہشیاری نہیں بلکہ عشق کی بے خودی و سرشاری ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ شہیدی اپنے عشق و گداز اور وارفتگی شوق کو جس مہارتِ فن اور ندرتِ بیان کے ساتھ پیرایۂ نعت بخشتی ہیں اس کی بنا پر یہ قدیم دور کے نہیں بلکہ عہدِ حاضر کے نعت گو شاعر نظر آتے ہیں۔ کرامت علی شہیدی بلاشبہ مقبول بارگاہ نبوت تھے۔ تمام زندگی صرف نعت ہی لکھی اور عمر بھر دیارِ رسولﷺ میں حاضری کے لیے تڑپتے رہے۔ ان کا یہ شعر اس قدر زبان زد عام ہے کہ کوئی بھی تذکرۂ نعت اس کے حوالے کے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا۔

تمنا ہے درختوں پر ترے روضے کے جا بیٹھے
قفس جس وقت ٹوٹے طائرِ روحِ مقید کا

نجانے انھوں نے کن مقبول ساعتوں میں یہ شعر کہا تھا کہ ادھر یہ کلکِ شاعر سے رقم ہوا اور ادھر ان کے حاصلِ آرزو کی صورت بارگاہ ایزدی میں مستجاب ہوگیا۔ کہتے ہیں کہ جب شہیدی کو حج بیت اللہ کی سعادت نصیب ہوئی اور مکہ سے مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہوئے تو راستے میں شدید علالت نے آلیا۔ اور عین اس وقت جب شہرِ نبوی کے اس قدر قریب تھے کہ گنبدِ خضریٰ کی طلعت باریاں قلب ونظر کو منور کر رہی تھیں تو پیغام اجل آ گیا۔ ان مبارک ساعتوں میں شہیدی

نے عشق و عقیدت سے لبریز نگاہیں گنبد خضریٰ کی سربلندیوں پر گاڑ دیں اور "لبیک یا سیّدی" کہتے ہوئے ہمیشہ کے لیے ارض مدینہ کی زینت بن گئے۔

مولانا کافی مرادآبادی کا یہ شعر

کوئی گل باقی رہے گا نے چمن رہ جائے گا پر رسول اللہ کا دین حسن رہ جائے گا

ان کی شعری عظمت اور اپنے عہد کے سیاسی حالات کے تناظر میں عشقِ رسول کی ولولہ انگیز شہادت کے طور پر تاریخِ ادب کا حصہ بن چکا ہے۔

دور قدیم کے نعت گو شاعروں کی نعتیہ تخلیقات بلا شبہ اردو ادب کا افتخار ہیں۔ ان شعرا نے اپنی نعتوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے آپ کی نورانیت، آپ کے حسن و جمال اور آپ کے سراپائے اقدس کو خاص طور سے مدنظر رکھا ہے۔ حالاں کہ حضور نبی کریم ﷺ کی شخصیت صورت نورانی اور سیرت ایمانی کا مرقع ہے۔ دراصل شعرا نے اردو نعت کے لیے غزل کی ہیئت اختیار کی تھی اور غزل کی ہیئت میں لکھی جانے والی نعت حسن و جمال مصطفیٰ ﷺ کی مدح و ستائش کے لیے زیادہ موزوں تھی۔ ممتاز حسن ذات و صفات رسالت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ذات رسالت کے شعور کے لیے صفات رسالت کا ادراک اور سیرت رسول ﷺ کی پیروی ناگزیر ہے۔ اصل چیز یہاں بھی ذات رسالت ہے مگر ذات و صفات لازم و ملزوم ہیں۔ خلاصہ یہ نعت رسول ﷺ کی بنیاد یا تو عشق ذات ہے یا ادراک صفات۔ یا تو وہ ذات رسالت سے ایک گہرے اور والہانہ جذبے کا اظہار ہے یا صفات رسالت ﷺ کی عکاسی۔ دونوں کا مقصد اور حاصل یہ ہے کہ دنیا کے سب سے بڑے انسان کی شخصیت اور کردار ہمارے سامنے آئیں اور ایک مثالی حیثیت سے زندگی میں ہمارے لیے مشعل راہ کا کام دیں۔

آہستہ آہستہ اردو نعت میں سیرت و کردار مصطفیٰ ﷺ کے حوالے سے مفاہیم و مضامین نعت میں وسعت پیدا ہونے لگی۔ اب نعت میں صرف عقیدت اور مدح و توصیف کے مضامین نہ رہے بلکہ قومی جذبات، ملی مسائل اور اجتماعی فریاد بھی دربار رسول ﷺ میں پیش کی جانے لگی اور مسدس حالی کے زمانے سے قومی و ملی رنگ نعتیہ شاعری میں زیادہ نمایاں ہوگیا۔ وہ تمام مطالب و

مسائل جو حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے متعلق ہیں اردو نعت میں جگہ پانے لگے۔ آپ کا پیام زندگی، آپ کا درس عمل، آپ کا اسوۂ حسنہ، آپ کے روشن اصول، آپ کے جاوداں اقوال زریں، اردو نعت کا جزو لازم بننے لگے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ شعرا نے نورانیت محمد مصطفیٰ ﷺ کی جلوہ باریوں اور شکل و شمائل نبی ﷺ کی حسن افروزیوں کو بھی فراموش نہیں کیا۔ اس طرح اردو نعت کو صحیح معنوں میں ذات و صفات مصطفیٰ ﷺ کی ترجمانی کا اعزاز حاصل ہوگیا۔

الطاف حسین حالی کی مسدس حالی نے اردو نعت کو فی الواقع نئے اسالیب سے آشنا کیا ہے۔ حالی شاعر تھے، نثر نگار تھے، نقاد تھے، صاحب کردار مسلمان اور ملت اسلامیہ کے غم خوار تھے۔ ان کا دل عالم اسلام کی زبوں حالی اور خاص طور سے ہندی مسلمانوں کی ذلت وخواری پر خون کے آنسو روتا تھا۔ انھوں نے مظلوم و معتوب مسلمانوں کی چارہ گری اور ان کی فکری ونظری رہنمائی کے لیے مسدس ''مدو جزرِ اسلام'' لکھا۔ مسدس کا وہ حصہ جس میں حضور ﷺ کی بعثت اور آپ کے اوصاف حسنہ کا تذکرہ ہے سب سے عمدہ ہے اور وہی مسدس کی روح ہے۔ حالی نے مختصر طور سے ولادت، بعثت، تبلیغ وتعلیم اور وفات وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ حالی کے کلام میں شعرائے عرب کے کلام کی سی روانی اور زور بیان ہے۔ حالی کی انفرادیت ہے کہ انھوں نے قدیم طرز کے نعت وسلام اور قصائد سے ہٹ کر حضور ﷺ نبی کریم کا ذکر کیا۔ اردو نعتیہ شاعری میں یہ ایک نئی چیز تھی۔ ان کے مسدس کے علاوہ ان کی وہ نعت بے پناہ مقبول ہوئی جس میں وہ سرکار دوجہاں کے دربار میں امت کی فریاد لے کر پہنچتے ہیں:

اے خاصۂ خاصان رسلِ وقتِ دعا ہے　　　امت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے
جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے　　　پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے

محسن کاکوروی کا شمار بھی ان شعرا میں ہوتا ہے جو عمر بھر دامن رسول ﷺ سے وابستہ رہے۔ محسن کاکوروی نے تقریباً تمام اصناف نظم میں نعت رسول کہی ہے۔ ان کی مثنویاں ''صبح تجلی'' اور ''چراغ کعبہ'' ادب اردو کے گلہائے نوبہار ہیں۔ محسن کاکوروی عقل وخرد کے نہیں عشق وسرمستی کے شاعر ہیں۔ وہ شاہان عجم کے نہیں بلکہ سلطان مدینہ کے ثنا خواں ہیں۔ نعت ان کے لیے سرمایۂ افتخار ہی نہیں دل و جان کا قرار بھی ہے۔ یوں نظر آتا ہے کہ انھوں نے اپنے عشق و عقیدت کے چشمۂ روحانی کو نعت کے بحر ناپیدا کنار میں سمو دیا ہے۔ ان کی تمام نعتیہ شاعری میں

بادل والا قصیدہ لامیہ امتیازی حیثیت کا حامل ہے۔ اس قصیدے میں انھوں نے جناب رسالت مآب کو مقامی تشبیہات و استعارات کے حوالے سے دیکھا ہے۔ ہندی الفاظ و ترکیب کی آمیزش ذہن و فکر پر بار نہیں گزرتی بلکہ احساسات کو لطافت سے ہمکنار کرتی چلی جاتی ہے۔ یوں احساس ہوتا ہے کہ انھوں نے محفل ذکر مصطفیٰ ﷺ کو ہندوستانی پھولوں سے آراستہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ قصیدہ لامیہ مکمل طور پر تغزل میں ڈوبا ہوا ہے کہ تصورات کے نہاں خانوں میں محبوب دو جہاں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا پیکر حسن و رعنائی انوار و تجلیات لٹاتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ قصیدے میں نعت مصطفوی کی رفعتیں ملاحظہ کیجیے:

گل خوش رنگ رسول مدنی عربی   زیب دامان ابد طرۂ دستار ازل
اوج رفعت کا قمر نخل دوعالم کا ثمر   بحر وحدت کا گہر چشمۂ کثرت کا کنول
نہ کوئی اس کا مشابہ ہے نہ ہمسر کوئی   نہ کوئی اس کا مماثل نہ مقابل نہ بدل

دنیائے مدحت و نعت میں جن نعت گو شاعروں نے غیر فانی نقوش ثبت کیے ہیں ان میں مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ ممتاز حیثیت کے حامل ہیں۔ فاضل بریلوی نامور محدث، فقیہ اور عالم باعمل تھے۔ قدرت نے انھیں دوسری علمی و روحانی صفات کے ساتھ عشق محمد ﷺ مصطفیٰ کی دولت بے بہا سے بھی نواز رکھا تھا۔ یہی عشق رسالت مآب ﷺ طبع موزوں کی بدولت صفت و ثنائے نبی ﷺ کے نغمات قدسی میں ڈھلتا رہا۔ رضا بریلوی تمام اصناف سخن پر یکساں حاوی تھے۔ انھوں نے ہر پیرایۂ نظم میں گلہائے نعت مہکائے ہیں۔ رضا بریلوی چوں کہ علوم شریعت پر غیر معمولی دسترس رکھتے تھے اس لیے انھوں نے جوش عشق و عقیدت کے باوجود نعت گوئی میں کمال احتیاط سے کام لیا۔ قرآن حکیم کو اپنی نعت گوئی کا منبعِ حقیقی قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں۔

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکامِ شریعت ملحوظ

ان کا نعتیہ دیوان ''حدائق بخشش'' عشاق مصطفیٰ ﷺ کے لیے ایسا ارمغان شوق ہے جس کی ہر نعت نکہت و نور کا سامان لیے ہوئے ہے۔ ان کی نعتوں میں حسن صورت مصطفیٰ ﷺ کی ضوباریاں اور سیرت و کردار مصطفیٰ ﷺ کی گل کاریاں ہیں۔ رضا بریلوی اس کاروان توصیف و ثنائے رسول کے سالار ہیں جس کا ہر فرد کشکول تمنا اٹھائے دربار نبوی ﷺ کی طرف لپک رہا ہے۔ وہ ایک عہد ساز شخصیت تھے۔ انھوں نے ایسے دبستان نعت کی بنیاد رکھی جس سے شعور آگہی

حاصل کرنے والے بے شمار نعت گو شعرا برصغیر پاک و ہند میں تذکر نبوی ﷺ کی شمعیں جلا رہے ہیں۔ انھوں نے چند افراد کو نہیں بلکہ پورے عہد کو حوصلہ بخشا کہ:

ٹھوکریں کھاتے پھروگے ان کے در پر پڑ رہو
قافلہ تو اے رضاؔ اول گیا آخر گیا

آج کون نعت گو شاعر ہے جس نے کسی نہ کسی صورت ''حدائقِ بخشش'' سے خوشہ چینی نہ کی ہو۔ ان کی نعتیہ شاعری ایسا ایمان آفریں حیرت کدہ ہے کہ جس میں عقل سرنگوں اور عشق بامراد نظر آتا ہے۔ ان کی نعتیں مفاہم و معانی کے لحاظ سے ہنگامی نوعیت کی نہیں بلکہ مستقل ادبی حیثیت رکھتی ہے۔ ان کی نعتیہ شاعری بلاشبہ جبریلؑ کے نطق مستعار کا اعجاز نظر آتی ہے۔ خوب صورت تشبیہات، پاکیزہ تراکیب، کہیں میلاد نبوی ﷺ کی صبح سعادت کے تذکرے ہیں تو کہیں حسن و جمال نبوی ﷺ کی ضیا پاشیاں، کہیں شب اسریٰ کی ارتقائی منازل ہیں تو کہیں کوثر و سلسبیل کے مشک بو چھینٹے، کہیں شان لولاک کی تفسیر ہے تو کہیں خم خانۂ کیف و عرفان کی سرمستیاں، کہیں سرور کائنات ﷺ کی عظمت کردار کا ذکر ہے تو کہیں صلوٰۃ و سلام کی وجد آفریں صدائیں غرضیکہ ان کی نعتیہ شاعری ایک ایسے شیش محل کی صورت ہے کہ جس کے جھلملاتے ہوئے لاتعداد آئینوں میں ذات و صفات مصطفیٰ کے وجد آفریں جلوے دیکھنے کو ملتے ہیں۔ جمال نبوی ﷺ کی عکاسی کرتے ہوئے ان کی ندرت خیال ملاحظہ کیجیے:

وہ کمالِ حسنِ حضور ﷺ ہے کہ گمانِ نقصِ جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

چوں کہ رضا بریلویؒ کا محبوب، محبوب رب کائنات ہے اس لیے ان کی نعتیں حسن تغزل کی اعلیٰ مثال ہیں۔ ان کی قادر الکلامی اور معجز بیانی کا کیا تذکرہ ہو کہ ان کا تو تمام کلام ہی عقیدت، نیاز اور عشق محبت کے جذبات سے عبارت ہے۔ چند اشعار پیش خدمت ہیں:

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں		تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

☆

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو		کعبہ تو دیکھ چکے کعبہ کا کعبہ دیکھو

☆

پوچھتے کیا ہو عرش پر یوں گئے مصطفیٰ ﷺ کہ یوں
کیف کے پر جہاں جلیں کوئی بتائے کیا کہ یوں

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیے ہیں
جس راہ چل گئے ہیں کوچے بسا دیے ہیں
ان کے نثار کوئی کیسے ہی رنج میں ہو
جب یاد آگئے ہیں سب غم بھلا دیے ہیں

☆

سب سے اولیٰ و اعلیٰ ہمارا نبی ﷺ سب سے بالا و والا ہمارا نبی ﷺ
جس کو شایاں ہے عرشِ خدا پر جلوس ہے وہ سلطانِ والا ہمارا نبی ﷺ

مولانا بریلوی کے نعتیہ قصائد بھی فصاحت و بلاغت اور زبان ومحاورات کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہیں۔ ان کی شاعری مکمل طور پر قرآن و حدیث سے عبارت ہے۔ ''قصیدہ نوریہ'' اور ''قصیدہ معراج'' ان کی عظمت فکر وفن کی دلیل ہیں۔ آپ کا سلام بھی بے حد مشہور ہے۔ میلادشریف کی محافل سے لے کر مسجدوں اور مذہبی اجتماعات تک نہایت ذوق وشوق سے پڑھا جاتا ہے۔ ان کا یہ سلام بارگاہ حضور ﷺ سیّدالانام قریباً ایک سو ستر اشعار پر مشتمل ہے۔ نمونہ کے طور پر:

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام
شہریارِ ارم تاجدارِ حرم نوبہارِ شفاعت پہ لاکھوں سلام
جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا اس جبینِ سعادت پہ لاکھوں سلام

رضاؒ بریلوی صرف نعت گو شاعر ہی نہ تھے وہ ایک یگانۂ روزگار عالم، ایک مفسرِ اعظم، ایک محدث کبیر، فقیہِ دوراں اور ایک ہمہ گیر مصنف تھے۔ ان کی شاعری جناب رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے عشق وعقیدت کے اظہار کا ایک ذریعہ ہے۔ حق تو یہ ہے کہ انھوں نے اپنی غیرمعمولی صلاحیتوں کی بدولت اردو ادب میں مستقل اور باقاعدہ نعت گوئی کی بنیاد رکھی۔ یہی وجہ ہے کہ آج ان کا نعتیہ کلام عرب وعجم کی وسعتوں میں متاعِ اہل نظر بن کر گونج رہا ہے۔

مولانا احمد رضا خاںؒ کے چھوٹے بھائی مولانا حسن رضا خاںؒ بھی نامور نعت گو شاعر تھے۔ حج بیت اللہ سے مشرف ہونے کے بعد نعت گوئی کو اپنا شعار بنایا تو پھر زندگی کی ساعت آخریں تک نعت رسول ﷺ مقبول ہی کہتے رہے۔ ان کی نعتوں کا مجموعہ ''ذوقِ نعت'' وابستگان دامان رسول ﷺ کے لیے متاعِ بے بہا ہے۔ ان کی نعتیہ شاعری میں عکسِ جمال رسول ﷺ پوری

D:NaatRang-15
File: Akram Raza-1
Final

شان و شوکت کے ساتھ جلوہ ریز ہے۔ ان کی نعتیں، رباعیات، قطعات، مثنویاں، قصاید سب کے سب عشق و عقیدت کے والہانہ اظہار کی مختلف صورتیں ہیں۔ کلام شیریں اور زبان بامحاورہ ہے۔ ان کی شوکت نعت ملاحظہ ہو:

عاصیوں کو در تمھارا مل گیا بے ٹھکانوں کو ٹھکانہ مل گیا
ناخدائی کے لیے آئے حضورﷺ ڈوبتو نکلو سہارا مل گیا

☆

عجب رنگ پر ہے بہار مدینہ کہ سب جنتیں ہیں نثار مدینہ
ملائک لگاتے ہیں آنکھوں میں اپنی شب و روز خاک مزار مدینہ

☆

سیر گلشن کون دیکھے دشتِ طیبہ چھوڑ کر سوئے جنت کون جائے در تمھارا چھوڑ کر
مر ہی جاؤں گا اگر اس در سے جاؤں دو قدم کیا بچے بیمار غم قرب مسیحا چھوڑ کر

امیر مینائی کی نعتیہ شاعری محاسن و اوصاف نبوی ﷺ کے اظہار کے ساتھ ساتھ مقصدیت کا پرتو بھی لیے ہوئے ہے۔ ان کا نعتیہ دیوان ''محامد خاتم النبیین'' کے نام سے معروف ہے۔ ان کی نعتیں لفظی و معنوی محاسن سے آراستہ اور برجستہ تشبیہات و استعارات سے پیراستہ ہیں۔ ان نعتوں میں افتخار نعت کے ساتھ ساتھ انتہائے عجز اظہار بھی ہے۔

مدینے جاؤں پھر آؤں مدینے پھر جاؤں تمام عمر اسی میں تمام ہو جائے
یاد جب مجھ کو مدینے کی فضا آتی ہے سانس لیتا ہوں تو جنت کی ہوا آتی ہے

ریاض خیر آبادی، جگر مراد آبادی اور اصغر گونڈوی کی لکھی ہوئی نعتیں بھی زبان و بیان، شدت تاثر اور ندرت فن کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہیں۔ حافظ خلیل الدین حافظ پیلی بھتی اور خواجہ محمد اکبر وارثی کا نعتیہ کلام محبت رسول کے تقاضے پورے کرتا ہے۔ ان کی نعتوں میں روایتی انداز بیان کے ساتھ ساتھ رفعت فکر وفن کے نمونے بھی ملتے ہیں۔ بیدم وارثی بڑے قادرالکلام نعت گو شاعر تھے۔ ان کی نعتوں میں صوفیانہ سوز و گداز اور محبت رسول ﷺ کا گہرا جذبہ موجود ہے۔ ان کی چند نعتیں آج بھی مقبول عام ہیں۔ بڑے بڑے مشاہر فن نے ان کی شعری صلاحیتوں کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ نمونہ کے طور پر دو شعر پیش ہیں۔

عدم سے لائی ہے ہستی میں آرزوئے رسول کہاں کہاں لیے پھرتی ہے جستجوئے رسول

تلاش نقش کف پائے مصطفیٰ کی قسم چنے ہیں آنکھوں سے ذرات خاک کوئے رسول

مولانا محمد علی جوہر ایک جلیل القدر ملی رہنما اور ملت اسلامیہ کے بطل جلیل کے طور پر جانے پہچانے جاتے ہیں۔ مولانا کو خدمت اسلام کا یہ غیر معمولی جذبہ عشق رسول ﷺ کے صدقے ملا تھا۔ ان کی نعتوں میں عشق کا فطری گداز اور حسن عقیدت کا بانکپن جھلکتا ہے۔

تنہائی کے سب دن ہیں تنہائی کی سب راتیں
اب ہونے لگیں ان سے خلوت میں ملاقاتیں
بے مایہ سہی لیکن شاید وہ بلا بھیجیں
بھیجی ہیں درودوں کی کچھ ہم نے بھی سوغاتیں

علامہ محمد اقبال شاعری میں اس روایت کے امین ہیں جو غالب سے چلی اور حالی کی فنی سربلندی اور قومی دردمندی کے جذبات سے نئی زندگی حاصل کرتی ہوئی اقبال تک پہنچی۔ حالی نے شاعری کے ایوان عالی میں مقصدیت کی شمع روشن کی اور اقبال نے شاعری کے اسی ایوان میں فکر وفن کے وہ لاتعداد آئینے سجا دیے کہ جن کی بدولت اس شمع کی جھلملاہٹیں بہر پہلو دل و نگاہ کو خیرہ کرنے لگیں۔ اقبال کاروان اسلام کے حدی خواں تھے، عظمت رفت کے نقیب تھے۔ شاعر مشرق ہی بین حکیم الامت بھی تھے۔ ان کا یہ سوز و گداز، عشق سرور کائنات ﷺ کی بدولت تھا جو انھیں متاع بے بہا کے طور پر ورثہ میں ملا تھا۔

اقبال نے نعتیہ شاعری کو تکنیک کے اعتبار سے بہت وسیع کر دیا۔ انھوں نے مروّجہ، اسلوب میں باقاعدہ نعتیہ شاعری تو نہیں کی مگر جہاں جہاں بھی سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہیں۔ ان کا قلم شہپر جبریل کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ ان کے قلم سے اسم محمد ﷺ رقم ہوتا ہے تو فرط ادب وشوق سے لرز لرز اٹھتے ہیں۔ ان کی نعتیہ شاعری میں جو تنوع اور ہمہ گیری ہے وہ حالی کے ہاں بھی نہیں۔ اقبالؒ کو ذات نبوی ﷺ سے والہانہ عشق تھا۔ اقبال رسول ﷺ خدا کی شان اقدس میں ذرا سی شوخی بھی روا رکھنے کو تیار نہ تھے۔ اقبال خدا کے حضور میں تو بہت شوخ ہو گئے مگر جہاں رسول ﷺ کریم کا ذکر آتا ہے ادب و احترام سے ذرہ بھر آگے بڑھنے کی جرأت نہیں کرتے۔ دامان رسول ﷺ سے وابستگی کو حاصل آرزو قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

بہ مصطفیٰ ﷺ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی ست

اقبال، امام بوصیری، رومی، سعدی اور حالی سے بھی متاثر ہیں۔ انھوں نے قدیم نعتیہ روش میں بھی متعدد خوب صورت نعتیں کہی ہیں اور جدید اسلوب شاعری میں بھی مدحت و نعت کے غیر فانی نقوش ثبت کیے ہیں۔ عظمت مقام مصطفیٰ ﷺ کا تذکرہ کرتے ہوئے اقبال کا قلم فرط جذبات سے بے قرار ہو جاتا ہے۔ اور اس کے فکر کی رفعتیں قلم کی جولانیوں میں ڈھلنے لگتی ہیں۔

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب
عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ ذرۂ ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب

☆

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادیٔ سینا
نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ

اقبال نے اپنی شاعری میں سینکڑوں جگہ حضور ﷺ نبی کریم کی سیرت وصورت اور خصائص و کمالات کا تذکرہ کیا ہے۔ اسرار خودی سے لے کر جاوید نامہ تک اسی حقیقت کا انشراح ہوتا ہے کہ ان کی شاعری کا مرکز و محور محبت رسول ﷺ پاک ہے۔ یوں کہیے کہ ان کے فکر وفن کا نقطۂ آغاز بھی رسالت ہے اور انتہائے فکر وفن بھی رسالت ہے۔ ان کا نظریۂ خودی مقام رسالت کی عظمت شناسیوں سے جنم لیتا ہے اور ان کے افکار کے تمام سمبلز تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں ابھرتے ہیں۔ ان کا حقیقی ملجا و ماویٰ حضور ﷺ کی ذات ہے۔ ان کا آخری سہارا دامان نبوی ﷺ ہے اور ان کی آخری امید نبی کریم ﷺ کی چشم التفات ہے۔ اس لیے وہ دربار رسالت مآب میں امت مسلمہ کا فسانۂ الم سنا کر رہنمائی کے طالب ہوتے ہیں۔

شیرازہ ہوا امت مرحوم کا ابتر اب تو ہی بتا تیرا مسلمان کدھر جائے
اس راز کو کر فاش اب اے روح محمد ﷺ آیات الٰہی کا نگہبان کدھر جائے

☆

کرم اے شہ عرب وعجم کہ کھڑے ہیں منتظر کرم
وہ گدا کہ تو نے عطا کیا ہے جنھیں دماغ سکندری

اقبال نے اپنی شاعری کے ذریعہ عشق رسول ﷺ کے نغمات قدسی سنائے ہیں اور اس

حقیقت ازلی کو عام کیا ہے کہ اگر ہم اپنے قلب ونظر کو افکار وتجلیات مصطفیٰ ﷺ سے وابستہ کریں تو زمانے بھر کی رفعتیں پھر ہمارا مقدر بن سکتی ہیں۔ ان کا یہ شعر ان کی تمام شاعری کا نقطۂ آغاز و اہتمام ہے کہ:

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

مولانا ظفر علی خان کی نعتیہ شاعری عشق اور جذبہ سے عبارت ہے۔ ظفر علی خاں نامور ادیب اور عظیم المرتبت شاعر تھے۔ علامہ اقبال کے ہم عصر تھے۔ ان کی نعتیں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عقیدت، روحانی وقلبی تعلق خاطر، شدید جذبۂ محبت اور خلوص بیان کا بھرپور نمونہ ہونے کے علاوہ معنویت کے اعتبار سے بھی بہت بلند ہیں۔ انھوں نے اردو نعت میں نیا آہنگ پیدا کیا اور سیرت کے مضامین کو نعت میں اس شان سے بیان کیا کہ حسن صورت اور حسن سیرت کے امتزاج سے ایمان افریں کیفیت پیدا ہوگئی۔ ان کی نعتیہ شاعری میں عشق رسول ﷺ کریم ایک پرکیف ترنم، ایک دل پسند جوش اور موزوں ترین الفاظ کے پردے میں جلوہ گر ہے۔ ظفر علی خاں چوں کہ اسلامیان برصغیر کے مسلمہ قومی رہنما تھے اس لیے ان کے نعتیہ کلام میں قومی رنگ کی آمیزش سے اردو نعتیہ شاعری نئے اسلوب سے آشنا ہوئی۔ ان کے نعتیہ کلام میں جمال مصطفوی ﷺ کی تجلیات ملاحظہ کیجیے:

اے کہ ترا وجود ہے زینت محفل حیات دونوں جہاں کی رونقیں تیرے حسن کی زکوٰۃ
تیری جبیں سے آشکار پرتو ذات کا فروغ اور ترے کوچے کا غبار سرمہ چشم کائنات

☆

وہ شمع اجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں
اک روز چمکنے والی تھی سب دنیا کے درباروں میں
گر ارض و سما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو
یہ رنگ نہ ہوگلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں

☆

D:NaatRang-15
File: Akram Raza-1
Final

دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تمہی تو ہو ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تمہی تو ہو
پھوٹا تھا نور جو شب تار الست سے اس نور اولیں کا اجالا تمہی تو ہو

مولانا یعقوب حسین، ضیاء القادری (خزینۂ بہشت) نے مولانا رضا بریلویؒ کی نعت گوئی کی روایت کو آگے بڑھایا۔ ضیاء القادری تمام اصناف سخن پر یکساں قدرت رکھتے تھے۔ ان کا نعتیہ کلام حسن تغزل کا خوب صورت اظہار ہے۔ ان کے کلام میں ندرت خیال اور جودت فکر کی مثالیں جابجا ملتی ہیں۔ انھوں نے قرآن و حدیث کو اپنے افکار کی اساس ٹھہرایا اور یوں نظر آتا ہے کہ وہ عبادت سمجھ کر نعت کہتے تھے۔ ضیاء القادری نے ایک طویل عرصہ تک پاک و ہند کی ادبی دنیا میں بزم نعت سجائے رکھی۔ بلاشبہ انھوں نے ہزاروں نعتیں کہی ہیں اور ان کا یہ نعتیہ کلام اہل دل کے لیے متاع ایمان و یقین ہے آج کا دور تو صحیح معنوں میں نعت کا دور ہے لیکن ایک زمانہ وہ تھا کہ نعت گوئی کی محفل ضیاء القادری اور ان کے بیسیوں ادبی و روحانی خوشہ چینیوں کے دم سے آباد تھی۔ نمونہ کلام دیکھیے:

اخلاق کا خاکہ ہے فضائل کا مرقع　　قرآن ہے اک سیرت سلطان مدینہ
رگ رگ میں حیات ابدی بن کے سما جا　　اے ذوق غم فرقت سلطان مدینہ

☆

کریم دیکھ کے رحمت نمایاں تیری　　گناہ گار کو اندیشۂ عذاب نہیں

بہزاد لکھنوی اور زائر حرم حمید صدیقی کی نعتیں اثر آفرینی اور شدت جذبات کی عکاسی کرتی ہیں۔ ان کا نعتیہ کلام آدرد سے پاک اور آمد کی لطافتوں سے مہکبار ہے۔ کلام میں گہرائی سے زیادہ گہرائی و شگفتگی اور حسن عقیدت کارفرما ہے۔ مولانا شبلی کی نعتیہ شاعری عقیدت و محبت اور بندگی و نیاز مندی کا خوب صورت اظہار ہے۔ ان کا زمانہ برصغیر کے مسلمانوں کی محکومی و غلامی کا المناک زمانہ تھا۔ اس لیے ان کی نعتوں میں قومی و ملی مسائل اور امت مسلمہ کو درپیش مسائل و مشکلات کی تصویر بھی ملتی ہے۔ اور وہ ان نامساعد حالات میں اسوۂ رسول کی تقلید میں ہی تمام مشکلات کا حل تلاش کرتے ہیں۔

سیّد محمد مرغوب اختر الحامدی (نعت محفل) کو عشق رسول کریم کی دولت بصورت نعت عطا ہوئی تھی۔ ان کی نعتوں میں شعری لطافت ہی نہیں فکری نزاکت بھی پائی جاتی ہے۔ وہ شاعر خوش بیان ہی نہیں، مداح شیریں زبان بھی دکھائی دیتے ہیں۔ ان کا نعتیہ کلام کمالات شعری کا مرقع اور محاسن ادبی کا مظہر ہے۔ ان کے اشعار میں سلاست و روانی، زور بیان، فکر کی بلند پروازی، محاورات کی بندش، روزمرہ کا لحاظ، ضرب الامثال کا موقع ومحل کے حساب سے رکھ رکھاؤ

اور تشبیہات و حسن تعلیل کی کرشمہ سازیاں اس خوب صورتی سے جلوہ گر ہیں کہ ان کی تاثیر بے اختیار دامن دل کو اپنی طرف کھینچنے لگتی ہیں۔ دو شعر ملاحظہ کیجیے:

ہوتے ہی قید تن سے رہا اپنے گھر گئی — مہجور روح قادر خیرالبشر ﷺ گئی
طیبہ کی سمت لے کے درودوں کے ہار پھول — دلہن بنی ہوئی مری آہ سحر گئی

حافظ مظہر الدین ذوق و شوق کے شاعر ہیں۔ انھوں نے اس وقت مدحت و نعت رسول کا علم بلند کیا۔ جب نعت گوئی کا بازار سرد پڑ گیا تھا اور معروف سخنور اس میدان میں طبع آزمائی کو شایان شان نہیں سمجھتے تھے۔ ان کی پوری زندگی نعت کی ترویج و اشاعت میں بسر ہوئی۔ صاحب قال ہی نہیں صاحب حال اہل دل تھے۔ قدرت نے ان کو جدت طرازی، نغز گوئی، بے ساختگی و برجستگی، شیریں بیانی، سلاست و روانی کی صلاحیتیں ودیعت کی تھیں۔ درد و سوز کی لذتوں اور لطف و سرور کی فراوانی نے ان صلاحیتوں کو نعت کا عنوان بخشا۔ حافظ مظہر الدین عاشق رسول تھے اور نعت گوئی کا سب سے زیادہ حق عاشق رسول ﷺ ہی کو حاصل ہوتا ہے۔ ان کی نعتوں میں قدیم انداز نعت کے ساتھ ساتھ جدید اسلوب نعت کی شان بھی جھلکتی ہے، فرماتے ہیں:

جو لامکاں میں خدا سے نظر ملا کے چلے — حضور ﷺ امت عاصی کو بخشوا کے چلے
اس آستاں پہ بشر کیوں نہ سجدہ ریز آئے — جہاں فرشتۂ رحمت بھی سر جھکا کے چلے

☆

جو ان کے ذکر میں بیتے وہ لمحہ عین کرم — جو ان کی یاد میں گزرے وہ زندگی انعام
نظر فروز ہے شہر نبی ﷺ کی صبح جمیل — ہزار جلوہ در آغوش ہے حجاز کی شام

ماہرالقادری (ذکرِ جمیل) کا نعتیہ کلام رفعت مقام مصطفیٰ ﷺ کا آئینہ دار اور خلوص و عقیدت میں ڈوبا ہوا ہے۔ ان کی اکثر غزلیں ملت کے جذبۂ غم خواری میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ ان کی منظومات بھی اصلاح احوال قوم کا نمونہ ہیں۔ اس طرح نعتوں میں بھی انھوں نے حضور ﷺ کے اسوۂ عالی کی سرفرازیوں کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے امت مسلمہ کو حضور نبی ﷺ پاک کے دامان رحمت سے وابستہ ہونے کی تلقین کی ہے۔ ان کی نعتوں کے عجمی لہجہ میں حجازی لے کام کر رہی ہے۔ ان کی ایک نعت کے دو اشعار دیکھیے جو حسن تغزل کی عمدہ مثال ہیں:

کیا مدینے سے بھی پیغام کوئی لائی ہے — یا نسیم سحری یوں ہی چلی آئی ہے
واقعہ یہ ہے کہ یاد رخ جاناں کے بغیر — زندگی کیا ہے مسلسل شب تنہائی ہے

D:NaatRang-15
File: Akram Raza-1
Final

حالی کے بعد جس شاعر نے نعت مسلسل کی صورت میں حضور محمد ﷺ رسول اللہ کو شایانِ شان خراج عقیدت پیش کیا ہے وہ حفیظ جالندھری ہیں۔ انھوں نے ''شاہنامۂ اسلام'' کی صورت میں صورت و سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسین و دلآویز پہلو اجاگر کیے ہیں۔ ''شاہنامۂ اسلام'' سے متاثر ہو کر کئی معروف اور غیر معروف شاعروں نے طویل منظومات لکھیں جن میں سے منظور حسین منظور کی شعری تصنیف ''جنگ نامۂ اسلام'' خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ لیکن بحیثیت مجموعی فکر و فن کی جو رعنائیاں حفیظ کے ''شاہنامۂ اسلام'' میں نظر آتی ہے وہ دوسروں کے یہاں بہت کم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قبولیت عام کی خلعت ابدی حفیظ کے حصے میں آئی۔ ''شاہنامۂ اسلام'' میں عہد رسالت کے حالات اور غزوات نبوی ﷺ کی منظوم تاریخ بیان کی گئی ہے۔

''شاہنامۂ اسلام'' بحر ہزج مثمن میں بصورت مثنوی چار جلدوں پر مشتمل ایک طویل تذکرۂ رسول ﷺ کریم ہے۔ یہ شعری تصنیف قرآن و احادیث کے ساتھ ساتھ روایت صحیحہ کی روشنی میں لکھی گئی ہے۔ حقائق کا مظہر ہونے کے باوصف یہ طویل مثنوی شعری محاسن اور ادبی لوازم سے آراستہ ہے۔ حضور کی ولادت سے پہلے خطہ عرب کے حالات، میلاد نبوی ﷺ کی سعادت افریں ساعتیں، حضور نبی ﷺ کریم کی مکی اور مدنی زندگی کے واقعات، غزوات رسول کی تفاصیل پر مشتمل ''شاہنامۂ اسلام''، ''حفیظ جالندھری'' کا لازوال شاہکار ہے۔ رزم و بزم کی تصویر کشی ہو یا مناظر و جذبات کی مصوری، حسن و جمال نبوی ﷺ کا تذکرہ ہو یا سیرت و کردار رسول ﷺ کا ذکر، اخلاق محمد ﷺ کو خراج عقیدت ہو یا رحمت سرور ﷺ کونین کی توصیف، حفیظ کا معجز نگار قلم الفاظ کے جواہر تراشتا اور فکر و تخیل کا قوس قزح نکھارتا ہے۔ ولادت نبوی ﷺ کی صبح سعادت کا منظر قلم بند کرتے ہوئے انھوں نے تمثیلی انداز میں فرشتوں کی زبانی جو سلام بارگاہ سیّد الانام ﷺ لکھا ہے۔ اس کے تین شعر ملاحظہ کیجیے:

سلام اے آمنہ کے لال اے محبوب سبحانی　　　ترا نقش قدم ہے زندگی کی لوح پیشانی
ترے آنے سے رونق آگئی گلزار ہستی میں　　　شریک حال قسمت ہوگیا پھر فضل ربانی
تری صورت تری سیرت ترا نقشہ ترا جلوہ　　　تبسم گفتگو بندہ نوازی خندہ پیشانی

حفیظ جالندھری کے چند نعتیہ اشعار پیش ہیں۔

زباں پر اے خوشا صل علیٰ یہ کس کا نام آیا　　　کہ میرے نام جبریل امیں لے کر سلام آیا

محمد ﷺ وہ جمال اولیں وہ پیکر نوری محمد ﷺ کاشف سر ظہور و رمز مستوری

☆

وہ جس کو فاتح ابواب اسرار قدم لکھیے بنائے عرش و کرسی باعث لوح و قلم لکھیے

☆

علیٰ الاعلان سر کنت وکنزاً مخفاً کہیے مگر اس کی شریعت کا ادب مانع ہے کیا کہیے

آغا شورش کاشمیری نامور ادیب، عظیم خطیب اور بلند پایہ شاعر تھے۔ مولانا ظفر علی خاں نے انھیں اپنا فرزند معنوی قرار دیا تھا۔ ان کی شاعری جوش بیان اور شکوہ زبان سے عبارت ہے۔ یہی خطابت آمیز لہجہ، یہی رجزیہ انداز بیان ان کی نعتیہ شاعری کو ممتاز کرتا ہے۔ ان کی نعتیں ان کی فکری جنوں خیزیوں کے ساتھ ساتھ ان کی نظری عجز سامانیوں کی امین اور ان کے قلبی سوز و گداز کی آئینہ دار ہیں۔ ان کی ہنگامی اور سیاسی شاعری کی اہمیت اپنی جگہ مسلم لیکن ان کی شہرت و ناموری کا بڑا سبب یہی سرمایۂ نعت گوئی ثابت ہوگا۔

احسان دانش وہ درویش صفت شاعر تھے جنھوں نے اپنے تیشۂ محنت سے حالات کے سلسلہ کوہستان کو کاٹ کر شعر و ادب کی جوئے شیریں نکالی تھی۔ احسان دانش صحیح معنوں میں مسلمان شاعر تھے۔ اس لیے ان کی نعتیں بانی اسلام جناب محمد ﷺ مصطفیٰ سے غیر معمولی عشق وارداتِ کا ذریعۂ اظہار ہیں۔ چوں کہ زبان و بیان کے لحاظ سے قادرالکلام شاعر تھے اس لیے رنگین استعاروں اور دل نشیں تشبیہات کی بدولت ان کے نعتیہ کلام کی رعنائیاں، فصاحت و بلاغت کی اثر انگیزیوں میں ڈھل جاتی ہیں۔ ان کے یہ اشعار ذات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی والہانہ ارادت مندی کے ترجمان ہیں۔

آنکھوں کو اپنی چومتا رکھ رکھ کے آئینہ ہوتی اگر نصیب زیارت حضور ﷺ کی

دانش میں خوف مرگ سے مطلق ہوں بے نیاز میں جانتا ہوں موت ہے سنت حضور ﷺ کی

مولانا مصطفیٰ رضا خان بریلوی مفتی اعظم ہند تھے۔ وہ شاہ احمد رضا خان بریلوی کے فرزند اصغر اور ان کے دبستان مدحت و نعت کے رکن رکین تھے۔ نوری تخلص کرتے تھے۔ ان کا نعتیہ مجموعۂ کلام ''سامانِ بخشش'' شائع ہوچکا ہے جس سے ان کی ندرت فکر و فن اور جدت شعر و سخن کے علاوہ ان کے قلبی سوز و گداز اور حب رسول کا پتا چلتا ہے۔ ان کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔

بنا عرش بریں مسند کف پائے محمد کا
خدا ہی جانتا ہے مرتبہ سرکار کے سر کا

D:NaatRang-15
File: Akram Raza-1
Final

جمیل قادری کی نعتیں دنیائے مدحت و نعت میں بلند مقام کی حامل ہیں۔ چوں کہ جمیل قادری عالم باعمل اور صاحب نظر شخصیت تھے اس لیے ان کا نعتیہ کلام بھی ان کی فکری و نظری سربلندیوں کا غماز ہے۔ اس کے مطالعہ سے عشاق مصطفیٰ ﷺ کو غیر معمولی روحانی طمانیت اور قلبی تسکین سامانی کا احساس ہوتا ہے۔

نعتیہ شاعری کے سلسلہ میں ایک اہم نام اقبال احمد خان سہیل اعظم گڑھی کا ہے۔ اقبال سہیل اہل دل بزرگ شاعر تھے۔ شاعری کا ذوق انھیں ورثہ میں ملا تھا۔ انھوں نے نعت رسماً نہیں لکھی بلکہ ان کی نعت ان کے جذبات کی ترجمانی ہے۔ ان کی نعتوں میں عشق کا بانکپن ہے مگر عجز کے افتخار کے ساتھ۔ حسن کی دلآرائی ہے مگر ادائے نیاز کے ساتھ۔ تخیل کی بلند پروازی ہے مگر آداب شریعت کے ساتھ۔ ان کے نعتیہ قصائد خیال آفرینی اور بیان کی شیرینی کے لحاظ سے فارسی قصیدہ نگاروں کی یاد تازہ کر دیتے ہیں۔ ایک نعتیہ قصیدے کے ابتدائی اشعار دیکھیے:

سرشت حسن تغافل مزاجِ عشق غیور   وہ التفات سے ہم التجا سے ہیں معذور
کسی کے فیض تصور سے ہوگیا بے خود   مرا خرابۂ دل گنجِ حسن سے معمور

عصر حاضر کے جو شعرا اردو نعت کی محفل سجائے ہوئے ہیں ان میں اصغر حسین خاں نظیر لدھیانوی ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی حسن تغزل کی آئینہ دار نعتیں ہوں یا جوش بیان کو آداب عشق سکھانے والے نعتیہ قصائد، انھوں نے مقام مصطفیٰ ﷺ کی رفعتوں کو ہمیشہ مدنظر رکھا ہے۔ ان کی پرکیف نعتیں نگاہوں میں سماتیں اور دلوں پر اثر کرتی ہیں۔

احمد ندیم قاسمی بنیادوں طور پر نظم اور غزل کے شاعر ہیں۔ اس میدان میں ان کی ادبی حیثیت مسلمہ اور منفرد ہے۔ مگر جب یہ غزل کے ''شبستان ہوس'' سے نعت کے عرش بوس ایوان میں وارد ہوئے تو یہاں بھی فکری و وجدانی انفرادیت کا علم لہرائے رکھا۔ ان کی نعتوں میں ایک طرف جلوہ ہائے جمال کی فراوانی ہے جو قلب و نظر کو حلقہ بگوش عقیدت بناتی ہے اور دوسری طرف تجلیات جلال کی لمعہ افشانی ہے جو شہنشاہوں کو آداب عجز سکھاتی ہے۔ ان کی ایک مشہور نعت کے یہ اشعار ہمیشہ دل سے عقیدت کا اور آنکھوں سے آنسوؤں کا خراج لے کر ادراک کو حوصلۂ عرض تمنا بخشتے ہیں:

پورے قد سے میں کھڑا ہوں تو یہ ہے تیرا کرم   مجھ کو جھکنے نہیں دیتا ہے سہارا تیرا
دستگیری میری تنہائی کی تو نے ہی تو کی   میں تو مر جاتا اگر ساتھ نہ ہوتا تیرا

عبدالعزیز خالد ''فارقلیط'' اور ''منحمنا'' کے حوالے سے تاریخ نعت گوئی کو نئی فنی جہتوں سے آشنا کر چکے ہیں۔ ان کے علم و فضل سے اسلام کی تجر علمی اور طلاقت لسانی کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ ان کی نعتوں میں تشبیہات و استعارات کی فراوانی ہیں نہیں روز مرہ کی چاشنی بھی ہے۔ قرآنی و اسلامی تعلیمات کے ساتھ دوسری زبانوں کے الفاظ و تراکیب کا بھرپور استعمال ہیں نہیں زبان وبیان کی پاکیزگی اور شگفتگی بھی ہے۔ ان کی نعتیں عشق و عقیدت کا ایسا نغمۂ جانفزا ہیں جو احساسات کے تاروں سے پھوٹتا، درماندہ آرزوؤں کو ذوق پرواز بخشتا اور گداز شوق کو لذت حضوری سے بہرہ یاب کرتا ہے۔

حفیظ تائب عہد حاضر میں اردو نعت کی نمائندہ شخصیت ہیں۔ یہ اظہار ستائش نہیں بلکہ اعتراف حقیقت ہے کہ حفیظ تائب نے اس دور کے غزل گو کو نعت کا سلیقہ بخشا ہے۔ ان کی نعتیں گلستان حجاز کے مہکبار گلہائے رنگا رنگ ہیں کہ جن کی خوب صورتی کائنات عالم کا نگار اور جن کی خوش بو خزاں رسیدہ انانیت کی بہار ہے۔ ان نعتوں میں حسن تغزل بھی ہے اور حسن تاثر بھی۔ حسن پاکیزہ کی ناز فرمائی بھی ہے اور عشق و عقیدت کی نیاز آفرینی بھی۔ سرکار دوعالم کی صورت بے مثال کی ضو پاشیاں بھی ہیں اور تعلیمات حضور کی اثر آفرینی بھی۔ جب بھی احساسات منجمد اور افکار پژمردہ ہونے لگتے ہیں تو بے اختیار دل کی گہرائیوں سے حفیظ تائب کے لفظوں میں ایک دعا ابھرتی ہے:

دے تبسم کی خیرات ماحول کو ہم کو درکار ہے روشنی یا نبی ﷺ

''صلو علیہ وآلہ'' اور ''وسلموا تسلیما'' کے نعتیہ مجموں کے خالق حفیظ تائب کا آہنگ ایک زمانے کو متاثر کر رہا ہے:

رحمت حق سایہ گستر دیکھنا اور سوچنا اک نظر شہر پیمبر ﷺ دیکھنا اور سوچنا
اس کے ہوتے کس اجالے کی ہے دنیا کو تلاش سبز گنبد کو برابر دیکھنا اور سوچنا

مظفر وارثی نے خوب صورت کلام اور دل نشیں آواز کے ساتھ زمانے کو چونکا دیا۔ ان کے متعدد نعتیہ مجموعے اور ایک حمدیہ مجموعہ اشاعت پذیر ہو چکے ہیں۔ ان کی نعتیہ شاعری مترنم بحروں کے سبب فکری تازگی کا وقار لیے ہوئے ہیں:

حق نما حق صفات آپ کی ذات شاہ کار حیات آپ کی ذات
خالق کائنات ذات خدا مقصد کائنات آپ کی ذات

D:NaatRang-15
File: Akram Raza-1
Final

عارف عبدالمتین خوش قسمت ہیں کہ جب مادیت کے فلسفوں سے تنگ آ گئے تو گلستان نعت کی مہک نے دل و جان کو قرار بخشا۔ ''بے مثال'' ان کا نعتیہ مجموعہ ہے جو نسبتاً جدید لہجے کا علمبردار ہے۔

بجز خدا کوئی جچتا نہ تھا نگاہوں میں خدا کے بعد فقط تو جچا نگاہوں میں
کھلے گلاب و سمن جس طرف سے تو گزرا ترے خرام سے آئی صبا نگاہوں میں

راجا رشید محمود ایک عرصے سے خود کو نعت کے فروغ کے لیے وقف کیے ہوئے ہیں۔ ان کے کئی نعتیہ مجموعے منظرعام پر آچکے ہیں۔ نعت کے حوالے سے مقالات کا سلسلہ ہو یا نعت گوئی کا تذکرہ ان کا قلم ہر میدان میں یکساں وقار کے ساتھ موتی بکھیر رہا ہے۔

ذہن میں دشت مدینہ کا تصور آیا پھول الفت کے مری شاخ نظر پر مہکے
ذکر ان کا ہے تو ہر لب کا مقدر بن جائے یاد ان کی ہے تو سینوں میں اتر کر چمکے

محشر رسول نگری نے ''فخر کونین'' کے زیرعنوان طویل مسدس رقم کی۔ اس طویل نعتیہ مسدس میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی اور آپ کی سیرت مطہرہ کو موضوع بنایا گیا ہے۔ قادرالکلامی، فصاحت و بلاغت اور موزوں پر پیرایۂ اظہار اس مسدس کے تخصیصات ہیں۔

عزیز حاصل پوری (جام نور) کا فن نعت گوئی محتاج تعارف نہیں۔ انھوں نے نعت گو شاعر کی حیثیت سے توصیف حضور کو دل میں بسا کر ایوان شعر میں فن کی کلاسیکی روایات کے چراغ جلائے ہیں۔

عاصیو! رحمت عالم کا وسیلہ ڈھونڈو
حشر کی دھوپ سے بچنا ہے تو سایہ ڈھونڈو

مدحت، نعتوں کے گلاب اور ''حرف شیریں'' جیسے نعتیہ مجموعے پیش کرنے والے عاصی کرنالی کا انداز نعت گوئی دیکھیے:

ظاہر ہوا قلم تو محمد ﷺ کے لفظ پر شیریں ہوئی زباں تو محمد ﷺ کے نام سے
پہنچوں در سرکار ﷺ پہ چاہا تو یہی ہے آگے مری تقدیر، تمنا تو یہی ہے

اقبال عظیم کی نعتیہ شاعری ایک مدت سے اہل شوق کو گداز آشنا کر رہی ہے۔ سادگی اور خلوص مکران ان کی متاع عزیز ہے۔

کعبے سے اٹھیں جھوم کے رحمت کی گھٹائیں مقبول ہوئیں تشنہ نصیبوں کی دعائیں
بس خاک کف پائے محمد کی طلب ہے اقبال کا مقصود دوائیں نہ دعائیں

حافظ محمد افضل فقیر نعت گوئی کے آداب اور قرینے سے بخوبی آشنا تھے۔ ان کے نعتیہ مجموعے بلاشبہ اردو زبان و ادب میں نعت گوئی کے حوالے سے قابل تقلید مثال ہیں:

شایان بارگاہ پیمبر نہ تھی فغاں آنسو بنا دیا ہے اسے احترام نے
سرکار کی نگاہ کرم ہے فقیر پر سرکار کی ثنا جو لکھی ہے زبان نے

خواجہ عابد نظامی (میان در کریم۔فیضان کرم) کی نعت گوئی اور بیت اور عقیدت کا حسین امتزاج لیے ہوئے ہے۔

ہمیشہ منزلیں چومتی ہیں ان کے قدم
شہ مدینہ کو جو رہنما سمجھتے ہیں

نعیم صدیقی کی نعت میں سیرت رسول کی جلوہ کاری خاص طور پر نظر آتی ہے اور وہ عشق رسول کو اتباع رسول سے مشروط کر کے نعت کو نیا اسلوب دیتے ہیں۔

اے عشق محمد ﷺ اب اتنی سی تمنا ہے باطل کے طلسموں سے ایماں کو بچالے چل
رزم حق و باطل نے کھولا دیا خوں میرا اے دل مجھے اب سوئے میدان وغا لے چل

ڈاکٹر ریاض مجید (اللّٰھم صلی علیٰ محمد) نعت حضور کے قدیم اور جدید تقاضوں سے کمال درجے کی آگاہی رکھتے ہیں۔ احترام وعقیدت کے ساتھ ساتھ غنائیت کا بھی اہتمام رکھتے ہیں۔

میں دیکھتا رہوں جالی کو حیرتی ہو کر
مجال کیا جو ذرا بھی پلک جھپک جائے

ریاض حسین چوہدری (زرِ معتبر) کی نعتیہ شاعری عصر حاضر کی جدید روایت پسندی کے لحاظ سے نمائندگی کر رہی ہے۔ ان کی نعتوں میں فکر کی شوخی، بلندیوں کو چھوتی ہے مگر کہیں بھی پائے عقیدت میں لرزش پیدا نہیں ہوتی۔

قبائے شعر سمیٹے گی پھول مدحت کے جمال حرف سخن ہے فقط ثنا کے لیے
میں ریگزار تمنا میں کس طرف دیکھوں بجز دیار نبی موجۂ ہوا کے لیے

خالد شفیق (عالم افروز) نعت کے دوران میں بھی ایمان و اعتقاد کی پختگی کو نظر سے اوجھل نہیں ہونے دیتی اور حسن تغزل کو ملحوظ خاطر رکھے ہیں۔

وہ جس سے دل کے چمن میں شگفتگی آئی　　فقط ہے ذکر خدا اور گفتگوئے رسول
مشام جاں ہے معطر، دل و نظر شاداب　　بسی ہوئی مرے دل میں آج بوئے رسول

صبیح رحمانی (جادۂ رحمت) کی نعتوں میں حاضری و حضوری کی تمنا بطور خاص جھلکتی ہے۔ ان کی محبت و سرشاری انھیں نعت کے قلزم نور سے فیض یاب ہونے کی سعادت عطا کرتی ہے۔ مگر سوز و گداز اور نعتیہ رعنائی فکر کی بلندیوں کو چھو کر بھی ان کی نعت روح عصر سے بیگانہ نظر نہیں آتی۔ اس میں کمال شوق کی تڑپ بھی ہے اور جمال آرزو کی مہک بھی۔

اتاری روح کی بستی میں جلوؤں کی دھنک اس نے
شکست شب پہ ہو جیسے سحر آہستہ آہستہ

☆

اتارے جسم و جاں پہ سارے موسم شادمانی کے
بدل دی شہر ہستی کی فضا اوّل سے آخر تک
بہار نعت سے باغ سخن لہکا صبیح ایسا
تر و تازہ رہی فصیل نوا اول سے آخر تک

☆

قلم خوش بو کا ہو اور اس سے دل پر روشنی لکھوں
مجھے توفیق دے یا رب کہ میں نعت نبی لکھوں

سیّد محمد ابوالخیر کشفی (نسبت) کی نعت میں جہاں سرکار دوعالم سے عقیدت کا والہانہ پن پایا جاتا ہے وہاں آپ کے پیغام انقلاب کی جھلک بھی ملتی ہے۔

سرکار دوعالم کی بصیرت کا ہے صدقہ　　ہر سلسلہ فکر و نظر زندہ ہے ہم سے
تاریخ محمد ﷺ کا نشان کف پا ہے　　انسان کو معراج ملی ان کے قدم سے

بشیر حسین ناظم (جمال جہاں افروز) زبان و بیان پر غیر معمولی گرفت رکھتے ہیں مگر اس احساس کے ساتھ کہ ان کی ہر ادبی اور فنی سرفرازی، ممدوح دوعالم ظاہر صلی اللہ علیہ وسلم کے دم سے ہے۔ جن کے تصدیق سے حرف نا آشنا جذبات کو طاقت گفتار عطا ہوتی ہے۔

تیرا ہر قول ہے مشکوٰۃ صداقت آقا　　تیرا ہر فعل ہے کردار کی عظمت آقا
اختیاری ہے ترا فقر کہ ہے فخر ترا　　ورنہ کونین پہ ہے تیری حکومت آقا

ڈاکٹر جعفر بلوچ (بیعت) فکر کی بلند پروازی کے ساتھ آداب شریعت اور حسن احتیاط کو بحسن و خوبی پیش نظر رکھتے ہیں۔

زمانے بھر کو دیے ہیں کونین کے خزینے مرے نبی ﷺ نے
مجھے بھی بخشے ہیں دین و دنیا مرے نبی ﷺ نے مرے نبی ﷺ نے
اگر نہ رستہ دکھائی دیتا، کہاں کہاں میں نہ سر پٹکتا
کرم کیا میرے دیدہ و دل کی روشنی نے، مرے نبی ﷺ نے

حافظ لدھیانوی کا پہلا مجموعہ نعت ''ثنائے خواجہ'' تھا۔ پھر تو یہ سلسلہ پھیلتا چلا گیا۔ اتنی بڑی تعداد میں نعتیہ کتب پیش کرنے کے باوجود ان کی نعتوں میں ٹھہراؤ یا جمود کا احساس نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر آن جذبہ عشق کی شدت فزوں تر معلوم ہوتی ہے۔

جذبۂ نو کی جھلک مدحت سرکار میں ہو عکس تازہ کوئی نعت شہ ﷺ برار میں ہو
یوں دل و جاں کو ملی شہر نبی ﷺ میں راحت جیسے صحرا میں کوئی سایۂ دیوار میں ہو

راسخ عرفانی متعدد نعتیہ مجموعوں کے خالق اور نعت گوئی کی نزاکتوں سے آگاہ تھے۔ عقیدت اور آداب و احترام رسالت کے امتزاج سے نعت کہتے تھے۔

ہوا جو ان کا وہ دنیا سے بے نیاز ہوا
متاع دہر کا طالب نہیں گدائے رسول

مسرور کیفی بھی ایوان نعت میں متعدد نعتیہ مجموعوں کے انوار کی سوغات پیش کر چکے ہیں۔ الفاظ کا انتخاب اور بیان کی روانی ان کا امتیاز ہے۔

دوعالم تھے مسرورؔ قدموں تلے
مدینے کا جب راستہ مل گیا

یزدانی جالندھری کی مدحت سرائی سراسر مقامات رسول ﷺ کی ترجمان اور محبت سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے وفور کے ساتھ ساتھ تعلیمات حضور سے عبارت ہے۔

طیبہ سے موج صبا آئی تو ہے اک نوید جاں فزا لائی تو ہے
لوگ کہتے ہیں شہنشاہی جسے ان کی چوکھٹ کی جبیں سائی تو ہے

آفتاب کریمی (آنکھ بنی کشکول) کی نعتیں والہانہ پن اور مدینے کی فضاؤں میں جاں سے گزر جانے کے جذبہ غیر فانی کی غماز ہیں۔

D:NaatRang-15
File: Akram Raza-1
Final

آنکھوں سے کبھی دل سے کبھی پلکوں سے اپنی اشکوں کی زبانی بھی سناتا رہوں نعتیں
انوار رسالت کی تجلی سے منور سینے پہ لکھی سب کو سناتا رہوں نعتیں

حق تو یہ ہے کہ نعت گوئی کے کوچہ پرنور میں داخل ہوتے ہی دامان شوق ہاتھوں سے چھوٹ چھوٹ جاتا ہے۔ وہاں تو اہل شوق کا ہجوم نظر آتا ہے۔ ایک سے ایک بڑھ کر۔ وقت کی قید سے بے نیاز، تحسین و ستائش کی تمنا سے مستغنی، سراسر محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اثاثہ عمل بنانے والے۔ محترم مکرم شعرا کا ایک ختم نہ ہونے والا سلسلہ ہے۔ تبرک کے طور پر چند شعرا کے کلام سے کسی قسم کی تعارفی سطور کے بغیر ایک ایک دو دو اشعار نذر قارئین کئے جاتے ہیں۔ جہاں تک ان خوش بخت شعرا کی ناموری کا ذکر ہے تو اس کا تعلق اس شان قبولیت سے ہے جو بالآخر ہر نعت گو کا افتخار بن رہی ہے۔

معراج یہ انسان کی عظمت کے لیے ہے اللہ کا محبوب ہدایت کے لیے ہے
اے صاحب قرآں ترا منشور گرامی ہر دور کے انساں کی ضرورت کے لیے ہے
(رشید وارثی)

تکوین کائنات کا حاصل حضور ہیں محفل حضور، بانی، محفل حضور ہیں
جس کی کرن کرن سے ضیا بار ہے حیات انسانیت کے وہ مہ کامل حضور ہیں
(ناصر زیدی)

جلوۂ عارض نبی ﷺ رشک جمال یوسفی سینہ بہ سینہ سر بسر چہرہ بہ چہرہ ہو بہ ہو
بزم جہاں میں آج بھی یاد ہے ہر طرف تیری قصہ بہ قصہ لب بہ لب خطبہ بہ خطبہ رو بہ رو
(رئیس امروہوی)

نبی کے در پہ پہنچ کے خود کو مثال کرتی ہیں میری آنکھیں
کمال رحمت کو دیکھتی ہیں کمال کرتی ہیں میری آنکھیں
جہاں کے ذرے بھی ہیں ستارے اس آستانے پہ کب چلو گے
زبانِ گریہ میں مجھ سے شاعر سوال کرتی ہیں میری آنکھیں
(شاعر لکھنوی)

شان ان کی سوچیے اور سوچ میں کھو جایے نعت کا دل میں خیال آئے تو چپ ہو جایے
یا حصار لفظ سے باہر زمین شعر میں ہو سکے تو سرد آہوں کا شجر بو جایے
(خورشید رضوی)

قرآن ہے اس کے نطق کا اک زندہ معجزہ اقرا سے تا بہ آیت آخر زبانِ علم
اسرار کائنات کا عقدہ کشا وہی وہ راز دار وسعت کون و مکان علم
(حمایت علی شاعر)

امت کا غم کھاتے کھاتے رو پڑنا کتنا درد بسا تھا ان کی آنکھوں میں
(گوہر ملسیانی)

آلام جہاں لاکھ ہوں جاں کا غم انگیز ہے نعت پیمبر دل محزوں کو طرب خیز
ثانی مصطفیٰ نہیں وسعت کائنات میں دیکھیے ہفت چرخ میں ڈھونڈیے شش جہات میں
("طلع البدر علینا"۔ علیم ناصری)

اک حسن ازل حسن نظر حسن حقیقت دیکھا ہے ترے روضے کی دیوار میں در میں
اب چھوڑ دے کشتی کو ہلال ان کے کرم پر وہ چاہیں تو ساحل ابھی بن جائے بھنور میں
(ہلال جعفری)

دل جہاں تڑپا ہوائے یاد طیبہ آگئی بے سہاروں کا ہے کیا خوش کن سہارا دیکھیے
(شاہ انصار الہٰ آبادی)

وجہ تسکیں نہ زمیں ہے نہ زماں ہے ہم کو نغمۂ نعت نبی ﷺ راحت جاں ہے ہم کو
(افسر ماہ پوری)

موجزن میرے شہر جبیں میں روشنی آپ کے نقش پا کی
اب تصور بھی لو دے اٹھا ہے شام روشن ہے غار حرا کی
(سہیل غازی پوری)

لذت جاں اس نے دی درد آشنا اس نے کیا بے نوا محسن کو سرمست نوا اس نے کیا
آؤ مستقبل کو نکھاریں نعت کہیں چن لیں حال کی سب مہکاریں نعت کہیں
("سلسلہ انوار کا"۔ حافظ غزنوی)

آکے طیبہ سے طلب اور ہے تشنہ تشنہ دھڑکنیں دل کی صدا دیتی ہیں طیبہ طیبہ
امتی جائیں کہاں جائے اماں پائیں کہاں یہ غلام آپ کے آپ ان کے ہیں آقا آقا
("حرف ثنا"۔ محشر بدایونی)

D:NaatRang-15
File: Akram Raza-1
Final

دور سے گنبد خضریٰ دیکھ کے دل اس طور سے دھڑکا تھا
روح کے گہرے سناٹے میں جیسے شور نشور ہوا

(''اساس'' سرشار صدیقی)

محفل جاں لگی ہوئی آپ کے دم قدم سے ہے میری تو کائنات ہی آپ کے دم قدم سے ہے
ماہ جمیل نیم شب مہر جلیل نیم روز چاندنی ہو کہ روشنی آپ کے دم قدم سے ہے

(''چادر رحمت''۔منیر قصوری)

ذرہ ہوں پہ خورشید سے ہے ربط تجلی قطرہ ہوں پہ نسبت ہے مجھے وسعت یم سے

(''سیّدنا'' سلیم گیلانی)

مجال مدح رسالت مآب کس کو ہے شعور مرتبۂ بے حساب کس کو ہے
کسی کسی کا مقدر ہے خواب میں دیدار سو خواب میں بھی نظارے کی تاب کس کو ہے

(''آپ''۔حنیف اسعدی)

میں عاصی آپ سرتاپا شفاعت یہ رشتہ آپ سے محکم بہت ہے

(تابش دہلوی)

خرد سے کہہ دو کہ حب رسول سے پہلے سمجھ میں آ نہ سکے گا کہ کبریا کیا ہے
حرم، یقین کی منزل ہے اور مدینے میں اسی یقین کو حسن یقین ملتا ہے

(امید فاضلی)

وہ اجالوں کے ہیں سفیر کہ جو اتباع رسول کرتے ہیں

(اعجاز رحمانی)

نہ کہیں سے دور ہیں منزلیں نہ کوئی قریب کی بات ہے
جسے چاہے اس کو نواز دے یہ درِ حبیب کی بات ہے
ترے حسن سے تری شان تک ہے نگاہ و عقل کا فاصلہ
یہ ذرا بعید کا ذکر ہے وہ ذرا قریب کی بات ہے

(''منور نعتیں'' منور بدایونی)

غار حرا کو یاد ہیں سجدے رسول کے دیکھی ہے پتھروں نے عبادت رسول کی

(ساغر صدیقی)

حالات جہاں بھر کے الم نشرح ہیں ان پر رکھتے ہیں وہ ہر گوشہ عالم کی خبر بھی
ذرّات کفِ پا سے بنے اختر و انجم روشن ہوئے اس چاند سے خورشید و قمر بھی
(صابر براری)

آدمی کو اپنی نوع آدمیت پر ہے ناز فخر ہے ذات محمد ﷺ آدمیت کے لیے
(''سازِ حجاز''۔ سیماب اکبر آبادی)

دل یہ کہتا ہے ہر دم مدینے چلو دور ہو جائیں گے غم مدینے چلو
یا تو دل تھام کر ضبط کرتے ہوئے یا تو با دیدۂ نم مدینے چلو
(بہزاد لکھنوی)

نظر رحمت کی مجھ منگتے پر ڈالو یا رسول اللہ مجھے بھی اپنے روضے پہ بلا لو یا رسول اللہ
بہت کمزور ہوں اپنی غلامی کی سند دے کر مجھے دنیا کے ہر غم سے بچا لو یا رسول اللہ
(''حبیبی یا رسول اللہ''۔ عزیز الدین خاکی)

رنگ حیات کس نے نکھارا ترے سوا انسانیت کو کس نے ابھارا ترے سوا
کس نے دیا ہے دشمنوں کو دوستی کا درس موڑا ہے کس نے وقت کا دھارا ترے سوا
(''مہر درخشاں''۔ قمر یزدانی)

آقائے دو جہاں کے فیض نگاہ سے مہجور کے سخن کو اجابت ہوئی نصیب
(''عنوان نجات''۔ عارف مہجور رضوی)

جو تصور میں رہا پیش نظر بھی ہوگا کعبہ دیکھوں گا مدینے کا سفر بھی ہوگا
سبز گنبد کی ضیائیں بھی ہوں جس میں شامل میری تقدیر میں وہ نور سحر بھی ہوگا
(''دیں ہمہ اوست''۔ سیّد نصیر الدین نصیر)

باب جبریل کے پہلو میں ذرا دھیرے سے فخر کہتے ہوئے جبریل کو یوں پایا گیا
اپنی پلکوں سے در یار پہ دستک دینا اونچی آواز ہوئی عمر کا سرمایا گیا
(''باب جبریل'' خواجہ غلام فخر الدین سیالوی)

اس خالق کونین کی مرضی بھی ادھر ہے اے سیّد ابرار رضا تیری جدھر ہے
جس گھر میں قدم رکھتے ہیں جبریل بھی ڈر کر اے جان زمانہ وہ فقط تیرا ہی گھر ہے
(''کلیات اعظم''۔ محمد اعظم چشتی)

مذہب فطرت آپ کا مذہب صلی اللہ علیہ وسلم ختم نبوت آپ کا منصب صلی اللہ علیہ وسلم
آپ کی عادت عفو وتحمل جزوطبیعت صبر وتوکل خلق ومروت آپ کا مشرب صلی اللہ علیہ وسلم
("صلی اللہ علیہ وسلم"۔ راز کاشمیری)

کیا کہوں میں کہ طیبہ میں کیا مل گیا سب ملا جب شہ ماسوا مل گیا
باب عالی پہ حاجت نہیں شور کی بے دعا کے مجھے مدعا مل گیا
("فرش پر عرش" سیّد محمد اشرفی الجیلانی محدث کچھوچھوی)

ورد زباں اگر مرے ذکر نبی رہے فکر و دہن کو پھر نہ کوئی تشنگی رہے
مجھ کو نہیں ہے چاہت دنیا سے کچھ غرض دربار مصطفیٰ ﷺ سے ہی وابستگی رہے
("ارمغان نیاز"۔ عبدالغنی تائب)

خدا ہی خوب واقف ہے مقام مصطفیٰ کیا ہے محمد ﷺ مصطفیٰ شاہد ہیں ذات کبریا کیا ہے
("تاجدار حرم" منظور الحق مخدوم)

دل پر انوار رسالت کے دریچے کھل گئے بند کیں آنکھیں تو قسمت کے دریچے کھل گئے
("رنگ روشنی خوش بو" سجاد سخن)

حشر میں جب ساقی تسنیم و کوثر آگیا اوج پہ ہم تشنہ کاموں کا مقدر آگیا
دفعتاً عالم پہ رحمت کی گھٹائیں چھا گئیں ساتھ لے کر رحمتیں محبوب داور آگیا
("نعت حبیب" سعادت حسین شیدا وارثی)

جو بار گہ سیّد ابرار میں آئے لاریب وہ اک مرکز انور میں آئے
وہ غم کی کڑی دھوپ سے محفوظ ہوئے ہیں سرکار کے جو سایہ دیوار میں آئے
("حرف حرف عقیدت" غلام زبیر نازش)

جادۂ شوق ترے لطف کی چھاؤں میں رہے غنچہ نعت سدا پاک فضاؤں میں رہے
یہ ترے ذوق عنایت کا ہے اعجاز حسیں کارواں دل کا عقیدت کی گھٹاؤں میں رہے
("خیرات مدحت"۔ محمد اقبال نجمی)

بہار گل فشاں پیدا خیابان محمد ﷺ سے مہکتا ہے جہاں سارا گلستان محمد ﷺ سے
("نغمۂ فاراں"۔ سلیم اختر فارانی)

رحمت کا ابر ذہن پہ چھاتا چلا گیا ہونٹوں پہ نام آپ کا آتا چلا گیا
("چراغ آرزو"۔ سجاد مرزا)

بخشا جمال زندگی جاں کو شہ حجاز نے بخشی ہے دل کو روشنی نور نظر نواز نے
میرے جلو میں جلوہ ریز کتنے ہی کوہ طور ہیں بھر دیا دامن طلب خاک رہ حجاز نے
(''ارمغان فیض''۔صاحبزادہ سیّد فیض الحسن شاہ)

ہٹ جائے زمانے کی ردا میری نظر سے کیون تیرا تمنائی تری دید کو ترسے
(''عقیدت'' راشد بزمی)

سو سو خطر تھے ظلمت عصیاں کی راہ میں ان کے کرم نے لے لیا اپنی پناہ میں
(''عکس جمال'' اثر لدھیانوی)

دیکھے ترا جلوہ تو تڑپ جائے نظر بھی روشن ہیں ترے نور سے سورج بھی قمر بھی
پھرتا ہوں تصور سے مدینے کے چمن میں گھر بیٹھے ہوئے سیر بھی کرتا ہوں سفر بھی
(''میلاد شریف اکبر وارثی''۔محمد اکبر خاں اکبر میرٹھی)

آج اس کی آستاں بوسی کا مجھ کو ناز ہے آسماں محفل پہ جس کی فرش پا انداز ہے
(''موج زمزم'' آغا حشر کاشمیری)

اے کہ ترے جلال سے ہل گئی بزم کافری رعشہ خوف بن گیا رقص بیان آذری
تیرے قدم پہ چبہ سا روم و عجم کی نخوتیں تیرے حضور سجدہ ریز چین و عرب کی خودسری
(جوش ملیح آبادی۔''شعلہ و شبنم'')

تری توفیق سے رواں ہے قلم مدحت شاہ انبیا کے لیے
اور کیا ہوگی زیست کی معراج اک تہی دست و بے نوا کے لیے
(''وسیلہ''۔سیّد عاصم گیلانی)

پانی کو مرے سر سے گزرنے نہیں دیتے وہ موج حوادث کو بھپرنے نہیں دیتے
رخ موڑ دیا کرتے ہیں مسموم ہوا کا وہ میرے عناصر کو بکھرنے نہیں دیتے
(''سخن سخن خوش بو''۔محمد حنیف نازش)

کیف ثنا رکھ یونہی سرشار مجھے کچھ اے چشم کرم کر دے ثمر بار مجھے کچھ
اے سنگ زنی سہہ کے دعا بانٹنے والے ہو جائے عطا عظمت کردار مجھے کچھ
(فیض رسول فیضان)

لب پہ ہے مدحت نبی آئی میری معراج کی گھڑی آئی

D:NaatRang-15
File: Akram Raza-1
Final

گنبد سبز کے تصور سے ریشے ریشے میں روشنی آئی
(افضال احمد انور)

کبھی حرا کبھی طیبہ دکھائی دیتا ہے یہ خواب میں مجھے کیا کیا دکھائی دیتا ہے
(تحسین فراقی)

مہکا مرے وجود میں نعتوں کا گلستاں جلوہ نما درود میں نعتوں کا گلستاں
پھیلی ہوئی جہاں میں ہے خوش بوے بے کنار کب ہے کسی حدود میں نعتوں کا گلستاں
(''نکہت نعت''۔ ریاض احمد قادری)

وہ سرزمیں جس کے آسماں پر تمہارے قدموں کی کہکشاں ہے
اسی منور زمین کی خاطر سفر میں صدیوں سے کارواں ہے
(محمد فیروز شاہ)

تذکرۂ نعت گویان محمد صلی اللہ علیہ وسلم طویل تر ہو رہا ہے جب کہ ہم طوالت سے گریزاں ہیں۔ مگر ذہن اور قلم کو روکنے کے باوجود ان مداحان رسول کا ذکر زیب قرطاس بنتا چلا جا رہا ہے جو دل و جان سے کشکول آرزو اٹھائے رحمت حضورﷺ کے تمنائی بنے بیٹھے ہیں۔ اگرچہ ہم کسی بھی نعت گو شاعر کے نام سے صرف نظر کے متحمل نہیں ہو سکتے اور ہر قسم کے تقدیم و تاخیر کے بغیر ہر نام ہمارے لیے محترم ہے مگر عنوان کا تقاضا ہمیں اپنی جانب متوجہ کروا رہا ہے۔ مزید چند نعت گوؤں کا تذکرہ کرکے ہم آگے کی جانب بڑھتے ہیں۔ محمد شیر افضل جعفری، حفیظ الرحمٰن احسن، انور جمال، حامد یزدانی، سعید بدر، خالد علیم، صابر گیلانی، ذوقی مظفرنگری، طفیل ہوشیار پوری، محمد احمد شاد، عزیز احسن، محمد امین نقوی، امجد حمید حسین اور عزیز لدھیانوی، ستاروارثی، صبا اکبرآبادی، ادیب رائے پوری، قمروارثی، منصورملتانی، شبنم رومانی، سلیم کوثر، قیصر نجفی، جمیل عظیم آبادی، خالد محمود خالد، قمرالدین احمد انجم، وقار صدیقی۔

نعت کی ترویج و اشاعت اور رسائل و جرائد کا کردار

عصر حاضر میں کاروان نعت کی رفتار کو تیز تر کرنے میں ان رسائل و جرائد کا تذکرہ بطور خاص اہم ہے۔ جنھوں نے خود کو نعت و مدحت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فروغ کے لیے وقف کر دیا۔ صدیوں پیشتر کے نعت گو شاعر اشاعت کے تصور سے بے نیاز ہوکر نعت کہتے تھے۔ کیوں کہ وہ نعت کو فقط بارگاہ رسول میں سرخروئی کا ذریعہ سمجھتے اور یہ سرخروئی کسی اشاعتی سلسلے کی

محتاج نہیں ہوتی۔ وہاں تو گنگ جذبے بھی باریاب ہو جاتے ہیں۔ وہاں تو خلوت میں بھی جلوہ سامانی کے اسباب مہیا ہونے لگتے ہیں۔ خدا کا یہ انعام بندگان خدا کی بخشش کا ذریعہ بنتا ہے۔ شبلی نعمانی کے لفظوں میں:

فرشتوں میں یہ چرچا ہے کہ نعت سرور عالم
دبیر چرخ لکھتا یا کہ خود روح الامیں لکھتے
صدا یہ بارگاہ عالم قدوس سے آئی
کہ "یہ ہے اور ہی کچھ چیز لکھتے تو ہمیں لکھتے"

گزشتہ صدی سے لے کر عصر حاضر کے رواں لحات تک اشاعتی سلسلے نے فروغ پایا تو کثرت سے نعتیہ دیوان سامنے آنے لگے۔ عصر حاضر کے محققین اور نعت پر ریسرچ کرنے والوں کا یہ کردار بطور خاص اہم ہے کہ انھوں نے نے تحقیق کے ذریعہ ماضی کا رشتہ عہد حال سے جوڑ دیا۔ وقفے وقفے سے نعتیہ انتخاب بھی شائع ہوئے۔ ان میں سے ہر ایک نعتیہ انتخاب کسی ایک مرتب کی کاوشوں کا آئینہ دار تھا۔

ان کے مقابلہ میں نعت کے مسلسل اشاعت کے حوالے شائع ہونے والے رسائل کے کردار کا خصوصی امتیاز یہ ہے کہ ان رسائل کے مرتبین نے فقط خود کو ہی آگے لانے کی کوشش نہیں کی بلکہ نعت پر تحقیق کرنے والے ادبا، فضلا، فکری اسکالرز، شعرا اور مصنفین کی بڑی تعداد کو اس طرح روشناس کرایا کہ ان میں سے بعض اس حوصلہ افزائی کی بدولت بہت آگے نکل گئے۔ ان کی خوابیدہ اور پوشیدہ صلاحیتوں کو منظر عام پر لا کر ان رسائل و جرائد نے نعت کے گلستان کو بہارِ نو عطا کر دی۔

یوں تو رسائل و جرائد رسول نمبر اور میلاد نمبر کے حوالے سے مدتوں سے خصوصی اشاعتیں پیش کر رہے ہیں۔ ان اشاعتوں میں سیرت اور میلاد کے علاوہ نعتوں کی بھی بہتات ہوتی تھی۔ ماہنامہ "آستانہ" دہلی، ماہنامہ "آئینہ" لاہور، ماہنامہ "ماہ طیبہ" (کوٹلی لوہاراں سیالکوٹ) ماضی کے حوالے سے روشن مثالیں ہیں۔ عہد حاضر میں بھی سیرت نمبروں اور میلاد نمبروں کی اشاعت کا نہ رکنے والا سلسلہ بڑے روحانی تزک و احتشام سے جاری ہے اور اس ضمن میں رسائل کی جرائد کی طویل فہرست ہے۔ خاص طور سے مذہبی جرائد کا اہتمام اشاعت تو دیدنی ہوتا ہے۔

D:NaatRang-15
File: Akram Raza-1
Final

لیکن جن رسائل و جرائد نے خود کو نعتیہ مضامین اور نعتوں کے لیے وقف کر دیا، ان کی سج دھج ہی اور ہے۔ نصف صدی پہلے یہ تصور بھی محال تھا کہ کسی رسالے کا ہر شمارہ نعتیہ ادب کا نمائندہ بھی ہوسکتا ہے۔ راجا رشید محمود کے مطابق ماہنامہ ''نور وظہور'' قصور نے پہلا نعت نمبر شائع کیا۔ ایڈیٹر محمد علی ظہوری تھے۔ اس کے بعد ماہنامہ ''الحبیب'' کا نعت نمبر شائع ہوا۔ جس کے ایڈیٹر محمد شریف نوری تھے۔ یاد رہے کہ محمد علی ظہوری اور محمد شریف نوری شروع میں اشتراکِ عمل سے کام کرتے رہے تھے۔ پھر یہ سلسلہ خوب پھیلا اور کئی رسائل نے نعت نمبر شائع کیے۔ ان نعت نمبروں میں سے بیشتر میں کسی ترتیب کے بغیر نعتیں ہوتی تھیں اور مضامین نعت معدودے چند رسائل میں نظر آئے۔ جہاں تک نعت نمبروں کا تعلق ہے پروفیسر محمد اقبال جاوید کی کتاب ''بیسویں صدی کے رسول نمبر'' اور راجا رشید محمود کے مرتبہ ''رسول نمبروں'' میں اس پر تفصیل سے کام کیا گیا۔ پھر بھی ہم ماہنامہ ''الرشید'' لاہور (مدیر عبدالرشید ارشد) اور گورنمنٹ کالج شاہدرہ کے ادبی مجلّہ ''اوج'' (مرتب آفتاب احمد نقوی) کا بطور خاص تذکرہ کرنا چاہیں گے۔ یہ دونوں نعت نمبر ۱۹۹۲ء ہی میں اور دو دو جلدوں میں شائع ہوئے۔ ''اوج'' کی دو جلدیں ۱۴۵۶ صفحات اور ماہنامہ الرشید کی دو جلدیں ۱۴۶۴ صفحات پر شائع ہوئیں۔ ۱۹۷۶ء میں اردو سندھ یونی ورسٹی کے ادبی مجلّہ ''صریرِخامہ'' کا نعت نمبر شائع ہوا۔ ممتاز رسالے ''نقوش'' کے رسول نمبر کی جلد دہم (۱۹۸۴ء) نعت کے لیے وقف تھی۔

ماہنامہ ''شام وسحر'' لاہور کے نعت نمبروں کا تذکرہ کیے بغیر کوئی نعتیہ دستاویز مکمل نہیں ہوسکتی۔ ''شام وسحر'' کے چھ نعت نمبر تواتر سے شائع ہوئے۔ (تواتر سے مراد مہینہ وار نہیں) اس کے مدیر معروف ادیب اور نعت گو شاعر خالد شفیق تھے۔ پہلا نعت نمبر ۱۹۸۱ء میں، دوسرا ۱۹۸۲ء میں، تیسرا ۱۹۸۳ء، چوتھا ۱۹۸۵ء، پانچواں ۱۹۸۶ء میں اور چھٹا نعت نمبر ۱۹۸۷ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ خالد شفیق نے نعت نمبروں کی مسلسل اشاعت کے حوالے سے طرح نو ڈالی اور پھر کئی سال اس جادۂ نور پر گامزن رہے۔ آہستہ آہستہ وہ نعت نمبروں کے ضخامت بڑھاتے گئے۔ ان نعت نمبروں کے مجموعی صفحات ۲۶۸۸ بنتے ہیں۔ خالد شفیق اس رسالے کے مالک نہیں تھے۔ مدیرِاعلیٰ اور مرتب و مدون تھے۔ اگر وہ مالک ہوتے تو شاید یہ سلسلہ آج تک جاری رہتا۔ ان کی نعت سے وابستگی کا عالم یہ ہے کہ وہ اب لاہور کے ماہنامہ ''حمایتِ اسلام'' کے کئی برسوں سے ایڈیٹر ہیں۔ ''حمایتِ اسلام'' میں غزل نہیں بلکہ فقط حمد و نعت اور منظومات کی ہی اشاعت کا اہتمام

کیا جاتا ہے۔ اب بھی وہ نعتیہ مضامین اور نعتوں کی اشاعت کو ہی اولین ترجیح سمجھتے ہیں۔ ان چھ نعت نمبروں کے علاوہ انھوں نے ماہنامہ شام و سحر کا سیرت نمبر بھی شائع کیا۔ یہ سیرت نمبر بھی ایک لحاظ سے نعت نمبروں کے سلسلہ ہی کی ایک کڑی ہے۔ اس میں ایسی نعتوں کی اشاعت کا اہتمام کیا گیا تھا جن میں مضامین سیرت بطور خاص بیان کیے گئے ہوں۔ یہ بھی ایک منفرد کاوش تھی۔ شام و سحر کے نعت نمبروں کا سلسلہ تو ۱۹۸۷ء میں اختتام پذیر ہوگیا مگر خالد شفیق نے کاروانِ نعت کی جادہ پیمائی کے جس راہ پرانوار کو سنوارا تھا اس نے آنے والے ادوار میں کئی بلند قیمت اور خوش بخت مدیرانِ کے لیے پرچم نعت کو لے کر اس راستے پر چلنے کا پرعزم سلیقہ عطا کر دیا۔ خالد شفیق نے اپنی ذات سے بڑی حد تک گریز کرتے ہوئے (اگرچہ ممکن نہیں ہوتا) نعت کے حوالے سے مستقل مضمون نگاروں اور تحقیق کرنے والوں کا ایک بڑا گروہ اہل نظر کے سامنے کر دیا۔ ان میں سے کئی مستقل مزاج ثابت قدمی کے ساتھ لکھ رہے ہیں۔ عام طور پر نعت نمبروں میں فقط نعتوں کی بھرمار ہوتی تھی مگر خالد شفیق نے نعتیہ مضامین کی اشاعت کو خصوصی اہمیت دی۔ ان نعت نمبروں کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان میں مضامین کی تکرار نہیں تھی بلکہ ہر اشاعت میں عنوانات کے تنوع کا احساس ہوتا ہے۔

مختلف رسائل کی جانب سے نعت نمبروں کی اشاعت تو ہوتی ہی رہتی تھی۔ ادیب رائے پوری کے ماہنامہ ''نوائے نعت'' کے چند شمارات اور شہزاد احمد (کراچی) کے ماہنامہ ''حمد و نعت'' کراچی کے ۱۱ شمارے بہرحال تاریخ نعت کا حصہ ضرور ہیں ان رسائل نے نعت کی اشاعتی ترقی میں قابل ذکر کام کیا۔

اسی دوران میں راجا رشید محمود نے ۱۹۸۸ء میں لاہور سے ماہنامہ ''نعت'' کا اجرا کیا۔ کون کہہ سکتا تھا کہ یہ ماہنامہ اتنی باقاعدگی کے ساتھ اشاعت پذیر ہوتا ہوا ماضی سے گزر کر عہد حال کی زینت بن کر مستقبل کی جانب پرشوکت عزائم کے ساتھ آگے بڑھتا نظر آئے گا۔ راجا رشید محمود ممتاز نعت گو شاعر، محقق، ادیب اور معروف انشاپردازی ہیں۔ ان کی سب سے بڑی خوبی ذوق جستجو کے ساتھ ساتھ مستقل مزاجی ہے۔ ماہنامہ ''نعت'' کی اولیات کی ایک قابلِ رشک فہرست قارئین کو اس کے شوق جادہ پیمائی کا احساس دلاتی ہے۔ انھوں نے چار شمارے ''نعت کیا ہے؟'' کے عنوان سے شائع کیے۔ ''نعت کیا ہے؟'' ہی کے موضوع پر درجنوں نعتیں شائع کیں۔ مختلف شہروں کے نعت گو شعرا اور کئی عظیم المرتبت نعت گویان سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے

حوالے سے خصوصی اشاعتیں پیش کیں۔ ''نعت ہی نعت'' کے عنوان سے درجن سے زائد شمارے پیش کیے۔ ''شہیدانِ ناموس رسالت'' کے عنوان سے ۵ شمارے۔ ''اردو کے صاحب کتابِ نعت گو'' اور ''رسول نمبروں کا تعارف'' کے عنوانات کے تحت بھی کئی اشاعتیں پیش کیں۔ درود سلام کے عنوان سے ۷ اشاعتیں، میلاد النبی، معراج النبی، غیر مسلموں کی نعت گوئی کے حوالے سے بھی کئی کئی اشاعتیں ماہنامہ ''نعت'' کا اعزاز ہیں۔ راجا رشید محمد صاحب طرز نعت گو شاعر ہیں۔ ان کے ۱۸ کے قریب نعتیہ مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ ماہنامہ ''نعت'' کی ادارت کے سلسلہ میں ان کے صاحب زادگان اور صاحبزادیوں کے علاوہ اہلیہ محترمہ بھی شریک سفر ہیں۔ جو اعلیٰ نعتیہ اعزازات بھی حاصل کر چکے ہیں۔ محترم صبیح رحمانی (مدیر ''نعت رنگ'') نے راجا رشید محمود کے خاندان کو بجا طور پر خانوادۂ نعت کے لقب سے یاد کیا ہے۔ راجا رشید محمود فکری طور پر نہایت ذرخیز ذہن، طبع رسا اور برق رفتار قلم کے مالک ہیں۔ حیرت انگیز حد تک نئے نئے موضوعات ان کے افقِ فکر پر طلوع ہوتے ہیں اور ماہنامہ نعت کے حوالے سے شریک سفر اور اپنی اولاد کی وساطت سے اشاعتوں پر اشاعتیں پیش کیے جا رہے ہیں۔ یہ خوش بخت ہیں کہ جہاں انھوں نے دوسرے لکھنے والوں کو متوجہ کیا وہاں قدرت نے ان کی اولاد کو ذوق نعت عطا کر دیا۔ یہ محض دعویٰ نہیں بلکہ حقیقت ہے اور اس حقیقت کا انشراح درجنوں ایسے شماروں کو دیکھ کر ہوتا ہے جو فقط راجا رشید محمود ان کے صاحبزادوں اور ان کی صاحبزادیوں کی تخلیقات نعت پر مشتمل ہیں۔ یوں کہنا غلط نہ ہوگا کہ انھوں نے اپنا فکری اثاثہ ابھی سے اپنے خاندان تک منتقل کر دیا ہے۔ بلاشبہ یہ لطف خداوندی اور رحمت سیّد کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

گلستان نعت کی خوش بوئے دل نواز میرے افکار کو اپنی گرفت میں لیے ہوئے ہے اور میں ''نعت رنگ'' (کراچی) کی ظاہری و باطنی جلوہ کاریوں میں کھو رہا ہوں۔ ''نعت رنگ'' ممتاز نعت گو شاعر سیّد صبیح الدین صبیح رحمانی کی زیر ادارت ۱۹۹۵ء سے اشاعت پذیر ہو رہا ہے۔ ''نعت رنگ'' کا ہر شمارہ اپنی جگہ مستقل نعتیہ دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ آگے کو سفر کرتے ہوئے رسائل و جرائد وقت کی پرچھائیوں میں اپنی آب و تاب گم کرنے لگتے ہیں۔ مگر ''نعت رنگ'' کا ہر آنے والا شمارہ فیاضی قدرت کی نوازشات سمیٹ کر پہلے شمارے کی نسبت کہیں زیادہ جاذب فکر و نظر ہوتا ہے۔ حسن اشاعت و طباعت کے لحاظ سے بھی کہ انسانی ذہن کی پہلی سوچ یہیں پہ ٹھہرتی ہے اور خاص طور پر معنوی اور باطنی لحاظ سے کہ افکار جب ''نعت رنگ'' کے نظریاتی حسن میں کھو

جاتے ہیں تو نگاہ ہٹانا محال ہو جاتا ہے۔ صبیح رحمانی خوش گلو نعت گو شاعر ہیں۔ توصیف سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں کس طور نوازا، اس کا اندازہ ''نعت رنگ'' کے صورت میں خون جگر سے تراشیدہ دبستان نعت کی دلآویزی کو دیکھ کر ہونے لگتا ہے۔ مختصر مختصر سے اداریے۔ ایسا لگتا ہے جیسے انھوں نے خود کو ''نعت رنگ'' کی تجلیات میں گم کر دیا ہے۔ کیونکہ یہ تجلیات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت و سیرت کی طلعتوں سے نیا نظری بانکپن لیتی ہیں۔ نعت رنگ کی اس قدر باقاعدگی سے اشاعت اور ہر اشاعت جان فکر و ادب دکھائی دے۔ جس طرح خوش بو سے پھول کی، کرنوں سے چاند کی اور کردار سے انسان کی شناخت ہوتی ہے اسی طرح نعت رنگ صبیح رحمانی کے عاجزانہ جذبۂ عمل کی شناخت ہے۔ ایسا عاجزانہ عمل جو انھیں دنیائے نعت کا اعزاز بنا دیتا ہے۔ نعت رنگ ایسا ایوان نعت ہے جس میں برصغیر پاک و ہند کے نعت کے حوالے سے اپنی کاوشوں کا حسن بکھیرنے والے کثیر تعداد میں نظر آتے ہیں۔ ان میں پختہ فکر نقاد بھی ہیں اور ذوق جستجو رکھنے والے اصحاب کمال بھی۔ تحقیق کے جواہر لٹانے والے اہل قلم بھی اور نعتوں کی خوش بو لٹانے والے شعرا بھی۔ نعت رنگ کا ایک امتیاز اس کا طویل تنقیدی سلسلہ بھی۔ ان میں بعض ایسے نقاد بھی ہیں کہ جن کے لیے دل سے دعا نکلتی ہے کہ مستقل مضمون نگار بن جائیں اور رحمت مصطفیٰ ﷺ کے سہارے اس دعا کی قبولیت کون سا مشکل امر ہے۔

نعت رنگ کے قلمی معاونین پر نگاہ دوڑائیں تو نعت کے حوالے سے برصغیر کے بیشتر معروف قلم کاروں کی کاوشیں اس کی مختلف اشاعتوں کے حسن میں اضافہ کر رہی ہیں۔ گزشتہ چند برسوں میں کراچی میں نعت کے حوالے سے حیرت انگیز تیزی کے ساتھ قابل قدر کام ہوا ہے۔ انفرادی طور پر کتب نعت کی اشاعت اپنی جگہ، ''نعت رنگ'' الگ سے پاکستان کے اس سب سے بڑے شہر کی نعتیہ پہچان بن گیا ہے۔ سیّد صبیح رحمانی ''نعت رنگ'' کے معیار کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے کوشاں ہیں جس کا اندازہ نعت رنگ کی ہر نئی اشاعت سے ہوتا ہے۔ ''نعت رنگ'' نے اصحاب نقد و نظر کی توجہ اپنی جانب مبذول کروا لی ہے اور یہ اس کا فیضان ہے کہ ''نعت رنگ'' کوچہ نعت گوئی میں بے احتیاطی سے سفر کرنے والوں کو ادب و احتیاط کے تقاضوں سے آشنا کر رہا ہے۔ اس کے مضامین کا تنوع ہر مرتبہ چونکا دینے کا باعث بنتا ہے۔ تحقیقی لحاظ سے بھی اور مواد کی اشاعت کے سلسلہ میں احتیاط کے حوالے سے بھی۔ ''نعت رنگ'' کا سفر جاری ہے۔ خدائے کریم اس سفر کو طویل سے طویل تر کرے۔ اس کی اب تک اشاعت پذیر ہونے والی اشاعتوں میں

مضامین نظم و نثر پر ایک تنقیدی اور تحسین آمیز نظر ڈال کر یہ کہنا پڑتا ہے کہ اب تک جو کچھ شائع ہو چکا ہے وہی اس قدر ہے کہ آنے والا کوئی بھی دور نعت کے حوالے سے اس فکری خزینے سے پہلوتہی نہیں کر سکے گا۔ اور یہ سفر بصد شوق جاری ہے۔ ''ورفعنا لک ذکرک'' کی دوامی شان ''نعت رنگ'' کے ہر شمارے کا اعزاز ہے اور یقیناً یہ اعزاز صبیح رحمانی کے مدیرانہ عاجزی کو بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں پذیرائی کی نوید سنانے کا باعث بنتا رہے گا۔ ''نعت رنگ'' کی رفاقت میں سفر کرنے والے ''سفیرِ نعت'' (مدیر آفتاب کریمی) عزیز الدین خاکی (''دنیائے نعت'' کراچی)، طاہر سلطانی (''جہان حمد'' کراچی) کی خوب صورت اٹھان بھی درخشاں مستقبل کا پیغام دے رہی ہے۔

یہاں ایک مرتبہ پھر یہ عرض کر دیں کہ ہم نے رسائل کے نعت نمبروں کے تذکرے سی گریز کیا ہے۔ کیوں کہ ان نعت نمبروں پر قابلِ قدر تحقیقی کام ہو چکا ہے اور یہاں ان کا تذکرہ محض ہوتا۔ ہم نے فقط ان رسائل و جرائد کی بات کی جن کی کاوشیں ایک دو نعت نمبروں تک محدود نہیں بلکہ جن کی فکری تگ و تاز حاصل داستان بن رہی ہے یا بن چکی ہے۔ ورنہ ہمارے لیے تو چند صفحات پر مشتمل نعتیہ تذکرہ بھی اپنے بے وقعت وجود سے بڑھ کر قیمتی ہے۔

نعت کی تاریخ اور فروغ نعت کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے جہاں ہم نے نعت پر فکری استقامت کے ساتھ کارگزاری کا مظاہرہ کرنے والے رسائل و جرائد کا ذکر کیا ہے۔ وہاں ہم نثری شہ پارے رقم کرنے والوں کو ہدیۂ توصیف پیش کرتے ہیں۔ جو ایک عرصہ نعتیہ مضامین رقم کر رہے ہیں۔ نعت نگاروں کے شعری محاسن کا تنقیدی جائزہ لے رہے ہیں۔ مختلف صدیوں، ادوار، زمانوں اور زبانوں کے حوالے سے نعت کی تاریخ کا سلسلہ ماضی سے حال تک پہنچا رہے ہیں۔ نعتیہ رجحانات اور نعت کے تقاضوں کا عرفان عام کر رہے ہیں۔ نعت کے عصری رویوں کا جائزہ لے کر نعت کی اہمیت اور عظمت کو واضح کر رہے ہیں۔ عصر حاضر میں نعت گوئی کے ارتقا کے پس پردہ ان راست فکر نقادوں اور تذکرہ نگاروں کی کاوشیں بھی شامل ہیں جن کے قلم کی نوک سے حسن نعت کی خوش بو بکھر رہی ہے۔ ان میں بعض فقط نثر نگار ہی نہیں بلکہ انھیں قدرت نے توصیف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نثری مرقع سازی کے ساتھ ساتھ نعت گوئی کی سعادت بھی ودیعت کی ہے۔ تحدیث نعمت کے طور پر چند نام رقم ہیں۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ڈاکٹر آفتاب نقوی، نظیر لودھیانوی، ڈاکٹر ظہور احمد اظہر، پروفیسر اسلم رانا، ڈاکٹر ریاض مجید، راجا رشید محمود،

پروفیسر جعفر بلوچ، پروفیسر حفیظ تائب، ڈاکٹر تحسین فراقی، پروفیسر شفقت رضوی، سیّد ابوالخیر کشفی، عزیز احسن، پروفیسر اقبال جاوید، پروفیسر عاصی کرنالی، ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری، ڈاکٹر صابر آفاقی، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، پروفیسر خالد بزمی، پروفیسر اسلم رانا، ڈاکٹر عصمت اللہ زاہد، پروفیسر افضال احمد انور، پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی، ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط، افضال حسین نقوی فضل فتح پوری، ڈاکٹر سیّد رفیع الدین اشفاق، ڈاکٹر شاہ ارشاد عثمانی، ڈاکٹر طلحہ رضوی برق، ڈاکٹر سیّد محمد سلطان شاہ، جاوید احسن خان، ڈاکٹر انور سدید، ڈاکٹر انور محمود خالد، علامہ کوکب نورانی، پروفیسر محمد سلطان شاہ، ادیب رائے پوری، رشید وارثی، شہزاد احمد، صبیح رحمانی، غوث میاں، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی، منصور ملتانی، ڈاکٹر سیّد شمیم گوہر، ظہیر غازی پوری، ڈاکٹر سیّد وحید اشرف کچھوچھوی، پروفیسر شبیر احمد قادری، محمد مظفر عالم جاوید صدیقی، پروفیسر علی محسن صدیقی اور وہ تمام جن کی تحریریں نعت کے کاروان تیز گام کے لیے شوکت رفتار کا اہتمام کرتی ہیں۔

حق تو یہ ہے ہم جس قدر بھی تفصیل میں چلے جائیں فہرست بڑھتی جائے گی۔ پھر بھی یہی احساس ہوگا کہ:

سرسری تم جہاں سے گزرے
ورنہ ہر جا جہان دیگر تھا

رجحانات اور تقاضے

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہی کہ نعت صدیوں کا سفر کرتی ہوئی آج انتہائی نقطہ عروج کو چھو رہی ہے۔ یہ نعت کی ہمہ گیری اور فیضان عام ہے کہ آج کا دور اپنی مادیت پسندی سے بیزاری کا اظہار کر کے نعت کے دامان رحمت میں پناہ ڈھونڈ رہا ہے۔ یہ آج کے دور کی مجبوری نہیں بلکہ افتخار ہے۔ کہ یہ اپنے تشخص کا احساس نعت کے حوالے سے دلانا چاہتا ہے۔ عہد حاضر کے شعرا کو:

فاما بنعمة ربک فحدث

کی تعمیل میں صرف اور صرف نعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی تحدیث نعمت کا عنوان دکھائی دے رہی ہے۔ اور زمین کی بستیوں سے عرش علیٰ کی بلندیوں تک ایک ہی جلوہ سامانی ہے کہ:

خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

عہد حاضر کے نعت گو شعرا کو ہم تین طبقات میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ پہلا طبقہ ان خوش بخت غلامانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے جنھوں نے کوچۂ شعر و ادب میں پہلا قدم رکھنے سے لے کر آج تک اپنے ذہن وفکر کو فقط مدحت و نعت مصطفیٰ ﷺ کے لیے ہی وقف رکھا ہے۔ انھوں نے اپنے ادراک وشعور کی وادیوں میں لہلہاتے ہوئے نخلستان حجاز میں مجازی تخیلات کی بادِسموم کا گزر تک نہیں ہونے دیا۔ ان کا وجدان احاطۂ عظمت حضور کے لیے، ان کا فن ادائے ادب و نیاز کے لیے اور ان کا قلم اظہار شان عقیدت کے لیے مصروف عمل رہا ہے

دوسرا طبقہ ان مدحت نگاروں کا ہے جنھوں نے اپنی ادبی وشعری مسافت کا آغاز کوچۂ غزل کی جانب پورے روایتی طمطراق سے کیا تھا مگر آہستہ آہستہ ان کی ایمانی بصارت اور روحانی بصیرت نے اس طور رہنمائی کی کہ انھوں نے روایتی محبوب سے بیزاری کا اظہار کر کے محبوب خالق کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کو دلوں کی خلوتوں اور نظر کی وسعتوں میں زندگی کی آخری ساعتوں تک کے لیے بسا لیا۔ شہر ہوس سے کنارا کر کے والی طیبہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توصیف وثنا کی وادیٔ پرشوق میں حاضری دے کر انھیں جس لذت ذوق وشوق کا احساس ہوا، یہ اسی کو بقیہ زندگی کے لیے سرمایۂ ایمان سمجھ کر اپنے من کی دنیا کو آباد کیے ہوئے ہیں۔ ان میں سے بہت کم آشنائی کا بھرم رکھنے کے لیے نعت کی صبح روشن کی طلعتوں کو قلب ونظر میں بسانے کے ساتھ ساتھ غزل کی شام رنگیں میں چند ساعتیں گزار لیتے ہیں۔ یہ شعرا پختگی فن کی بدولت بلند معیار کی غزل گوئی کے ساتھ ساتھ نعت کے میدان میں بھی تابندہ نقوش ثبت کر رہے ہیں۔

تیسرا گروہ ان شعرا کا ہے جو دل و جان سے روایتی نظم وغزل کو ہی متاع ادب تصور کرتا ہے۔ یہ شعرا عہد حاضر کے تقاضوں کو نعت رسول ﷺ سے ہم آہنگ ہوتے دیکھ کر آبروئے شیوۂ اہل نظر کو پامال کرتے ہوئے اس مجبوری کے تحت نعت کہہ رہے ہیں کہ نعت اس دور کی پہچان اور اہل نظر کا ایمان بن چکی ہے۔ جب دل گداز شوق سے محروم ہو جائے تو پھر نعت کی عظمتیں وہاں کیسے جاگزین ہو سکتی ہیں۔ نعت تو اس شان تقدس سے عبارت ہے کہ جس کے احساس سے فکر ونظر شبنمیں آنسوؤں سے وضو کرنے لگتے ہیں۔ نعت تو اس رفعت وتخیل کا نام ہے جو عشاق رسول کو دوری و مہجوری میں بھی حضوری کی لذت سے بہرہ یاب کر دیتا ہے۔ نعت تو وہ نعمت عظمیٰ ہے جو کور دلوں کو ذوق ایمانی سے نوازتی اور ظاہر بینوں کو اسرار مصطفائی ﷺ کی تعریف سینے کرتی ہے۔... بادہ عشق سے سرشار درویش صفت ساغر صدیقی سے نعت کی تعریف سنیے:

نعت میرے نزدیک تعریف رسالت کا وہ طریقہ ہے جس میں الفاظ زبان

سے نہیں پلکوں سے ترتیب دیے جاتے ہیں۔ منصور و شمس سے مجھ تک یہ
نعمت عظمیٰ کیسے پہنچی، چشم عقیدت کے لیے اس کا جواب سرمد کا قطرہ ہائے
خون اور شہباز کے نعرۂ مستانہ ہی دے سکتے ہیں۔ میں نعت کہتے ہوئے
اپنے جسم اور روح کو دوزخ کے شعلوں سے ڈرا لیتا ہوں۔

جن کے دل نعت کے تقدس سے دُور اور قلم نعت کہنے پر مجبور ہیں وہ کیسے نعت کے ارفع و پاکیزہ تقاضوں سے عہد برآ ہو سکتے ہیں۔ نعت کہنے کے لیے حسانؓ بن ثابت کے عشق بے مثال، بوصیریؒ کے سوز و گداز، جامیؒ کے جذب و استغراق، قدسیؒ کی عارفانہ سرمستیوں، رومیؒ کی نوائے شوق و نیاز، حالی فکری بلند پردازی، اقبال کی مضمون آفرینی اور ظفر علی خاں کی فصاحت و بلاغت کے ساتھ ساتھ امام احمد رضا کے غیر معمولی ادب و احتیاط کی رفعتوں پر مچلتے ہوئے عشق و عقیدت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ذہن و فکر حسن عقیدت سے اور قلب و نظر احساس جمال سے محروم ہو جائیں تو پھر نعت محض قافیہ پیمائی بن کر رہ جاتی ہے۔

نعت کہیے، ضرور کہیے کیوں کہ یہ محبوب ﷺ دو عالم کی بارگاہ تک پہنچنے کا وسیلہ کہلاتی ہے مگر اس کے لیے ایسے دل کی ضرورت ہے جو جذبۂ نیاز سے لبریز ہو، ایسا لہجہ چاہیے جو خلوص و محبت، نیاز عقیدت عشق و فریفتگی اور ادب و احترام کے سب پہلو لیے ہوئے ہو۔ ایسا تخیل چاہیے جو بے پناہ قوت عشق کی بدولت تمام مکانی و امکانی فاصلے ختم کر دے۔ ایسی زبان چاہیے جو اسم محمد ﷺ ادا کرنے سے قبل اس احساس سے لرزنے لگے کہ

ادب گاہسیت زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آئد جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

نعت مجموعہ ہے صورت و سیرت مصطفیٰ ﷺ کا۔ بلند پایہ نعت ان کے حسن امتزاج سے جنم لیتی ہے۔ اگر نعت میں حسن و جمال محمدی ﷺ کی ضیا پاشیوں کو نہ سمویا جائے تو نعت سوز و گداز قلبی کے ساتھ ساتھ حسن تغزل سے محروم ہرتی ہے اور اگر سیرت و کردار رسول ﷺ کے مختلف پلوؤں کا احاطہ نہ کیا جائے تو نعت میں جامعیت اور ہمہ گیری نہیں ہوتی۔ آپ ﷺ کے سیرت و کردار کی وسعتیں لامحدود ہیں ان کو خراج عقیدت ادا کرتے ہوئے یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ آپ کی صورت پاکیزہ بھی آپ کی سیرت عالی کا ایک ناقابل فراموش پرتو ہے۔ چہرہ کردار کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ کتنے ہی کفر و شرک کے نام لیوا تھے جو کے روئے انور کی ایک جھلک دیکھ کر ہی حلقہ بگوش

اسلام ہوگئے کہ کسی جھوٹے انسان کا چہرہ اس قدر منور نہیں ہو سکتا۔

اکثر شعرا نے نعت کہنے کے لیے غزل کی ہیئت اختیار کی ہے کیوں کہ غزل کا قالب مدح و ثنائے مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے زیادہ موزوں اور سازگار ہے۔ بعض شعرا نے حسن تغزل پیدا کرنے کے لیے نئی نئی تراکیب اور اسالیب کا سہارا لیا۔ عہد حاضر کی نظریاتی آویزشوں کو نعت کا موضوع بنانے کے لیے دور از کار تشبیہات و استعارات اور نا قابل فہم ادبی علامتوں کے استعمال سے بھی گریز نہ کیا گیا۔ وہ یہ حقیقت فراموش کر گئے کہ غزل کی ہیئت اختیار کرنے کے باوجود بھی نعت اپنا مخصوص مزاج رکھتی ہے۔

نعت میں نیاز و عجز ہی نہیں عقیدت و اشتیاق بھی ہے۔ دعا و طلب شفاعت ہی نہیں تعریف اوصاف رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی ہے۔ جگر سوزئی ارادت ہی نہیں ادائے عشق بھی ہے۔ اس لیے نعت میں حسن تغزل کی جلوہ گری کی ساعتوں میں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ غزل کے رنگ کی نعت معمولی سی بے احتیاطی سے اپنے درجے سے گر جاتی ہے۔ جب نعت کہنے کا مقصود حصول خوشنودی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور طلب رضائے خدا ہے تو پھر سرکار دو عالم علیہ التحیۃ و الثنا کی صورت و سیرت کو اسی حسین و دلآویز انداز میں پیش کیا جائے جو ان کے خالق کو منظور و محبوب رہا ہے۔

نعت کہتے ہوئے آپ کے اس دل کش اور نظر نواز سراپا کو مدنظر رکھا جائے جس کے روشن روشن خدو خال آیات قرآنی اور احادیث نبوی کے پاکیزہ متن سے ابھرتی ہیں۔ یہی وہ سراپائے نور ہے کہ جسے:

داعیاً الی اللّٰہ باذنہ و سراجاً منیرا

کا مصداق ٹھہرایا گیا ہے اور **لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنہ** کی صورت میں اس کے اسوۂ کامل کو ابد تک کے لیے معیار تقلید قرار دے دیا گیا ہے۔

بقا میکہ نشان کف پائے تو بود
سالہا سجدہ گہ صاحب نظراں خواہد بود

حضور پرنور سیّد یوم النشور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض نبوت ابد کی انتہا تک محیط ہے۔ ہر زمانہ آپ کا زمانہ ہے۔ ہر صدی آپ کے تذکار سے آباد اور ہر دور آپ کی رفعتوں کا امین ہے۔ آپ کے حسن جہاں افروز سے روح فطرت کو رعنائی اور آپ کے اسوۂ حسنہ سے

اہلِ ایمان کو فکری توانائی میسر آتی ہے۔ آپ کمزوروں کے ملجا و ماویٰ ہیں، دکھ درد کے ماروں کے معین و غمگسار ہیں، حامی بے کساں اور مایۂ بے چارگاں ہیں۔ دکھی دلوں کا حوصلہ اور بے نواؤں کا ولولہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور کے نعت گو شعرا نے آپ سے استعانت و دستگیری کی آرزو کرتے ہوئے اور آپ کی رحمت کا سوال کرتے ہوئے دلوں کے داغ آپ کی نذر کیے ہیں۔ آج کا شاعر بھی اس حقیقت سے دوسرے ادوار کے شعرا کی نسبت کم بہرہ ور نہیں ہے۔ یہ بھی عرض حال کرتے ہوئے دل میں یہ احساس سجائے رکھتا ہے کہ رحمت پناہ الٰہی و جاں کی چشم کرم ہی خدائے مطلق کی رحمت بے کراں کا بہانہ بن سکتی ہے۔ اس لیے وہ مختلف اسالیب کا سہارا لے کر دربار مصطفوی ﷺ کی طرف ملتجی نگاہوں سے لپکتا ہے۔ مایوسیوں کے سیل بے کراں میں آپ کی ذات قدسی صفات کو شمع امید و نشاط سمجھتے ہوئے وہ اپنی ذات کو ملت میں گم کر کے ملی مسائل و مشکلات کی فریاد کرتا ہے۔ نگاہوں میں امید کے فانوس جلائے وہ آپ کی طرف سے روحانی و فکری راہبری و رہنمائی کا امید وار بنتا ہے۔ کپکپاتے ہوئے ہونٹوں اور فرط عجز سے لرزتی ہوئی زبان سے وہ نعت کو یوں وسیلہ اظہار مدعا بناتا ہے:

منزلیں گم ہوئیں راستے کھو گئے زندگی ریت کی جیسے دیوار ہے
خود ہی روح محمد ﷺ تو کر فیصلہ آج کتنی مدد تیری درکار ہے

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر انسانیت ہیں۔ ان کا پیغام امن و سلامتی تمام بنی نوع انسان کے لیے ہے۔ زمین کی پستیوں سے لے کر سپہرِ نیلگوں کی رفعتوں تک ان کی بے کراں رحمۃ للعالمین کا فیض عام جاری ہے۔ ہر ملک ان کا خوشہ چین اور ہر قوم ان کی مدح خواں ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ایسی بے مثال ہستی کی بے مثالیت کا ناگزیر تقاضا تھا کہ اس کا قبول و تاثر عالم گیر ہوتا۔ عہد حاضر میں یہ ناگزیر تقاضا بطریق احسن پورا ہوا اور ان شعرا نے بھی جدید اردو نعت کے سرمایۂ عقیدت میں توسیع کا اعزاز حاصل کیا جو معروف ایمانی مفہوم کے مطابق مسلمان نہیں تھے۔ ان غیر مسلم مدح نگاران مصطفیٰ ﷺ میں سے دلو رام کوثری کے دل پر نعت کے انوار قدسی اس طور ضو پاش ہوئے کہ وہ صورت و سیرت رسول ﷺ کو اشعار میں بساتے بساتے دل میں بسا بیٹھے اور عملاً حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ ان کے علاوہ تلوک چند محروم، مہاراج کشن پرشاد شاد، پنڈت ہری چند اختر، فراق گورکھپوری، جگن ناتھ آزاد، عرش ملسیانی، بشیشور پرشاد منور لکھنوی، امر چند قیس ایسے چند غیر مسلم شعرا ہیں جنھوں نے بیسیوں دوسرے غیر مسلم شاعروں کے

D:NaatRang-15
File: Akram Raza-1
Final

دوش بدوش پراثر انداز میں محامد رسول ﷺ کا حق ادا کرنے کی کوشش کی۔ ہری چند اختر کی یہ نعت تمام مسلم شعرا کی طرف سے محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور نہایت ہی خوب صورت ہدیۂ سپاس ہے۔

آدمیت کا غرض ساماں مہیا کر دیا
اک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا

نعت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مبارک سلسلہ جس کا آغاز ازل کی مبارک ساعتوں میں ہوا تھا پوری شان تقدس کے ساتھ جاری ہے۔ ہر دور اس سلسلہ نعت کی عظمتوں کا نظارا کرتا رہا ہے۔ سورۂ احزاب کی یہ آیت کریمہ نعت کی رفعت لازوال کی امین اور اس کی غیرفانی تاثر انگیزی کی انتہائی محکم دلیل ہے۔

ان اللہ و ملئکته یصلون علی النبی ط یاایھاالذین امنوا صلوا علیه و سلموا تسلیما.

(بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی کریم پر درود بھیجتے رہتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم درود بھی بھیجو اور خوب خوب سلام بھی)

نعت کہتے ہوئے عاجزی و فروتنی کو زادِ سفر بنا کر آگے بڑھنا چاہیے۔ اگر نعت گو قرآن و حدیث اور معتبر روایات سیرت سے آگاہ ہو تو اس کے لیے درست سمت کا تعین کرنا بہت آسان ہوجاتا ہے۔ عظمت و شانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے صدرالافاضل مولانا سیّدنعیم الدین مرادآبادی کے یہ جملے ملاحظہ ہوں:

> سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بلحاظ انما انا بشر مثلکم فرمانا حکمت، ہدایت و ارشاد کے بطریق تواضع ہے اور جو کلمات تواضع کرنے والے کے علو منصب کی دلیل ہوتے ہیں۔ چھوٹوں کو ان کلمات کو اس کی شان میں کہنا یا اس سے برابری ڈھونڈنا ترک ادب اور گستاخی ہوتا ہے۔ تو کسی امتی کو روانہیں کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مماثل ہونے کا دعویٰ کرے۔ یہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ آپ کی بشریت بھی سب سے اعلیٰ ہے۔ ہماری بشریت کو اس سے کچھ بھی نسبت نہیں۔ (خزائن العرفان)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حقیقت نور ہے لیکن ان کی ایک حیثیت بشری بھی ہے۔ اور اگر وہ لباس بشری میں نہ ہوتے تو انسان ان سے مانوس کیسے ہوتے اور انھیں معرفت الٰہی

کیسے حاصل ہوتی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بشر ہیں لیکن خیر البشر ہیں۔ افضل البشر ہیں انھی کی بشریت کے سبب انسان ''اشرف المخلوقات'' کہلایا اور انھی کے نور کے سبب آدم علیہ السلام کو فرشتوں سے سجدہ کروایا گیا۔ حضورﷺ کیسے افضل البشر ہیں کہ ان کا خالق خود ان کے لبوں سے توحید کا اعلان کروا رہا ہے۔ حسن رضا خان حسن بریلوی کے مطابق:

قل کہہ کے اپنی بات بھی منہ سے ترے سنی
اتنی ہے گفتگو تری اللہ کو پسند

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ حضور کی نعت لکھتے وقت آپ کی بشریت بھی اگرچہ پیش نگاہ رہنی چاہیے مگر ایسی سوچ سے گریز کرنا چاہیے جو فقط ''بشریت حضور'' کے گرد باد میں گم ہو کر تجلیات حضور کی جانب پرواز کرنے سے قاصر رہ جائے۔ یہی وہ مقام احتساب ہے جہاں سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔ خود حضور نے اچھے اشعار اور نعتیہ اشعار کو پسند فرمایا ہے۔ کیوں کہ موضوع کی تعریف اصل میں صانع کی تعریف ہے اور اس لحاظ سے آپ سب سے زیادہ تعریف کے مستحق ہیں۔ ہم اس حوالے سے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی دل افروز تحریر سے ایک اقتباس پیش کر رہے ہیں جو ان کی مشہور تصنیف ''اخبار الاخیار'' سے ماخوذ ہے۔ اس میں انداز عجز ملاحظہ ہو:

> اے اللہ! میرا کوئی ایسا عمل نہیں جسے ترے دربار میں پیش کرنے کے لائق سمجھوں۔ میرے تمام اعمال میں فساد نیت موجود رہتی ہے۔ البتہ مجھ حقیر فقیر کا ایک عمل صرف تیری ذات پاک کی عنایت کی وجہ سے بہت شاندار ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مجلس میلاد کے موقع پر میں کھڑا ہو کر سلام پڑھتا ہوں اور نہایت عاجزی، انکساری، محبت و خلوص کے ساتھ تیرے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہوں۔ اے اللہ! وہ کون سا مقام ہے جہاں میلاد پاک سے زیادہ تری خیر و برکت کا نزول ہوتا ہے؟ اس لیے اے ارحم الراحمین! مجھے پکا یقین ہے کہ میرا یہ عمل کبھی بے کار نہ جائے گا بلکہ یقیناً تیری بارگاہ میں قبول ہوگا۔ اور جو کوئی درود و سلام اور اس کے ذریعے دعا کرے گا وہ کبھی مسترد نہیں ہوسکتی۔

نعتیہ شاعری کا تعلق قرآنی حقائق اور رموز احادیث (جن کا تعلق حضور نبی کریم سے ہے) کے ساتھ ساتھ شاعر کے جذبات سے بھی ہے۔ یہی مشکل مرحلہ ہے۔ ہم یہ تصور بھی نہیں

D:NaatRang-15
File: Akram Raza-1
Final

کر سکتے کہ کوئی مسلمان دانستہ بارگاہ نبوت میں کسی بھی بے ادبی کا مرتکب ہو سکتا ہے۔ البتہ اگر سہواً ایسا ہو جائے تو شاعر کو فوراً اپنے قول و عمل سے رجوع کرنا چاہیے اور تائب ہو جانا چاہیے۔ کیوں کہ نعت کا تعلق محض شعری کمالات کو تسلیم کروانے سے نہیں۔ بلکہ اس کا مقصد تو شفاعت مصطفیٰ اور رحمت خداوندی کا حصول ہے۔ نثر کی نسبت شاعری میں بھٹکنے کا زیادہ گمان ہوتا ہے۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے یوں اپنی رائے کا اظہار کیا ہے:

> ایسے ایسے شعرا کے نعتیہ مجموعے منظر عام پر آگئے ہیں جن کے قول و فعل میں ارتعاش جذبات کا حضور کے اسوۂ حسنہ سے دور کا واسطہ بھی نظر نہیں آتا بلکہ بعض کی عملی زندگی تو اسوۂ حسنہ کے بالکل برعکس بسر ہو رہی ہے۔

(ڈاکٹر فرمان فتح پوری۔ پیش لفظ ''اردو نعت تاریخ و ارتقا'' از فضل فتح پوری۔ کراچی)

ایسے عالم میں فنی و شعری لحاظ سے اپنی علو مرتبتی کا اظہار کرنے کے بجائے سرور سرورانِ عالم ﷺ کے حضور اس احساس کے ساتھ جبینوں کو خم کرنے میں ہی نجات ہے:

چہ و صفت کند سعدیؔ نا تمام
علیک الصلوٰۃ اے نبی السلام

مفسرین کے خیال کے مطابق نبی کریم ﷺ کی تمام مدح و ستائش، صفت و ثنا اور تعریف و توصیف کی رعایت سے نعتیہ شاعری بھی صلوٰۃ و سلام کی ذیل میں آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نعت کہتے ہوئے شاعر کا وجدان تقدس و احترام سے سرشار اور خوشبوئے عقیدت سے عطر بیز و عنبر بار ہوتا ہے۔ خدا اور فرشتوں کی تقلید میں درود سلام کی سوغات دربار نبوی ﷺ میں نذر کرنے کے لیے وہ مہکتے ہوئے جذبات اور مچلے ہوئے احساسات کو وسیلۂ اظہار عقیدت بناتا ہے۔

یوں اس گلی میں چشم تمنا سجائی جائے　　　پلکوں پہ آنسوؤں کی کناری لگائی جائے
کہاں میں اور کہاں اس روضۂ اقدس کا نظارا　　　نظر اس سمت اٹھتی ہے مگر دزدیدہ دزدیدہ

درود و سلام کی فرضیت نے نعت کے بادۂ طہور کو دو آتشہ کر دیا، خطیبوں کی تقریریں، حدی خوانوں کی تانیں، شاعروں کے ترانے، واعظین امت کے ارشادات یہ سب ثنائے مصطفیٰ ﷺ کے لیے وقف ہو کر رہ گئے، محبت و عقیدت کے دھارے پھیل کر طوفانوں کی بے کراں وسعتوں میں ڈھل گئے۔ شعرا نے روز ازل آپ کی تقدیس نورانیت سے لے کر میدان محشر میں آپ کی شفیع المذنبینی تک آپ کی شخصیت مقدسہ کے ایک ایک منور لمحے کو عقیدت و محبت

کی دلآویزیوں میں بسا کر تاریخ کے شیش محل میں رہتی دنیا تک کے لیے جگمگا دیا۔ اشاعت اسلام کے ساتھ ساتھ نعت گوئی کا دامن بھی وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ آہستہ آہستہ اس میں ایک اور موضوع کا اضافہ ہوا اور وہ تھا ''آشوب ذات یا آشوب دہر'' کے حوالے سے شعرا کی ملتِ اسلامیہ پر وارد ہونے والے مصائب و آلام پر نوحہ خوانی۔ سقوط بغداد کے عظیم سانحہ پر سعدی کی فریاد:

اے محمد گر قیامت می برآری سرز خاک
سر بروں آر و قیامت درمیان خلق بیں

سے لے کر عبدالعزیز خالد کے اس شہر آشوب تک بے شمار شعرائے اسلام نے دربار رسالت مآب میں فسانہ ہائے درد و الم پیش کیے ہیں:

عزیز خاطر آشفتہ حالاں کون دنیا میں
ترے دیوانے پکڑیں کس کا داماں یا رسول اللہ
بھرے گا زخم ذلت کب تری درماندہ امت کا
ڈھلے گی کب سحر میں شام حرماں یا رسول اللہ

صدمہ خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی، واردات غم ذاتی حوالے سے ہو یا ملی ناتے سے، کسی ایک مسلمان کا نشیمن جلے یا پوری امت محمدیہ ﷺ تباہی و بربادی کا شکار ہو جائے۔ ہنگامہ مصیبت میں سب کی نگاہیں اسی ملجا و ماویٰ کی طرف ہی اٹھتی ہیں جو بے یاروں کا یار اور بے سہاروں کا سہارا ہے، جو عرصۂ محشر میں ڈگمگاتی ہوئی امت کے لیے پیام لطف و کرم اور بے سایہ و سائبان عالم ہے۔ جو بجھتے دلوں میں امید کی کرن بن کر طلوع ہوتا، فکری لحاظ سے پسماندہ دماغوں کو ذوق یقین بخشتا اور آنکھوں میں صورت شمع آگہی جھلملاتا ہے۔ جس کا لطف بے بہا اور جس کی رحمت عقل سے ماوریٰ ہے۔ جو اپنی امت کی خستہ حالی پر مسلسل نگراں اور جس کی رحمت بے کنار دشت غم و آلام میں مثل سائبان ہے۔ رہ نوردان منزل شوق کا مونس و غمگسار اور امت کی زبوں حالی پر سبز گنبد کے سائے میں مضطرب و بے قرار ہے۔ جب نعت گو شاعر آشوب ذات یا آشوب دہر کے حوالے سے اپنی داستان الم حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار گہربار میں عرض کر لیتا ہے تو اس کی بے قراریوں کو قرار آنے لگتا ہے اور پھر پریشانیوں کے ہجوم میں گھر کر بھی اس کے دل کے صحرا میں امید و حوصلہ کے غنچے چٹکنے لگتے ہیں اور وہ آپ ﷺ کی نسبت عالی کے افتخار سے شیر افضل جعفری کا ہمنوا بن جاتا ہے۔

سدا بہار ہوں پیری میں آسماں کی طرح　　سفیرِ عرش کے پاؤں کی دھول ہوں ساقی
تو میری ٹہنی پہ امید کے گلاب کھلا　　کہ میں غزل کی زمیں کا ببول ہوں ساقی

نعت میں آپ ﷺ کے صورت و سیرت کی رعنائیاں ہوں یا روح تغزل کی گل پاشیاں، عظمت کردار کی سرفرازیاں ہوں یا سطوت گفتار کی جلوہ سامانیاں، درود و سلام کی سوغاتیں ہو یا دربار رسول ﷺ میں عشاق کی مناجاتیں، قرب رسول ﷺ کی خواہشات ہوں یا دیار مصطفیٰ ﷺ میں موت کی آرزوئیں، خاک در رسول ﷺ کو آنکھوں میں لگانے کی حسرت ہو یا مثال خاک سرزمین طیبہ پر بکھر جانے کی تمنا، عرصۂ ہستی میں آپ کی چشم رحمت کی طلب ہو یا میدان محشر میں آپ کے علم شفاعت کی چھاؤں میں جگہ پانے کی تڑپ، نعت گو شاعر سو سو طرح سے مضمون آفرینی کے جوہر دکھاتا ہے۔ اس کا توسن ادراک شاہراہ عشق پر تمناؤں کو جلو میں لے کر منزل شوق کی جانب اس شان عقیدت سے لپکتا ہے کہ ذرات خاک بھی نجوم کہکشاں میں ڈھلتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ ایسے عالم سرمستی و بے خودی میں نوک قلم سے اشعار نہیں گلاب ٹپکتے ہیں:

باد رحمت سنک سنک جائے　　وادیٔ جاں مہک مہک جائے
جب چھڑے بات نطق حضرت ﷺ کی　　غنچۂ فن چٹک چٹک جائے

شعرائے عرب وعجم نے نعت گوئی کو ہمیشہ زبان و ادب کا افتخار سمجھنے کے ساتھ ساتھ حصول ثواب کا ذریعہ بھی سمجھا ہے۔ آپ چوں کہ شافعِ محشر بھی ہیں اس لیے درود و سلام کی وجد آفریں زمزمہ پردازی کے پیرائے میں شفاعت طلبی بھی نعت کی تخلیق اور فروغ کا باعث بنی۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری بھی اسی جذبہ کو نعت کا اولین محرک قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

> نعت گوئی کا اوّلین محرک مسلمانوں کا یہ عقیدہ رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ذکر اذکار کرنا، ان کی سیرت و شخصیت سے عوام الناس کو روشناس کرانا، ان کی پیروی وتقلید کی ترغیب دینا اور ان کے نام پر درود و سلام بھیجنا کار ثواب اور ذریعہ نجات ہے۔ اس کار ثواب اور ذریعہ نجات کی خاطر تحریر و تقریر دونوں میں ہر شخص نے اپنی بساط بھر سیرت رسول ﷺ کو جگہ دینے کی کوشش کی۔ بعض نے مفکرانہ تقریریں اور عالمانہ خطبے یادگار چھوڑے، بعض نے سیرت نبوی ﷺ پر بلند پایہ کتب تالیف کر دیں اور بعض نے

نذرانۂ عقیدت کے طور پر اعلیٰ درجے کے نعتیہ قصیدے اور دوسری نظمیں کہہ ڈالیں۔

حصول ثواب کے علاوہ بھی نعت کی تخلیق و ارتقا کے سلسلہ میں کئی دوسرے محرکات کارفرما رہے ہیں۔ آپ کی ذات ستودہ صفات کاروان انسانیت کے راہنمائے عظیم کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لیے اظہار تشکر و امتنان کے طور پر مدحت نگاروں کے قلم آپ کی صفت و ستائش کے لیے بے اختیار ہو مچلنے لگے۔ چوں کہ آپ ﷺ سے محبت عین خدائے لم یزل سے محبت ہے اور اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ ختمی مرتبت کی اطاعت کو منشائے قدرت قرار دیا ہے اور آپ ﷺ کے اسوۂ عالی کو کائنات انسانی کے لیے باعث تقلید قرار دیا ہے۔ اس لیے عشاق مصطفیٰ ﷺ کے دلوں میں موجزن جذبات اطاعت رسول ﷺ سے بھی نعت کے فروغ و ارتقا میں مدد ملی۔ صوفیائے کرام کے روحانی مشاہدات اور واردات ایمانی کی بدولت بھی گم گشتگان منزل کو نعت رسول ﷺ کا سلیقہ نصیب ہوا۔ کرۂ ارضی پر صدیوں کے سلسلہ میں ضوفگن محافل میلاد اور مجالس تذکار رسول ﷺ سے بھی نعت کے قدسی زمزمے تقاضائے مشیت بن کر گونجتے رہے۔

نعت رسول ﷺ کی ترویج کے سلسلہ میں کتنے ہی محرکات کیوں نہ رہے ہوں، اس کا حقیقی محرک وہ غیر معمولی جذبۂ عشق رسول ﷺ ہے جو ہر مسلمان کا مقدر بن کر دلوں میں صورت مہر و ماہ فروزاں رہتا ہے۔ صاحب ایمان جب اس کائنات میں آنکھ کھولتا ہے تو یہ جذبۂ عشق رسول ﷺ اس کے خون کی سرخی میں ڈھل کر اکمال عقیدت کی نوید بن جاتا ہے۔ زندگی کی ساعت اوّلیں سے لے کر موت کی سرحد آخریں تک یہ جذبۂ عشق رسول ﷺ کبھی تو نگاہوں میں نور بصارت بن کر جگمگاتا ہے اور کبھی دلوں کے خلوت کدوں میں شمع بصیرت بن کر روشنی پھیلاتا ہے۔ کبھی فہم و ادراک کے کوہ فاران کی چوٹیوں سے مہر عقیدت بن کر طلوع ہوتا ہے اور کبھی وارفتگی شوق کے بحر بے کراں کو کوزۂ فکر میں سموتا ہے۔ یہ جذبہ صبح ازل کا نکھار، شام ابد کا نگار، کائنات انسانی کا نکھار، تہذیب عالم کا افتخار اور روح ارضی کا وقار ہے کیوں کہ یہ اس ہستی والا صفات سے متعلق ہے۔ جس کی عظمت و شوکت کے تصور سے ہی جبین عالم سجدہ ہائے نیاز کے لیے تڑپنے لگتی ہے۔

نگاہ برق نہیں چہرہ آفتاب نہیں
وہ آدمی ہے مگر دیکھنے کی تاب نہیں

یہ جذبۂ عشق رسول ﷺ ہی تھا جس کی بدولت آج سے چودہ صدیاں پیشتر ملک عرب کے صحرا نشین موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر شہادت عظمیٰ کی آرزو میں تڑپنے لگے۔ یہ جذبۂ عشق رسول ﷺ ہی تھا کہ عشاق مصطفیٰ ﷺ آپ ﷺ کو مال و منال، جائیداد، ماں باپ حتیٰ کہ اپنی زندگی سے بھی عزیز تر سمجھنے لگے۔ یہ عشق رسول ہی تھا کہ جس نے ایک عاشق رسول ﷺ کو صرف اس بنا پر خربوزہ کھانے سے روک دیا کہ وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خربوزہ کس طرح کھایا تھا۔ یہ عشق رسول ﷺ کی ہی معجز نمائی تھی جس کے تحت ایک عاشق رسول ﷺ نے غزوۂ احد میں حضور نبی کریم ﷺ کے دانت شہید ہونے کی خبر سن کر اس بنا پر اپنے تمام دانت توڑ ڈالے تھے کہ وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے کون سے دانت شہید ہوئے ہیں۔ یہ عشق رسول ﷺ کی جلوہ سامانی تھی جس کی بنا پر امام مالکؒ نے تمام عمر مدینہ میں ننگے پاؤں گزار دی کہ کہیں ان کے جوتے حضور نبی کریم ﷺ کے مقدس قدموں کے نشانات کو پامال نہ کر دیں۔ اسی عشق رسول ﷺ کی انتہائی تاثرانگیزی دیکھنی ہو تو جاں نثارِ رسول حضرت زیدؓ کے وقت شہادت کا تصور کیجیے۔ دشمنان رسول ﷺ انھیں مقتل کی طرف لے جاتے ہیں پہلے ان کے جسم کو شدید زخمی کرتے ہیں پھر تختہ دار پر لٹکانے سے پیشتر ان سے پوچھتے ہیں کہ ''اگر یہاں تمھارے بجائے محمد ﷺ کو خاک و خون میں تڑپایا جائے تو تمھیں کس قدر مسرت ہوگی۔'' اس لمحۂ آزمائش میں یہ عاشق رسول ﷺ اپنے بے پناہ عشق و عقیدت کی سربلندیوں کے اظہار کے لیے بے ساختہ پکار اٹھتا ہے۔

مجھے ہو ناز قسمت پر اگر نام محمد ﷺ پر
یہ سر کٹ جائے اور تیرا سر پا اس کو ٹھکرائے
یہ سب کچھ ہے گوارا پر یہ دیکھا جا نہیں سکتا
کہ ان کے پاؤں کے تلوؤں میں اک کانٹا بھی چبھ جائے

یہی عشق رسول ﷺ کبھی دل میں سوز و گداز کی علامت بن کر ابھرتا ہے تو کبھی آنکھوں کے خلوت کدوں میں شمع یقین کی صورت جگمگاتا ہے۔ کبھی نوک مژگاں پہ گہرہائے تابدار کی صورت چمکتا ہے تو کبھی روح ویران میں مہر امید بن کر طلوع ہوتا ہے۔ کبھی دلوں کو اسوۂ رسول ﷺ کی عظمتوں سے آشنا کرتا ہے تو کبھی نم دیدہ آنکھوں اور لرزیدہ زبان کو عرض تمنا کا حوصلہ بخشتا ہے۔ کبھی عاشق رسول ﷺ کے رگ و پے میں سما کر اسے حریمِ ناز میں جاں سپردگی و

جانسپاری کی سعادت سے ہمکنار کرتا ہے تو کبھی اس کے وجدان کی آبرو بن کر اسے عرش کی رفعتوں پر خندہ زن ہونے کی صلاحیت عطا کرتا ہے۔ اس کی تاثیر سے بوجھل احساسات کو تازگی اور بے جان الفاظ کو زندگی ملتی ہے۔ جذبات کو تابندگی اور افکار کو پائندگی ملتی ہے۔ قلب ونظر کے نخلستانوں میں ولولوں اور حوصلوں کے گلزار کھلتے اور اس کی اثر آفرینی سے قلب فگار کے چاک سلتے ہیں۔ اسی کی بدولت مفکر کو سوز کی دولت، ادیب کو اخلاص کی نعمت، خطیب کو ذکر کی حلاوت اور شاعر کو والہانہ عقیدت کی لذت میسر آتی ہے۔ عشق رسول ﷺ کے حوالے سے یہ صداقت وقت کی میزان پر تل کر اپنا وجود منوا چکی ہے۔

ہے میرے لفظ لفظ میں گر حسن و دل کشی
اس کا یہ راز ہے مرا معیار آپ ہیں

نعت ایک ایسا اسلوب ابلاغ ہے جس کے توسط سے شاعر عشق وسرمستی کی کیفیات رقم کرتا ہے۔ نعت اس کا اظہار فن بھی ہے اور سرمایۂ حیات بھی۔ شکوہ ادب بھی ہے اور توشۂ آخرت بھی۔ نمود عجز بھی ہے اور افتخار عشق بھی۔ سلام نیاز بھی ہے اور نیاز شوق بھی۔ نازش فکر و دانش بھی ہے اور رفعت ادراک بھی۔ روح وجدان بھی ہے اور شرکت ایمان بھی۔ ہجر نبی ﷺ میں روتی ہوئی آنکھوں کا خراج بھی ہے اور مژدۂ شفاعت سن کر مسکراتے ہوئے لبوں کا حاصل تبسم بھی۔ جبین شوق پر مچلتے ہوئے سجدہ ہائے نیاز کی چمک بھی ہے اور گلشن ادراک میں ہوائے شوق سے جھومتی ہوئی کلیوں کی چٹک بھی۔ احساس کی تاروں سے پھوٹنے والے نغمات قدسی کا ترنم بھی ہے اور دل و جاں میں محشرستان عقیدت بسا کر فرط ادب سے خاموش لبوں کا تکلم بھی۔ مقصود فقط یہی ہے کہ خوشنودیٔ مصطفیٰ ﷺ میسر آجائے۔ حافظ مظہر الدین کے بقول:

> فن کواہ کسی رنگ اور لباس میں جلوہ گر ہو۔ شعر و ادب کی صورت میں ہو یا حرف وصورت کے بھیس میں وہ محبوب کی بارگاہ تک پہنچنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ یہ نہ ہو تو فن بے کار کہلاتا ہے۔ نعت کو فنون لطیفہ میں اسی لیے، منفرد اور ممتاز مقام حاصل ہے کہ وہ محبوب ﷺ دوعالم کی بارگاہ تک پہنچنے کا ذریعہ اور وسیلہ کہلاتی ہے۔ نعت، عقیدت و محبت کے جذبات کی ایک طوفانی موج ہوتی ہے جو شاعر کے وجدان کی سطح سے ابھر کر موزون صورت اختیار کر لیتی ہے۔

D:NaatRang-15
File: Akram Raza-1
Final

محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق کا دعویٰ اس وقت تک مصداق قبولیت نہیں ہوسکتا جب تک آپ کی صورت کو دل و نگاہ میں بساتے ہوئے آپ کی سیرت مطہرہ کے عملی پہلوؤں کو مدنظر نہ رکھا جائے۔ محبوب سے جتنا پیار ہو اس کی سیرت اتنی ہی عزیز محسوس ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو رحضور ﷺ کے حلقۂ عقیدت کے اسیر ہو جاتے ہیں ان کی نگاہوں میں پھر اور کوئی محبوب نہیں جچتا۔

سگیست جامی و جائش ہمیشہ کوئے درت
نہ آں سگے کہ بہر آستانہ می باشد

تعلیمات قرآنی اور فرمودات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو دل و جان میں بسانا ہی عین عشق رسول ﷺ ہے۔ اور نعت ہی ان کا اظہار بھی نعت کی ترویج اور مقبولیت کے سلسلہ میں عہد حاضر کا تقاضا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ جب تک اسوۂ سرور کائنات محور حیات نہ بن جائے اس وقت تک محبت رسول عبادت کا درجہ حاصل نہیں کرتی۔ حضور سے محبت اسی وقت اپنے عملی وجود کو منواتی ہے جب محبت رسول کے نام لیواؤں کی زندگی سیرت مصطفیٰ ﷺ کے سانچے میں ڈھل جائے۔ جناب محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا قرآن ناطق ہیں اور قرآن حکیم جناب رسالت مآب کی شان میں صحیفۂ مدحت ہے۔ اب یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک صاحب ایمان عشق رسول ﷺ کا دعویٰ بھی کرے اور قرآنی تعلیمات اور اسوۂ محبوب خدا کو مشعل راہ حیات نہ بنائے۔

آیت آیت کی نگارش سے عیاں ہے یہ حضور
سارے قرآن کا مضمون ہے قصیدہ تیرا

مدحت و نعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو سلسلہ ازل کی حسین ساعتوں میں شروع ہوا تھا، آج بھی اسی جذبۂ خلوص و عقیدت کے ساتھ اپنے عہد کی ترجمانی کا حق ادا کر رہا ہے۔ جس کی بدولت غلاموں کو اپنے آقا، بے نواؤں کو اپنے فریاد رس، مظلوموں کو اپنے ملجا و ماویٰ اور عشاق کو اپنے مظہر عقیدت کے حضور عرض حال کا حوصلہ میسر آتا ہے۔ نعت گوئی کا یہ سلسلہ ابدالاباد تک اپنی لافانی تاثیر کا احساس دلاتا رہے گا۔ حمد باری تعالیٰ کی طرح نعت مصطفیٰ ﷺ بھی سلسلہ روز و شب کی قیود سے بے نیاز اور ماہ و سال کی حدود کے تعین سے ماسویٰ ہے۔ مدحت و نعت کے یہ قدسی زمزمے اس وقت بھی گونج رہے تھے جب کائنات انسانی ابھی تخلیق کے مراحل میں داخل نہیں ہوئی تھی اور نعت کی یہ وجد آفریں صدائیں اس وقت بھی باعث تسکین قلب و جاں بنیں گی

جب پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑنے لگیں گے۔ زمین اپنے بوجھ کو نکال پھینکنے پر مجبور ہو جائے گی اور کائنات ارضی اپنے شکست و ریخت کے انجام کو چھونے لگے گی۔ توصیف حضورﷺ کا یہ سلسلہ اس وقت بھی اپنے عروج پر ہوگا۔ جب میدان محشر میں نفسی نفسی کی صدائیں بلند ہو رہی ہوں گی۔ اور توصیف و مدحت کے پردے میں حضور سرور کائناتﷺ سے استمداد طلب کرنے کی آرزوئیں سینوں میں اس وقت بھی مچل رہی ہوں گی۔ جب حضورﷺ اکرم تاج شفاعت زیب سر کیے مقام محمود پر تشریف فرما ہوں گے۔ یوں سمجھئے کہ:

فقط اتنا سبب ہے انعقاد بزم محشر کا
کہ ان کی شان محبوبی دکھائی جانی والی ہے

نعت گو شعرا کا ایک کاروان عظیم ہے جو صدیوں کی مسافت پر پھیلی ہوئی فضائے بسیط میں پورے ذوق و شوق کے ساتھ منزل عشق و سرمستی کی جانب رواں دواں ہے۔ اس قافلے کا ہر فرد شوق منزل سے سرشار اور عرفان مقصد سے بہر ور ہے۔ یہاں رقابت بھی ہے مگر عشق مصطفیٰ ﷺ کے سلسلہ میں، تیز روی کا شعور بھی ہے مگر سرکاریﷺ کے قدموں میں جاں سپردگی کی خاطر، جوش ہے مگر شریعت کی ہوش مندی کے ساتھ، جبینوں میں سجدہ ہائے نیاز کی تڑپ ہے مگر ادب و احترام کی طلب کے ساتھ، محبوبﷺ دوعالم کی راہوں میں بچھ جانے کا سودا ہے مگر رفعت ایمانی کے ساتھ۔ عرض تمنا کی بے قراری ہے مگر انتہائے عجز کے ساتھ۔ تصور کی نگاہوں میں جمال حضورﷺ بس رہا ہے مگر عظمت و جلال رسالتﷺ دامن گیر نہیں۔ حسرت عرض تمنا ہے جو کبھی سینوں میں سوز نہاں کی صورت ابھرتی ہے تو کبھی دلوں میں گداز و شوق بن کر مچلتی ہے۔ کبھی دماغ میں سودائے عشق رسول کی صورت جلوہ گر ہوتی ہے تو کبھی پلکوں پہ آنسوؤں کے ستارے جگمگاتی ہے۔ شوق دیدار سے قوت پا کر قدم آگے کو اٹھتے ہیں مگر خطا کاریوں کا احساس قدموں کو ڈگمگا دیتا ہے۔ زبان کو یارائے اظہار غم نہیں رہتا تو چشم اشکبار دلی جذبات کی ترجمانی کا حق ادا کرنے لگتی ہے۔ یہی پر حضور نبی کریمﷺ رحمت عالم پناہ جوش میں آتی ہے اور چاہنے والے کی لغزش مستانہ بھی رحمت فرمائی کا بہانہ بن جاتی ہے۔

مری افتادگی بھی میرے حق میں اس کی رحمت تھی
کہ گرتے گرتے بھی میں نے لیا دامن ہے تھام اس کا

رحمت مصطفویﷺ سہارا دیتی ہے تو قلب و نظر تجلیات رسالت سے مستنیر ہونے

D:NaatRang-15
File: Akram Raza-1
Final

لگتے ہیں۔قلم کو نگارش اور زبان کو گزارش کا حوصلہ ملتا ہے۔عشق کو سرفرازی اورفکر کو بلند پروازی کی نوید ملتی ہے۔جستجوئے شوق کو عرفان کی لے اور خاموش جذبوں کو عرض مدعا کے لیے وجدان کی لَے میسر آتی ہے۔تصورات حقائق میں ڈھلتے، دعائیں مستجاب ہوتیں اور تمنائیں حسن تکمیل کا معیار بنتی ہیں۔علم کو عشق کا شعور عمل کو رفعت گداز ملتی ہے۔تصور میں محبوب ﷺ نظر ہو اور رحمت عام بٹتی ہوئی محسوس ہو رہی ہو تو پھر کون ہے جو اپنے دامان شوق کو دراز نہ کرے۔اس تمام تر تلیات افشانی اور رحمت سامانی میں بھی نعت گو شاعر ادب و احترام کے تقاضوں کو ایک لمحہ کے لیے بھی فراموش نہیں کرتا کیوں کہ وہ سمجھتا ہے کہ ادب و احترام کی دولت چھن جائے تو عبادت لاحاصل اور عبودیت بے مقصد رہ جاتی ہے۔ایسے عالم میں اس کی کیفیت ملاحظہ کیجیے:

رخ خیر البشر ﷺ تو پھر رخ خیر البشر ﷺ ٹھہرا
ان آنکھوں سے در خیر البشر دیکھا نہیں جاتا
کھڑا ہوں کب سے محراب حرم کے سامنے دانش
نظر رہ رہ کے اٹھتی ہے مگر دیکھا نہیں جاتا

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم سربلند اٹھا کر چلنے والا یہ قافلۂ شوق ایک حیرت انگیز تواتر کے ساتھ وادی نور ونکہت میں محو سفر ہے۔حدود سفر اور قیود وقت سے بے نیاز، بہار ہو کہ خزاں ''ورفعنا لک ذکرک'' کے مظہر بن کر مدحت و نعت کے گلاب چار دانگ عالم میں مہک رہے ہیں۔اس کاروان نعت کے جو مسافر زندگی کی مسافتوں میں تھک کر عالم جاوداں کو روانہ ہو جاتے ہیں تو ان کی جگہ ان کی تعداد سے کئی گنا زیادہ تازہ دم رہ نوردان شوق نعت کے قدسی زمزمے الاپتے ہوئے اس قافلے میں شامل ہو جاتے ہیں۔صبح ازل کی طلعتوں اور شام ابد کی تابانیوں کا پرتو لیے ہوئے یہ قافلہ وقت کے چہرے پر لازوال نقوش ثبت کرتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے۔ہر آنے والے دور میں اس کی رفتار پہلے سے تیز تر، اس کی آواز پہلے سے بلند تر، اس کا آہنگ پہلو سے زیادہ پرخروش اور اس کا پیغام پہلے سے کہیں زیادہ پرتاثیر ہوتا جاتا ہے۔

وقفے وقفے سے ایسے نابغۂ روزگار اور یگانہ صفت مدحت نگار بھی اس کاروان نعت کی زینت بنتے ہیں۔جو اپنے غیر معمولی عشق و سرمستی، سوز و گداز پرتاثیر لے اور قبول عام لب و لہجہ کی بدولت اس قافلہ کی رفتار کو تیز تر کرنے کے لیے حدی خوانی کا فریضہ انجام دیتے رہتے ہیں۔ بہرحال اس کاروان نعت کا ہر فرد اہل نظر کے تئیں محبوب و مکرم اور محترم ہے۔کیوں کہ یہ شاہان

زمن کی قصیدہ نگاری پر حضور سرورﷺ دو عالم کی مدحت و توصیف کو ترجیح دیتا ہوا ستائش کی تمنا اور صلے کی پرواہ سے بے نیاز ہو کر فقط خوشنودیٔ مصطفیٰ ﷺ کو حرز جان سمجھتا ہے۔

داستان شوق ہے کہ پھیلتی جا رہی ہے۔ دامان قرطاس تنگ ہے اور تذکرۂ جاں نواز بسیار۔ نعت گو شاعروں کی ایک طویل فہرست ہے جو حافظے کے البم میں جگمگا رہی ہے۔ ان میں سے ہر ایک شاعر اپنی ذات میں انجمن اور سپہر وقت پر مہر و مہ کی صورت جلوہ فگن ہے۔ یوں نظر آتا ہے کہ ہر شاعر نے مدحت و توصیف کے آبگینے نذر کرتے ہوئے اپنی مکمل عجز سامانی کے ساتھ سوت کی انٹی ہاتھوں میں اٹھا رکھی ہے کہ کسی طور یوسف عربی ﷺ کے خریداروں میں اس کا نام ہو جائے۔ فکر عاجز کو یہ مقدور کہاں کہ مقام نبوت کی سربلندیوں کا احاطہ کر سکے، عقل اور علم کو یہ حوصلہ کہاں کہ انوار مصطفوی ﷺ کی بے کراں وسعتوں کو اپنی تنگ دامانی میں سمیٹ سکیں، زبان کو یہ ہمت کہاں کہ محبوب ﷺ کائنات کی صورت و سیرت کی معمولی سی جھلک بھی پیش کر سکے اور قلم کو یہ وسعت تحریر کہاں کہ سیّد الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی جامع الصفات شخصیت کا شمہ بھر صورت تحریر میں لا سکے۔ لیکن اس تمام تر احساس عجز اور کوتاہ سامانی کے باوجود ایک جذبۂ عشق رسول ﷺ ہے جس سے سرشار ہو کر شاعر، ادیب اور خطیب خدا کی تقلید اور اس کے حکم کی تعمیل میں صفت و ثنائے حضور ﷺ پرنور کا حق ادا کر رہے ہیں۔

آنکھوں میں نور دل میں بصیرت ہے آپ ﷺ سے
میں خود تو کچھ نہیں میری قیمت ہے آپ ﷺ سے

آج کا دور اس حقیقت سے بہرور ہے کہ دامان رسول ﷺ سے کٹ کر وہ کسی طور بھی فلاح دارین کا مستحق نہیں بن سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ عہد حاضر کے نعت گو شاعر کشکول تمنا اٹھا کر دربار مصطفوی ﷺ کی طرف ملتجی نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔ لبوں پہ صلوٰۃ و سلام کی صدائیں ہیں اور دلوں میں ارمان مچل رہے ہیں۔ ہر ایک کا اپنا اپنا انداز ہے۔ کوئی صورت مصطفیٰ ﷺ کی تجلیات میں گم ہے تو کوئی آپ ﷺ کی بے مثال سیرت کے گہر ہائے آبدار چن رہا ہے۔ کوئی ذاتی غم کے حوالے سے ملت اسلامیہ کا استغاثہ دربار رسول ﷺ میں پیش کر رہا ہے تو کوئی آشوب قوم کے حوالے سے اپنی لاچاریوں کی داستان الم بیان کر رہا ہے۔ کوئی حضور ﷺ کی نگہ کرم کا تصور کر کے سرخوش و سرشار ہے تو کوئی امت حضور ﷺ کی زبوں حالی پر اشکبار ہے۔ کوئی دوری میں حضوری سے بہرہ ور ہو کر تشکر حضور ﷺ کی نذر کر رہا ہے تو کوئی فراق حضور ﷺ میں میں اپنی

دل سوزیوں کا فسانہ سنا رہا ہے۔ اپنے اپنے انداز، اسلوب اور زبان و بیان میں تمام شعرا کا مطلوب و مقصود فقط ذات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہے۔ آپ ﷺ کا اسم گرامی ''محمد ﷺ'' عشق ہی حمد سے ہے۔ جس کے معنی تعریف کے ہیں۔ محمد ﷺ وہ عبد کامل اور انسانیت کے محسن اعظم ہیں جن کی تعریف ہمیشہ ہوتی رہے گی۔ اس نام کی تقدیس کا کیا پوچھنا، یہ نام اذان و تکبر میں شامل ہے اور دن رات میں پوری کائنات میں پانچ وقت لاکھوں مسجدوں سے اس نام کی عظمت و سربلندی کا آوازہ بلند ہوتا ہے۔ اس نام میں جو نغمگی ہے اس سے قلب و ضمیر جھومتے اور ذوق و وجدان وجد کرتے ہیں۔

خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

ہم جب تصور کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں تو نعت حضور ﷺ کے حوالے سے قدسی زمزموں سے آباد بقائے دوام کے دربار میں ہاں شہرت عام نہیں بلکہ فقط خوشنودیٔ سیّد خیر الانام مقصود ہے، مختلف رنگ و نسل، زبان و بیان اور زبان و مکان سے تعلق رکھنے والے نعت گو شعرا کا اجتماع عظیم دکھائی دیتا ہے۔ قرنوں اور صدیوں کے پس منظر سے ابھرتی ہوئی مدحت نگاران رسول ﷺ کی اتنی بڑی تعداد۔ اللہ اکبر کہ ان شعرا کے فقط اسمائے گرامی ہی شمار کرنے بیٹھیں تو عمر عزیز بیت جائے۔ ان کی فضیلت علمی، بصیرت روحانی اور غیر معمولی عشق واردات کا احساس کرتے ہوئے ہمارا سر فرط عقیدت سے جھک جاتا ہے۔ یہ سب حیات ابدی کے سزا وار اور دنیائے شعر و سخن کا افتخار ہیں۔ آسمان علم و حکمت کے نجوم تاباں ہیں۔ بقائے دوام ان کے سر کا تاج اور شہرت عام ان کی جنبش ابرو کی محتاج ہے۔ ہم ایک مدت سے انھیں تاریخ کی نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں، روایت کی زبانی سن رہے ہیں، حکایتوں کے وسیلے سے پڑھ رہے ہیں اور صداقتوں کے لمس سے محسوس کر رہے ہیں۔ ان کی عقیدت اہل ایمان و یقین کی آبرو اور ان کی پیشانیاں ادائیگی فرض کے احساس سرخرو ہیں۔ اس دربار میں ان کو عظمت لازوال اور مسند سربلند کے ساتھ ساتھ قبولیت عام کی خلعت زر نگار میسر آئی ہے۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے عشق و عقیدت کے اظہار کی بدولت مدحت و نعت کی وہ شمعیں روشن کر دی ہیں جن کی روشنی ہمارے جیسے نجانے کتنے ہی وابستگان دامان رسول ﷺ قلب و نظر کی بصیرت و بصارت کے سامان مہیا کر رہے ہیں۔

ان مدحت نگاروں کی تخلیقات کے دم سے وادئ شوق میں نکہت و نور کی برسات کا گمان ہوتا ہے۔ کس کس کا تذکرہ کیا جائے۔ یہ سب زندگی پائندگی کے روشن استعارے ہیں۔ اس ایمان افروز کیفیت سے واپس لوٹنے کو کس کا جی چاہے گا۔

حق تو یہ ہے کہ اس تمام تر مدحت و ثنائے حضور ﷺ کے باوجود اہل فکر و نظر کو مقام مصطفیٰ ﷺ کی سربلندیوں کا احاطہ کرتے ہوئے آج بھی اتنی ہی کوتاہ فکری، کم مائیگی اور عجز سامانی کا احساس ہے۔ جتنا مدتوں پیشتر تھا اور پھر اس ذات والا صفات صاحب لولاک حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت و ثنائے سے کما حقہٗ، عہدہ برآ ہوا بھی کیسے جاسکتا ہے جو ممدوح کائنات ہی نہیں، محبوب خدا و ملائکہ بھی ہے اور جس کی مدحت و توصیف عالم انسانیت کو ہی مرغوب نہیں اللہ کو بھی محبوب ہے۔ حق تو یہ ہے کہ

تھکی ہے فکر رسا اور مدح باقی ہے
قلم ہے آبلہ پا اور مدح باقی ہے
تمام عمر لکھا اور مدح باقی ہے
ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحر بے کراں کے لیے

D:NaatRang-15
File: Akram Raza-1
Final

ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط۔ بھارت

اردو میں نور ناموں کی روایت

حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ رسولِ خدا تاجدارِ مدینہ آنحضرت ﷺ کے ''پیکرِ نور'' ہونے کا عقیدہ دراصل قرآن حکیم کی ان آیات کا نتیجہ ہے جن میں آپ ﷺ کو ''نور'' کہا گیا ہے اور سراجاً منیراً کہہ کر آپ کا وصف بیان کیا گیا ہے اس عقیدے کو ان احادیثِ رسول ﷺ سے بھی تقویت ملتی ہے جن سے آنحضور ﷺ کا ''نورِ مجسم'' ہونا ثابت ہوتا ہے۔

قرآن حکیم میں سورۃ المائدہ میں حضور ﷺ کے صفتِ نور کا بیان اس طرح آیا ہے، **قدجاء کم من اللہ نور** (المائدہ آیت۔۱۹) یعنی ''بے شک اللہ کی طرف سے تمھارے پاس نور آیا۔'' اس آیتِ کریمہ کی توضیح مولانا مفتی احمد یار خاں صاحبؒ نے یوں فرمائی ہے۔

> نور وہ ہے جو خود ظاہر ہو اور دوسروں کو بھی ظاہر کر دے۔ دیکھو آفتاب نور ہے کہ اسے دیکھنے کے لیے کسی روشنی کی ضرورت نہیں، وہ خود روشن ہے اور جس پر اس نے خود توجہ کر دی وہ بھی چمک گیا۔☆[۱]

سورۂ احزاب میں اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے دیگر اوصاف کا ذکر کرتے ہوئے آپ ﷺ کو ''روشن چراغ'' سے تشبیہ دیتا ہے۔ **یاایھا النبی انا ارسلنک شاھدا و مبشرا و نذیرا و داعیا الی اللہ باذنہ و سراجا منیرا۔** (سورۂ احزاب آیت۔۴۶) ''اے نبی ہم نے تمھیں بھیجا ہے کہ آپ گواہ ہوں گے اور بشارت دینے والے ہیں اور ڈرنے والے اور بلانے والے ہیں اور آپ ایک روشن چراغ ہیں۔''

D:NaatRang-15
File: Yahya
Final

احادیث میں بھی آنحضرت ﷺ کے ''نورِ مجسم'' ہونے کی صراحت کی گئی ہے۔

چناں چہ صاحبِ ''روح البیان'' حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ایک حدیث یوں بیان کرتے ہیں کہ:

وہ ایک مرتبہ حضورﷺ نے حضرت جبرئیلؑ سے دریافت فرمایا، ''اے جبرئیل! تمھاری عمر کتنی ہے؟'' تو جبرئیل نے عرض کیا، ''حضورﷺ مجھے کچھ خبر نہیں۔ ہاں! اتنا جانتا ہوں کہ **ان فی الحجاب الرابع نجما یطلع فی کل سبعین الف سنة مرة رانیه اثنین و سبعین الف مرة،** یعنی چوتھے حجاب میں ایک تارا ستر ہزار برس کے بعد ایک مرتبہ چمکتا ہے میں نے اسے بہتر ہزار مرتبہ چمکتے دیکھا۔'' حضورﷺ نے یہ سن کر فرمایا، **و عزۃ ربی انا ذالک الکوکب** یعنی میرے رب کی عزت کی قسم میں ہی وہ تارا ہوں۔''

(''روح البیان''، جلداوّل، ص۹۷۴)

حضورﷺ کے صفتِ نور کو موضوعِ سخن بنا کر عربی، فارسی اور اردو شاعری میں کافی کچھ لکھا گیا ہے۔ شعرا نے مختلف پیرائے میں نور کی کیفیت بیان کی ہے اور یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ آپﷺ سراپا نور تھے۔ نعتیہ شاعری میں حضورﷺ کی مدح اور اوصاف بیانی کے لیے اس موضوع میں ایسی ہی وسعت ہے جیسا کہ نور یا بجلی میں ہوتی ہے۔ یہ ایک ایسا نعتیہ موضوع ہے جس میں شاعر کی مبالغہ آرائی اس کی گرفت کا باعث نہیں ہوسکتی۔ اس موضوع پر شاعر کی فکری کاوش روشنی کو فانوس میں بند کرنے کے مصداق ہے۔ لیکن یہی ایک ایسا موضوع ہے جس کے تحت اشعار کے معنوی حسن میں اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ دیکھیے! دورِ جاہلیت کا مشہور عربی شاعر ابوکبیر ھذلی کس انداز سے حضورﷺ کی نورانی صفت کا بیان اپنے ایک شعر میں کرتا ہے:

و اذا نظرت الی اسرة وجهه
برقت کبرق العارض المتهلل[۲]

(یعنی جب میں نے اس کے روئے تاباں پر نگاہ ڈالی تو اس کی شانِ رخشندگی ایسی تھی جیسے کہ کسی لکۂ ابر میں بجلی کوند رہی ہو۔)

حضرت حسان بن ثابت الانصاریؓ کا یہ شعر بھی حضورﷺ کے صفتِ نور کا غماز ہے:

متی یبد فی الداجی البهیم جبینه
یلح مثل مصباح الدجی المتوقد[۳]

(یعنی سیاہ رات میں جب آپ ﷺ کی جبین مبارک نظر آتی تو ایک چمک ہوتی جیسے تاریک رات میں کوئی روشن شمع ہو۔)

پس ثابت ہوجاتا ہے کہ حضور ﷺ کے صفتِ نور کا موضوع معنوی حیثیت سے بڑا وقیع ہے۔ اسی لیے نعت گو شعرا نے اس میدان میں اپنی مشاقی کے جوہر جتنی عمدگی اور کامیابی کے ساتھ دکھائے ہیں میلادناموں، وفات ناموں وغیرہ میں نہیں بتا سکے۔

''نور'' اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اس نے اپنے برگزیدہ بندے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو بھی اسی سے متصف کیا ہے۔ فخرالدین نظامی اپنی مثنوی ''کدم راؤ پدم راؤ'' میں حضور ﷺ کے نورِ مجسم کو ''مشعل'' سے تشبیہ دیتے ہیں:

محمد جرم آد بنیاد نور　　　دوے جگ سرے دے پر ساد نور
مشالا اشی کا جودیسے گھیر　　　جلے جگ اس تھیں اسے دیہہ دھیر[۴]

میرانجی شمس العشاق (م ۹۰۴ھ/ ۱۴۹۸ء) حضور ﷺ کے نور کی تخلیق کو مقدم مانتے ہیں:

وہ نبی اوّل نور　　　بس عالم یہ معمور
نورانی احمد نام　　　یہ اچھا ذوق آرام[۵]

''نور احمدی'' سے متعلق نظامی اور میرانجی کے یہاں خیالات میں باہم مطابقت ملاحظہ ہو کہ دونوں نے نبی ﷺ کے نور کو تخلیقِ اوّل قرار دیا اور دنیا میں روشنی کے پھیلنے کا سبب نورِ نبی ﷺ کو ٹھہرایا۔

باجن (م ۹۱۲ھ/ ۱۵۰۶ء) نے حضور ﷺ کی ذات کو اس دنیا کے لیے مبدئے نور سے تعبیر کیا ہے:

باجن تیرا باولا تجہ کارن چیئے دمہکے
نبی محمد مصطفےٰ ﷺ اسیں نور جگ میں جھمکے[۶]

یہاں بھی نظامی اور میرانجی کے خیالات کی ہی بازگشت ہے۔

برھان الدین جانم ''انا من نور اللّٰہ و کل شی من نوری'' کی تشریح ذیل کے اشعار میں کچھ اس طرح کرتے ہیں:

انا من نور اللہ دیکہ　　　کل شیٔ من نوری لیکہ
کئے نور خدا کا میں بھی نور　　　میرے نور تھے کل ظہور[۷]

نبی ﷺ کی ولادت باسعادت سے ایک جہان روشن ہوگیا اور کفر کا اندھیرا ختم ہوا۔ اس خیال کو سلطان محمد قلی قطب شاہ (م ۱۰۲۰ھ/۱۶۱۱ء) مختلف پیرائے میں بیان کرتے ہیں، جن سے آنحضرت ﷺ کے مجسم نور ہونے کی تصریح ہوتی ہے:

تج مکھ اجت کے جوت تھے عالمِ دین ہارا ہوا
تج دین تھے اسلام کے مومن جگت سارا ہوا
چاند سورج روشنی پایا تمھارے نور تھے
آبِ کوثر کوں شرف تھڈی کے پانی پور تھے ☆۸

غواصی کی ''میناستونتی'' اور ''طوطی نامہ'' میں بھی حضور ﷺ کے سراپا نور ہونے کی توضیح کی گئی ہے۔ ابن نشاطی اپنی مشہور تصنیف ''پھول بن'' میں آنحضرت ﷺ کے مجسم نور ہونے کی وضاحت کے لیے ایک مشہور روایت کا سہارا لیتے ہیں، جس میں کہا گیا ہے کہ حضور ﷺ کا سایہ نہیں تھا۔

سرج کوں چھانوں کئی دیکھے نمیں کیں
توں سورج تھا اسی تے چھانوں تجہ نیں
زمیں رہی اس سبب یوں پست ہوکر
کہ سایہ نیں پڑا تیرا تس اوپر ☆۹

غرضے کہ اردو شاعری میں ابتدا سے آج تک حضور ﷺ کے ''نورِ مجسم'' کی صراحت ہزارہا اشعار میں کی گئی ہے۔ مگر اس مضمون میں ''نورناموں'' جیسی مستقل تصانیف ہی کا جائزہ لیا جا رہا ہے۔ ضرورت کے مواقع پر شعرا کی معروف نعتیہ نظموں کے حوالے بھی دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ بہ ایں صورت اگر کسی شاعر کی کوئی تخلیق بطورِ مثال پیش نہ کی گئی ہو تو اُسے میری کوتاہ دستی سے تعبیر کریں، بغض و عناد نہ سمجھیں۔

نیشنل میوزیم دہلی میں حسینؔی کی ایک تصنیف ''نورنامہ'' محفوظ ہے۔ جو غالباً دکنی شاعر شاہ حسین حسینؔی کی ہوگی۔ اس ''نورنامے'' میں شاعر نے سیرتِ نبوی ﷺ کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کے وصف نور کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے:

اوّل نور حق گایِن دل میں دھروں ۔۔۔ پچھن نورِ احمد سوں روشن کروں
کتی ہیں حسینی جو محمد کا نور ۔۔۔ ہے اس نور کا نور نامہ ظہور ☆۱۰

شاعر نے آپ ﷺ کے نورِ مجسم کی اس طرح تعریف کی ہے۔ نور سے متعلق تشبیہات و استعارات کا اس نورنامہ میں وافر استعمال کیا گیا ہے۔ زبان چوں کہ قدیم اور سخت فہم ہے اس لیے یہاں مثالیں نہیں دی گئیں۔ اس نورنامہ میں شاعر والہانہ انداز میں آپ ﷺ کے سراپا نور ہونے کی وضاحت کرتا ہے۔ اس کی عقیدت اور عشقِ نبی ﷺ ہر شعر سے ٹپکتی ہے۔ دکنی شاعری کی تمام تر خوبیاں اس ''نورنامہ'' میں پائی جاتی ہیں۔

حسینی کی مستقل تصنیف ''نورنامہ'' کے بعد فتاحی کی ''مفید الیقین'' میں ہمیں حضور پرنور ﷺ کے نور کے متعلق تفصیل ملتی ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے فتاحی کی مولودنامہ (مفیدالیقین) کی تاریخ تصنیف (۱۰۸۴ھ/۱۶۷۳ء)[☆۱۱] بیان کی ہے۔ ہماری نظروں سے جو نسخہ گزرا ہے اس میں تاریخِ تصنیف ۱۰۹۵ھ درج ہے۔ چناں چہ خود فتاحی کہتے ہیں۔

سو ہجرت کے بعد از برس یک ہزار نو د ہور تھا پانچہ کا بھی شمار[☆۱۲]

ہوسکتا ہے کہ ''مولودنامہ'' فتاحی نے الگ سے بھی ترتیب دیا ہوا اس کے بعد ''مفید الیقین'' لکھی ہو۔ بہرحال! فتاحی نے ''مفید الیقین'' میں حضور پرنور ﷺ کے تخلیق نور کی توضیح بہت ہی شرح و بسط کے ساتھ کی ہے۔ جس کی کئی روایات میں ضعف ہونے کے باوجود کے دل پر اپنا اثر چھوڑتی ہے۔ تخلیقِ نورِ احمدی ﷺ کے متعلق شاعر کا حسنِ بیان ملاحظہ ہو:

خدا نے جو یک جھاڑ پیدا کیا اوسے چار شاخاں ہویدا کیا
بڑا خالق ہے اوسو رب المتین رکھیا جھاڑ کانا تو شجر الیقین
بزاں اجلے موتی کے پردے بھیتر رکھیا نور اور کوئی پیداش کر
دیا مھور کا شکل اس نور کوں ہوا فلک اوجھاڑ اس سورسوں
کہ یعنی رکھے نور اس جھاڑ پر سو تسبیح نت او کرے واں مگر

☆

بزاں آر سی یک شرم کی کیا ایسے نور کے تب مقابل کیا

☆

جو دیکھیا سو شرمیائے پروردگار جو شرمیا سو سجدہ کیا پانچ بار
ہمن پر سو یو پانچ وقتے نماز سبب یو کیا فرض حق بے نیاز[☆۱۳]

''شجر الیقین'' کا ذاتِ خداوندی نے پیدا کرنا، نورِ محمدی ﷺ کو طاؤس کی شکل میں سفید موتی

کے پردے میں رکھنا، ''آئینۂ حیا'' کا بتانا، ''نورِ احمدی کا شرما جانا'' اور سجدے میں گر جانا اور ان ہی سجدوں کو سبب فرضیت نماز قرار دینا وغیرہ۔ ایسی روایات ہیں جن کے حسن و قبح اور دین میں ان کے مقام و اہمیت کو علمائے کرام دین بہتر سمجھ سکتے ہیں۔ احادیث کی کتابیں البتہ ایسی روایات سے خالی ہیں یا کم از کم میری نظروں سے ایسی احادیث نہیں گزریں۔ خیر! شاعر واقعہ کو آگے بڑھاتا ہے، وہ نور آنکھیں کھول کر دیکھتا ہے تو اسے اپنے اطراف چار نور نظر آتے ہیں۔ شاعر انھیں خلفائے راشدین کہتا ہے۔ بعد ازاں اللہ تعالیٰ اس نور کو محمد ﷺ کی شکل دے کر قندیل میں رکھتا ہے۔ بعدہ شاعر نے ولادت و بعثتِ رسول ﷺ کے واقعات نقل کیے ہیں۔ آخر میں معجزاتِ نبی ﷺ کا ذکر ہے۔ اس طرح شاعر نے بڑی کوششوں سے یہ نورنامہ مکمل کیا ہے۔ اشعار میں بعض جگہ غیرضروری ''حروف جار'' کا استعمال سقم پیدا کر دیتا ہے۔

اسی عہد کے شاعر مختار نے بھی اپنے ''مولود نامہ'' (۱۰۸۳ھ/۱۶۷۲ء) میں ''آفرینش نورِ محمد ﷺ'' کے متعلق چند روایات بیان کی ہیں اور ''کعب الاحبار'' کا حوالہ دیا ہے۔ تخلیقِ نورِ محمدی کے متعلق مختار کہتا ہے:

بیاں یوں کیے کعب احبار نے — سنو اے عزیزاں تمیں سب جنے
ارادہ کیا حق تعالیٰ اوّل — جو پیدا محمد ﷺ کوں کرنے بدل

☆

کیا حکم جبرئیل کون ذوالجلال — نبی کی جہاں قبر ہے جو ایتال
تو جا کر وہاں تھے موٹھی خاک لیا — وہی خاک سب خاک میں پاک لیا
پچھیں لیائے جبرئیل یک مشت خاک — بہشت کی ندیاں میں ڈوبا کیتی پاک
طواف اوس کے کیتی ہیں دُرّ ہر طرف — زمیں آسماں سکلا پایا شرف
پچھیں نور کوں حق ذخیرا کیا — اپس سیر عظمت میں جاگا کیا
لکھے ناؤں اوسکا تب او عرش پر — دیا سب کوں اوس ناؤں سیتی خبر
جب آدم کوں پیدا کیا ہے غفور — سوسر میں امانت رکھیا ہے او نور
اوھی خاتم الانبیا ہور امام — علیہ الصلوٰۃ علیہ السّلام[۱۴]

اسی دور کے ایک غیرمعروف اور کم سواد شاعر عنایت کا نورنامہ ہمارے پیشِ نظر ہے۔ شاعر نے اپنی تصنیف میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ پہلے یہ نورنامہ فارسی نثر میں تھا جس کا اس نے دکنی زبان

میں منظوم ترجمہ کر دیا۔ اس نورنامہ کی اہمیت بڑھانے کے لیے شاعر نے ورق نمبر۵ الف پر امام غزالیؒ کے متعلق ایک روایت درج کی ہے کہ انھوں نے سلطان محمود شاہ کو یہ نورنامہ تحفتاً پیش کیا تھا، جس کی وجہ سے وہ عرب وعجم میں فتح یاب ہوا۔ یہ روایت بھی ''نورنامہ'' فارسی میں ہونے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ لیکن جب ہم عنایت کے ''نورنامہ'' کا بالاستیعاب اور بنظرِ غایت مطالعہ کرتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ شاعر عنایت نے فتاحی کی ''مفیدالیقین'' کی نہ صرف یہ کہ خوشہ چینی کی ہے بلکہ اکثر اشعار جوں کے توں اپنی تصنیف میں شامل کر لیے ہیں۔ یہ معاملہ تحریف یا توارد کا نہیں سرقے کا ہے۔ جس پر ببانگِ دہل آج بھی عمل کیا جا رہا ہے۔ نہ صرف شاعری میں بلکہ تحقیق کے میدان میں بھی ''سرقے'' کا عمل فزوں تر ہے۔ عنایت نے اپنا نورنامہ ۱۱۱۱ھ/ ۱۶۹۹ء میں یعنی فتاحی کی تصنیف کے سولہ سال بعد مکمل کیا تھا۔ اس عرصے کا فائدہ اٹھا کر اس نے فتاحی کے کئی اشعار اپنی تصنیف میں شامل کر لیے تھے۔ فتاحی کے اشعار ہم پچھلے صفحات میں پیش کر چکے ہیں۔ اب عنایت کے اشعار ''نورِ احمدی'' کے متعلق دیکھیے:

یوسن کان دھر ابتدا سوں بیاں کہ دکھنی زباں سوں ہوا ہے عیاں
خدا نے جو یک جھاڑ پیدا کیا اسے چار شاخاں ہویدا کیا
بڑا ہے سو خالق و ربّ المتین رکھیا جھاڑ کا نام ''شجرالیقین''
بڑاں اجلے موتی کے پردے بھتر رکھیا نور احمد کوں پیداش کر
دنیا مھر کا شکل اس نور کوں ہوا فلک اس جھاڑ اس سور کوں
کہ یعنی رکھا نور اس جھاڑ پر سو تسبیح و ونت کرے واں مگر

☆

ہمن پر سو پانچہ وقت نماز سبب یو کیا فرض حق بے نیاز[☆۱۵]

ان اشعار کے بعد عنایت فتاحی کو قدرے دُور کرتے ہیں۔ فتاحی نے نہایت تفصیل سے نام احمد اور نماز کی حالت پر لکھا ہے۔ فتاحی کے یہاں اس کے لیے فارسی میں یہ سرخی ''دربیاں آنکھ حق سبحانہ تعالیٰ نماز را بصورت حروف احمد پیدا ساخت'' دی گئی ہے اور اس کی تفصیل میں اشعار دیے گئے ہیں۔ عنایت نے اوپر درج آخری شعر میں اپنے نورنامہ میں دوسرا مضمون شروع کیا ہے۔ جو اس طرح ہے کہ حق نے جب اس نور پر نظر کی تو خوشی میں اللہ نے دنیا پیدا فرما دی۔ پھر نور کو حکم دیا کہ اپنے چاروں طرف دیکھ تو اسے اپنے اطراف نور ہی نور نظر آنے لگا۔ پھر

قدرت نے اسی نور سے نبیوں کے نور کو پیدا فرمایا۔ محمد ﷺ کے نور کو قندیل میں رکھا۔ تمام روحیں اس نور کا طواف کرتی تھیں۔ طواف کی یہ مدت ایک لاکھ سال رہی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے روحوں کو حکم دیا کہ وہ اس نورِ احمدی کو دیکھیں۔

خدا امر روحاں کو تو یوں کیا او صورت پہ دیکھ حکم یوں کیا
نظر یک طرف سوں سو کرنے لگے ووصورت مبارک پر دھرنے لگے

پہلے شعر میں ''حکم'' بہ حرکت ''حا'' وکاف ہے۔ اس کے بعد شاعر نے ایک روایت یہ بیان کی ہے کہ اللہ کے حکم سے روحوں نے جب نورِ مجسم محمد ﷺ'' کو دیکھا تو آپ ﷺ کے جسم کے جس حصے کو دیکھا دنیا میں اس اعتبار سے انھیں بزرگی ملی۔ یعنی روح نے گردن دیکھی تو وہ دنیا میں تاجر ہوا، بازو دیکھے تو لشکر کے سپاہی ہوئے اور تیغ بازی میں اسے سروری حاصل ہوئی۔ وغیرہ ''رگ وید'' کے ''پرش سوکت'' میں بھی لکھا ہے کہ ''پرش'' کے منھ سے ''برہمن'' پیدا ہوئے، اس کے بازو سے ''چھتری'' (سپاہی) بنے اس کی رانوں سے ''ویش'' کا جنم ہوا اور اس کے پیروں سے ''شودر''۔ ہندو اسطور سے اس مطابقت کا ہم کیا نتیجہ نکال سکتے ہیں؟

ایک اور غیرمعروف شاعر احمد کا نورنامہ (۱۱۳۶ھ/۱۷۲۳ء) ادارۂ ادبیاتِ اردو حیدرآباد میں ہماری نظر سے گزرا جس میں شاعر نے حتیٰ الوسع اس بات کی کوشش کی ہے کہ روایات صحیحہ منظوم کرے اور اس میں وہ کامیاب بھی ہوا ہے۔ اس نورنامہ کے سارے موضوعات اس مشہور حدیث کی توضیح کرتے ہیں جس میں حضرت جبرئیل کو نبی ﷺ نے ان کی عمر کے متعلق استفسار کیا تھا۔ صاحبِ ''روح البیان'' کی یہ حدیث ہم نے پچھلے صفحات میں پیش کر دی ہے۔ احمد کہتے ہیں:

کہ یک دیس روح الامیں جبرئیل وحی لائے حضرت پو حکم جلیل ☆۱۶

☆

ہمیشہ جو روح الامیں اوٹتے محمد ﷺ کے ڈاویں طرف بیٹتے
سو اوس روز سیدی طرف بیٹھ کر طرف فاطمہ کے کیے پھر نظر
لگی کہنے خاتونِ جنت یقیں سبب کیا ہمیشہ کی عادت نہیں
سو باویں طرف سے ہمیشہ مدام وحی لا کے حضرت کو کہتے سلام
دیے جواب خاتون کوں جبرئیل سبب بیٹھنے کا سنو تم خلیل

بزرگی میں ختم پیمبر کیا　　　　کہ سب آفرینش تے برتر کیا
و لیکن میری عمر ہے بے شمار　　　　اگر کوی کہے تو ہوے گی ہزار☆۱۷

اس پر آنحضرت ﷺ نے جبرئیلؑ سے دریافت فرمایا کہ تمھاری عمر کتنی ہے تو حضرت جبرئیلؑ نے جو جواب دیا تھا اور حدیث میں مذکور ہے۔ احمد نے اسے منظوم کیا ہے:

ازل حق تعالیٰ قطب کی طرف　　　　کیا تھا مبین ستارا شرف
جھلکتا ستارا او ستر ہزار　　　　نہ جنبش کیا تھا بہت استوار
او ستر ہزاراں برس بعد ازاں　　　　بحکم الٰہی ہوا پھر عیاں
او ستر ہزاراں برس کے پچھے　　　　ستارا او دیکھا ہوں میں برقرار

☆

کہے پھر کے حضرت رسولِ کرم　　　　حبیب الٰہی شفیع الامم
اگر او ستارا نظر آگئے تو　　　　پچھا لیں گے اس کی نشانی کہو
کہے میں پچھانوں گا بے شک اسے　　　　جو دیکھا ہوں میں کئی گر اب اسے
نبی ہات سوں اپنے دستار کوں　　　　او چائے اوتارا جو جھلکا رسوں
نظر تل پرا سو امنا کہا　　　　ستارا وہی ہے حبیبِ خدا☆۱۸

صاحبِ ''روح البیان'' کی بیان کردہ حدیث اور احمد کے لکھے ہوئے واقعہ میں تھوڑا سا فرق ہے کہ وہاں حضور ﷺ کہتے ہیں کہ وہ ستارا میں خود ہوں۔ یہاں احمؔد نے حضور ﷺ کی تل کو ستارا بتایا ہے۔ بہرحال اس معمولی فرق کے باوجود احمدؔی کے نورنامہ میں صحیح روایات کو اخذ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ شاعر نے دکھنی لب و لہجے کے اعتبار سے الفاظ کے تلفظ کو اپنی شاعری میں برتا ہے۔ اس نورنامہ کی تاریخ تصنیف کے لیے شاعر نے یہ مصرع درج کیا ہے:

کیا مشتہرنامہ یو بے بدل

جس سے ۱۱۳۶ھ متخرج ہوتے ہیں۔

حضور ﷺ کے نور کے متعلق غوثی بیجاپوری نے اپنی تصنیف ''قصص الانبیا'' میں کئی روایتیں بیان کی ہیں۔ غوثی نے ان روایات کو خالصتاً دینی و علمی حیثیت ہی سے پیش کیا ہے لیکن صوفیانہ رنگ غالب نظر آتا ہے۔ شاعر نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے حوالے سے یہ روایت منظوم کی ہے:

ہزار ایک سال لک پھرتا تھا او نور　　　　ادب سوں تھا طوافِ حق میں معمور

اوّل کرتا ذکر تھا احدیت کا جو بے چوں بے شبہ کی او صفت کا
ہوا تب حکم اے محبوب کے نور مرے معشوق اور مرغوب کے نور
تجھے میں قسم کرتا ہوں اِتا چار یوں فرما قسم کیتا چار غفار
کیا قسم اوّل سوں عرش پیدا قلم قسم دوم سنے ہو ہویدا
کرا قسم سیوم سنے او جنت بہشت اوپر محمدﷺ کی ہے منّت ☆۱۹

حضورﷺ کے نور کے چوتھے حصے کو اللہ تعالیٰ نے پھر چار حصص میں منقسم کیا۔ پہلا حصہ خود محمدﷺ کا، دوسرے حصے سے عقل وفہم، تیسرے سے شرم و حیات اور چوتھے سے معرفت پیدا کی جو مومنوں کے سروں کے اندر رکھی گئی ہے۔ اس طرح غوثی کا نورنامہ ایک طرف علمی گوشے وا کرتا ہے تو دوسری طرف متصوفانہ نکات کی وضاحت بھی کرتا ہے۔

عقیدت و عقیدے کی شاعری میں شعریت بڑی حد تک مفقود ہوتی ہے۔ یہی عقیدت اگر علمی مسائل کے خول میں رکھ کر شعری پیکر میں ڈھالی جائے تو ایسی تخلیق شاعر کے کمالِ فن کا عمدہ نمونہ قرار پاتی ہے۔ دکنی شاعر مولوی باقر آگاہ (م ۱۲۲۰ھ/ ۱۸۰۵ء) اس سے بخوبی آگاہ تھے۔ انھوں نے ''ہشت بہشت'' کے پہلے رسالے ''من دیپک'' میں حضورﷺ کے اوصافِ نور کو قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان کیا ہے۔ شاعر نے اپنے رسالے کا نام موضوع کی مناسبت سے رکھا ہے۔ ''اوّل ما خلق اللّٰہ نوری'' کی توضیح آگاہ اس طرح کرتے ہیں:

جب نیں تھا کچھ ہستی سے نشاں تھے کنج عدم میں سب پنہاں
نا ارض اتھی ہور نا افلاک نا انس نا جن تھی نا املاک
حق کیتا تب احمد کا نور اس وقت ہوا ہے اوس کو ظہور
کوئی بولا شہ کو اے مرسل کیا کیتا پیدا حق اوّل
فرمائے محمد میرا نور ہے سب کے اوّل اوس کو ظہور ☆۲۰

ادارۂ ادبیاتِ اردو حیدرآباد کے مخطوطات کی وضاحتی فہرست میں ملک خوشنود اور خوش نامی کسی شاعر کے نورناموں کا بھی ذکر ہے لیکن مجھے یہ دونوں نورنامے وہاں نہیں ملے۔

دکنی نورناموں کا جائزہ لینے کے بعد جب ہم شمالی ہند کے اردو ادب کو دیکھتے ہیں تو وہاں بھی ہمیں نورناموں کی روایت نظر آتی ہے۔ چناں چہ نورِ محمدی کو اپنی مثنوی ''نورِ تجلّی'' کا موضوع بنا کر امیر احمد مینائی (م ۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۰ء) نے نورنامہ ترتیب دیا ہے۔ انھوں نے نورِ

محمدی کے متعلق تین روایتیں نظم کی ہیں۔ پہلی روایت تو ''روح البیان'' کی مشہور حدیث کا گویا منظوم ترجمہ ہی ہے، جس میں حضور ﷺ کا حضرت جبرئیل سے ان کی عمر دریافت کرنے کا ذکر ہے۔ دوسری دونوں روایات پر اسرائیلی روایات اور تصوف کا رنگ چڑھا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ ایک خاص بات جو بیشتر نورناموں میں خصوصیت کے ساتھ برتی گئی ہے وہ یہ ہے کہ پیدائش نورِ محمدی ﷺ کے بیان میں ''لولاک لما خلقت الافلاک'' کو شامل کر لیا گیا ہے، درآں حالے کہ اس میں ''نور'' سے متعلق کوئی وضاحت موجود نہیں ہے۔ خیر! امیرؔ نے دوسری روایت میں نور کی تقسیم کا واقعہ بیان کیا ہے۔ پچھلے صفحات میں غوثی بیجاپوری کے یہاں اس واقعے کی تفصیل ہم دیکھ چکے ہیں۔

امیر مینائی نے بیان کی ہوئی تیسری روایت خالص متصوفانہ لب و لہجہ لیے ہوئے ہے۔ اس میں شاعر نے ''حجابات'' کے رموز و اسرار بیان کیے ہیں۔ نورِ محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بارہ حجابات کے اندر رکھا تھا۔ ہر حجاب کا ایک نام بھی شاعر نے بتایا ہے، مثلاً حجابِ عظمت، حجابِ قدرت، حجابِ ہدایت، حجابِ نبوت وغیرہ۔ ان حجابات میں نورِ محمدی ﷺ ہزاروں برس رہا۔ جب تمام پردے ہٹ گئے تو وہ نورِ شفاعت، نصیحت، شکر و صبر، جود و سخا، نورِ محمدی ﷺ ہزاروں برس رہا۔ جب تمام پردے ہٹ گئے تو وہ نورِ شفاعت، رحمت، نصیحت، شکر و صبر، جود و سخا، امانت، یقین، حلم، قناعت اور محبت وغیرہ کے بحور میں غوطہ زن رہا۔ بعدہ سات سو مقامات کو طے کرنے کے بعد جب نور ''مقامِ محبت'' پر پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی ذات سے آگاہ کر دیا اور اللہ ربّ العزت کے ذکر و شغل کی تاکید کی۔ اذکار و عبادات میں نورِ محمدی ﷺ کا استغراق دیکھ کر ہی اللہ تعالیٰ نے پانچوں نمازیں اس پر اس کی اُمت پر فرض کر دیں۔ شاعر نے بڑی شرح و بسط کے ساتھ اس واقعے کا ذکر کیا ہے۔ ''نمازِ ظہر'' کی فرضیت کا بیان ملاحظہ کیجیے:

مقام ایک تھا خدمتِ خاص کا		جسے کہتے ہیں مایہ اخلاص کا
وہاں آ کے مشغول طاعت ہوا		بصد شوق صرفِ عبادت ہوا
وہاں بھی برس گزرے ستر ہزار		رہا شاغلِ طاعتِ کردگار
پسند آئی محبوب کی یہ صفات		ہوا مرحمت خلعتِ نور ذات
کیا سجدہ پھر شکر میں اس کے بھی		نہ چھوٹی روش کوئی آداب کی
پسند آیا خالق کو اس کا نیاز		ہوئی ظہر کی فرض اس پر نماز ☆[۲۱]

D:NaatRang-15
File: Yahya
Final

آخر پانچوں نمازیں جب اللہ تعالیٰ اس نور پر اور اس کی اُمت پر فرض کر دیتا ہے تو وہ ''نور'' اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یوں عرض معروض کرتا ہے کہ باری الہٰ ''میری ناتواں اُمت سے کوتاہیاں ہوا کریں گی تو اسے درگزر فرما دیا کیجیو۔ اس طرح امیر مینائی کے یہاں ضعیف و صحیح روایات یکجا ہوگئی ہیں۔ ان کی تصنیف ''نورِ تجلّی'' اگرچہ عقیدت سے بھرپور شعری کاوش ہے، لیکن شعریت کے فقدان نے اسے خشک موضوع بنا دیا ہے۔ شاعر اگر چاہتا تو ''نور'' کے مختلف پہلوؤں پر اشعار کے وہ لعل و جواہر پیش کرتا جو اپنی تابناکی سے خزینۂ نعت و ادب کو جگمگا دیتے۔

ہمارے شعری سرمایۂ ادب کو جہاں نعتِ رسول ﷺ کے ایک پہلو ''نور'' نے بلحاظِ موضوع وسعت بخشی وہاں فنی لحاظ سے بھی مختلف جہتوں سے روشناس کرایا۔ ''نور'' کی تشبیہات و استعارات کی قوس قزح کے رنگوں سے شعری فضا رنگین ہوگئی اور ضائع لفظی کا گلشن کِل اُٹھا۔ نور کی معنوی وسعت میں مبالغہ، ابہام، حسن تعلیل وغیرہ تجانیس کا بے ساختہ اور برجستہ استعمال شعرا کے لیے سہل ہوگیا اور ''نور'' کے نورانی تخئیل و تفکر کو انھوں نے کبھی میدانِ مثنوی کی سمت موڑا، کبھی مسدس و مخمس کی راہ دکھلائی۔ کبھی بیت و رباعی پر اکتفا کیا تو کبھی تغزل کی فضا میں انھیں پرواز بخشی۔ غرض کہ ''نور'' کی علامت کے مختلف النوع تجزیے اور تجربے کیے گئے۔

محسنؔ کاکوروی دیکھیے نور کا استعمال کچھ اس طرح کرتے ہیں:

سایہ زیبا نہ تھا آپ ﷺ کی قامت کے لیے
روشنائی تھی یہی مہرِ نبوت کے لیے

☆

جسمِ محبوبِ خدا نور کا اک پتلا ہے
سایۂ حق وہ شہِ منزلتِ طٰہٰ ہے

☆

لاکھ عاشق ہوں مگر لطف دو محبوب نہیں
ظلِ حق ہو تو ہو پر ظلِ نبی خوب نہیں [☆۲۲]

مندرجہ بالا اشعار میں شاعر نے نور کی مناسبت سے سایہ، روشنائی اور ظل وغیرہ کا استعمال کیا ہے۔ یہ مناسبتِ لفظی کی بہترین مثالیں ہیں۔ دوسری جگہ تجنیس تضاد، تلمیح اور استعارے کا ایک

ساتھ استعمال کس خوب صورتی سے کیا گیا ہے۔

رُخِ پرنور کا ہے کاکل شبگوں سے ظہور　　دیکھ لو دامنِ موسیٰ کے تلے شعلۂ طور
سنبلے میں ہے عیاں جلوۂ ماہِ پرنور　　ابرِ رحمت میں ہے خورشیدِ قیامت مستور
شبِ معراج میں ہے شمع تجلی روشن　　لیلۃ القدر میں ہے نورِ الٰہی روشن☆[۲۳]

حضور ﷺ کے نور کی توضیح سرور جہاں آبادی اس طرح کرتے ہیں:

نہیں خورشید کو ملتا ترے سایہ کا پتا　　کہ بنا نورِ ازل سے ہے سراپا تیرا
(''خمکدہ''، ص۴۷)

حالیؔ اس نور کو چاند کے استعارے میں پیش کرتے ہیں:

وہ چاند جس سے ہوئی ظلمتِ دنیا معدوم　　رہا نہ تفرقۂ روز و شب زماں کے لیے
(''کلیاتِ حالی''، جلد اوّل، ص۲۰۵)

اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلویؒ کے نعتیہ کلیات ''حدائقِ بخشش'' میں تو سیکڑوں اشعار نورِ محمدی ﷺ کے متعلق زینتِ قرطاس ہوئے ہیں۔ خان صاحب نے اُمت کے دل میں فکرِ محمدی ﷺ سے زیادہ عشقِ محمدی پیدا کرنے کی سعی فرمائی تھی۔ اور اس مشن کو ایک تحریک کی صورت میں نہ صرف ہندوستان بلکہ عالم کے چپے چپے میں پھیلا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج عشقِ نبی ﷺ سے سرشار دلوں کی دھڑکنیں دنیا کے کونے کونے میں سنائی دیتی ہیں۔ ''حدائقِ بخشش'' میں حضور پرنور حضرت محمد ﷺ کے ''نور'' کے متعلق ۵۹ اشعار پر مشتمل ایک ''قصیدۂ نور'' ملتا ہے جس میں اعلیٰ حضرت نے کثرت سے محاوروں کا استعمال کیا ہے۔ پھر تراکیبِ لفظی کا جلال بھی قصیدے کے حسبِ حال نمایاں ہے۔

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا
بارھویں کے چاند کا مجرا ہے سجدہ نور کا
بارہ برجوں سے جھکا اک اک ستارہ نور کا
شمع دل، مشکوٰۃ تن، سینہ زجاجہ نور کا
تیری صورت کے لیے آیا ہے سورہ نور کا

D:NaatRang-15
File: Yahya
Final

یہ کتابِ کن میں آیا طرفہ آیہ نور کا
غیر قائل کچھ نہ سمجھا کوئی معنی نور کا ☆۲۴

راجا رشید محمود نے میر فدا علی نثار لکھنوی کی ''معراج الفکر'' کے حوالے سے حضور ﷺ کے نور کی روایات اپنے مضمون میں تفصیل سے پیش کی ہیں۔ اعلیٰ حضرتؒ کے قصیدے پر تضمین کرنے والے کئی شعرا کے حوالے بھی انھوں نے دیے ہیں۔ اس طرح نورِ محمدی ﷺ کو اپنے اشعار میں مختلف شعرا نے پیش کر کے حضور ﷺ سے اپنی روحانی اور جذباتی عقیدت کا ثبوت دیا ہے اور ''نور'' کی مناسبت سے نئی نئی اصطلاحات بنائی ہیں۔ مثلاً اقبالؔ نور کو ''فروغِ دیدۂ افلاک'' کہتے ہیں تو سہیلؔ عظیم آبادی ''نورِ مقطر'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ ظفر علی خاں آپ ﷺ کو سینۂ شب تارِ الست سے پھوٹا ہوا اجالا گردانتے ہیں تو جگر مرادآبادی آپ ﷺ کے نور کو ''دافع ظلمت'' قرار دیتے ہیں۔ بعض شعرا نے سورۂ نور ''سورہ ''والضحیٰ''، سورہ ''واللیل''، ''سورۂ ''قمر'' وغیرہ ناموں کو بھی ''نورِ محمدی ﷺ'' کے متعلق بطورِ تراکیب استعمال کیا ہے۔

سیرتِ رسول ﷺ کے چند واقعات سے شعرا نے آپ ﷺ کے پیکرِ نور ہونے پر استدلال کیا ہے۔ اور ان واقعات کو اپنے نورناموں میں پیش کیا ہے۔ ان میں ایک واقعہ بنتِ مرالخثعمیہ کا ہے۔ ''سیرتِ مصطفیٰ'' مؤلفہ مولانا محمد ادریس کاندھیلوی اور ''رحمت للعالمین'' جلد دوم میں اس واقعے کی تفصیل اس طرح ہے کہ فاطمہ بنت مرالخثعمیہ عرب کی نہایت حسین و جمیل دوشیزہ تھی۔ عرب کا ہر نوجوان اس کا طالب تھا لیکن اپنے حسن کے غرور میں وہ کسی کو بھی خاطر میں نہیں لاتی تھی۔ اس نے محض اپنے حسن کے بل بوتے پر کئی پیغاماتِ نکاح ٹھکرا دیے تھے۔ ایک بار جب عبداللہ کا گزر ایک راستے سے ہوا تو اس نے آپ کی پیشانی میں ایک خاص نور کی جھلک دیکھی اور بے قرار ہوکر ازخود آپ سے وصال کی تمنا کا اظہار کر دیا بلکہ حضرت عبداللہ کو اس فعلِ قبیح کے لیے سو اونٹ کی لالچ بھی دی۔ پھر بھی آپ کے دل میں گناہ کی لذت پیدا نہ ہوئی تو بنت مر نے اپنے ہاتھوں سے آپ کو اپنی طرف کھینچا۔ لیکن حضرت عبداللہ اس کی طرف ملتفت نہ ہوئے۔ بعض راویوں نے آگے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت آمنہ سے شادی ہوجانے کے بعد دوسری دفعہ جب حضرت عبداللہ کی ملاقات فاطمہ بنت مرالخثعمیہ سے ہوئی تو اسے نڈھال اور خاموش دیکھ کر آپ نے اس سے پوچھ لیا کہ اب وہ اصرار کیوں نہیں کرتی تو اس نے جواب دیا کہ پہلی بار میں نے جب آپ کو دیکھا تو آپ کی پیشانی میں مجھے ایک خاص نور نظر آیا میری

یہ خواہش ہوئی تھی کہ آپ کی پیشانی کے اس نور کو میں اپنے بطن میں منتقل کرلوں، لیکن آج ایسا لگتا ہے کہ آپ کی پیشانی کا وہ نور کسی اور کے بطن میں منتقل ہوگیا ہے۔ میں کوئی فاحشہ نہیں ہوں کہ نوجوانوں کو تاکتی پھروں۔ اُس وقت جو میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی تھی وہ آپ کی پیشانی کے نور کو دیکھ کر ہوئی تھی۔ اب وہ نور آپ کے پاس نہیں ہے اس لیے مجھے آپ سے کوئی رغبت بھی نہیں۔ راویوں نے لکھا ہے کہ وہ ''نور'' نورِ احمدی تھا جو شادی کے بعد حضرت عبداللہ کی پیشانی سے بطنِ آمنہ میں منتقل ہوا اور بصورتِ محمد ﷺ دنیا میں اس نور کی جلوہ گری ہوئی۔ حفیظ جالندھری نے فاطمہ بنت مرالخثمیہ کے واقعے کو نہایت شرح و بسط کے ساتھ ''شاہنامۂ اسلام'' جلد اوّل میں منظوم کیا ہے:

یہاں پر بنت مرالخثمیہ اک حسینہ تھی　　حسینہ تھی مگر اطوار و عادت میں کمینہ تھی
یہ پہلے سے جمال وحسنِ عبداللہ پر مرتی تھی　　مگر عرض تمنا کر نہیں سکتی تھی ڈرتی تھی
اچانک ہوگیا اس پر مسلط رنگِ شیطانی　　رگوں میں بے حیائی بن کے دوڑا خون حیوانی

☆

کہا سو اونٹ لے لے اور مری جانب توجہ کر　　شراب وصل کی خاطرگری ہوں تیرے قدموں پر
کہاں جاتا ہے آمل کر جوانی کے مزے لوٹیں　　اندھیری رات میں جوشِ نہانی کے مزے لوٹیں
کراہت اور نفرت سے جھٹک کر ہاتھ عورت کا　　زبان سے اس طرح گویا ہوا پتلا شرافت کا
کہ ہٹ جا دُور ہو کرتے نہیں اشراق کام ایسا　　سمجھتا ہوں میں بدتر موت سے فعلِ حرام ایسا☆[۲۵]

کتبِ سیر کے عربی مؤرّخین نے اس واقعے کی تفصیل دی ہے۔ اور فاطمہ اور حضرت عبداللہ کی گفتگو بھی نقل کی ہے۔ چناں چہ فاطمہ مرالخثیمہ جب سو اونٹ کی لالچ دیتی ہے تو حضرت عبداللہ نے جو جواب اسے دیا تھا عربی شعرا نے اسے منظوم کیا ہے، آپ نے کہا تھا:

امام الحرام فالممات دونہ　　والحل لاحل فاسبینہ
فکیف الی المرالذی تبغینہ　　یحم الکریم عرضہ و دینہ

''یعنی فعلِ حرام کے ارتکاب کرنے سے تو مر جانا ہی اچھا ہے۔ حلال کو بے شک میں پسند کرتا ہوں مگر اس کے لیے اعلان ضروری ہے۔ تم مجھے بہکاتی اور پھسلاتی ہو، مگر شریف انسان کو لازم ہے کہ اپنی عزت اور دین کی حفاظت کرے۔''☆[۲۶]

D:NaatRang-15
File: Yahya
Final

اس طرح تاریخِ عرب کا یہ واقعہ جو سیرتِ رسول ﷺ کی روایتوں میں بھی موجود ہے آپ کے نور ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

حفیظ جالندھری نے ''شاہنامۂ اسلام'' جلد اوّل میں ''تذکرۃ الرسول و آیایۂ العدول'' سے ایک اور واقعہ نقل کیا ہے کہ یہودیوں نے سردار عبداللہ بن عبدالمطلب میں علاماتِ نورِ محمدی دیکھی تو آپ کی ہلاکت کا قصد کیا مگر ہمیشہ ناکام رہے۔ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ شکار کے لیے صحرا میں اکیلے نکل گئے تو شیطان نے پانچ یہودیوں کو ورغلایا اور آپ کو ہلاک کرنے کے لیے انھیں جنگل میں جانے کا مشورہ دیا۔ ان لعینوں نے حضرت عبداللہ کو گھیر لیا۔ اتفاق سے اس وقت وہب ابن عبد مناف اسی جنگل میں موجود تھے۔ روایت میں لکھا ہے کہ اس اکیلے نوجوان پر ترس کھا کر وہب نے ان کی مدد کرنی چاہی لیکن آگے بڑھنے میں وہ ناکام رہے۔ اچانک انھوں نے دیکھا کہ آسمان سے چار فرشتے نازل ہوئے اور ان لعینوں کا خاتمہ کر دیا۔ جب لڑائی کا نقشہ ہی بدل گیا تو وہب ابن عبد مناف نے پھر وہاں پہنچنے کا قصد کیا اور قریب پہنچ کر حضرت عبداللہ کو زخمی حالت میں اور پانچوں یہودیوں کو سر بریدہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے۔ انھوں نے حضرت عبداللہ کو اپنے گھر لایا اور اپنے والد عبد مناف کو سارا ماجرا کہہ سنایا۔ حضرت عبداللہ کی جرأت اور پاک دامانی دیکھ کر انھوں نے اپنی بیٹی آمنہ کو آپ سے بیاہ دیا۔ اس واقعے کو حفیظ جالندھری نے مؤثر انداز میں نظم کر دیا ہے۔ چوں کہ یہ واقعہ محض ''نورِ احمدی'' کو عبداللہ میں دیکھنے کی وجہ سے وقوع پذیر ہوا تھا اس لیے اس نور کی مناسبت سے حفیظ نے نوری اصطلاحات ہی کو اشعار میں داخل کیا ہے۔ مثلاً وہ کہتے ہیں:

بہم دولہا دلہن تھے صورت و سیرت میں لاثانی
قسم کھاتی تھی ان کا نام لے کر پاک دامانی
وہ نورِ لم یزل جس کی ضیا تھی روئے انور میں
نظر آنے لگی اس کی جھلک تقدیرِ مادر میں

☆

لیے بیٹھی تھی اب گھر میں امانت اپنے شوہر کی
کہ تھی بطنِ صدف میں روشنی اک پاک گوہر کی

یہاں ''نورلم یزل''، ''ضیا''، ''روئے انوار''، ''روشنی'' وغیرہ الفاظ ''نورِ احمدی'' کی مناسبت سے

لائے گئے ہیں۔ یہ وہی ''نور'' تھا جس کے متعلق حفیظ جالندھری کہتے ہیں:

وہ نورِ احمدی جس سے شرف تھا روئے آدم کو
ہدایت کے لیے تاریکیوں میں پے بہ پے چمکا
جنابِ شیثؑ کا روئے مبارک اس سے روشن تھا
یہی ادریس کی لوحِ جبیں پر جلوہ افگن تھا
جو بن کر روشنی پھر دیدۂ یعقوب میں آیا
جسے یوسف نے اپنے حسن کے نیرنگ میں پایا
سحابِ نور آکر چھا گیا مکہ کی بستی پر
ہوئی پھولوں کی بارش ہر بلندی اور پستی پر
سلام اے ظلِ رحمانی سلام اے نورِ یزدانی
ترا نقشِ قدم ہے زندگی کی لوحِ پیشانی [☆۴۸]

ان مذکورہ مستقل ''نورناموں'' کے علاوہ ہزارہا اشعار اور سیکڑوں نظمیں اردو ادب میں موجود ہیں جن کا احاطہ یہاں ضروری نہیں کیوں کہ اُن پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ ''نورناموں'' کی شکل میں جو مستقل تصانیف اردو میں موجود ہیں ان کی روایتوں اور ان کے ادبی مقام کو پرکھنے کی کوششیں چوں کہ بہت کم ہوئی ہیں اس لیے احقر نے اس مضمون میں ان پر تحقیقی و تنقیدی انداز میں بحث کی ہے اور اس حقیقت کو پیش کرنے کی سعی کی ہے کہ ان شعرا نے روایتوں کا سہارا لے کر ''نورِ احمدی'' کے قوس قزحی رنگوں سے اپنی شاعری کے ایوانوں کو رنگین و نورانی کس طرح بنانے کے جتن کیے ہیں؟ میری دست رس میں جتنے نورنامے آئے ہیں اس مضمون میں ان کا تحقیقی جائزہ ہی لیا گیا ہے۔

مراجع

☆۱۔ مولوی مفتی احمد یار خاں نور اللہ مرقدہ: ''شانِ حبیب الرحمٰن من آیاتِ القرآن''، کراچی طبع پنجم، ص۱۵
☆۲۔ بحوالہ ''محسنِ انسانیت''، مؤلف نعیم صدیقی، دہلی، طبع دوم، ۱۹۶۵ء، ص۸۶
☆۳۔ بحوالہ ''عربی میں نعتیہ کلام'' از عبداللہ عباس ندوی، لکھنؤ، طبع اوّل، ۱۹۷۵ء، ص۶۹
☆۴۔ فخرالدین نظامی: ''کدم راؤ پدم راؤ'' (مرتبہ جمیل جالبی) ص۶۹
☆۵۔ میراں جی شمس العشاق: ''شہادت التحقیق'' بحوالہ مغز مرغوب مرتبہ محمد ہاشم علی، ص۶۴

D:NaatRang-15
File: Yahya
Final

☆۶۔ شیخ بہاؤ الدین باجن: ''خزائن رحمت اللہ'' مخزونہ شیخ فرید مرحوم، بمبئی، ورق ۲۹، الف

☆۷۔ برہان الدین جانم: ''ارشاد نامہ''، ص ۴۵۔۱۴۴

☆۸۔ قلی قطب شاہ: ''کلیاتِ قلی قطب شاہ''، حصہ اوّل، ص ۳۸،

☆۹۔ ایضاً، ص ۱۱

☆۱۰۔ حسینی: ''نورنامہ'' مخطوطہ نمبر ۱۰۵۳۔۶۰، ورق ۲ ب

☆۱۱۔ ڈاکٹر جمیل جالبی: ''تاریخِ ادب اردو''، جلد اوّل، دہلی، ۱۹۷۷ء، ص ۵۱۱

☆۱۲۔ فتاحی: ،،مفید الیقین'' (مخطوطہ) سالار جنگ میوزیم، حیدرآباد، ورق ۶ الف

☆۱۳۔ ایضاً ورق ۶ ب اور ۷ الف

☆۱۴۔ مختار: قصہ مولودنامہ (مخطوطہ) سالار جنگ میوزیم، حیدرآباد، نمبر ۱۰/ ۹۳۷، ورق ۱۰، الف اور ۱۰ ب

☆۱۵۔ عنایت: ''نورنامہ'' (مخطوطہ) ادارۂ ادبیاتِ اردو، حیدرآباد، ورق ۸ الف

☆۱۶۔ ایضاً ۱۰ الف

☆۱۷، ۱۸۔ احمد: ''نورنامہ'' (قلمی) ادارۂ ادبیاتِ اردو، حیدرآباد، ورق ۳ ب، ۴ الف اور ۴ ب

☆۱۹۔ غوثی بیجاپوری: ''قصص الانبیا'' (قلمی) ادارۂ ادبیاتِ اردو، حیدرآباد، ورق ۴ ب

☆۲۰۔ باقر آگاہ: ''ہشت بہشت'' (من دیپک)، (قلمی) ادارۂ ادبیاتِ اردو، حیدرآباد، ورق ۲۴ الف

☆۲۱۔ امیر مینائی: ''نورِ تجلی''، امیر المطابع، حیدرآباد، ۱۹۳۲ء، ص ۱۰

☆۲۲۔ محسن کاکوروی: ''کلیاتِ محسن: مقام و تاریخ''، طبع ندارد، ص ۶۶۔۶۵

☆۲۳۔ ایضاً ص ۷۰۔۶۹

☆۲۴۔ اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلویؒ، ''حدائق بخشش''، حصہ دوم، ص ۴۔۳

☆۲۵۔ حفیظ جالندھری: ''شاہنامۂ اسلام''، جلد اوّل، ص ۷۲

☆۲۶۔ ایضاً، ص ۷۲ فٹ نوٹ

☆۲۷۔ ایضاً ص ۸۱

☆۲۸۔ ایضاً ص ۹۳۔۹۱

ڈاکٹر عاصی کرنالی۔ ملتان

نعت میں سراپا نگاری اور سیرت نگاری

ایک مقام پر مذاکرہ ہوا۔ موضوع تھا ''نعت میں سراپا نگاری کی بجائے سیرت نگاری اختیار کرنی چاہیے۔'' خیال یہ پیش کیا گیا کہ شعرا بالعموم محبوبِ مجازی کے تلازمات استعمال کرتے ہیں۔ پھر حضور ﷺ کا سراپا ہمارے پیشِ نظر نہیں ہے اس لیے اُن کے جمالِ صورت کی بجائے صرف جمالِ سیرت کو موضوعِ نعت بنانا چاہیے۔

مجھے ردِّ عمل کے طور پر یہ مضمون لکھنا پڑ رہا ہے جس میں نعت گوئی کی روایت کا مختصراً جائزہ لیا گیا ہے اور شعرائے ماضی کی اس سلسلے میں روش کا ذکر کیا گیا ہے۔

قارئینِ کرام! ہماری نعت کی اساس اور تمام سرمایۂ احساس و اظہار یہی ہے یعنی حضور ﷺ کے جمالِ صورت اور جمالِ سیرت کا ذکر و بیاں۔ باقی تمام متعلقات اسی آئینۂ جمال کے مظاہر ہیں۔

پہلا سوال یہ ذہن میں آتا ہے کہ نعت کب سے ہے؟ اس کا صحیح اور مکمل جواب یہی ہے کہ نعت کب سے نہیں ہے۔ وہ زمانے جو تاریخ کی دسترس میں نہیں ہیں اُن میں:

ایک ہی نام تھا لاہوت کی تختی پہ رقم
ایک ہی ذات تھی امکانِ بقا سے پہلے
اُس خموشی میں بھی پڑھتے تھے زمانے صلوٰۃ
وہ جو صدیوں کی خموشی تھی صدا سے پہلے
(ع ک)

پھر وہ زمانہ جو تاریخ کی گرفت میں اِس ذاتِ قدسی کے ذکر و نعت سے معمور و پُرنور ہے اور

رہے گا:

کب ترا عہدِ نبوت کفِ ایام میں ہے
ازل آغاز میں ہے اور ابد انجام میں ہے
(ع ک)

تمام آسمانی کتابیں اس ذکرِ جمیل سے مزین ہیں اور پیش گوئیوں اور بشارتوں سے آراستہ ہیں۔ اسی طرح ہندومت، بدھ مت، زرتشتی مذہب اور عیسائیت کی معروف کتب میں حضورﷺ کی بعثت وظہور کی ایسی روشن علامات ہیں جن سے حضورﷺ کے اخلاقِ حمیدہ اور اوصافِ حسنہ تجلی ریز ہوتے ہیں۔ رہی قرآن کی بات:

قرآن ہے قصیدہ رسالت مآب کا
ایک ایک لفظ بول رہا ہے کتاب کا
(ع ک)

قرآن حضورﷺ کے حسن و جمال کی مدحت کا آئینہ دار اور حضورﷺ کے فضائل و احکامِ اخلاق کے ساتھ ساتھ حضورﷺ کی تعلیمات وتبلیغات کے ذکر سے پُر ہے۔ وہ سراجِ منیر ہیں۔ معلمِ کتاب وحکمت ہیں۔ ہادیٔ کل انسانیت ہیں۔ اُن کی اطاعت ہی سے خدا کی اطاعت منسلک ہے۔ وہی رحمۃ للعالمین اور شافع المذنبین ہیں۔ اُنھی کی محبت و اطاعت میں ہمارے لیے غلبہ وظفرمندی ہے۔

عرب شعرا کی نعت گوئی میں (عہدِ جاہلیت کے حوالے سے) اپنے قبیلے کے فخریہ کارنامے، حریف قبائل پر طعن وتشنیع، حسنِ سلوک، وفائے عہد، سخاوت، مہمان نوازی، شجاعت، عشق ومحبت کے معاملات، اونٹ، گھوڑے اور تلوار کی توصیف کا ذکر نمایاں تھا۔ ذہن میں رکھیے کہ اُس وقت لفظ ''نعت'' اسلام میں مروّج اصطلاحی مفہوم نہیں رکھتا تھا۔ یعنی توصیفِ رسول ﷺ کا تصور نہ تھا۔ جب شعرائے عرب نے اسلام قبول کیا تو اُن کی نعت گوئی توصیفِ رسالت مآبﷺ سے متعلق ومخصوص ہوگئی۔ اُس وقت اسلام کو کفر وشرک کے مقابلے میں اپنا دفاع مقصود تھا اس لیے عہدِ نبوت کی نعت کو ہم ''لسانی جہاد'' سے تعبیر کرسکتے ہیں جس میں حضورﷺ کی بعثت وظہور کے مقاصد کی تبلیغ اور کفر وشرک کا بطلان مقصود تھا۔ عرب کی نعت گوئی میں حضورﷺ کی سراپا نگاری کی وہ روش نظر نہیں آتی جو بعد میں ایرانی نعت کے لوازمات میں شامل ہوئی۔ البتہ

جمالِ صورت کی کرنوں سے اوراقِ نعت کو زینت بخشنے کا عمل جاری ہے۔ زیادہ تر عربی نعت میں حضورﷺ کی سیرتِ اقدس اور اسوۂ کامل کا ذکر تبلیغی نقطۂ نظر سے موجود ہے لیکن ایسے اشعار کی تہ سے بھی جمالِ صورت کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں، مثلاً حسان بن ثابتؓ:

ترجمہ: یارسول اللہ میری آنکھ نے آپ سا حسین وجمیل اور کوئی نہیں دیکھا کیوں کہ آپ سا حسین وجمیل کسی ماں نے جنا ہی نہیں۔ آپ تو ہر عیب سے پاک پیدا کیے گئے گویا آپ ایسے پیدا کیے گئے جیسا کہ آپ خود چاہتے تھے۔

حسانؓ کا ایک اور شعر: اُن کی عزت و شان دکھانے کے لیے اللہ نے اُن کا نام خود اپنے نام سے مشتق کیا ہے۔ پس صاحبِ عرش محمود ہے تو آپ محمدﷺ ہیں۔

اس مضمون کو ہمارے عہد کے ایک شاعر سیّد قمر زیدی نے اس طرح بیان کیا ہے:

اسی اک لفظ میں زیدی مکمل نعت پنہاں ہے
محمدﷺ کہہ کے کچھ کہنے کی گنجائش نہیں رہتی

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ جو شاعرِ دربارِ رسالت اور کاتبِ وحی ہیں، کہتے ہیں:

ترجمہ: اگر اُن کی نبوت کے لیے کھلی نشانیاں نہ بھی ہوتیں تب بھی اُن کی صورت رسالت کی خبر دینے کے لیے کافی تھی۔

حضرت کعب بن زہیر: ''بے شک رسول اللہﷺ وہ نور ہیں جن سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ وہ اللہ کی تلواروں میں سے کھنچی ہوئی ایک تلوار ہیں۔''

ساتویں صدی میں امام بوصیری کا قصیدہ بردہ جو ۱۶۵/ اشعار پر مشتمل ہے اور اس کی شہرت ومقبولیت کی کوئی حد و انتہا نہیں، اس کے دو اشعار کا ترجمہ:

سبحان اللہ آپ کی شکل وصورت کیا ہی خوب ہے جسے حسنِ سیرت نے زینت بخشی ہے۔ یہ حسن پر مشتمل اور تازہ روئی و خندہ پیشانی سے موسوم ہے۔ آپ جب بات کرتے یا مسکراتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ آپ کا دہن اور لب دو، کانیں ہیں جن میں دُرہائے دنداں یوں پنہاں ہیں جیسے صدف میں اچھوتے موتی۔

الغرض نعتِ عربی حضورﷺ کے حسنِ صورت و حسنِ سیرت کی تجلیات و مظاہر سے

پُر دامن ہے... فارسی نعت کے نہایت مختصر بیان کے آغاز میں سعدی کا وہ عربی قطعہ لکھتا ہوں جو پیکرِ نعت و ثنا کی جبیں پر ہمیشہ تاجِ فضیلت کے طور پر جگمگاتا رہے گا:

بلغ العلیٰ بکماله کشف الدجیٰ بجماله

حسنت جمیع خصاله صلو علیه و آله

ان اشعار میں دونوں پہلو موجود ہیں۔ جمالِ صورت جس سے تاریکیاں چھٹ گئیں اور جمالِ سیرت (خصالہ) جو تمام اخلاقِ جمیلہ کا مجموعہ ہے۔ ہمارے عہد کے ایک شاعر محشر بدایونی نے اس مناسبت سے کیا اچھا اردو شعر کہا ہے:

اس کو کہتے ہیں تکمیلِ انسانیت

ساری اچھائیاں ایک انسان میں

فارسی کی شعری کتب کو دیکھیے۔ ہر حمد کے بعد بالعموم نعت موجود ہے یا ہر باب کا آغاز حمد و نعت سے ہے اسی طرح اپنے قصے یا داستان کے درمیان جہاں چاہتے ہیں، حمد و نعت کے اشعار لے آتے ہیں۔ نعت سے متعلق سارے ہی مضامین سے فارسی شاعری کا چمن پُر گل ہے۔ سراپا نگاری اور سیرت نگاری کا تلازمہ جابجا نظر آتا ہے۔ فارسی میں ابتدا میں غزل نہ تھی، قصیدہ تھا۔ اُس کی ابتدا لازماً حمد و نعت سے ہوتی تھی۔ جب غزل وجود میں آئی تو مطلع اور حسنِ مطلع میں حمد و نعت کے مضامین آتے تھے یا غزل کے درمیان یہ برکت شامل ہوجاتی تھی۔ فارسی میں زیادہ تر مثنویوں کا رواج رہا۔ کوئی مثنوی کسی موضوع پر ہوتی، اخلاقی، صوفیانہ، فلسفیانہ، تاریخی، عشقیہ وغیرہ۔ سب میں حمد و نعت جلوہ گر ہوتی۔ بعد میں جب نعتیہ مثنویاں تخلیق ہوئیں تو مدح و ثنائے رسول کے چمن در چمن اپنی بہا آفرینیاں دکھلانے لگے۔ دو چار مثالوں پر اکتفا کروں گا:

سنائی: گر ملک دیو شد گہ آدم دیو در عہدِ او ملک شدہم

تا بخشر ای دل از ثنا گفتی ہم گفتی چو مصطفیٰ گفتی

عطار: حق چو دید آں نورِ مطلق در حضور آ فرید آم نورِ او صد بحرِ نور

آفرینش را جز او مقصود نیست پاکدامن ترازو موجود نیست

نظامی (خمسہ نظامی کی شہرت) ۲۸ ہزار اشعار پر مشتمل:

(مخزن الاسرار سے): اے مدنی برقع و مکی نقاب سایہ نشیں چند بود آفتاب

سعدی: خلاف پیمبر کس رہ گزید کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

پندار سعدی کہ راہِ صفا توان رفت جز در پئے مصطفیٰ

امیر خسرو: آفاق ہا گردیدہ ام، مہر بتاں ورزیدہ ام بسیار خوباں دیدہ ام، اما تو چیز دیگری

جامی: نسیما جانبِ بطحا گزر کن ز احوالم محمد ﷺ را خبر کن

غلام حسن شہید ملتانی: (وفات ۱۲۶۵ھ) کا حوالہ ضروری ہے جن کے فارسی دیوان کے نعتیہ حصے میں سراپا نگاری ہے، مثلاً ''اُن کی پیشانی دیباچۂ مصحفِ جمال ہے۔ اُن کے طرۂ گیسو کے ہر بال میں ہزاروں دل اسیر ہیں۔

اُن کے لب ہائے شیریں سے دنداں یوں جھلکارتے ہیں جیسے شفق سے پرویں۔ اُن کا سینہ وہ آئینۂ باصفا ہے۔ جو غبارِ کینہ سے صاف ہے۔''

اردو نعت گوئی پر بالواسطہ عربی نعت کا اور براہِ راست فارسی نعت کا اثر ہے۔ فارسی نعت کی پوری روایت کو ہم نے اختیار کیا۔ البتہ ہماری تخلیقی انفرادیت اور امتیاز باقی رہا۔ فارسی نعت کا طرزِ احساس، اسلوبِ اظہار، اوزان و بحور، اصناف، ہیئتیں ہمارے یہاں در آئیں۔ اگرچہ ہمارے یہاں جس علاقے میں نعت پروان چڑھی وہاں کا مقامی رنگ بھی نعت میں شامل رہا۔ فارسی ہی کی طرح نعت ہمارے یہاں ذاتی محسوسات اور اجتماعی احوال و مسائل کی آئینہ دار ہے۔ ذاتی یا شخصی نعت میں ہجر و فراق آرزوئے حاضری وحضوری اور عشق وعقیدت کے جذبوں کا اظہار ہے جب کہ اجتماعی نعت کے کینوس میں ہم دوسروں کی کیفیات بھی بیان کرتے ہیں۔ فارسی ہی کی طرح قصیدہ، غزل، مثنوی، رباعی، قطعہ، نظم کی مختلف صورتیں اور بعد میں دوہے، ماہیا، ہائیکو، سانیٹ کے ہیئتی انداز ہمارے یہاں موجود ہیں۔ حضور ﷺ کے میلادنامے، معراج نامے، شمائل نامے، معجزات نامے، غزوات نامے، وفات نامے وغیرہ فارسی ہی کی تقلید ہیں۔

جب ہم برصغیر میں طویل عہدِ حکومت کے بعد غلامی میں مبتلا ہوئے اور سیاسی، اخلاقی اور تاریخی زوال کی گرفت میں آئے تو اردو نعت میں استغاثہ، فریاد اور آشوبِ اُمت کے عناصر شامل ہوئے یا جب قوم تحریکِ آزادی اور تشکیلِ پاکستان کے ابتدائی دور میں ناہموار حالات سے گزری تو حضور ﷺ سے استمداد کا جذبہ اور غالب آیا۔ ان خصوصیات کے ساتھ ساتھ ہماری نعت حضور ﷺ کے فضائلِ اخلاق، حضور ﷺ کے مرتبہ و مقاصدِ نبوت، حضور ﷺ کی تعلیمات، ارشادات اور احکامات کی مبلغ رہی اور حضور ﷺ کی محبت اور اطاعت کے خیالات کے مظہر رہی۔ اس تنوع کاری کے باوجود ہر عہد میں اور ہر علاقے میں نعت واضح طور پر دو بنیادی اور مرکزی

موضوعات سے وابستہ رہی یعنی سراپا نگاری اور سیرت نگاری۔

اس محل پر یہ امر واضح کرنا ضروری ہے کہ حضور ﷺ جمالِ صورت کے ارفع مقام پر ہیں اور انھی کے ظہورِ جمال کی آئینہ دار تمام کائنات ہے۔ کشف الدجیٰ بجمالہ کے مصداق حضور ﷺ کے جمالِ صورت کا ذکر و توصیف ہمارے عشق و عقیدت کا اساسی تقاضا ہے۔ البتہ اس سلسلے میں نہایت احتیاط و ادب لازمی ہے کہ حضور ﷺ کی توصیفِ جمالِ صورت میں یہ خیال رکھا جائے کہ یہ عام چشم و لب، رُخ و گیسو اور قد و قامت کا ذکر نہیں ہے بلکہ محبوبِ خدا کے جمالِ مقدس کا ذکرِ جمیل ہے۔ اتفاق یہ ہے کہ ہمارے بہت سے نعت گو شعرا ابتدا میں غزل کہتے رہے، پھر نعت کی طرف آئے تو وہ مجازی تلازمات اور ساز و سامان دیر تک اُن کی فکر و اظہار میں رچا بسا رہا۔ اس لیے نہایت ادب و احتیاط و شعور و ہوش مندی درکار ہے۔

اب ہم اردو نعتیہ شاعری سے چند مثالیں درج کریں گے جو ہمارے یہاں سراپا نگاری اور سیرت نگاری کی روایت کے تسلسل کا مظہر ہیں:

جمالِ صورت

واللیل تیرے گیسوئے مشکیں کی ہے ثنا — والشمس ہے تری رُخِ پُرنور کی قسم

(بہادر شاہ ظفر)

منظور تھی یہ شکل تجلی کو نور کی — قسمت کھلی ترے قد و رُخ سے ظہور کی

(غالب)

وصف جب گلزار میں چشمِ مبارک کا کیا — خواب آنکھوں سے اُڑا یا نرگسِ بیمار کا

(لطف بریلوی)

کافیؔ کشتۂ دیدار کو زندہ کرتے — لبِ اعجاز اگر آپ ہلاتے جاتے

(کفایت علی کافی)

نہیں ممکن چلے بے آپ کے ایجاد کی ابجد
کہ اس میں پہلے بسم اللہ الف ہے آپ کے قد کا
(حافظ پیلی بھیتی)

ہر نخلِ بیابانِ عرب مجھ کو ہے طوبیٰ — ہوں شیفتۂ قامتِ دل جوئے محمد ﷺ

(کرامت علی شہیدی)

اے زنخدانِ نبی ﷺ آئی ہے کنعاں سے خبر		چاہ میں ڈوب گیا چاہنے والا تیرا
(بیان و یزدانی میرٹھی)

لکھا جو وصفِ گیسوئے پیچانِ مصطفیٰ ﷺ		کچھ مغفرت میں بل جو رہا تھا نکل گیا
(امیر مینائی)

وصفِ ابرو میں کوئی بیت لکھوں بسم اللہ		چل کے محرابِ عبادت میں جھکاؤں گردن
(محسن)

موتی دندانِ مبارک کی چمک کے صدقے		لبِ رنگیں پہ ہے قربان عقیقِ یمنی
(بیدم وارثی)

ادائے دید سراپا نیاز تھی تیری		کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری
نظم ''بلال'' سے (اقبال)

جمالِ سیرت

پایا آدم نے ہے اُسی سے شرف		تاجِ فرقِ پیمبرانِ سلف
(شوق لکھنوی)

وہ خاتمِ مرسلیں محمد ﷺ		جس نے ہمیں شرک سے بچایا
(مومن)

تمھی ہو رونقِ ہر دوسرا خاص		تمھی ہو زینتِ ارض و سما خاص
(لطف بریلوی)

ذات آپ کی رحمت و شفقت ہے سر بسر		میں گرچہ ہوں تمام خطاوار یارسول ﷺ
(مہاجر مکی)

اب کہاں آفاق میں تاریکیٔ کفر و ضلال		نورِ حق خورشیدِ ربّ العالمیں پیدا ہوا
(امیر مینائی)

مہرِ توحید کی ضو، اوجِ شرف کا مہِ نو		شمعِ ایجاد کی لو، بزمِ رسالت کا کنول
(محسن)

اُٹھا ہدایت کو تو عین ضرورت کے وقت		جیسے کہ ہنگامِ قحط قبلے سے اُٹھے گھٹا
(حالی)

D:NaatRang-15
File: Aasi Kimali
Final

مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا سلام جو ۱۶۸ر اشعار پر مشتمل ہے، سراپا نگاری اور سیرت نگاری کے حوالے سے ایک جامع اور مکمل تخلیق ہے۔ اس سلام سے دونوں پہلو ملاحظہ کیجیے: (بالاختصار)

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام — شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام
خلق کے داد رس، سب کے فریاد رس — کہفِ روزِ مصیبت پہ لاکھوں سلام
وہ کرم کی گھٹا گیسوئے مشک سا — لکۂ ابرِ رافت پہ لاکھوں سلام
دُور و نزدیک کے سننے والے وہ کان — کانِ لعلِ کرامت پہ لاکھوں سلام
نیچی آنکھوں کی شرم و حیا پر درود — اونچی بینی کی رفعت پہ لاکھوں سلام
پتلی پتلی گلِ قدس کی پتیاں — اُن لبوں کی نزاکت پہ لاکھوں سلام
وہ زباں جس کو سب کُن کی کنجی کہیں — اُس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

الغرض اُن کی ہر مُو پہ لاکھوں درود
اُن کی ہر خو و خصلت پہ لاکھوں سلام

آج کی نعت اور مستقبل کی نعت ممکنات کے عہد سے گزر رہی ہے۔ عالمی تناظر، عصری مسائل و احوال اور سائنسی حقائق کے اثرات کے تحت اُس میں سراپا نگاری کا عنصر نسبتاً کم ہوتا جا رہا ہے (اس کے باوجود یہ زمزمہ ہائے عشق و عقیدت سدا جاری رہیں گے) تاہم حضور ﷺ کی سیرت نگاری کے اجزا و عوامل میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اب رجحان یہ ہے کہ حضور ﷺ کو پیغمبرِ اسلام ہی نہیں، پیغمبرِ انسانیت کے طور پر پیش کیا جائے اور اُمتِ مسلمہ کے غلب و ظفرمندی اور عالمی امن و آسودگی کے لیے اُن کی سیرتِ مقدسہ اور تعلیماتِ ہدایت کی زیادہ سے زیادہ تبلیغ کی جائے۔ حضور ﷺ کی ذات کے مرکز سے وابستگی اور اُن سے محبت و اطاعت کے مضامین کو عام کیا جائے تا کہ تمام عالمِ انسانیت اُن کے دامانِ رحمت میں سما جائے:

مرا پیام ہے ہر قوم کو، ہر اُمت کو — مرے حضور ﷺ کے در تک ضرور آ جائے
مدارِ امن محمد ﷺ ہیں اور کوئی نہیں — بس اتنا نوعِ بشر کو شعور آ جائے
(عاصی کرنالی)

راجا رشید محمود۔لاہور

منظوم سراپائے حضور ﷺ

جن بھی بخت افراد نے ایمان کی آنکھ آقا سے حضور ﷺ کو دیکھا، وہ صحابیؓ کہلائے، ہدایت کے ستارے ٹھہرے۔ صرف صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہی کو یہ شرف حاصل ہوا کہ انھوں نے حضور حبیبِ کبریا علیہ التحیۃ والثنا کا سراپا مبارک دیکھا۔ مگر یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ بہت کم اصحاب نے سراپا کے کچھ نکات بیان فرمائے۔ اس سلسلے میں حضرت برا بن عازب، حضرت انس بن مالک، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت حسن مجتبیٰ، ہند بن ابی ہالہ اور اُمِ معبد (رضی اللہ عنہم) ہی کی روایات ملتی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کا سبب وفورِ عقیدت و ارادت تھا۔ ماں کو بیٹا سب سے زیادہ دیکھتا ہے لیکن کوئی اولاد ماں کا حلیہ بیان نہیں کر سکتی۔

ہے محبت سے زیادہ یہ عقیدت کا اثر
ماں کا حلیہ کر نہیں سکتا کوئی بیٹا بیاں
تھی صحابہؓ کو عقیدت ماؤں سے بھی جب فزوں
پھر سراپا کس سے ہوتا میرے آقا ﷺ کا بیان
(ر۔ر۔م)

حضرت عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ سے جب اس باب میں استفسار کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ میں تو حضور پُرنور ﷺ کی طرف نظر بھر کر دیکھ ہی نہیں سکتا تھا، حلیہ کیسے بیان کر سکتا ہوں۔

D:NaatRang5
File:Raja
Final

عمرو ابن العاصؓ نے یوں اپنے بیٹے سے کہا
مجھ سے مت پوچھے کوئی حلیہ مرے سرکار ﷺ کا

مجھ سے ممکن ہی نہیں، اس باب میں کچھ کہہ سکوں
میں نظر بھر کر انھیں تو دیکھ ہی سکتا نہ تھا
(ر۔ر۔م)

اسی لیے راقم نے ماہنامہ ''نعت'' لاہور کے اکتوبر ۱۹۹۲ء کے شمارے (''سراپائے سرکار ﷺ'' حصہ دوم) کے اداریے میں لکھا:

''وہ سراپا نور ہیں
نورِ یقیں، نورِ خدا

اور،

سایۂ قدِ دلآویز و دلآرا و حسیں
ڈھونڈتی پائی گئی چشمِ فلک
لیکن نہ پایا آج تک
دیکھا قدِ دل جوئے شہ ﷺ جن جاں نثار اصحابؓ نے
وہ جو کہ تھے
اربابِ علم و دانش و تقویٰ و فہم
ان کی نظر
اُٹھتی نہیں دیکھی کسی نے بے محابا چہرۂ نوریں کی سمت
جوشِ اُلفت تھا مگر حسنِ عقیدت کی نظر کب لینے دیتی جائزہ
تفصیل سے سرکار ﷺ کا
بس اس لیے کہ ہیں فقط دو چار چھے باتیں بیاں
حسنِ سراپا رسول اللہ ﷺ کی
(اُن پر مرے ماں باپ، مال، اولاد، جاں، سب کچھ فدا)
جزئیات میں جانا کسی کے واسطے ممکن نہ تھا
اصحابِ سرکارِ جہاں ﷺ صد مرحبا!
جوشِ عقیدت حبذا!''

ظاہری آنکھوں سے دیکھنے والوں کی تو یہ کیفیت رہی لیکن محبت کے ساتھ فکر و فن کی

آنکھوں سے دیکھنے والوں نے اس موضوع پر قلم اُٹھایا ہے۔ اسی حوالے سے راقم نے عرض کیا تھا:

بن رواحہؓ، حضرتِ حسانؓ اور ابنِ زہیرؓ
حلیۂ آقا و مولاﷺ کو نہ کر پائے بیاں
شعر کے پردے میں کہتے ہیں سراپائے نبیﷺ
وہ جنھیں حاصل نہیں دیدارِ سرکارِ جہاںﷺ

اپنی اس محرومی کا ازالہ بہت سے شعرا نے چشمِ تخیل سے کیا ہے اور قرطاس وقلم کے ذریعے اسے اَن مٹ کر دیا ہے۔ محمد امین الدین قیصر یحیائی کہتے ہیں:

یوسفِ مصر کو سکتہ ہے، کھڑے ہیں حیراں
ہیں مسیحا مری جانب بہ تحیر نگراں
محوِ حیرت ہیں، یہی کرتے ہیں آپس میں بیاں
کسی کی تعریف کی ہے دھوم، یہ کیا ہے ساماں
کون ہے، کس کے سراپا کا بیاں ہوتا ہے
دیکھیں، کب حسنِ خداداد عیاں ہوتا ہے

اس تعلّی کے ساتھ محمد ابراہیم آزاد بیکانیری کی فکر کا رُخ دیکھیے:

لکھنے بیٹھا تو ہوں حضرتﷺ کا سراپا لیکن
فکر کے سانچے میں ہے نور کا ڈھلنا مشکل

محسن کاکوروی کی تصویر کشی بھی دیدنی ہے:

کیوں نہ سو جاں سے ہو گلزارِ بہارِ معنی محوِ رنگینیٔ تصویر سراپائے نبیﷺ
یہ وہ صورت ہے کہ دیکھی نہ سنی ایسی کبھی تھی یہی شکلِ مقدس کہ ازل میں جو کھنچی
ناز سے خامۂ قدرت نے کہا، واہ رے میں!
اور تصویر یہ بول اُٹھی کہ اللہ رے میں!
کیسی تصویر، جسے کھینچ کے نقاش ازل خود لگا کہنے کہ ہر وصف میں ہے تو افضل
تیری صورت سے کھلے معنیٔ ما قل و دل انبیا شرحِ مفصل ہیں، تو متنِ مجمل
تو ہے خورشید، ترے سامنے انجم ہیں نبیؐ
تو ہے شمّۂ تصور میں تو سب ہیں قطبی

D:NaatRang15
File:Raja
Final

قامتِ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی مدحت کا انداز ملاحظہ کیجیے:

قامت تھا یا الف احدیت کے واسطے — یا سرو ناز باغِ شفاعت کے واسطے
قامت الف تھا قلبِ عبادت کے واسطے — قامت بنا تھا ان کا اقامت کے واسطے

جب قد و قامت ان کا عیاں قبلہ رُو ہوا
قد قامتِ الصلوٰۃ کا غل چارسُو ہوا
(خواجہ دل محمد)

وہ حشر بپا قامتِ رعنا کہ جسے
دیکھے تو قیامت کی بدل جائے چال
(حشمت یوسفی)

حضور سرورِ کونین ﷺ کے قدومِ میمنت لزوم کا ذکر دیکھیے:

بزرگی اس کفِ پا میں عیاں تھی — نمایاں دونوں قدموں میں بزرگی
کفِ پا میں سماتی تھی یہ خوبی — کہ رہتی تھی زمیں پر سے وہ اونچی
جدا رہتے زمیں سے یوں کفِ پا — کہ پانی اس کے نیچے سے گزرتا
زمیں پر جب خراماں آپ ﷺ جاتے — قدم کو آپ ﷺ برکندہ اُٹھاتے
(کفایت علی کافی شہیدؒ)

کلامِ احمد رضا بریلوی میں زبان و دہن کا ذکر یوں ملتا ہے:

پتلی پتلی گلِ قدس کی پتیاں — ان لبوں کی نزاکت پہ لاکھوں سلام
وہ دہن جس کی ہر بات وحیٔ خدا — چشمۂ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام
جس کے پانی سے شاداب جان و جناں — اس دہن کی طراوت پہ لاکھوں سلام
جس سے کھاری کنویں شیرۂ جاں بنے — اس زُلالِ حلاوت پہ لاکھوں سلام
وہ زباں جس کو سب کُن کی کنجی کہیں — اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام
اس کی پیاری فصاحت پہ بے حد درود — اس کی دل کش بلاغت پہ لاکھوں سلام
اس کی باتوں کی لذت پہ لاکھوں درود — اس کے خطبے کی ہیبت پہ لاکھوں سلام

چشمانِ رسولِ انام (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی جھلک یوں بھی دکھائی گئی:

مکحل سرمۂ "مازاغ" سے تھیں آنکھیں حضرت ﷺ کی
ضیائے چشمِ موسیٰؑ نور تھا چشمِ مبصر کا

مضامیں چشم کے کر درودِ پاک پڑھتا ہوں
گماں ہے صاد پر صل علیٰ کے، نرگسِ تر کا
(سخاوت حسین تسخیر بدایونی)

وہ خوش وضع آنکھیں بڑی تابدار گھنی لمبی پلکیں تھیں جن پر نثار
محبت کی آنکھوں سے پیدا جھلک جلالت کی آنکھوں پہ شیدا چمک
بسا ایسا ''مازاغ'' کا ان میں نور کہ ہوتا تھا ''بی یبصر'' کا ظہور
(شمس الحق بخاری)

معصوم تھیں، شکیل تھیں آنکھیں حضور ﷺ کی
انصاف کی دلیل تھیں آنکھیں حضور ﷺ کی
ہاں، رحمتوں کی جھیل تھیں آنکھیں حضور ﷺ کی
دنیا کو جو شعور کا رستہ دکھا گئیں
انساں کو جو رحیم کا جلوہ دکھا گئیں
(انجم یوسفی)

ہیں پپوٹے غلافِ قرآنی پاسبانِ درِ بقا کہیے
ان کی پلکوں کو نور کی کرنیں اور آنکھیں کو حق نما کہیے
نورِ ذاتِ خدا کے دو جھرنے ہیں وہ عینینِ مصطفیٰ ﷺ کہیے
مردمِ شرگیں کو حسن افزا اور ڈورے کو باحیا کہیے
جن کی بیمار نرگسِ شہلا
ایسی آنکھوں کو اور کیا کہیے
(افضال احمد انور)

ابروئے مبارک کا تذکرہ سیّد شاہ ابراہیم عفو کی مثنوی میں یوں ملتا ہے:

ابرو سے ہے آبروئے دارین ابرو کا ہے وصف قاب قوسین
محرابِ حرم ہے طاقِ ابرو لازم ہے طوافِ کعبۂ رُو
ہے ابرو خسروِ مدینہ مسجودِ ساجدِ ثلاثہ
یا ہے خم سجدہ گاہِ تسلیم
محرابِ حریمِ عز و تکریم

D:NaatRang15
File:Raja
Final

حضور سرورِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کی منور پیشانی کے حوالے سے محمد اکرم رضا کے دو شعر ہیں:

آپ ﷺ کی لوحِ جبیں ہے لوحِ محفوظِ ازل
ٹل نہیں سکتا کسی صورت بھی کہنا آپ ﷺ کا
آپ کی پیشانئ انور جمالِ زندگی
ہے زمین و آسماں میں بول بالا آپ ﷺ کا

ابوالغیث کے فارسی سراپا کا اردو ترجمہ غلام دستگیر نامی نے کیا۔ اس میں موئے مبارک کا بیان یوں ملتا ہے:

سرورِ عالم ﷺ کے سر میں بال دس ہی تھے سفید
سات باقی آپ ﷺ کی ڈاڑھی میں تھے اے پارسا
چار گیسو اپنے بالوں کے بناتے تھے کبھی
کان باہر کرتے دو، دو میں سے وہ کانِ سخا
چھوڑتے تھے بال کندھوں تک بھی وہ اپنے کبھی
اور گردن تھی چمکتی جس طرح شمس الضحیٰ
بال تھے مضبوط، سیدھے، ٹوٹنے سے تھے بری
راست بالکل بھی نہ تھے، ان پر مری جاں ہو فدا

گیسوئے سرکار ﷺ کی شان عزیز جنگ وؔلا یوں بیان کرتے ہیں:

شمائل کیا بیاں ہوں اے وؔلا گیسوئے سرور ﷺ کے
بہت کالے تھے گیسوئے مبارک آپ ﷺ کے سر کے
مثنیٰ تھے سراپا مو بہ مو زلفِ معنبر کے
نہ چھوٹے تھے نہ پیچیدہ بہت گیسو پیمبر ﷺ کے

عجم کے بال ہیں چھوٹے، عرب کے نال پیچیدہ
یہ ان دونوں میں چیدہ حسنِ آویزش میں سنجیدہ

یہاں تعمیم گیسو میں ہیں داخل سب مقدس مو
خط و ریش و بروت و زلف و مژگاں کاکل و ابرو

مگر ہم کو سرِ اقدس کے ہاں مقصود ہیں گیسو
سراسر جو تھے نرم اور صاف ستھرے، عنبریں خوشبو
اُتر آتے تھے یہ گیسو کبھی گردن سے شانوں تک
کبھی رہتے تھے یہ اس سرورِ عالم ﷺ کے کانوں تک

موضوع پر بعض دیگر شعرائے اردو کے چند اشعار بھی ملاحظہ فرمائیے:

جنت نظر وہ قامتِ موزوں و دل نشیں
عالم شکار وہ نگہِ چشمِ سرمگیں
اک شاہ کار خلق، پسندیدہ خو، متیں
خود اعتماد و سیّد و مخدوم و پُر یقیں
یوں اپنے ساتھیوں میں نمایاں فلک مآب
ہو جس طرح ستاروں کی جھرمٹ میں ماہتاب
(محشر رسول نگری)

میانہ قد، سُبک رفتار، صورت نور کا پیکر
بہت مضبوط، بے حد دل رُبا اور خوش نما اعضا
نہ فربہ اور نہ دُبلا جسم، دل کش نقرئی رنگت
کشادہ سینہ، ہلکی پنڈلیاں، پُرگوشت دست و پا
بڑا سر، بال قدرے گھنگھریالے کان تک لمبے
گھنی ریشِ مبارک روئے زیبا ماہِ دو ہفتہ
سیاہ و سرمگیں آنکھیں، بڑی پلکیں گھنے ابرو
تبسم زیرِ لب، دندانِ اقدس گوہرِ یکتا
(برکت علی شمیم)

ہر قدم تمہیدِ امن و آشتی نقشِ پا سر رشتہ دارِ آگہی
ہاتھ تصویرِ عصائے موسوی اور ہتھیلی مثنویٔ معنوی
آئنہ تمثال عارض کے کنول خود سوادِ چشم تنویرِ ازل
(کاوش بدری)

D:NaatRang15
File:Raja
Final

سکوں کا منظر وہ روئے انور، سحاب لطف و کرم سراسر
پسینہ صد رشکِ عود و عنبر، جلال تمکیں وہ قدِ بالا
شفیق آنکھیں، شفیق نظریں، دراز پلکیں، دراز زلفیں
کسی کی نظریں نہ رُخ پہ ٹھہریں، وہ رعب و داب حضورِ والا ﷺ
(ع س مسلم)

دندانِ پاک سے ہیں دمکتے گہر بھی ماند
اور لب خراجِ لعلِ بدخشاں لیے ہوئے
دل نورِ معرفت کا خزینہ بنا ہوا
سینہ تجلّیات کا طوفاں لیے ہوئے
(فیاض احمد کاوش)

رفتار پہ قرباں دورِ جہاں گفتار سے کوثر جائے چھلک
اندازِ جبیں اک نورِ حسیں قرآن کی آیت نوک پلک
مکھڑے پہ شفق انداز غنا
قدرت کو لبھائے جس کی ڈلک
(شیر افضل جعفری)

میرے سامنے اس وقت حضور اکرم ﷺ کا ایک نایاب سراپا ہے۔ شاعر منشی احسان علی فصیح ہیں۔ تیس صفحات کا یہ سراپائے حضور ﷺ ہسٹنگس پریس، بارہ بنکی (بھارت) سے چھپا۔ یہ مسدس کے ۸۳ بندوں پر مشتمل ہے۔ میرے پاس جو نسخہ ہے، ڈاکٹر آف سائنس حکیم محمود احمد برکاتی (کراچی) کا عطا کردہ ہے۔ پہلے آٹھ صفحات غائب ہیں۔ صفحہ ۹ سے بند نمبر ۲۱ شروع ہوتا ہے۔ آخر میں محمد یوسف منصرم مطبع کی طرف سے اشتہار چھپا ہے جس میں شاعر کے نام کے ساتھ ''قدیم رئیس باریاست قصبہ فتح پور ضلع بارہ بنکی'' تحریر ہے۔ اندر کے ایک صفحے پر ''غلط نامہ'' چھپا ہے۔

سرکارِ ابد قرار ﷺ کے گیسوئے مبارک کی تعریف میں احسان علی فصیح کہتے ہیں:

گو شانہ وار ہاتھ بھی شانہ سے ہو وے شل شانہ سے بھی نکل نہ سکے اس کا ایک بل
اللہ ری دست کاریٔ مشاطۂ ازل کیسی بنائی زلف یہ پُر پیچ و بے بدل

اطلاقِ زلف جس پہ سرِ مو نہ ہوسکے
گیسو ہے، پر تیقنِ گیسو نہ ہوسکے
(بندنمبر۲۱)

قرآں میں رُوئے شاہ ﷺ کی یہ زلف دوستو اعراب ہے تو پیش ہے مصحف کی میم کو
اور وقف میم ہے اگر اوقاف میں گنو اور سورتوں میں سورۂ ''والیل'' جان لو
گر ہے مقطّعات کلامِ عظیم میں
کیا فرق اس میں اور الف لام میم میں
(بندنمبر۲۴)

وصفِ جبینِ رحمتِ ہر عالم ﷺ میں شاعر یوں رطب اللساں نظر آتا ہے:

ہے صفحۂ بیاض نبوت، جبیں نہیں سر تا بہ پا ہے لوحۂ قدرت، جبیں نہیں
ہے مطلعِ قصیدۂ وحدت، جبیں نہیں قرآں کی اوّلیں ہے یہ آیت، جبیں نہیں
شارح کتابِ حق کی جبینِ رسول ﷺ ہے
والنجم پاک کی یہی شانِ نزول ہے
(بندنمبر۲۸)

ابروئے سرکار ﷺ کی شان میں بند دیکھیے:

ابرو کمانِ شاہ ﷺ کی کرتے ہیں یوں ثنا چلّہ کشانِ حجرۂ اسرارِ کبریا
ابرو کی خلق سے یہ اشارۂ یہ رمز تھا ہے فرق بینِ شاہ ﷺ و خدا دو کمان کا
گوشہ وہ کوئی اور نہ کوئی مقام ہے
قوسین ابروئے شہِ عالم ﷺ کا نام ہے
(بندنمبر۳۰)

نبیٔ پاک کا ذکر دیکھیے:

ہے پر ہوائے فکر سے اب یاں مشامِ جاں دو ناک میں ہے، سانس کا لینا ہے اب گراں
کیجیے مثال نبیٔ سرور ﷺ کی کیا بیاں پر اس قدر خیال میں ہے اپنے بے گماں
بِنی سے ہے جو رُوئے مصفّا ملا ہوا
ہے آئنہ میں تختۂ زنبق کھلا ہوا
(بندنمبر۳۶)

D:NaatRang15
File:Raja
Final

احسان علی فصیح کے اس سراپا کے چند مزید بند نذرِ قارئین ہیں:

وصفِ دہنِ تنگ میں کوتاہ ہے زباں منھ اپنا دیکھ لیں تو کریں منھ سے کچھ بیاں
جائے سخن نہیں ہے، تکلم ہے یاں گراں وصفِ دہن میں ہے مرے منھ میں زباں کہاں
پڑتا ہی منھ گزر کا نہیں، فکر دنگ ہے
وصفِ دہانِ تنگ کی کیا راہ تنگ ہے
(بند نمبر ۴۵)

کیا قربِ ریش سے رُخِ انور میں تاب ہے یہ ہے شبِ برات تو وہ ماہتاب ہے
یہ حلقہ ابر کا ہے تو وہ آفتاب ہے یہ طور تو وہ جلوۂ حق کا جواب ہے
ریشِ سیہ میں وہ رُخِ تاباں نظر پڑا
لپٹا غلافِ کعبہ میں قرآں نظر پڑا
(بند نمبر ۵۲)

کس طرح وصفِ دست سرِ دست ہو بیاں ہیہات دسترس نہیں مضمون تک یہاں
مَلتا نہیں ہوں اک کفِ افسوس ہر زماں حسرت سے کاٹ کاٹ کے رہتا ہوں انگلیاں
غم سے اُچھل رہا ہے جگر چار چار ہاتھ
مضمون ہاتھ آیا نہ، مارے ہزار ہاتھ
(بند نمبر ۵۷)

شانے سے ہم نے تا بہ کلائی جو کی نگاہ شانِ خدا ہی اک نظر آئی، خدا گواہ
کہتا ہوں شاخِ گل کبھی، اور شاخِ سروگاہ لیکن لگی ہر ایک میں ہے شاخِ اشتباہ
شانے، نہ کہنیاں، نہ کلائی ہیں جسم میں
دو شاخ نورِ حق نکل آئی ہیں جسم میں
(بند نمبر ۶۱)

گنجینۂ ضیا ہو نہ کیوں سینۂ حضور ﷺ خالق نے کوٹ کوٹ کے جس میں بھرا ہے نور
آدمؑ سے لے کے تا بہ جنابِ شہِ غیور ﷺ سینہ بہ سینہ آیا ہے یہ نورِ پُرسرور
خاکا کھنچا ہے اس میں خدا کے جمال کا
سینہ یہ آئنہ ہے خود اپنے کمال کا
(بند نمبر ۶۳)

بالله یہ عجب قدمِ ارجمند ہیں　گردوں ہے جن سے پست، وہ رُتبہ بلند ہیں
منظور چشمِ ہر دو جہاں بے گزند ہیں　نعلین ان کے، عرشِ خدا کو پسند ہیں
ہووے جو حکم پائے رسولِ جلیل ﷺ کا
ہر جا پہ فرش ہووے جبرئیلؑ کا
(بندنمبر۲۷)

اس سراپائے سرکار ﷺ کا آخری بند یہ ہے:

لو، حلیۂ شریف سر انجام ہوگیا　کیا اس زبان و کام سے یہ کام ہوگیا
کر شکر اے فصیح ترا نام ہوگیا　خامہ بھی آج واجب الاکرام ہوگیا

آخری صفحے (نمبر۳۰) پر تین رُباعیاں بھی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے:

جب فرشِ زمیں پہ اپنا سونا ہوگا
اور گھر کی جگہ لحد کا کونا ہوگا
مداحیٔ شاہ ﷺ و حمدِ غفار فصیح
تکیہ تو وہ ہوگا، یہ بچھونا ہوگا

قارئینِ محترم دیکھ سکتے ہیں کہ کہیں اگر شعرائے نعت نے سراپا مبارک بیان کرتے ہوئے ''شاعری'' کی ہے تو کہیں احادیث سے ملنے والی معلومات کو بھی نظم کیا ہے۔ کہیں کوئی بات، کوئی لفظ، مصرع یا مضمون کسی کو قابلِ اعتراض بھی محسوس ہوسکتا ہے تو عام طور سے، حضور حبیبِ کبریا علیہ التحیۃ والثنا کی عظمتِ شان کا خیال بھی رکھا گیا ہے۔ یہ بات بہرحال سامنے رہنی چاہیے کہ سراپا نگار زیارتِ سیّد عالمیاں ﷺ سے مشرف نہیں ہوئے، انھوں نے کچھ پڑھا یا سنا ہے، کچھ خیال آفرینی کی ہے اور اسے شعر وسخن کا پیرہن پہنایا ہے۔ مشہور ہے کہ ''شنیدہ کے بود مانندِ دیدہ۔'' مگر رئیس امروہوی آقا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حوالے سے مختلف بات کرتے ہیں:

جمالِ مصطفیٰ ﷺ میرا عقیدہ
''شنیدہ ہے یہاں مانندِ دیدہ''

لگتا ہے، سراپا نگار بھی اسی نظریے کے قائل ہیں۔

D:NaatRang15
File:Raja
Final

منصور ملتانی۔ کراچی

اردو میں منظوم سیرت نگاری... ایک جائزہ

اللہ تعالیٰ کی رحمٰن و رحیم ذاتِ پاک نے انسان پر اپنی نعمتوں اور رحمتوں کا سلسلہ تو اسی وقت سے شروع کر دیا تھا جب اس نے حضرت آدمؑ کو تخلیق کے مراحل سے گزار کر عالمِ وجود میں آنے کا شرف عطا فرمایا۔ لیکن یہ رحمتیں اس وقت باقی تمام مخلوقات پر واضح ہوئیں جب علم الاسما عنایت کر کے اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے سامنے حضرت آدمؑ کو وہ فضیلت بخشی جس کے سبب ملائکہ کو سجدۂ تعظیمی کے لیے خم ہونا پڑا۔ حضرت آدمؑ کو حضرت حوا کی رفاقت دینا، قیامِ جنت، ارض کی خلافت اور اس پر حیاتِ ظاہری کے لیے ہوا، پانی اور دوسری اہم چیزوں کا نظام، کیا یہ سب اللہ کی رحمتیں نہیں ہیں؟ یقیناً ہیں اور رحمتوں کا سلسلہ ازل سے جاری ہے اور ابد تک جاری رہے گا۔ لیکن ان رحمتوں کا عروج وہ ذاتِ سیّد والا ﷺ ہے جسے ہم محبوبِ ربّ العالمین، خاتم النّبیین، تاجدارِ مرسلین، آفتابِ رسالت حضرت محمد مصطفٰے ﷺ کے نامِ نامی سے یاد کرتے ہیں۔ جن کی اس دنیائے فانی میں آمد، جن کی بعثت اور جن کے ہادیٔ کامل کی حیثیت سے ہم پر احسانات ایسے تحائفِ الٰہیہ ہیں جن کا شکر ہم ہر سانس میں سو بار بھی کریں تو بھی ادائیگیٔ شکر ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو ہادی اور رہنما بنا کر بھیجا اور ان پر قرآنِ پاک نازل فرما کر خود اپنے ہی الفاظ میں دین کی تکمیل اور نعمتوں کا اتمام کر دیا۔ پھر ہر مسلمان پر یہ بات لازم فرما دی کہ وہ بھی اللہ اور اس کے فرشتوں کی طرح رسولِ کریم ﷺ پر صلوٰۃ بھیجے۔ گویا درود و صلوٰۃ بھیجنا درحقیقت حضورِ پاک ﷺ کے انسانیت پر کیے جانے والے احسانات کے جواب میں ادائیگیٔ شکر کا طریقہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی بے نیاز اور خالقِ کل ذات نے بھی اس سبب سے آپ ﷺ پر صلوٰۃ بھیجنا پسند فرمایا کہ آپ ﷺ ہی نے بھٹکے ہوئے انسان کو دوبارہ اپنے رب کے راستے پر

واپس بلایا۔ گویا رب اور اس کے بندے کے درمیان رابطہ بحال کیا۔ اور انسان کو وہ مقام یاد دلایا جس کے بارے میں روزِ ازل اللہ نے شیطان سے مکالمہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ''جو میرے بندے ہوں گے ان پر تیرا ذرہ بھی بس نہ چلے گا۔'' (آیت ۴۱، سورۃ الحجرات)۔ یوں نبی کریم ﷺ نے انسانوں کو دوبارہ ان بندوں کی صف میں کھڑا ہونے کا راستہ دکھایا جو اللہ کے ''اپنے بندے'' کہلائے۔

دوسرے نبیوں اور پیغمبروں کو اللہ تعالیٰ نے مختلف معجزے عطا فرمائے اور آپ ﷺ کی تو پوری حیاتِ طیبہ ہی ربّ کریم کے کرم کا ایسا معجزہ ہے جس کے کسی ایک عمل کی نظیر بھی ملنا ممکنات میں نہیں ہے۔ آپ ﷺ کے ظہورِ قدسی کے لیے عرب کی سرزمین کا چناؤ تو روزِ ازل سے ہی ہو چکا تھا۔ مگر ظہورِ مبارکہ کے وقت عرب میں بسنے والے قبائل کی جو حالت تھی، کون ہے جو اس سے باخبر نہ ہوگا بلکہ یوں کہنا بے جا نہ ہوگا کہ کفر و ضلالت اُس جگہ اپنی انتہا کو پہنچے ہوئے تھے۔ گویا بہترین انسان کو منصۂ شہود پر لانے کے لیے بدترین ماحول کا انتظام فطرت کی ان حکمتوں کا اظہار ہے جن سے انسان مکمل طور پر کبھی باخبر نہیں ہوسکتا۔ دورِ جاہلیت کے عرب چاہے وہ عربِ عاربہ ہوں جو قحطان سے نسل در نسل فروغ پائے ہوئے تھے یا عرب مستعربہ۔ بیشتر قبائل اپنے جاہلانہ رسوم و رواج کے پابند ہر قسم کی برائی میں غرق اور دنیا بھر میں ہونے والی تبدیلیوں سے تقریباً ناآشنا تھے۔ مکہ، طائف، خیبر، یثرب وغیرہ میں رہنے والے تو عرب یعنی شہری کہلاتے تھے جب کہ صحرا کے خانہ بدوش اعرابی کہے جاتے تھے۔ سرزمینِ عرب پر بسنے والے تقریباً ہر قبیلے میں کئی اہم شعرا ہوتے تھے۔ یہ شعرا بڑے مؤثر خطیب اور نساب ہوتے تھے۔ اور قبیلوں کے نوجوان انھی سے زبان کے پیچ و خم سیکھتے تھے۔ یہ شعرا فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے سند کہلاتے تھے۔ اپنے قبیلے کے افراد اور مجموعی طور پر ہر قبیلے کی عظمتوں اور اچھائیوں کے لیے طویل قصائد لکھتے تھے۔ اور پھر سالانہ میلوں میں اور خاص طور پر ''سوق عکاظہ'' میں جو ایامِ حج میں مکہ میں لگتا تھا، اپنی شاعری کے جوہر عوام الناس پر ظاہر کرتے تھے۔ فصیح البیانی کے جوہر درحقیقت واقعات و حادثات، جنگ، بہادری، راحت و عیش کے بارے میں کہے جانے والے قصیدوں میں کھلتے تھے۔ اس طرح وہ اپنے اشعار میں بڑی حد تک اپنے عہد کی تاریخ بھی منظوم کرتے رہتے تھے۔ اور انھی قبائلی عظیم شاعروں کے کلام ہی سے اس عہد کی تاریخ مرتب کرنے میں بہت زیادہ مدد ملی ہے۔ شاعروں کا یہ کام حضور کریم ﷺ کی آمد کے بعد بھی جاری رہا۔ ڈاکٹر ریاض مجید نے

اپنے مقالے ''اردو میں نعت گوئی'' میں نعت کے ماخذات کے بارے میں بیان کرتے ہوئے قرآن اور حدیث کے بعد کتبِ سیر و مغازی کے عنوان کے تحت ابنِ اسحاق، واقدی، ابنِ سعد اور طبری کو سب سے زیادہ اہمیت دی اور حضور ﷺ کی سیرت اور سوانح پر ان کتابوں کو اُمہات الکتب کہا ہے۔ اسی حوالے سے انھوں نے لکھا ہے کہ:

> سیرت النبی ﷺ کے اس اوّلین اثاثے کا نعت کی تدوین و تخلیق میں بڑا اہم اور مؤثر مقام ہے۔ ایک تو ان کتابوں میں وہ تمام اشعار محفوظ ہوگئے ہیں جو حضورِ اکرم ﷺ کے غزوات اور دوسری اسلامی جنگوں سے متعلق تھے۔

آگے چل کر ڈاکٹر ریاض مجید نے تحریر کیا ہے کہ:

> اردو کے نعت گو شاعروں نے آنحضرت ﷺ کی کتبِ سیرت سے بطورِ خاص استفادہ کیا ہے اور نعت کے ہر دور میں صحتِ واقعات اور اسناد و روایات کے لیے اہم اور مستند کتبِ سیرت سے رجوع کیا جاتا رہا۔ اردو نعت میں اس ''رجوع'' کی عام طور پر درج ذیل شکلیں ملتی ہیں:
>
> ۱۔ سیرت کے واقعات پر نعتیہ نظمیں لکھی گئیں۔
>
> ۲۔ غزوات و معجزاتِ نبوی ﷺ کی تفصیلات میں کتبِ سیرت و مغازی سے استفادہ کیا گیا۔
>
> ۳۔ آپ ﷺ کی کتبِ سیرت کی روشنی میں منظوم سیرتیں لکھی گئیں۔

محولہ بالا نکات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اردو میں نعت گوئی ابتدائی ادوار ہی سے شامل ہوگئی تھیں۔ اور خاص طور پر سیرتِ طیبہ اور حیاتِ طیبہ اس کا خاص موضوع تھا۔ یوں تو منظوم سیرت اور حیاتِ نبوی ﷺ کے سلسلے میں بے شمار شعرا نے مولود نامے، میلادنامے، نورنامے، معراج نامے اور وفات نامے منظوم کیے مگر تقریباً یہ سب کاوشیں رسولِ پاک ﷺ کی حیات کے کسی ایک پہلو سے متعلق رہیں۔ جیسا کہ ان کے ناموں سے ظاہر ہے کہ مولودنامہ یا میلادنامہ جس میں اس دنیا میں ظہورِ قدسی کو موضوع بنایا گیا۔ نورنامہ یا معراج نامہ جس میں حضور ﷺ کے نورٌ علیٰ نور ہونے کے حوالے سے اور معراج میں سفر اسرا کے حوالے سے نظمیں لکھی گئیں۔ اسی طرح وفات نامے حضور ﷺ کے وصالِ ظاہری کی تصویرکشی بنے۔ اس موضوع پر بات کرتے ہوئے اگر ہم آگے

بڑھیں تو ہمیں دو کاوشیں ایسی نظر آتی ہیں جن میں حیاتِ طیبہ ﷺ کے ایک سے زیادہ پہلو نظم ہوئے یعنی ولادت، بعثت، تبلیغ، اصلاحِ کردار کی کوششیں وغیرہ۔ ان کاوشوں میں پہلی اور بہت ہی اہم نظم ''مسدس مدوجزرِ اسلام'' یا جسے عرف عام میں ''مسدسِ حالی'' کہا جاتا ہے جو پہلی بار ۱۸۷۹ء/ ۱۲۹۶ھ میں شائع ہوئی۔ ہمیں سیرت نگاری اور اُمتِ مسلمہ کی سیرتِ رسول ﷺ کے حوالے سے اصلاح کے جذبے کی خوب صورت عکاس نظر آتی ہے۔ سرسیّد کی تحریک پر نظم کی جانے والی یہ مسدس ایک دردمند مسلمان شاعر کے دل کی سچی آواز ہے۔ جس کی اہمیت اور افادیت کسی بھی دور میں کم نہیں ہوسکتی۔ اس مسدس کے ایک ایک بند بلکہ صحیح طور پر کہا جائے تو ایک ایک مصرعے میں تاریخ کے پورے پورے ابواب اشاراتی طور پر منظوم کر دیے گئے ہیں اور جتنا اس کے مفہوم پر غور کیا جائے اتنا ہی مسلم اُمہ کے عروج و زوال کے اسباب و علل واضح تصویر کی صورت سامنے آتے چلے جاتے ہیں، مثلاً یہ بند جو ظہورِ قدسی کے بارے میں ہے، سے کون واقف نہیں:

یکایک ہوئی غیرتِ حق کو حرکت
بڑھا جانبِ بوقبیس ابرِ رحمت
ادا خاکِ بطحا نے کی وہ ودیعت
چلے آتے تھے جس کی دینے شہادت
ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دعائے خلیل اور نویدِ مسیحا

اسی قسم کی دوسری کوشش پنجاب کے نسبتاً غیرمعروف شاعر راجا عبداللہ نیاز کا ترجیع بند ''یہ ہیں کارنامے رسولِ خدا ﷺ کے'' ہے جو پہلی بار ۱۹۶۷ء میں چھپی اور اب جسے جعفر بلوچ نے بڑی محنت سے ترتیب دے کر اشاریے کے ساتھ دوبارہ ۱۹۹۸ء میں شائع کیا ہے۔ اس ترجیع بند میں رسولِ کریم ﷺ کی حیاتِ پاک اور سیرتِ طیبہ کی جھلکیاں جابجا ستاروں کی طرح دمکتی ہوئی کہکشاں تخلیق کرتی ہیں۔ سادہ ترین لفظوں میں اختصار کے ساتھ وسیع مضامین کا احاطہ نیاز کی شاعری کا اہم پہلو ہے۔ طائف کے سردار عبدیا لیل ثقفی کے مسلمان ہونے کا ذکر دیکھیے کس حسن سے بیان ہوا ہے:

وہ طائف کا سردار جس نے نبی ﷺ کو کرایا تھا مجروح خشت و حجر سے

نہ خالی رہا اس ستم گر کا دل بھی پیمبر کی تعلیمِ معجز اثر سے
مدینے میں آکر خطا بخشوائی بصد عجز لولاک کے تاجورﷺ سے
یہ ہیں کارنامے رسولِ خداﷺ کے یہ ہیں معجزے خاتم الانبیاﷺ کے

سیرت اور حیاتِ نبویﷺ کے حوالے سے مندرجہ بالا اشاراتی منظومات کے بعد ہم زیادہ مربوط اور باقاعدہ منظوم سیرت/ حیاتِ طیبہ کے حوالے سے جب اردو ادب کا جائزہ لیتے ہیں تو مندرجہ ذیل کوشش اہم ہونے کے سبب ہماری توجہ اپنی جانب مبذول کرا دیتی ہے:

			سالِ تصنیف/ اشاعت
۱۔ روضۃ الانوار	مثنوی	از ولی ویلوری	۱۱۵۹ھ
۲۔ اعجازِ احمدیﷺ	مثنوی	از نوازش علی شیدا	۱۱۸۶ھ
۳۔ ہفت قصائد		از سیّد علی حیدر نظم طباطبائی	قبل از ۱۲۵۲ھ
۴۔ ہشت بہشت	مثنوی	از مولانا محمد باقر آگاہ	از ۱۱۸۴ھ تا ۱۲۰۶ھ
۵۔ شاہنامۂ اسلام	مثنوی	ابوالاثر حفیظ جالندھری	از ۱۳۴۶ھ تا ۱۳۶۵ھ
۶۔ شہنشاہ نامہ	مثنوی	از صوفی محمد شریف غیرت قادری	قبل از ۱۳۶۱ھ
۷۔ فخرِ کونینﷺ	مسدس	از محشر رسول نگری	۱۳۸۰ھ
۸۔ اوّل بھی آپﷺ آخر بھی آپﷺ	ترجیع بند	از سیّد زائر حسین زائر زیدی	۱۴۷۵ھ
۹۔ چراغِ حرا	مثنوی	از قیصر الجعفری	۱۴۱۷ھ
۱۰۔ غزوات رحمۃ للعالمین	غزلیہ نظم	از لالہ صحرائی	۱۴۱۷ھ
۱۱۔ سیّد البشرﷺ	سانیٹ	از منصور ملتانی	زیرِ طبع

مندرجہ بالا کے علاوہ ڈاکٹر ریاض مجید نے ''ریاض السیر'' از غلام محمد حسرت اور ''مختار التفاسیر'' از سیّد امیر الدین حسین کا تذکرہ کیا ہے۔ جب کہ ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے غیر طباعت شدہ ''شاہ نامہ ہندی'' از محمد ابراہیم ہندی فتح پوری اور طباعت شدہ ''جنگ نامۂ اسلام'' از منظور حسین منظور اور ''تاریخِ اسلام'' منظوم از سیّد منیر علی جعفری کا ذکر بھی کیا ہے۔ ان کتابوں کے بارے میں تفصیلات مہیا نہیں ہوسکیں۔☆[۱۱] بہرحال سیرتِ رسولِ پاکﷺ اور حیاتِ طیبہ کو منظوم صورت میں پیش کرنے کی اوپر بیان شدہ کاوشوں کے بارے میں مختصر جائزہ لیے بغیر یہ مضمون تشنہ رہ

جائے گا۔ اس لیے اب ایک ایک کر کے ان منظوم تخلیقات کا مبصرانہ جائزہ پیشِ خدمت ہے۔

۱۔ روضۃ الانوار

یہ مثنوی ۱۱۵۹ھ میں دکن میں پیر ولی فیاض ولی ویلوری نے مرتب کی۔ ڈاکٹر ریاض مجید نے ''اردو میں نعت گوئی'' میں اس کا تذکرہ کچھ اس طرح کیا ہے کہ ''اس کا موضوع حضورِ اکرم ﷺ کی سیرت ہے۔ اس مثنوی کے ۲۲۴۰ شعر ہیں جنھیں مختلف عنوانات کے تحت لکھا گیا ہے۔عنوانات کی طویل فہرست ہے۔ چند نمایاں عنوان درج ذیل ہیں:

ذکر نور نبی ﷺ واقعات در مدتِ حمل، ذکرِ ولادت، شیر خوردن، سفرِ شام، خواستگاریٔ خدیجہ، ابتدائے وحی، اسلامِ حمزہؓ، وفات بی بی خدیجہؓ معراج، ذکرِ معجزات، جنگِ بدر، جنگِ اُحد، جنگِ احزاب، جنگِ بنی قریظہ، جنگِ تبوک، افکِ عائشہؓ فتحِ خیبر، فتحِ مکہ، جنگِ حنین، فتحِ طائف، حج الوداع۔

''روضۃ الانوار'' کا نمونہ ملاحظہ ہو:

کیے نقل حضرت عمرِ خطابؓ　　ہوا معراج کا جس دن خوشی باب
کیا حضرتِ رسول اللہ سوں میں سوال　　نہانی راز ہا کا کچھ کرو قال
سو فرمائے کہ اُمت کا شکایت　　کیا سنجاب یوں دورب عزت
کہ عصیاں ور رہیں سب مل بہ خلوت　　کریں دو انجمن میانی اطاعت

آگے چل کر ڈاکٹر ریاض مجید کی رائے ہے کہ ''بعض ضعیف روایات اور غیر مستند واقعات کے باوجود ولی ویلوری کی ''روضۃ الانوار'' اردو کی اوّلین منظوم سیرتوں میں نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔

۲۔ اعجازِ احمدی ﷺ

یہ مثنوی نوازش علی خان بہادر شیدؔا نے ۱۱۸۶ھ میں تصنیف کی ہے۔ نوازش علی شیدؔا نے مذہبی شاعری کی طرف اپنی توجہ مرکوز رکھی۔ وہ میر نظام علی خان کے شاہی عاشور خانہ کے منتظم بھی رہے اور ان کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر سیّد رفیع الدین اشفاق اپنے مقالے ''اردو میں نعتیہ شاعری'' میں رقم طراز ہیں کہ ''رسولِ کریم ﷺ کی سیرت پر ان کی مثنوی ''اعجازِ احمدی ﷺ'' اپنی ضخامت اور مضامین دونوں اعتبار سے نعتیہ ادب میں نہایت اہم ہے۔ یہ چار جلدوں میں ہے...کل مثنوی کے ابیات کی تعداد ۱۹۰۲۰ ہوئی ہے۔ شروع میں دعا کا انداز دیکھیے:

الٰہی میں تیرے نبی ﷺ کا بیاں　　نظم بیچ چہتا ہوں کرنے عیاں

میری طبع کو چست و چالاک کر رموز و معانی کا دڑاک کر
فصاحت عطا کر سخن کوں مری حلاوت ستی بھر دہن کوں مری
یہ اعجاز نامے کو مشہور رکھ ہر اک بزم میں اس کا مذکور رکھ

اس مثنوی کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر ریاض مجید نے لکھا ہے کہ ''اعجازِ احمدی کی نمایاں خوبی شیدؔا کا حسنِ ترتیب ہے۔ سیرتِ طیبہ کے وسیع موضوع کو شیدؔا نے چار حصوں میں اس طرح تقسیم کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی زندگی کے نمایاں واقعات اور اہم تاریخی ادوار الگ الگ حصوں میں وضاحت سے قلم بند ہوگئے ہیں۔'' اس کے علاوہ اس مثنوی کی ایک اہم بات یہ ہے کہ جہاں تاریخ کا حوالہ دیا جانا ہے، وہاں پوری تفصیل سے اسے نظم کر دیا گیا ہے۔ بعثتِ نبوی ﷺ کے بیان پر درج ذیل اشعار اس کا ثبوت ہیں:

ہوا سال چالیس پر ایک جب سنو اس کا کہتا ہوں احوال سب
سترھویں تھی تاریخ رمضان کی دلیل اس پر آیت ہے قرآن کی
لکھے کئی محدث ہیں اربابِ دیں ربیع الاوّل کی تھی بارھویں
رسولِ خدا ﷺ سیّدِ کائنات امامِ دو عالم شہِ ممکنات
تھے غارِ حرا میں بیٹھے ہوئے ردا کے اوپر اپنے تکیہ کیے

۳۔ ہشت بہشت

یہ مثنوی اہلِ تحقیق کے نزدیک اُس دور کی سب سے زیادہ مبسوط، مفصل، وقیع اور مستند روایات کی حامل کہی جاتی ہے۔ اسے مولانا محمد باقر آگاہ ویلوری نے آٹھ رسالوں کی شکل میں تقسیم کیا اور اسی سبب سے اس کا مجموعی نام ''ہشت بہشت'' رکھا۔ مولانا باقر آگاہ کا علمی مرتبہ اس عہد کے علما میں بہت بلند تھا۔ مزاج میں تحقیق اور تخلیق دونوں کی فراوانی تھی۔ اسی سبب سے نواب امیرالامرا کے اتالیقی فرائض پر بھی مامور کیے گئے۔

نصیرالدین ہاشمی کے مضمون ''قدیم اردو (دکھنی) میں سیرت النبی ﷺ'' میں اس مثنوی میں آگاہ کے دیباچے کے اقتباسات دینے کے بعد درج ذیل نتائج اخذ کیے ہیں:

الف۔ ان رسالوں کی تصنیف ۱۱۸۴ھ سے ۱۲۰۶ھ تک ہوئی۔

ب۔ ان رسالوں کے اوزان علاحدہ علاحدہ ہیں۔

ج۔ کل اشعار کی تعداد ۹ ہزار ہے۔

د۔ ان کو شمال کی اردو میں نہیں بلکہ دکھنی میں لکھا گیا۔
ر۔ عربی کی معتبر کتابوں سے معلومات اخذ کر کے ان کی تصنیف ہوئی۔
ان رسالوں کے عنوانات کی ترتیب کچھ یوں ہے:

(۱) من دیپک　(۲) من ہرن　(۳) من ہومن　(۴) جگ موہن
(۵) آرامِ دل　(۶) راحتِ جاں　(۷) من درپن　(۸) من جیون

آخری رسالے سے ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

بارہ سو اوپر تھے چھ برس　　یہ نسخۂ خوش ہوا مرتب
ابیات سب اس کے دل آرا　　بے ریب ہیں آٹھ سو اٹھارہ

اس کے علاوہ بارگاہِ رسالت ﷺ میں نظرِ عنایت کی درخواست کے لیے اشعار کچھ یوں ہیں:

اے آئینہ دار نورِ وحدت　　اے صبحِ بہار و احدیت
اے لطف ترا دو جگ کا ادھار　　اے تیرے کرم کا جلوہ ہرٹھار
ہے علم و عمل سے جن کو افلاس　　کونین میں ان کو ہے تیری آس
تخصیص تباہ کار مجھ سا　　بن تیرے نہیں کچھ اس کو آسا
بایں ہجوم اضطراری　　کرتا ہوں میں تیرے پاس زاری

ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق نے اپنے مقالے میں لکھا ہے کہ ’’ایک بڑی خصوصیت ’’ہشت بہشت‘‘ کی یہ ہے کہ ایک عرصے سے حضور ﷺ کے حالات سے متعلق غلط روایات شہرت پا رہی تھیں، چناں چہ آپ ﷺ کی ولادت، معراج وغیرہ کے سلسلے میں بہت سی خیالی باتیں داخل ہوگئی تھیں۔ مولانا باقر آگاہ نے ان کی تردید کی اور صحیح حالات کو نظم کر کے اصلاحی اور تبلیغی دونوں خدمات انجام دیں۔

۴۔ ہفت قصائد

یہ وہ عنوان ہے جو راقم الحروف کے مطابق سات قصائد کے لیے مناسب ہے جو سیّد علی حیدر نظم طباطبائی نے تصنیف کیے جو دراصل تاریخِ اسلام کو منظوم کرنے کی سعیٔ جمیل سمجھے جاسکتے ہیں۔ ان قصیدوں کے عنوانات مندرجہ ذیل ہیں:

(الف) ذکرِ بعثت و فتحِ مکہ　(ب) ہجرت و غزوۂ بدر　(ج) قصیدۂ احزاب
(د) قصیدۂ معراج　(ر) عہدِ جاہلیہ کا کفر اور پیغمبر ﷺ مجاہد

(س) قصیدۂ خیبر (ش) قصیدۂ حنین

ڈاکٹر اعجاز حسین نظم طباطبائی کے بارے میں رقم طراز ہیں کہ:

> نظم نے قصیدے کو ایک نئی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ ان میں تاریخی عنصر کا اضافہ کیا۔ وہ اسلامی جنگ جو مسلمانوں میں ایک خاص اہمیت رکھتی تھی، ان قصیدوں میں جگہ پاتی ہے۔ معرکہ آرائیوں کا ذکر اس وضاحت سے ہوتا ہے کہ نہ صرف جنگ کا نقشہ پیشِ نظر ہوتا ہے بلکہ واقعات پر بھی کافی روشنی پڑتی ہے۔

اس کے علاوہ ڈاکٹر ریاض مجید بھی نظم کے قصائد کے مداح ہوکر کہہ اُٹھے کہ ''نظم نے قصیدے سے وہی کام لیا جو بعد میں حفیظ جالندھری نے 'شاہنامۂ اسلام' میں مثنوی کی ہیئت سے لے لیا۔''

ذکرِ بعثت اور فتحِ مکہ والے قصیدے میں نظم کا لہجہ دیکھیے:

اُٹھیں باگیں، بڑھے توسن، کھنچیں تیغیں، بڑھے نیزے
کٹے جوشنِ چھنیں زرہیں، دمِ رزم وصف آرائی
ہوئے روپوش ڈر ڈر کر چھپایا منھ شریروں نے
سپر تھی رُخ پہ مہرِ سرنوشتِ ننگ و رُسوائی
بفتح و نصرتِ اجلال مکہ میں ہوئے داخل
ہوئی کعبے کو نورِ کبریا سے نور افزائی

۵۔ شاہنامۂ اسلام

ابوالاثر حفیظ جالندھری کی مشہورِ زمانہ مثنوی جو ۱۳۴۶ھ سے ۱۳۶۵ھ تک چار جلدوں میں شائع ہوئی۔ یہ مثنوی دراصل اپنے موزوں ترین وقت پر عالمِ وجود میں آئی کہ مولانا حالی نے اپنی مسدس کے ذریعے ہندوستان کی گراں خواب مسلمان قوم کو جھنجوڑنے کی کوشش کی تھی۔ گویا انھوں نے انتہائی محنت مشقت اور دردمندی کے ساتھ زمین کو ہل چلا کر تیار کیا تھا۔ اور پھر علامہ اقبال نے اسی مٹی کو اپنے جذبوں اور آنسوؤں کی نمی سے فلسفے کے بیج ڈال کر جس بیداری کی فصل کو بویا اس فصل کو پکتے ہوئے دیکھنے اور کاٹنے کا موقع قدرت نے حفیظ جالندھری کی قسمت میں لکھا تھا۔ برصغیر کے مسلمان ''مسدس حالی'' کے تازیانے سے چونکے، علامہ اقبال کے تصورِ مومن

D:NaatRang-15
File: Mansoor
Final

کے سبب بیدار ہوکر سفرِ عزم کے لیے تیار تھے اور متلاشی تھے کہ کوئی توسن کوئی مرکب انھیں ملے اور وہ راہیٔ منزل ہوں سو حفیظ جالندھری کے شاہنامے نے اسی راکب کا کردار ادا کیا اور اپنی تصنیف کے ساتھ ہی یہ شاہنامہ لاکھوں مسلمانوں کی زبان بن گیا۔

''شاہنامۂ اسلام'' سیدھی سادی زبان میں حضور کریم ﷺ سے عقیدت کے خمیر سے گندھا ہوا اور رَزمیہ ہے جو نہ صرف نعت کے حوالے سے اہم ترین اور بلند پایہ کام ہے بلکہ اسلامی تاریخ اور مغازی کے اعتبار سے منظوم سیرت نگاری/ حیاتِ طیبہ کی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس عظیم مثنوی میں کہیں کہیں حفیظ سے تخیل کی رو میں بہہ کر سہو بھی ہوئی ہیں، مثلاً جلد اوّل میں شیطان اور یہودی کے عنوان سے جو افسانہ بیان کیا ہے اس کی کوئی سند نہیں۔ اس کے بعد ''اصحابِ فیل کے حملے کی صبح'' میں حضرت عبدالمطلب کی بطنِ مادر میں موجود ''حضورِ پاک ﷺ'' کے وسیلے سے دعا مانگنے کی کوئی سند نہیں ہے۔ اسی نظمیہ ٹکڑے میں انھوں نے ہاتھیوں کی قطاروں کا ذکر کیا ہے، جو غلو ہے۔ اس کے علاوہ ترجمۂ قرآن میں کہیں مفہوم تبدیل کرنے کی اجازت نہیں ہے جب کہ حضرت حفیظ نے ''کعصف ماکول'' کا ترجمہ ''کھائے ہوئے بھس'' کی بجائے شعر میں ''دھنکی ہوئی روئی'' کر دیا ہے۔ ''رضاعت سے بعثت تک کا بیان'' میں انھوں نے حضور ﷺ کے تین فرزندوں کا ذکر کیا جب کہ حضرت خدیجہؓ سے حضور ﷺ کے دو بیٹے حضرت قاسمؓ اور حضرت عبداللہؓ کا ذکر آتا ہے جن کے القاب طیب و طاہر ہیں۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے مراحل ایسے ہیں جہاں زورِ تخیل اور بربنائے شاعری سہو ہوئی ہے۔

دعا ہے کہ اس مرحلے پر خدا تعالیٰ انھیں معاف فرمائے کیوں کہ مسلمان کے اعمال کی نیتوں سے منسلک کر دیے گئے ہیں اور بظاہر حفیظ کی نیت صرف اور صرف مسلمانوں میں مغازی کے بیان سے بیداری کی لہر دوڑانا تھی۔ اسی باعث ان کے اشعار میں وہ زورِ بیان اللہ کی جانب سے بھر دیا گیا جو ان تمام کم زور پہلوؤں کو مخفی کرتا چلا گیا اور عوام الناس میں ''شاہنامۂ اسلام'' جذبوں کی فراوانی کا سبب بن گیا۔ ایک ٹکڑا دیکھیے:

صحابہ یوں گرے تھے لشکرِ کفار کے اوپر
کہ بھاری ہو رہا تھا اک مجاہد چار کے اوپر
شکستہ دل تھے خنجر حوصلے ٹوٹے تھے بھالوں کے
تھے منہ فق چار آئینوں کے سینے شق تھے ڈھالوں کے

۶۔شاہنشاہ نامہ

یہ مثنوی صوفی محمد شریف غیرت قادری نے بعنوان سواطع الاسرار معروف بہ شاہنشاہ نامہ تحریر کی۔ یہ مثنوی دراصل ''شاہنامۂ اسلام'' کے تتبع میں اشاعت کی غرض سے کتابت بھی کروا لی گئی تھی لیکن ان کی وفات کے سبب اشاعت سے محروم رہیں۔ اس کی پہلی جلد پر دیباچہ بھی جسٹس سر عبدالقادر ہی نے تحریر کیا تھا۔ مگر اس دیباچے سے بھی اہلِ علم محروم ہی رہے۔

شاہنشاہ نامہ کے بارے میں پروفیسر محمد اکرم رضا نے لکھا کہ ''سواطع الاسرار معروف بہ شاہنشاہ نامہ'' حضور محمد مصطفےٰ ﷺ کی منظوم سوانح حیات ہے۔ جو کئی جلدوں پر محیط ہے۔ اس میں قبل از ولادتِ مصطفوی کے حالات بالخصوص ان بشارتوں کا ذکر کیا گیا ہے جو صحائف میں مرقوم ہیں۔ اور انبیائے کرام معرفت اہلِ عالم تک پہنچتی رہیں پھر آپ کی بعثت اور آپ کے عہدِ نبوت کے حالات اور واقعات کو نظم کیا گیا ہے۔ یہ مثنوی جو کہ بحر نیرج مثمن سالم میں ہے۔ حفیظ کی ''شاہنامۂ اسلام'' اور ملک منظور کی ''جنگ نامہ اسلام'' بھی اسی بحر میں ہیں۔ صوفی محمد شریف غیرت قادری نامور عالم دین خطیب، ماہرِ تعلیم، ادیب، طبیب اور شاعر تھے۔ ایک محترم روحانی خانوادے سے تعلق کی بنا پر علاقہ بھر میں عزت و توقیر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔

اس مثنوی میں صوفی غیرت قادری کی منظر نگاری بہت اہمیت کی حامل ہے۔ جس کے لیے موقع کی مناسبت سے صحیح اور پرشکوہ الفاظ کا چناؤ۔ زورِ بیان، روانی و سلاست، پروازِ تخیّل اور ان سب سے بڑھ کر واقعیت کی سچائی جسے اکثر نعت گو حضرات تلوار کی دھار پر چلنے سے تعبیر کرتے ہیں، لازمی ہے۔ ان تمام عناصر کے پسِ پردہ وہ حقیقی محبت و عقیدت جو حضورِ کریم ﷺ کی ذاتِ گرامی کے لیے ہر سچے مسلمان کی روح میں بسی ہے، رنگ بھرنے کا کام کرتی ہے۔ اور صوفی غیرت قادری اپنے اشعار کے حوالے سے بلاشبہ عشقِ رسول ﷺ میں مکمل طور پر ڈوبے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ حضور ﷺ کی آنکھوں کا ذکر کرتے ہوئے دیکھیے غیرت قادری کا قلم کیا کیا جلوے دکھاتا ہے:

آنکھیں جا پڑیں جس پر اسی کو پار کر ڈالا
محبت سے جسے دیکھا اُسے بیدار کر ڈالا
وہ آنکھیں جو کہ پیغامِ شفا تھیں بہرِ رنجوراں
وہ مخفی جن میں تھا دردِ نبی آدم کا اک طوفاں

D:NaatRang-15
File: Mansoor
Final

وہ آنکھیں جو بدل دیتی تھیں دنیا بھر کی تقدیریں
کیا کرتیں حصارِ دین و ایماں کی جو تعمیریں
وہ آنکھیں نور کے سانچے میں ڈھلنے والی لافانی
ہے شیوہ جن کا آئینِ حقیقت کی نگہبانی

غیرت قادری کے شاہنشاہ نامے میں بھی ایک خوب صورت سلام اپنی تمام تر آب و تاب کے ساتھ موجود ہے اور شاعر کے اندازِ نگارشِ عقیدت کی خوش بو اور عشقِ رسول ﷺ کے رنگوں میں مزین ہے۔ چند اشعار دیکھیے:

سلام اے دُرِّ آغوشِ یتیمی شمعِ نورانی
سلام اے سیّدِ اولادِ آدم نورِ سبحانی
سلام اے جانِ جاں، اے مالکِ ملکِ ہمہ دانی
سلام اے محسنِ اعظم علیمِ رمزِ یزدانی
سلام اے کاملِ اسرارِ غیب، اے پردہ دارِ کن
سلام اے رہنمائے مرسلاں، اے فخرِ انسانی
سلام اے زبدۂ پیغمبراں، اے خواجۂ عالم
سلام اے فخرِ موجودات، اے محبوبِ یزدانی

صوفی محمد شریف غیرت قادری کا یہ شاہنشاہ نامہ طباعت نہ ہونے کے باعث عوام الناس تک نہیں پہنچ سکا۔ وگرنہ اسے بھی اپنے زورِ بیان کے سبب کافی مقبولیت نصیب ہوتی۔

۷۔ فخرِ کونین

یہ طویل مسدس محشر رسول نگری کے فکر و تحقیق کا نتیجہ ہے۔ اس کے بارے میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں:

> اردو میں اپنی نوعیت کی پہلی چیز ہے جس میں اسلام کی پوری تاریخ نظم کرنے کی بجائے صرف آنحضرت ﷺ کی زندگی، سیرت و کردار کو نظم کا جامہ پہنایا گیا ہے۔ حضور ﷺ کی زندگی اور زندگی کے سارے واقعات کی جزئیات اور تفصیلات میں ہر جگہ قرآن اور احادیثِ صحیحہ کو رہنما بنایا گیا ہے۔ ہر چند کہ اس نظم میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے پورے

جوشِ عقیدت اور تخیلی گل کاری کے ساتھ بیان کیا گیا ہے لیکن کہیں کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی جو اصل واقعات کے منافی ہو... انھوں نے جو کچھ کہا ہے حبِ رسول ﷺ کی سرمستی کے باوصف پوری احتیاط اور ذمہ داری کے ساتھ کہا ہے۔

یہ مسدس تین حصوں پر مشتمل ہے۔ حصہ اوّل میں ۵۰۰ (پانچ سو) بند ہیں۔ حصہ دوم میں ۵۷۵ (پانچ سو پچھتّر) بند اور حصہ سوم میں ۲۵۳ (دو سو ترپن) بند ہیں۔ ایک بند بطورِ نمونہ پیش ہے:

دیباچۂ حیات کا عنواں ہیں مصطفےٰ ﷺ
یہ کائنات جسم ہے اور جاں ہیں مصطفےٰ ﷺ
انسانیت کے درد کا درماں ہیں مصطفےٰ ﷺ
سرِ رضا ہیں محورِ عرفاں ہیں مصطفےٰ ﷺ
تخلیقِ کائنات کا پہلا سبب ہیں آپ ﷺ
قرآں ہے خُلق آپ ﷺ کا اُمی لقب ہیں آپ ﷺ

۸۔ اوّل بھی آپ ﷺ آخر بھی آپ ﷺ

یہ ترجیع بند سیّد زائر حسین زائر زیدی کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے اور ۱۴۱۵ھ میں شائع ہوا۔ اس میں بھی حیاتِ نبوی ﷺ کے اور وصالِ ظاہری کے بعد کے کچھ واقعات منظوم کیے گئے ہیں۔ زبان اور بیان میں کئی جگہوں پر ناپختگی کا احساس ہوتا ہے۔ اور پھر یہ تمام شاعری ایک خاص فقہ کے افراد کی ترجمانی کرتے ہوئے کی گئی ہے۔ متفقہ معاملات میں بھی مباحث کی گنجائش پیدا کی گئی ہے، مثلاً حضرت ابوبکر صدیقؓ جن کا مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانا متفقہ ہے۔ انھیں ''آپ کا مقام'' نامہ نظمیہ ٹکڑے میں ''اسلام لانے والوں میں چالیسواں مقام'' لکھا گیا ہے۔ گو کہ نظم میں روانی ہے تاہم الفاظ کا چناؤ بعض جگہوں پر کھٹکتا ہے۔ ایک نظم ''تقسیمِ غنائم'' میں دو اختتامی اشعار دیکھیے:

کیا سوچ کر نہ جائیے لے کر ٹھنڈی سانس
آنکھوں میں آنسو بھر کے نبی ﷺ نے کیا سوال

انصار کیا تمھیں نہیں یہ مرتبہ قبول
دنیا کا حال ان کو ملے اور تمھیں رسول

۹۔ چراغِ حرا

یہ مثنوی عہدِ حاضر کی نمائندہ سیرتی نظم کہی جاسکتی ہے۔ اسے قیصرالجعفری نے الفاظ کا جامہ پہنایا ہے۔ یہ مثنوی اپنی بیش بہا خوبیوں کے سبب اہم نعتیہ کارنامہ ہے۔ اس کے دیباچے میں ادارۂ ادب اسلامی ہند کے جنرل سیکرٹری انتظار نعیم رقم طراز ہیں کہ:

> چراغ کا ابتدائیہ ہی غزل کے تمام تر حسن اور فن کی پختگی سے آراستہ اور نبیٔ رحمت حضرت محمد ﷺ سے بے پناہ عشق و وارفتگی کی ایسی کیفیت سے سرشار ہے کہ اس کو پڑھ لینے کے بعد پوری کتاب کے مطالعے کی خواہش اور تڑپ خودبخود پیدا ہوجاتی ہے اور یہ شاعر کی بہت بڑی کامیابی ہے۔

یہ ابتدائیہ ۴۳ (تینتالیس) اشعار پر مشتمل ہے اور اس کو پڑھ کر انتظار نعیم کی بات کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ چند اشعار دیکھیے:

آخری رسالے سے ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

مرے افکار کو قطرے سے سمندر کر دے — مری تحریر کو پھولوں سے معطر کر دے
میں نے لکھنے کی ترے نام سے کی ہے ابجد — میرے اللہ مدد اے میرے اللہ مدد
فکر یوں ٹوٹ کے برسے کہ بھگوئے رکھے — عشق کو درد کی لہروں میں ڈبوئے رکھے
کوئی جلوہ نہ ہو آنکھوں میں مدینے کے سوا — اور کچھ کام نہ ہو عشق میں جینے کے سوا
جذبۂ عشق کے صدقے مجھے لے آیا کہاں — سیرتِ پاک ﷺ کہاں شاعرِ بے مایہ کہاں
ان کے فرمانِ نگارش ہے قلم میرا ہے — منزلِ عشقِ محمد ﷺ ہے قدم میرا ہے

قیصرالجعفری کی نعتیہ شاعری اور خاص طور پر چراغِ حرا میں قائم کردہ عنوانات اور موضوعات کی شاعری کے بارے میں عہدِ حاضر کے اہم نقاد شفیق الدین شارق اپنے ''نعت رنگ'' میں شائع شدہ ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

> سب سے بڑھ کر یہ کہ ان تمام موضوعات کو شاعری کا پیرایہ دینا اور ایسا شاعرانہ طرزِ بیان اختیار کرنا جیسا کہ اس کتاب میں ہے ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔ اس کے لیے جذبۂ صادق کی جو گہرائی اور احساسِ

واثق کی جو گیرائی چاہیے وہ قدرت نے قیصر الجعفری کو فراوانی کے ساتھ عطا کی ہوئی ہے۔

غزوات کے پس منظر کو بیان کرتے ہوئے انداز دیکھیے:

معاشرے کو برائی سے پاک کرنا تھا منافرت کے گریباں کو چاک کرنا تھا
جہاں کو رشتۂ توحید میں پرونا تھا جبینِ وقت سے صدیوں کا داغ دھونا تھا
کہاں ہیں وقت کے آثار دیکھنے والے کرم بھی دیکھ لیں تلوار دیکھنے والے
فسادِ خوف کو نشتر بہت ضروری ہے ستم کی کاٹ کو خنجر بہت ضروری ہے

۱۰۔ غزواتِ رحمۃ للعالمین ﷺ

محمد صادق لالہ صحرائی نے ۱۴۱۷ھ میں یہ اہم کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ اور یہ پوری نظم جو اپنی ہیئت کے اعتبار سے غزلیہ نظم کہے جانے کی حقدار ہے۔ عوام الناس کو مائل بہ جہاد کرنے کی ایک اہم کوشش کے طور پر یاد رکھی جائے گی۔ اس میں شاعر کا قلم جس سلاست اور روانی کے ساتھ حالات اور واقعات نظم کرتا چلا گیا ہے وہ امدادِ غیب ہی کے زمرے میں آتا ہے اور بقول شاعر صرف تین ماہ کی مدت میں پونے دو ہزار اشعار کہہ کر اس کتاب کی شکل میں پیش کیا جانا کسی اور طرح سے ممکن ہی نہیں تھا:

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اس طویل نظم کا تنقیدی مطالعہ کرتے ہوئے زبان و بیان کے حوالے سے کئی جگہیں ایسی محسوس ہوئیں جہاں لالہ صحرائی کا ذخیرۂ الفاظ لڑکھڑایا سا نظر آتا ہے۔ خاص طور پر وہ مصرعے جن کا اختتامِ لفظ ''جو'' پر ہوا، عیبِ ظاہر کہے جاسکتے ہیں، مثلاً:

غزوہ سفوان نام اس کا ہے، جو

یا

لوٹتے ہیں مسافروں کو، وہ

یا

قربِ مکہ میں تھے قبائل جو

اس کتاب پر تقریظ لکھتے ہوئے احمد ندیم قاسمی نے فرمایا کہ ''ان کی اس تازہ تصنیف کا ہر شعر ہر لحاظ سے مکمل ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ کتاب نعتیہ ادب کی ایک زندہ و تابندہ مثال قرار

پائے گی۔'' میرزا ادیب نے اس کے بارے میں رائے یوں دی کہ ''یہ ایک زندہ کارنامہ ہے ہمیشہ زندہ رہے گا۔'' جنابِ حفیظ تائب نے شاعر کی حوصلہ افزائی ان الفاظ سے کی ہے کہ ''اردو میں سیرت نگاری کی بہت توانا روایت موجود ہے جسے یہ کتاب نئے آفاق دکھا رہی ہے۔''

کچھ اشعار بطورِ نمونہ نذرِ قارئین ہیں:

اب آئی غزوے میں قلعہ نزار کی باری
اسے بھی غازیوں نے جیبِ فتح میں ڈالا

یہود قلعہ سلالم میں آ کے پھر سمٹے
مجاہدین کے حملوں سے صرف یہ تھا بچا

محاصرہ کیا آقا نے اس کا بھی آخر
ہوئی یہود پہ بھاری یہاں کی آب و ہوا

اگرچہ سیسہ نظر آتا تھا یہود کا دل
یہ تیغِ غازی سے کائی کے طور پھٹتا گیا

تباہی صاف نظر آتی جب انھیں اپنی
پیامِ صلح کا ان گوسفندوں نے بھیجا

حضور ﷺ چاہتے تو قتل سب کو کر دیتے
یہودیوں کے صحائف میں صاف یہ ہے لکھا

۱۱۔ سیّد البشر ﷺ

یہ تصنیف راقم الحروف کی کوشش ہے جس کی ابتدا ۱۹۹۵ء میں ہوئی اور یہ ۱۹۹۷ء میں مکمل ہوئی۔ اس میں حیاتِ نبوی ﷺ کے واقعات کو سانیٹ میں نظم کیا گیا ہے۔ مکی زندگی کے دور کو ۴۸ سانٹیس میں اور مدنی زندگی کو ۸۹ سانٹیس میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ منظوم حیاتِ طیبہ تمام اہم ماخذات سیر و مغازی (جو پاکستان میں دستیاب ہیں) کو مدِنظر رکھ کر تحریر کی گئی ہے۔ ہر سانیٹ کو ایک علاحدہ عنوان دیا گیا ہے۔ اور ہر سانیٹ کے بالمقابل صفحے پر نثر میں بھی پورے واقعے کی ضروری تفصیل بیان کی گئی ہے۔ گویا یہ کتاب بیک وقت نظم اور نثر دونوں میں سیّد البشر ﷺ کی حیاتِ طیبہ کو بیان کرتی ہے۔ ایک سانیٹ بعنوان ''خیرِ کثیر'' نذرِ قارئین ہے:

ستم کا ہوگیا آغاز سارے اہلِ ایماں پر
گلہ غیروں سے کیا ہوتا کہ اپنے بھی نہ تھے اپنے
حکم کا عقبہ کا اور بولہب کا ساتھ ہی تھا گھر
یہ ہمسائے نبی ﷺ کے گھر غلاظت پھینک دیتے تھے
گئے قاسمؓ تو پھر پائے ابوالقاسم ﷺ نے عبداللہؓ
رضاعت میں ہوئے یہ بیٹے بھی اللہ کو پیارے

سنا جب یہ تو دوڑا بولہب سب کو خبر دینے
کہ ابتر ہوگئے دیکھو محمد ﷺ ابنِ عبداللہ
ہوئے جب غم زدہ رب کے نبی ﷺ تو وحی پھر آئی
"تمھیں کثرت سے بخشا خیر ہم نے صورتِ کوثر
کرو اللہ کی خاطر عبادت اور قربانی
یقیں رکھو تمھارے سارے دشمن ہوگئے ابتر"

جو دی اللہ نے ڈھارس نیا عزم و یقیں پایا
نیا اک ولولہ لے کر اُٹھے اور دین کو پھیلایا

رسولِ کریم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ اور سیرتِ طیبہ تا ابد اہلِ ایمان کے دلوں میں وہ حرارت پیدا کرتی رہے گی جو انھیں نظم اور نثر دونوں میدانوں میں کارہائے نمایاں پر آمادہ کرے گی۔ جب تک زبان موجود ہے نہ تو اس میں نعت کے سرمائے میں کبھی کمی ہوگی اور نہ ہی سیرت کے حوالے سے عالمِ انسانیت کو ملنے والے پیغاماتِ خیر میں کوئی تاخیر واقع ہوگی۔ اپنے اس مضمون میں کوشش تو کی گئی ہے کہ اب تک سیرت نگاری/ حیاتِ طیبہ کو منظوم کرنے کی اہم کوششوں کا اجمالی جائزہ لیا جائے۔ تاہم اپنی تمام تر کوتاہیوں کو تسلیم کرتے ہوئے قارئین سے عرض گزار ہوں کہ میری اصلاح کرنے میں تعجیل کارِ خیر ہوگی۔ اپنے اس مضمون کو میں ان اشعار پر ختم کرتا ہوں:

مدحتِ سرکار کی پوچھی جو میں نے انتہا
کہہ دیا قرآن نے بے حد ہے اور بے انتہا
جب کوئی حد ہی نہیں محبوب کے اوصاف کی
خود ہی سوچو نعت میں پاؤگے کیسے انتہا

کتابیات

۱۔ ڈاکٹر ریاض مجید — اردو میں نعت گوئی — اقبال اکادمی، کراچی
۲۔ ڈاکٹر سیّد رفیع الدین اشفاق — اردو میں نعتیہ شاعری — اردو اکیڈیمی، سندھ
۳۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری — اردو کی نعتیہ شاعری — حلقۂ نیاز و نگار، کراچی
۴۔ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر — پیغمبرِ اعظم و آخر — فیروز سنز
۵۔ ڈاکٹر طلحہ رضوی برق — اردو کی نعتیہ شاعری — دانش اکیڈیمی، بہار

D:NaatRang-15
File: Mansoor
Final

۶۔	ڈاکٹر عاصی کرنالی	اردو حمد و نعت پر فارسی شعری روایت کا اثر	اقلیمِ نعت، کراچی
۷۔	پروفیسر محمد اکرم رضا	کاروانِ نعت کے حدی خواں	فروغِ ادب اکادمی، گوجرانوالہ
۸۔	حسین علی ادیب رائے پوری	مشکوٰۃ النعت	پاکستان نعت اکیڈیمی، کراچی
۹۔	مولانا الطاف حسین حالی	مسدسِ حالی	فضلی سنز، کراچی
۱۰۔	ابوالاثر حفیظ جالندھری	شاہنامۂ اسلام	مکتبۂ تعمیرِ انسانیت، لاہور
۱۱۔	راجا محمد عبداللہ نیاز	یہ ہیں کارنامے رسولِ خدا کے	دارالتذکیر، لاہور
۱۲۔	راجا رشید محمود	نعت کائنات	جنگ پبلشرز، لاہور
		ماہنامہ ''نعت''	ماہنامہ ''نعت''، لاہور

(اردو کے صاحبِ کتاب نعت گو)

۱۳۔	صبیح رحمانی	''نعت رنگ'' شمارہ ۵ اور ۶	اقلیمِ نعت، کراچی
۱۴۔	قیصر الجعفری	چراغ حرا	ادارہ ادبِ اسلامی، ہند
۱۵۔	محشر رسول نگری	فخرِ کونین (حصہ اوّل، دوم، سوم)	سجاد پبلی کیشنز، کوئٹہ
۱۶۔	محمد صادق لالہ صحرائی	غزواتِ رحمۃ للعالمین ﷺ	ادارۂ تکبیر، کراچی
۱۷۔	سیّد زائری حسین زائری زیدی	اوّل بھی آپؐ آخر بھی آپؐ	بی این ہاؤس پبلشرز

حاشیہ

☆۱۔ اردو کی منظوم سیرتوں میں ایک خوش گوار اضافہ چندر بھان خیال کی کتاب ''لولاک'' بھی ہے۔ جسے فرید بک ڈپونئ دہلی نے حال ہی میں شائع کیا ہے۔

چندر بھان خیال نے اپنی نظم کی کامیابی کے لیے کئی شاعرانہ تدابیر اختیار کی ہیں۔ سب سے اہم چیز جو قاری کی توجہ کو جذب کرتی ہے وہ ان کا بند ہے جو اردو میں بالکل نئی اختراع ہے۔ چار مصرعی بند میں شروع کے دو مصرعے ہم قافیہ ہیں باقی دو معرا ہیں، لیکن چوتھے مصرعے کا قافیہ اگلے بند کے دو مصرعوں کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ اس طرح یہ نظم بیک وقت نظم معرا اور پابند نظم کا لطف دیتی ہے۔

☆۲۔ جناب علیم ناصری کا نام شعر و ادب کی دنیا میں محتاجِ تعارف نہیں، حال ہی میں ان کی ایک کتاب ''بدرنامہ'' طباعت سے آراستہ ہوئی ہے دارالاندلس لاہور نے شائع کی ہے۔

یہ کتاب مجاہدینِ غزوۂ بدر کا ایمان افروز منظوم تذکرہ ہے جس میں جنگِ بدر سے قبل مکہ میں مسلمانوں کی سخت کوشی اور حضور اکرم ﷺ کی پُرمشقت حیاتِ مبارکہ پر بھی شاعر نے مہارت سے روشنی ڈالی ہے۔

(مرتب)

ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی۔ فیصل آباد

نعت اور نقدِ نعت ... چند گزارشات

کہا جاتا ہے کہ موجودہ صدی، نعت کی صدی ہے۔ اردو، فارسی، عربی بلکہ بعض علاقائی زبانوں کا مطالعہ، ہم عصر ادبی پیش رفت کا جائزہ اس خیال کا موید ہے۔ انیسویں صدی (خصوصیت سے اس کا نصف آخر) اور بیسویں صدی کا ادبی منظرنامہ واضح کر رہا ہے کہ اُمتِ مسلمہ کی ادبی کاوشوں کا بیشتر سرمایہ نعت کا ہی حوالہ رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نعت ایک معتبر صنفِ سخن کی حیثیت سے تنقید نگاروں اور جائزہ کاروں کی توجہ حاصل کر رہی ہے۔ اگرچہ ناقدانہ آرا کی ہماہمی میں بعض مغالطے بھی جنم لے رہے ہیں مگر یہ بڑے وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ نعت کے حوالے کے بغیر کوئی ادبی تحریک مکمل نہیں ہوسکتی، ضرورت اس کی ہے کہ تنقیدی آرا کو بھی معرضِ نقد میں پیش کیا جائے تاکہ نعت اور نقدِ نعت میں متوازن فکر نشوونما پاسکے، اس متوازن فکر کی دریافت سے قبل مناسب ہوگا کہ نعت کے تاریخی سفر پر ایک نظر ڈال لی جائے، اس سے استخراج کی سہولت میسر آئے گی۔

نعت کا سفر تخلیقِ آدم علیہ السلام سے ہی شروع ہوگیا تھا اور اگر وجہِ تخلیق کا محرک پیشِ نظر ہو تو یہ سفر بہت پہلے سے جاری ہے، حضرت آدم علیہ السلام کی زمین پر آمد سے نبی اکرم ﷺ کی بعثت تک نعت اظہار کے تفاوت کے باوجود، موجود رہی ہے، محققین نے اس سلسلے میں اَن تھک محنت کی ہے اور بہت تاب دار موتی دریافت کیے ہیں، ولادت کے جاودانی لمحے سے اس سفر کو تاریخ کی پوری روشنی حاصل ہے، ماضی میں دُور تک پھیلے ہوئے ان آثارِ نعت سے صرفِ نظر کرتے ہوئے صرف اُس دورِ ہمایوں کا تذکرہ کرتے ہیں جو نعت کا معتبر اور مثالی دور ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عہد، نعت کا معتبر حوالہ ہے کہ اس میں نعت کی کثرت بھی

ہے، تنوع بھی اور آداب آشنائی کے ذوقِ سلیم کی معراج بھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، ذاتِ ممدوح کے عینی شاہد تھے اس لیے بلاواسطہ اُس وجودِ مکرم سے فیض یاب تھے، قرآن مجید کی ہدایات، روایات و احادیث کی تعلیمات اور اُن کا اپنا جذبۂ صادق رویوں میں توازن اور اظہار میں حسن پیدا کر رہا تھا۔ وہ طلاقتِ لسانی کی وسعتوں سے آشنا ہونے کے باوصف حدود شناس تھے، عرب فطرتاً بھی خلافِ واقعہ اور دُور ازکار گفتگو کے عادی نہ تھے، وہ اپنے مشاہدے میں کھرے بھی تھے اور بے باک بھی۔ وہی دیکھتے جو موجود ہوتا اور وہی کہتے جو محسوس ہوتا۔ تصور و خیال کی جولاں گاہ اُن کی دسترس میں تھی مگر وہ حقیقت اور خیال کی ہم مشربی کے قائل تھے، وہ نہ تو دیکھ کر آنکھیں بند کر لینے کے خوگر تھے اور نہ عدمِ مشاہدہ کو مشاہدہ کی مصنوعیت عطا کرنے کا ذوق رکھتے تھے، یہ بندگانِ صحرائی، فطرت کے مقاصد کی نگہبانی کی صلاحیت رکھتے تھے۔ اس لیے اُن کے ہاں نہ کسی مصلحت کا پردہ تھا اور نہ ہی کسی قسم کی تہذیبی منافقت تھی۔ عرب شاعر اپنے مشاہدہ اور اپنے خیال کے ساتھ زندہ تھا۔ وہ نہ تو خیال مستعار لیتے تھے اور نہ الفاظ، یہ ضرور تھا کہ اُن کے داخل میں جب بے ترتیبیوں نے ہنگام بپا کیا تو اس کا اثر اُن کی زبان اور رویے پر بھی نظر آیا۔ اسلام نے جب شرک کی ظلمت سے پیدا ہونے والی بے خبری کا پردہ چاک کیا اور عرب فطرت کے جوہرِ آب دار پر پڑی گرد صاف کی تو اُن کا باطن لہلہانے لگا، داخل سنوارا تو ظاہر مستقیم ہوگیا۔ داخل و خارج کی یگانگت سے صداقتوں کا نور دمکنے لگا۔ عرب فطرت کی صداقت پسندی انھیں بارگاہِ صدق میں لے آئی تو صحرائے عرب کا گوشہ گوشہ پیغام بر صداقت ﷺ کی مدح سرائی سے مہکنے لگا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آفتابِ نبوت ﷺ کی ضوفشانیوں نے نجومِ ہدایت بنا دیا۔ روشنیوں کا یہی ہالہ تھا جس میں نعت کا سفر جاری رہا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ اعزاز حاصل رہا کہ وہ نعت کے تقاضوں سے باخبر تھے۔ لفظ و معنی کے رشتوں سے بھی آگاہ تھے اور خوش قسمتی کہ انھیں ہادیٔ اعظم ﷺ کی راہنمائی بھی حاصل تھی۔ یہ دعویٰ بڑے یقین و اعتماد کے ساتھ کیا جاسکتا ہے کہ نعت کی ابتدا ہی بلند بام تھی جب کہ دیگر اصنافِ سخن، صدیوں کے سفر اور بے شمار نشیب و فراز سے گزرنے کے بعد تکوینی وقار حاصل کرتے ہیں۔ نعت کا یہ شرف کہ اس کی ابتدا ہی معیاری تھی، بعد والوں کو سہولت بھی عطا کرتا ہے اور محتاط قدمی کا پیغام بھی دیتا ہے۔ نعت کا معیار، مضامینِ نعت کا تنوع اور حدود، حالات و ظروف کے تحت اس میں کشادگی کے امکانات، نعتیہ ادب کے طالب علم کو عہدِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہی تلاش کر

لینے چاہییں تا کہ لغزشِ قدم کا خطرہ نہ رہے۔ بہتر ہوگا کہ ابتدا ہی میں عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی نعتیہ شاعری کے مشتملات کا شمار کرلیا جائے تا کہ راہ متعین کرنے میں دقت نہ ہو، استیعاب تو ممکن نہیں مگر پھر بھی یہ کاوش کر لینی چاہیے کہ نعت میں ذاتِ ممدوح ﷺ کے حوالے سے ان امور کا خیال رکھا گیا ہے اور یہی امور ہر دور کے لیے لائقِ تقلید ہیں اس لیے ہر نعت نگار کو ان سے اپنی راہیں روشن کرنا چاہییں۔

☆ ممدوح، مخلوق ہے مگر تخلیق کا شہکار ہے، لازم ہے کہ ذات ممدوح میں الوہی صفات تلاش نہ کی جائیں اور یہ بھی ضروری ہے کہ مثلیتِ مخلوق کی غیر موافق توجیہ پر اصرار نہ کیا جائے۔
☆ ممدوح، انسانی حسن و جمال اور اوصاف و محامد کا بے مثل پیکر ہے اس لیے بہر رنگ مدح سرائی کا مستحق ہے۔
☆ ممدوح فرستادۂ الٰہی ہے اور فرستادگان کا امام ہے۔
☆ ممدوح کی سیرت لائقِ اتباع ہے کہ وہی اسوۂ حسنہ ہے۔
☆ ممدوح کا جسمانی وجود، حسی حوالہ، خاندانی نجابت اور تعلقات کا ہر ہالہ معتبر ہے۔ یہ یقین رہنا چاہیے کہ ذاتِ ممدوح ہر حوالے سے بے مثل اور عظیم تر ہے۔
☆ ممدوح کی محبت باعثِ نجات اور غلامی سرافرازیوں کی ضمانت ہے۔
☆ ممدوح کی مدح معاشرتی تقاضا ہی نہیں ایمان کا مطالبہ بھی ہے۔
☆ ممدوح کی ذات، صفات اور خصائص کا بیان اور دفاع، علامتِ ایمان ہے اس لیے قول وعمل سے مدافعت کا حق ادا ہونا چاہیے۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان کی نعتیہ شاعری میں قرب کی تمنا اور وصال کی طمانیت اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ موجود ہے مگر کہیں کہیں فراق کی کسک کا اندازہ بھی ہوتا ہے جس کا والہانہ پن بعد میں ظاہر ہوا، قرب و بعد میں انسانی رویوں کا اظہار مختلف ہوتا ہے اگرچہ وجہِ اظہار ایک ہی رہتا ہے۔ استعانت و استغاثہ کی کیفیات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شاعری میں بڑی نمایاں ہیں۔ اگرچہ اس عہدِ زرّیں کے بعد اور خاص طور پر دورِ زوال میں ان کا لہجہ اور آہنگ زیادہ درد آفریں ہوگیا۔ دفاعی شاعری کے اوّلیں پیکر، اشاعتِ اسلام کی راہ میں حائل معاندانہ سرگرمیوں کے حوالے سے ترتیب پائے تھے، بعد کے ادوار میں مکر وفریب کی چالوں، منافقت کے ہتھکنڈوں اور بدعقیدگی کی زہریلی چالوں کے حوالے سے ترتیب پانے لگے۔ اس لیے کہ

سازشیں بالمقابل نہ تھیں، ملفوف تھیں اور ملتِ اسلامیہ کو اپنا تشخص قائم رکھنے کے لیے آستین کے سانپوں سے محتاط رہنا تھا۔ الغرض مدحیہ شاعری، توصیف و دفاع کے جذبوں کے ساتھ عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے عصرِ حاضر تک موجود ہے۔

نعت، دینی تقاضوں کے حرفی پیراہن کی صورت میں ہر دور کی زینت رہی ہے۔ بعض ادوار اس ثروت سے مالامال رہے تو بعض ادوار مداہنت کا شکار بھی ہوئے۔ اس مداہنت میں حکمرانوں کی نرگسیت کا عمل دخل زیادہ رہا۔ حال مست معاشرے بے اعتدالیوں کا شکار ہوئے تو صاحبانِ اقتدار کی نفس پرستی نے بھی اس واجب کی ادائیگی میں منفی کردار انجام دیا مگر جب غلامی، زوال، انحطاط اور جبر نے زبوں حال کر دیا تو نعت ہی نے سہارا دیا۔ بے بسی، بدحالی، در، در کی خواری اور خصوصیت سے اقتدار کی بے ثباتی نے مضطرب کیا تو اُس وجودِ مکرم ﷺ کی یاد آئی جو ہر درماندہ کا سہارا ہے۔ سلطنتِ عباسیہ کے زوال، ہلاکوخان کے مظالم اور معاشرتی بے چینیوں نے جھنجھوڑا تو بے چین نظریں گنبدِ اخضر کا سہارا ڈھونڈنے لگیں، مادّی سہاروں کی خودفریبی کا طلسم ٹوٹا تو پناہ گاہ عالم ﷺ کی دُہائی دی جانے لگی اور نعتیہ شاعری کا دورِ عروج شروع ہوا۔ امام الصوصریؒ، امام البوصیریؒ سے احمد شوقی تک ایک مربوط سلسلہ ہے۔ برصغیر میں بھی ایسا ہی ہوا۔ شیخ عبدالمقتدر اور شیخ احمد سے نعت کی دنیا آباد ہوئی مگر پھر وہی طاقت ور حکمرانی جس سے اس تعلق کو ضعف پہنچا، لیکن شاہی طمطراق کو زوال آتے ہی خودفریبی کا پردہ چاک ہوا اور نعت کی طرف توجہ ہوئی۔ برصغیر میں استعماریت کا دور استغاثوں اور فریادوں کا دور ہے۔ بغداد کی تباہی اور دہلی کے زوال نے ایک سے اثرات مرتب کیے۔ تحریکِ پاکستان نے اس تعلق کو تقویت دی کہ اپنے وجود کی تلاش اس حوالے کے بغیر ممکن ہی نہ تھی۔ نعت نے مطالبوں کو ہی یک رنگی عطا نہیں کی، شعور وفکر کو بھی وحدت آشنا بنایا اس طرح نعت ملّی تشخص کا سب سے بڑا ذریعہ ثابت ہوئی۔

نعت کا یہ چودہ سو سالہ سفر بہت سے نشیب و فراز سے گزرا۔ حالات، تقاضے اور جغرافیائی ماحول میں یکسانی نہ تھی، مقامی اثرات اہم رول ادا کر رہے تھے۔ منابع نعت سے بے خبری بھی اثر دکھاتی رہی تھی۔ برصغیر کا دیومالائی پس منظر بھی شب خون مارتا رہا تھا۔ ماحول کی سنگینی نے بھی معتقدات پر اثر ڈالا تھا جس سے مقامی شاعری متاثر ہوئی تھی۔ نعت میں بھی مقامی اثرات در آئے تھے اس لیے گاہے گاہے ایسے اشعار بھی کہے گئے جو نعت کے تقدس کو برقرار نہ رکھ سکے۔ ضروری تھا کہ ایسے اشعار اور ایسے خیالات کا فوری محاسبہ کیا جاتا۔ سوچیے جب

قرآن مجید کی آیات کی تلاوت میں ایسے لہجے اور رویے کی نشان دہی ہوئی جو معیاری نہ تھے تو خلیفہ راشد نے ہزار احترام کے باوجود غیر معیاری نسخے واپس لے لیے اور معاشرے میں باقی نہ رہنے دیے۔ یہ ایک انتباہ تھا کہ مسلم معاشروں میں معیار سے ہٹ کر غیر صالح رویے برداشت نہیں کیے جانے چاہییں۔ یہ بھی یاد رہنا چاہیے کہ غیر معیاری میلان پر کاری ضرب لگاتے ہوئے مناسب اختلافات کی گنجائش باقی رہنی چاہیے کہ انسان کی جغرافیائی اور علاقائی مجبوری کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ گنجائش اور حدود کے درمیان ایسی حدِفاصل قائم رہنا لازم ہے جو پریشان نظری سے بچائے اور آزادیٔ فکر کی بھی آبیاری کرے۔ اسی ضرورت نے نعت کے حوالے سے تنقیدی شعور کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ مقامِ مسرت ہے کہ عصرِ حاضر میں نقد ونظر کی اہمیت تسلیم کی گئی ہے اور بڑی مخلصانہ کاوشیں ہوئی ہیں۔ یہ تنقیدی رویے، اصلاح کے ضامن بھی ہیں اور ترویجِ نعت کے محرک بھی۔ یہ مستحسن پیش رفت ''نعت رنگ'' کے اجرا سے ثبات لے رہی ہے۔ ''نعت رنگ'' کا ہر شمارہ پُرخلوص ناقدانہ بصیرت کا مرقع بنتا جا رہا ہے۔ مناسب ہوگا کہ تنقیدی حوالوں سے لکھنے والے قلم کار اپنے رویوں پر خود بھی نظر رکھیں کہ کہیں جوشِ نقد سلامت روی سے برگشتہ نہ کر دے، اس حوالے سے چند بنیادی امور کی طرف نشان دہی کی جا رہی ہے تا کہ نعت اور تنقیدِ نعت میں موانست کے جذبے بیدار رہیں۔

نعت تین عناصر سے تشکیل پاتی ہے:

۱۔ زبان جو اظہار کا پیراہن ہے اس کی حدود کا احساس رہے اور لفظ لفظ کی حرمت پیشِ نظر رہے۔ ادبی و شعری روایات سے لائق اعتماد آگہی ہو کہ ان کو صدیوں کی محنت نے روایت بننے کا حق عطا کیا ہے۔ ہر زبان کے اپنے تقاضے ہوں گے۔ اختیارِ کلمات کا ذوق، ضمِ کلمات کی صلاحیت اور حرف حرف کا مرتبہ و مقام، معیاری شاعری کے اساسی اجزا ہیں۔ نعت چوں کہ شعری لبادے میں ہے اس لیے اوزان و قوافی کی مروّج حد بندیاں، ایک ایک کلمہ کا درست تلفظ تا کہ صرفی قوانین بھی مجروح نہ ہو۔ نحوی ضابطے بھی نہ ٹوٹیں اور عروضی حدود بھی پامال نہ ہوں۔ بدقسمتی سے اوزان و بحور سے فطری یا کسبی لگاؤ نہیں ہوتا مگر معاشرتی تقاضوں سے مجبور ہوکر میدانِ شعر میں قدم رکھ دیا جاتا ہے۔ اس سے ایک غیر صالح رویہ جنم لیتا ہے۔ شعر اُسے ہی کہنا چاہیے جو شعر کہنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ معاجم سے ہم قافیہ کلمات کی فہرست تیار کرنے سے شاعری نہیں ہوسکتی۔ قدما ان حدود کے پابند رہے مگر عصرِ حاضر کی آزاد روش نے بارہا ان حدود سے بغاوت

کی۔ بعض اوقات تو محسوس ہوتا ہے کہ یہ بے خبری کا شاخسانہ ہے۔

۲۔　نعت صرف عروضی جمع تفریق کا نام نہیں۔ یہ سیرتِ رسول ﷺ کے لائق اعتماد تذکار کا نام ہے۔ اس لیے نعت گو شاعر کو سیرت کے حوالوں سے آگہی کا اہتمام کرنا چاہیے تاکہ کوئی خیال، بے سند اور کوئی نشان وہی محض قیاس نہ قرار پائے۔ عصرِ حاضر کے شعرا کو اس جانب خصوصی توجہ دینا چاہیے۔

۳۔　نعت نہ تو صرف شعری صلاحیت کا اثر ہے اور نہ روایات کی ترتیب کا نام۔ یہ تو جذباتِ محبت اور احساسِ عقیدت کے اظہار کا وہ سلیقہ ہے جو ہمہ تن محترم ہے۔ یہ صرف نظم نہیں بلکہ ذاتی واردات کا شعری پیراہن ہے۔ جذبوں کی سچائی نعت کا حسن ہے اور حرفوں کی متانت اس کا جمال ہے۔ اُس بارگاہِ عظمت میں اسے پیش کرنا ہے جہاں اگر جنبشِ لب، خارج از آہنگ ہو جائے تو ایمان کا خطرہ ہے اور اگر جذبے مستقیم اور پابندِ آداب نہ رہیں تو دھتکارے جانے کا احتمال ہے۔

غور کیا جائے تو نعت مشکل ترین صنفِ سخن ہے کہ اس میں لفظ و معنی کی طہارت درکار ہے۔ اسی لیے فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے اسے تلوار کی دھار پر چلنے کے مشابہ قرار دیا تھا۔ اس حوالے سے ناقدینِ فن حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے قصیدے بانت سعاد کے ایک شعر پر پیغمبرانہ ردِّعمل کا حوالہ ضرور دیتے ہیں۔ واقعہ یوں ہے کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ اور اُن کے بھائی حضرت بجیر رضی اللہ عنہ جب آفتابِ نبوت کی ضیاپاشیاں محسوس کرنے لگے تو مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔ حضرت بجیر رضی اللہ عنہ پہلے حاضر ہوگئے کہ حالات کا جائزہ لیں۔ وہ مدینہ منورہ آئے تو وہیں کے ہو رہے۔ اس پر حضرت کعب رضی اللہ عنہ جو بھائی کے منتظر تھے جذباتی ہوگئے اور غصے میں تین شعر ایسے کہہ دیے جو منزلتِ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مناسب نہ تھے۔ قتل کا حکم ہوا، صحرا کو نکل گئے اور مدت بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی پناہ میں دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے اور ماسبق لغزشوں پر معذرت چاہی اور تلافیٔ مافات کے طور پر ایک قصیدہ پیش کیا جو روایتِ مدح کا معروف و مقبول قصیدہ ہے اور اس لیے بھی محترم ہے کہ دربارِ رسالت میں پیش کیا گیا اور رحمتِ عالمین ﷺ نے اسے سماعت فرمایا۔ تحسین بھی فرمائی اور انعام بھی دیا۔ اس قصیدہ کا ایک شعر جو مدح نگاری کا نقطۂ کمال ہے۔ یوں تھا:

ان الرسول لنور یستضاء به
مهند من سیوف الهند مسلول

اس پر نبیٔ رحمت ﷺ نے روکا اور اس کے مصرعۂ ثانیہ کو بدل دیا اور شعر یہ صورت لے گیا:

ان الرسول لنور یستضاء به
مهند من سیوف الله مسلول

یعنی سیوف الھند کی بجائے سیوف اللہ کر دیا گیا۔ اس سے نقدِ شعر کے حوالے سے یہ اصول استنباط کیا گیا کہ لفظ مناسب نہ ہوں تو نعت کی عظمت پر حرف آتا ہے۔ یہ اصلاح چوں کہ رسول اللہ ﷺ نے خود فرمائی تھی اس لیے حجت قرار پائی اور ناقدین کو نقدِ شعر کا ایک ضابطہ ہاتھ آیا اور اس بنیاد پر نعتیہ شاعری پر تنقید کا در کھلا، اس اصلاح کا یہ پہلو ضرور پیش نظر رہنا چاہیے کہ سیوف الھند کی ترکیب کو بدل دیا گیا مگر مھند کا کلمہ برقرار رکھا گیا۔ سیوف الھند کی ترکیب عرب معاشرت میں ہندی تلواروں کی عمدہ کارکردگی کی بنا پر معروف ہوئی تھی مگر اس میں اضافت تھی جو سیوف کو فوقیت کا مقام عطا کر رہی تھی۔ رسولِ عالمین ﷺ کے حوالے سے گفتگو کو کسی محدود نسبت کا حوالہ دینا، آفاقی حسیت کو علاقائی نسبت سے محدود کرنا تھا۔ پھر یہ کہ ہند کی تلواریں کاٹ میں عمدہ تو ہوسکتی تھیں مگر اُن کی کاٹ میں خوب و ناخوب کی کوئی قوت نہ تھی۔ ان کے مقابلے میں اللہ کی تلواریں کہہ کر یہ واضح کرنا بھی تھا کہ یہ کاٹ دار ضرور ہے مگر اُٹھتی کسی ناخوب پر ہی ہے۔ قوت کو خیر ہی کا پیغام بر بننا ہے۔ شعر سے کسی ذہن میں تاویل کا سقم پیدا نہ ہو۔ اس لیے اصلاح کر دی گئی۔ اس حوالے سے غلط انتساب ناموافق نسبت اور غیر محمود ترکیب سے اجتناب کی راہ دکھائی گئی۔ شعر میں مھند کا کلمہ بھی ہندی حوالہ رکھتا ہے مگر اسے تبدیل نہیں کیا گیا اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ اگرچہ لفظوں کی ساخت کسی نہ کسی حوالے سے ہی ترتیب پاتی ہے لیکن تشکیل کا یہ حوالہ عموم حاصل کرلے حتیٰ کہ تشخیص سے تجرید کا سفر کرلے تو ایسے لفظ استعمال ہوسکتے ہیں اور ان کا بدلنا ضروری نہیں ہوتا۔ اصطلاحات و تلمیحات کی یہی حقیقت ہے کہ اُن کی بنیادی ساخت میں کسی حسّی حوالے کی کارفرمائی ہوتی ہے مگر یہ حوالہ صرف تشکیلِ معنی کا ایک بنیادی عنصر ہوتا ہے۔ اور تفہیم کی سہولت عطا کرتا ہے۔ مروّج اصطلاح یا رائج تلمیح کو ہر اعتبار سے اُس کے بنیادی معنی کا پابند نہیں رکھا جاسکتا، مثلاً مسیحا یا مسیحائی کے کلمات یقیناً حضرت مسیح علیہ السلام سے نسبت رکھتے ہیں کہ شفا بخشی کا ایک بنیادی مفہوم آپ کی ذات سے ہی لیا گیا ہے مگر جب مسیحا کسی معالج کے لیے استعمال ہو تو اُس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تمام صفات تلاش کرنا کارِ لاحاصل ہوتا ہے۔ یہ تو قوتِ علاج کو ایک معتبر حوالہ دینا ہے۔ مثیل قرار نہیں دیتا۔ صبرِ ایوب،

D:NaatRang-15
File: Ishaaq
Final

گریۂ یعقوب یا طوفانِ نوح، اب تلمیح کے طور پر مستعمل ہیں اس لیے اگر کوئی کہے کہ ''صبرِ ایوب کیا گریۂ یعقوب کیا'' تو وہ اپنی کیفیات کو تاریخی تناظر میں بیان کر رہا ہے، ہم سری کا دعویٰ نہیں کر رہا۔ یقیناً زبان کی ثروت ایسے ہی کلمات اور ایسی ہی تراکیب سے ہوتی ہے۔ ''دل بیدار فاروقی، دل بیدار کراری'' جسارت نہیں کسبِ فیض کی ایک تمنا ہے۔ تشبیہات میں بھی بعض اوقات ایسی الجھن پیدا ہوجاتی ہے۔ عموماً مشبہ بہ کو برتر سمجھا جاتا ہے کہ اسی برتری کی بنیاد پر تشبیہ دی جاتی ہے مگر یہاں بھی اس قانون یا ضابطے کی شدت نقصان دہ ہے۔ حسن و جمال کے حوالے چاند سے تشبیہ فضیلت کے حوالے سے نہیں۔ حسن و جمال کی کیفیات کو ایک عیاں تر حوالہ دے کر قاری پر اس کا نقش ثبت کرنا ہوتا ہے۔ کبھی پہلے سے معروف مفہوم کے سہارے نئے مفاہیم کی جلوہ گری مقصود ہوتی ہے۔ درودِ ابراہیمی میں ''کما صلیت علی ابراھیم'' رحمتوں کی طلب کا ایک پہلے سے موجود معروف حوالہ ہی ہے۔ ایسی الجھن عربی کے مایہ ناز شاعر ابوتمام کو پیش آگئی تھی جب وہ وہ دربارِ عباسی میں مدحیہ قصیدہ پیش کر رہا تھا۔ دورانِ قصیدہ ممدوح کی صفات شماری میں وسعتوں کے حوالے سے یہ کہہ گیا۔

اقدام عمرو فی سماحة حاتم

فی حلم احنف فی ذکاء ایاس

کہ ممدوح پیش قدمی میں عمرو کی طرح ہے تو سخاوت میں حاتم ہے۔ حلم میں احنف اور ذکا میں ایاس ہے۔ اُس نے سوچا ہوگا کہ ممدوح کو ایک شعر میں چار بلند قامت اور اپنے اپنے میدان کے شہسواروں سے تشبیہ دے رہا ہوں تو اس قادرکلامی پر سامعین حتیٰ کہ شاہِ بغداد بے حد خوش ہوں گے اور زر و جواہر نثار کر دیے جائیں گے مگر دربار میں موجود مشہور عرب فلسفی الکندی بھی موجود تھا اُس نے فوراً ردِّعمل دیا کہ ''ا تشبه امیرالمومنین باخلاف العرب'' کیا تو امیرالمومنین کو عرب کے بدوؤں سے تشبیہ دے رہا ہے۔ بظاہر تو یہی بات تھی کہاں قبائل کے سردار اور کہاں پوری مملکتِ اسلامیہ کا صدرنشین؟ اعتراض نے سب کو مبہوت کر دیا۔ ابوتمام نے سر اٹھایا اور عرض کیا ابھی بات جاری ہے، جلد فیصلہ نہ کیجیے اور پھر دو ایسے شعر کہہ دیے جو اس کے ہاتھ میں تحریر کیے ہوئے قصیدے کا حصہ نہ تھے بلکہ اس کی بدیہہ گوئی کا مظہر اور اعتراض کا مسکت جواب تھے۔ کہا میری ان تشبیہات کو جو برتر کو کم تر سے دی گئی ہیں لائقِ تردید نہ سمجھو کیوں کہ:

فاللّٰہ قد ضرب الاقل لنورہ

مثلاً من المشکوٰۃ والنبراس

اللہ تعالیٰ نے بھی تو اپنے نور کو چراغ سے تشبیہ دی ہے۔ قرآن مجید میں دی گئی تشبیہ کو ابو تمام نے اپنی دلیل بنایا اس لیے کہ اگر یہ کلیہ تسلیم کرلیا جائے کہ مشبہ سے مشبہ بہ کو برتر ہی ہونا ہے تو خالق کی کسی صفت کو بھی تشبیہ نہیں دی جاسکتی۔ اسی طرح مخلوقات کے امام ﷺ کے لیے کسی تشبیہ کا مقام نہ ہوگا۔ حالاں کہ تشبیہ برتری ظاہر کرنے کا ذریعہ ہوسکتی ہے مگر ہر موقع پر نہیں، بے مثل صفات کو نسبتاً کم تر سے تشبیہ دینا کم کرنا نہیں ہوتا۔ مفہوم کی توضیح اور سامع یا قاری کو تفہیم کا ایک سہارا عطا کرنا ہوتا ہے۔

ان گزارشات سے صرف یہ مطلوب ہے کہ لفظوں کے ورے جذبوں کو بھی پیشِ نظر رکھیں تا کہ بعض قیمتی شعر بھی زد میں نہ آجائیں۔ حیرت تو اس پر ہے کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے بعض اشعار بھی اسی پیمانے پر کس دیے گئے ہیں۔ برصغیر میں نعت کی دنیا کو ایک نہایت محتاط وارفتگی کا حامل ایک شاعر ملا تھا ہم اُس وجود کو بھی اپنی ذہنی تنگناؤں کے حوالے سے ہدفِ تنقید بنا رہے ہیں۔ نعت میں ایمان کے تقاضے جب محبتِ رسول ﷺ کی رفعت سے آشنا ہوتے ہیں اور قرب کی منزلوں سے آگہی بخشتے ہیں تو کئی فرش نشین ان رفعتوں کے ادراک سے قاصر رہ جاتے ہیں مگر ان کوتاہیوں کو حجت قرار دے کر صائب و ناصائب پر حملہ آور ہوجاتے ہیں۔

برصغیر کی فضا میں یہ بھی اکثر کہا جاتا ہے کہ محبتِ رسول ﷺ میں غلو کیا جاتا ہے اور بندہ و مولا کا فرق ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔ اس دعوے کی تائید میں چند اشعار ہر نقاد کو یاد ہوتے ہیں۔ حیرت ہے مدت سے یہی اشعار جو کسی طور بھی معیاری نہیں بطورِ دلیل پیش کیے جاتے ہیں۔ کیا نعت کے معیاری ادب میں ان اشعار کی کوئی حیثیت ہے، کیا ان اشعار کو بنیاد بنا کر اصول مرتب کیے جاسکتے ہیں۔ اس میں ایک نفسیاتی مغالطہ بھی ہے۔ برصغیر میں جب اسلام داخل ہوا تو یہاں کی مقامی آبادی کا تصورِ الٰہ بھی بے کیف تھا اور تصورِ انسان بھی۔ آبادی کی اکثریت تعدد الٰہ کی قائل تھی اور انھوں نے اپنی فہمِ ناقص کے حوالے سے الٰہ کو بھی اپنی صفات عطا کر رکھی تھیں۔ دیوتا انسان کی طرح رہتے، آپس میں جنگ و جدال کرتے۔ حتیٰ کہ شادی بیاہ کرتے اور اولاد پیدا کرتے تھے۔ اوتار اور دیوتا کا فرق نہ رہا تھا۔ اس طرح تصور الٰہ بہت محدود ہوکر کم تر صفات کا حامل ٹھہرا تھا۔ اسلام نے اس تصور کی نفی کی۔ مقامِ الٰہ کی عظمت سجھائی اور خالق و مالک پر ایمان کو واضح کیا۔ اس طرح ایک انقلاب برپا ہوا۔ مگر اس کے باوجود قربِ ہنود کی پستیاں کہیں کہیں راہ پاتی رہیں۔ حتیٰ کہ بعض اعمال میں ہندو معاشرت، مسلمان گھرانوں میں بھی داخل ہوئی۔

D:NaatRang-15
File: Ishaaq
Final

کانگریس کا قرب بھی شاید کسی ایسے مخفی شب خون کا اثر تھا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ جب بھی مدحِ رسالت ﷺ کی بات ہوئی تو ایک شور اُٹھا کہ ''رسول'' کو خدا بنایا جا رہا ہے۔ حد سے تجاوز کیا جا رہا ہے۔ بلاجواز مبالغہ ہو رہا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ شور اسی نفسیاتی الجھن کا نتیجہ ہے۔ مقامِ رسالت میں مبالغہ کیسا، حد سے تجاوز کیسا۔ یہاں تو لوگوں کو ہزار محنت کے باوجود حد ہی نہیں ملی۔ شاید یہ مسئلہ شانِ رسالت ﷺ میں حد سے بڑھنے کا نہیں، شانِ الوہیت میں کمی کا ہے۔ ''الہٰ'' کو اس قدر نیچے اُتار لیا گیا ہے کہ مقامِ رسالت ﷺ کے حوالے سے ہر گفتگو پر قرب و شرکت کا احساس ہونے لگتا ہے۔ حالاں کہ عصرِ حاضر کی نعتیہ شاعری بھی اپنے لیے عہدِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نعتیہ شاعری سے ہی مضامین چن رہی ہے۔ یہ ضرور ہے کہ مطالعے کی کمی سرِ راہ ہے۔ اس سلسلے میں نعتیہ جرائد کو تعلیمِ سیرت کے لیے خاص گوشے متعین کرنے چاہییں۔

ایک اور ذہنی تحفظ جو غیر جانبدارانہ جائزوں کی راہ میں حائل ہے، وہ مسلکی وابستگی ہے۔ یہ زندہ معاشروں کا حسن ہوتا ہے کہ مخلصانہ اختلاف کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ مرکز تو ایک ہی وجود ہے۔ سب اُسی کے حضور اپنی اپنی عقیدتوں کے گلدستے لیے حاضر ہیں۔ اس رنگارنگی سے محبت کرنے والوں کے دلوں میں انشراح آنا چاہیے کہ میرے محبوب کریم ﷺ کا میں ہی نہیں سب ہی چاہنے والے ہیں۔ محبت بے لوث ہو تو محبوب کی ہر نسبت معتبر ہوتی ہے۔ اللہ کرے محبتِ رسول ﷺ، اُمت مسلمہ کی وحدت کی پختہ اساس بنے۔ یہ خواہش ہر دردمند دل کی ہے مگر بدقسمتی یہ ہے کہ ہر مدعیِ محبت ایسا رویہ نہیں رکھتا اور وہ اپنے خیالات کو ہی صائب گردانتا ہے اور دوسروں کی لائقِ تحسین کاوشوں کو بھی رد کرنے میں خوشی محسوس کرتا ہے۔ نعت کے مضامین میں بھی ایسی ہی پسند و ناپسند اثر دکھاتی ہے۔ کاش ایسا نہ ہو کہ نعت کا تقدس بے نفسی کا تقاضا کرتا ہے۔

تنقیدِ نعت کی موجودہ کاوشوں کا ایک ثبوت اثر ضرور ہوا ہے کہ نعت جسے دینی حلقوں کے ذوق کی علامت ہی قرار دیا جا رہا تھا۔ زندہ ادب کا اہم عنصر بھی سمجھی جانے لگی ہے اور وہ شاعر جو اسے مسجدوں یا حجروں کی چیز سمجھ کر نظرانداز کر رہے تھے۔ نعت کا سہارا لینے پر مجبور ہوگئے ہیں۔ یہ غزل گو شاعر نعت میں تقدیس کے حوالوں سے پوری طرح باخبر بھی نہیں ہیں اس لیے غزلیہ آہنگ کو نعت کی رفعتوں کے لیے زینہ بنا رہے ہیں۔ یہ بجا طور پر کہا جا رہا ہے کہ نعت کا عنوان ہٹا دیا جائے تو وہ غزل ہی ہے مگر بعض اساتذۂ غزل، نعت کی حدود کا ادراک رکھتے ہیں۔ اس لیے وہ جب اس میدان میں آئے تو اُن کی عقیدتوں نے بڑے کارنامے انجام دیے۔ موجودہ

ادب کے مطالعے سے یہ بات نمایاں ہوتی ہے کہ نعت گو شعرا کے اندر ایک حیرت انگیز وارفتگی موجود ہے جسے نقد و نظر کے مشفقانہ رویوں سے مزید بہتر صورت لینے کی تحریک کی جاسکتی ہے۔ جناب عاصی کرنالی، جناب عزیزاحسن، جناب رشید وارثی اور اسی قبیل کے چند اور اصحابِ فکر اس سلسلے میں قائدانہ کردار انجام دے سکتے ہیں۔ ان احباب کے ہاں فکر کی گہرائی بھی، مطالعے کی وسعت بھی اور دینی ادب سے فیض یابی کی صلاحیت بھی۔ ان کی نگارشات ''نعت رنگ'' کا وقار ہیں۔ اختلاف کی گنجائش موجود ہے کہ یہی گنجائش خوب تر کی تلاش کے لیے مہمیز ہوتی ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ ''نعت رنگ'' سے اصلاح کی خواہش کی بھی تکمیل ہو اور وحدتِ فکر و اظہار کی تمنا بھی برآئے۔

یقین کیجیے اس اُمت کو اس راہِ مستقیم پر ثابت قدم رہ کر چلنا ہے۔ نعت ایک صنفِ سخن ہی نہیں، تطہیرِ جذبات، تکمیلِ انسانیت اور تقویمِ عقائد کا ذریعہ بھی ہے۔ حیرت ہوتی ہے جب یہ آواز اُٹھتی ہے کہ نعت میں مبالغہ ہو رہا ہے، تجاوز کیا جا رہا ہے۔ میری دانست میں تو اب بھی کمی کا احساس ہی ابھرتا ہے۔ یہ افراط کا مسئلہ نہیں تفریط کا ہے۔ ذاتِ ممدوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رفعتوں کا جتنا ادراک ہوگا اُسی قدر ملت کی سرافرازیوں کی سبیل نکلے گی۔ اس لیے کہ تمام عظمتیں اسی وجودِ گرامی کی خیرات ہیں اور جس کسی کو بلندیاں تلاش کرنا ہیں اُسے اُسی ذاتِ گرامی ﷺ کے راہ گزر کے ذرّات شمار کرنا ہیں۔ غلام علی آزاد بلگرامی (م ۱۲۰۰ھ) نے سچ کہا تھا:

و غبارها المحسوس خوف هواء ها
کحل الیقین لمقلة المتردد

یعنی ''مدینۂ رسول ﷺ کی ہواؤں پر اُمنڈا ہوا ہے، متردد اور بے یقین آنکھ کے لیے سرمۂ ثبات ہے۔'' اللہ تعالیٰ ان قدمین کی نسبتوں سے سفرِ زندگی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

D:NaatRang-15
File: Ishaaq
Final

پروفیسر افضال احمد انوار۔ فیصل آباد

تنقیدِ نعت کی اہمیت اور اس کی مثبت جہتیں

نعت کے لغوی معانی وصفِ محمود ہوں یا تحسینِ حلیہ، امتیازی جوہر کا بیان ہو یا خصوصی خوبیوں کا اعلان، تعریفِ اقوال ہو یا توصیفِ احوال لیکن شعری اصطلاح میں نعت، حضرت محمد مصطفٰے احمد مجتبٰی ﷺ کی منظوم مدح ہے۔ نعت سراسر موضوعاتی مسئلہ ہے لہٰذا پابند یا آزاد کسی بھی شعری ہیئت میں نعتِ رسولِ مقبول ﷺ کہی جاسکتی ہے۔

نعت ایک قدیم، وسیع اور وقیع صنفِ سخن ہے لیکن نعتیہ تنقید کی تاریخ اتنی پرانی نہیں۔ اس کا سبب اس کے سوا کیا ہوسکتا ہے کہ ایک طویل عرصے تک ادبی تذکرہ نگاروں بلکہ نقادوں کی اکثریت نے بھی اسے ایک الگ سنجیدہ ادبی صنف کے طور پر نہیں لیا۔ نعت کو موضوعاتی اور مذہبی شے جان کر ایک طرف رکھ دیا گیا، حالاں کہ دنیا کی عظیم شاعری کا اکثر حصہ موضوعاتی ہے۔ میرتقی میر سے لے کر محمد حسین آزاد تک کسی نے نعت کی الگ شناخت کے حوالے سے تنقیدی خدمات سرانجام نہیں دیں حالاں کہ غزل کے حوالے سے ان بزرگوں نے اپنی بساط کے مطابق تنقیدی بصیرت کا ثبوت دیا۔ آگے چل کر الطاف حسین حالی، شبلی نعمانی، مولوی عبدالحی وغیرہ کے ہاں بھی نعتیہ تنقید کی باقاعدہ روایت نہیں ملتی۔ شعرالہند میں عبدالسلام ندوی نے مذہبی شاعری کے حوالے سے نعت پر اپنے تنقیدی کرب کا اظہار کرتے ہوئے بعض موانعاتِ نعت کی طرف اشارہ کیے۔ نعتیہ تنقید کا اوّلین، بھرپور اور باقاعدہ آغاز ڈاکٹر سیّد رفیع الدین اشفاق کے مقالے ''اردو میں نعتیہ شاعری'' سے ہوتا ہے جو بھارت میں ۱۹۵۵ء میں لکھا گیا۔ نعت کے حوالے سے پی ایچ۔ ڈی کے چند مزید مقالہ جات بھی ڈاکٹر اشفاق کی تنقیدی روایت کو آگے بڑھانے میں مفید ثابت ہوئے، جیسے پاکستان میں ڈاکٹر ریاض مجید کا مقالہ ''اردو

میں نعت گوئی''، بھارت میں ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی کا مقالہ ''اردو شاعری میں نعت گوئی''، بھارت میں ڈاکٹر اسماعیل آزاد فتح پوری کا مقالہ ''اردو شاعری میں نعت''، پاکستان میں ڈاکٹر اسحاق قریشی کا مقالہ ''برصغیر پاک و ہند میں عربی نعت''... ڈاکٹر مظفرعالم جاوید کا مقالہ ''اردو میلادنامے'' اور ڈاکٹر عاصی کرنالی کا مقالہ ''اردو حمد و نعت پر فارسی شعری روایت کا اثر'' بھی اس ضمن میں قابلِ ذکر ہیں۔ کچھ ایم فل اور ایم اے کی سطح کے مقالہ جات بھی کسی نہ کسی حوالے سے نعتیہ تنقید کا حصہ ہیں۔ ان مقالہ جات کے علاوہ ڈاکٹر طلحہ رضوی برق کی کتاب ''اردو کی نعتیہ شاعری'' اسی عنوان کی ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی کتاب اور جاوید حسن خان کی کتاب ''فی احسن تقویم'' بھی قابلِ ذکر ہیں۔ ''شام و سحر'' کے نعت نمبر، ڈاکٹر آفتاب نقوی شہید کے دونوں اوج نمبر اور کچھ دوسرے رسائل کے نعت نمبر بھی نعتیہ تنقیدی سرمائے میں مفید اضافوں کا باعث بنے ہیں۔ تنقیدِ نعت کے حوالے سے دو رسالے منفرد شان رکھتے ہیں یعنی راجا رشید محمود کا ماہنامہ ''نعت'' جو جنوری ۱۹۸۸ء سے باقاعدہ شائع ہو رہا ہے اور سیّد صبیح الدین رحمانی کا ''نعت رنگ'' جو ۱۹۹۵ء سے کتابی سلسلے کی شکل میں شائع ہو رہا ہے۔ یہ فہرست نامکمل ہو تب بھی کم از کم اتنا تو واضح کرتی ہے کہ اردو میں تنقیدِ نعت کی باقاعدہ تاریخ پچاس سال سے بھی کم ہے۔

لفظ تنقید اصلاً عربی نہیں بلکہ ایرانیوں کی ایجاد ہے۔ عربی میں اس کے لیے تنقاد اور اِنتقاد کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں، جن کا مادہ نقد ہے۔ نقد کا لفظی مطلب ''کھوٹے اور کھرے سکے الگ کرنا'' ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تنقید کا اصل کام خوبیوں اور خامیوں کی تمیز ہے۔ تنقید اصلاً حسن و قبح دونوں کو پرکھتی ہے۔ جو لوگ ''تنقیدِ نعت'' کی ترکیب سنتے ہی چیں بہ چیں ہوجاتے ہیں کہ حضور پُرنور ﷺ کی نعت پر تنقید کیسے ہوسکتی ہے۔ وہ تنقید کا مطلب صرف نکتہ چینی یا خامیوں کی نشان دہی لیتے ہیں۔ یہ معانی غلط ہی نہیں گمراہ کن بھی ہیں۔ حقیقتاً نعت پارے کے مواد، مفہوم اور ہیئت کے اچھے برے پہلوؤں کی جانچ اور اُن کے تناظر میں نعت کے مقام و مرتبہ کے تعین کا عمل تنقیدِ نعت کہلا سکتا ہے۔

ہر فن پارہ اپنے مواد اور اپنی ہیئت کے حوالے سے الگ تنقیدی معیارات چاہتا ہے۔ اسی ضرورت نے تنقید کی مختلف اقسام کو جنم دیا ہے جیسے تأثراتی تنقید، مارکسی تنقید، نفسیاتی تنقید، جمالیاتی تنقید، تقابلی تنقید اور ساختیاتی تنقید وغیرہ۔ نعت بھی اپنا الگ تنقیدی نظام رکھتی ہے۔ اس تنقیدِ نعت کی اساسیات و مبادیات قرانِ مجید میں واضح طور پر موجود ہیں۔

خالقِ کائنات کا قرآنِ مجید، فرقانِ حمید، جہاں دستورِ حیات اور صحیفۂ نجات ہے وہاں سیّدالمرسلین ﷺ کا تذکرۂ نعت بھی ہے۔ اس کی آیاتِ سرمدی، توصیفِ محمدی ﷺ سے پُر ہیں۔ اہلِ معرفت تو ''ہمہ قرآں در شانِ محمد ﷺ'' کا نعرہ بھی لگاتے ہیں۔ اس رحمانی بیاضِ نعت میں جگہ جگہ حضور نبی اکرم ﷺ کا ذکر بڑی محبت سے کیا گیا ہے۔ اُن کی کامل اتباع، محبت اور تعظیم کی تلقین کی گئی ہے، ایسے ہی قرآنی اشارات سے تنقیدِ نعت کے کلیدی معیارات متعین ہوتے ہیں۔

خالقِ کائنات نے قرآن مجید میں سرکارِ ابد قرار ﷺ کے وجودِ مسعود کو **لقد من اللّٰہ** فرما کر احسانِ عظیم قرار دیا ہے اور اس وجود کو **من اللّٰہ نور** قرار دے کر قدر و منزلت کو واضح کیا ہے۔ **ما ینطق عن الھوی** اور **وما رمیت اذ رمیت** کے اعلان سے اپنے حبیبِ کریم ﷺ سے اپنے خصوصی ربط کو واضح کرتے ہوئے اُن کے بولنے کو اپنی وحی اور ان کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا ہے۔ ربّ کریم نے اُن ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت اور اُن ﷺ کی نافرمانی کو اپنی نافرمانی قرار دیا ہے۔ اپنی محبت کا معیار ہی اُن ﷺ کی اتباع کو قرار دیا ہے۔ دیگر انبیا کو اُن کے ذاتی نام لے لے کر مخاطب کیا ہے لیکن اپنے حبیبِ پاک ﷺ کو قرآنِ مجید میں ذاتی نام لے کر بلانے کے بجائے اچھے اچھے القابات سے مخاطب کیا ہے۔ جیسے **''یاایھا الرسول''، ''یاایھا النبی''، ''یٰسں''، ''یاایھا المزمل''، ''یاایھا المدثر''** وغیرہ۔ **''و تعزروہ و توقروہ''** (الفتح۔۱/۹) فرما کر حضور پُرنور ﷺ کی تعظیم و توقیر کا درس دیا ہے۔ صرف حکم دیا ہی نہیں تعظیم و توقیر کے عملی پہلو بھی سکھائے ہیں، مثلاً اُن ﷺ کا ہر حکم مانا جائے، وہ جو دیں، لے لیا جائے اور جس سے منع کریں، باز آجائیں، اُن ﷺ کے بلانے کو عام لوگوں کے بلانے جیسا نہ سمجھا جائے اور انھیں اس طرح نہ بلایا جائے جس طرح لوگ عموماً ایک دوسرے کو بلاتے ہیں، اُن ﷺ کے حجروں پر آکر انھیں آوازیں دے کر نہ پکارا جائے بلکہ اُن ﷺ کے ازخود باہر تشریف لانے کا انتظار کیا جائے، اُن ﷺ کی بارگاہ میں پہنچ کر اونچی آواز سے تخاطب نہ کیا جائے، اُن ﷺ کی آواز سے اونچی آواز میں بولنے کی سزا بڑی ہی سخت سنائی ہے۔ **''یاایھا الذین امنوا لاترفعو اصواتکم فوق صوت النبی ولاتجھرو لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض''** (الحجرات۔۲) یعنی ''اے اہلِ ایمان، تم اپنی آوازوں کو نبی اکرم ﷺ کی آواز سے بلند مت کرو اور نہ اُن ﷺ سے ایسے کھل کر بولو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کھل کر بولا کرتے ہو۔'' اس سے آگے ارشادِ پاک ہے، **''ان تحبط اعمالکم و انتم لاتشعرون''**۔ ''یہ

کہ تمھارے اعمال ضائع جائیں اور تمھیں اس کی خبر بھی نہ ہو۔'' اس آیۂ شریفہ میں نبی اکرم ﷺ کے حضور ہر قسم کی عامیانہ گفتگو، شوخی اور بے تکلفی قطعاً منع کر دی گئی۔ اللہ کریم نے اُن کی جانِ پاک اور مناسبات جیسے شہر، زمانہ نیز چہرہ اور زلفوں کی قسمیں کھا کر اُن کی تکریم کی، اُن کی ہر گھڑی کو پہلی سے بہتر قرار دیا، صرف اُن کی رضا کے لیے تحویلِ قبلہ کی۔ اس عظمت اور محبوبیت کے باوجود انھیں عبدہ و رسولہ قرار دے کر اُن ﷺ کے ساتھ الوہی صفات کے شائبہ کو مٹا دیا۔ اس بیان میں چند مزید آیات کا ذکر از حد ضروری ہے:

۱۔ وما علمنه الشعر وما ینبغی له۔ (یٰسین۔۶۹)

> اور ہم نے انھیں شعر کہنا نہیں سکھایا کیوں کہ یہ اُن کے شایانِ شان ہی نہ تھا۔''

یہاں اگرچہ یہ بتایا جا رہا ہے کہ خدا نے حضور پُرنور ﷺ پر شعر نہیں قرآن نازل کیا ہے لیکن یہ آیت بہت بلیغ ہے اور اس سے یہ ایک قانون بھی ثابت ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ کسی ایسی بات یا چیز کو منسوب نہیں کیا جاسکتا جو اُن ﷺ کے شایانِ شان نہ ہو، وہ کوئی فن ہو یا لفظ، خیال ہو یا کچھ اور۔

۲۔ النبی اولی بالمومنین من انفسھم۔ (الاحزاب۔۶)

> یعنی نبی کریم ﷺ مومنین سے اُن کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی اولیٰ کا معنی قریب تر لکھتے ہیں۔

> رسول اللہ ﷺ کو اپنی اُمت کے ساتھ وہ قرب حاصل ہے کہ اُن کی جانوں کو بھی نہیں۔'' (''تحذیرالناس''، ص۱۱)

اس آیت کی رُو سے چوں کہ حضور پُرنور مومنین کی جانوں سے بھی نزدیک ہیں لہٰذا اُن کی بارگاہ میں اُمت کی حاضری وحضوری ہمہ وقت ظاہر ہے اور حاضری میں تخاطب کے آداب کا لحاظ بھی ضروری ہے۔

۳۔ یاایھا الذین امنوا لاتقولو راعنا و قولوا انظرنا و اسمعوا و للکفرین عذاب الیم۔ (البقرہ۔۱۰۴)

> اے ایمان والو! راعنا نہ کہو اور یوں عرض کرو کہ حضور ہم پر نظر فرمائیں اور پہلے ہی غور سے سنیں اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

راعنا کا لفظی مطلب تو ہے حضور ﷺ! ہماری رعایت فرمایئے، لیکن منافقین راعنا کی عین کو کھینچ کر پڑھتے جس سے ذم والے معانی پیدا ہوجاتے (جیسے راعینا۔ ہمارا چرواہا) یہ تخاطب ازحد بے ادبی تھا، عبرانی و سریانی زبانوں میں یہ لفظ ایک گالی کے طور پر مروّج تھا۔ پس ربّ کریم کو منظور ہوا کہ مسلمان صحیح لفظ راعنا بھی استعمال کریں۔ ربّ کریم نے لفظ بدل کر اس کے ذم والے معنوں کے استعمال کا شائبہ تک مٹا دیا۔ اس آیتِ کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ذم کے معانی پر مشتمل کوئی لفظ حضور اکرم ﷺ کے لیے استعمال نہیں کیا جاسکتا بلکہ جس لفظ کی کوئی شکل، کھینچ تان کر ذم کے پہلو والے لفظ کو جنم دے، اس عکسی لفظ کو بھی آپ ﷺ کے لیے استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ جس لفظ کی تہوں میں بھی خلافِ ادب معانی ہوں اس سے بچنا ضروری ہے۔ اس ضمن میں مولانا انور شاہ کشمیری کا یہ فیصلہ بھی مدِنظر رکھنا چاہیے ''کوئی جملہ شانِ رسالت ﷺ میں ایسا کہنا، جس سے مراد توہین نہ ہو مگر سننے والا سمجھے کہ اس نے توہین کی ہے تو قائل کافر ہوجائے گا۔ (اکفار الملحدین بحوالہ اسرار التنزیل۔ص۹۵) مندرجہ بالا آیاتِ خداوندی سے صاف ظاہر ہوجاتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے کسرِ شان ہو۔ اسی نکتے کو پاکر اعلیٰ حضرت بریلویؒ نے فرمایا تھا:

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے آدابِ شریعت ملحوظ

آدابِ شریعت کے اندر رہ کر نعت لکھنا آسان نہیں۔ یہ بہت مشکل کام ہے۔ واقفانِ نزاکت نے اسے تلوار کی دھار پر چلنے کے برابر قرار دیا ہے کیوں کہ بقولِ مجید امجد:

> حقیقت یہ ہے کہ جناب رسالت مآب ﷺ کی تعریف میں ذرا سی لغزش نعت کو حدودِ کفر میں داخل کرسکتی ہے، ذرا سی کوتاہی، مدح کو قدح میں بدل سکتی ہے، ذرا سا غلو ضلالت کے زمرے میں آسکتا ہے، ذرا سا عجز بیان اہانت کا باعث بن سکتا ہے... (سچی نعت لکھنے والا)... قدم قدم پر نصِ قرآنی کا پابند ہے۔ اس کا ہر لفظ زنجیری احتیاط بھی ہے۔ اس کا ہر حرف سرشارِ احترام بھی ہے۔

(گورنمنٹ کالج شاہدرہ، لاہور کا رسالہ ''اوج''، جلد نمبر۱، ص۱۴۹)

تنقیدِ نعت بھی یہی فیصلہ کرتی ہے ہے کہ کلام احکامِ قرآنی اور آدابِ شریعت کے مطابق ہے یا

منافی۔ اگر خدانخواستہ کسی کا کلام نصِ قرآنی کے خلاف ہے تو اُسے نعت قرار ہی نہیں دیا جاسکتا۔ نعت کے مواد یا خیال کا آدابِ قرآنی سے تطابق بھی ہر آدمی کے بس کی بات نہیں یہ یقیناً اُس شخص کا کام ہے جس کی قرآنِ مجید کے معانی و مفاہیم پر گہری نظر ہو، جس نے سرکارِ مدینہ ﷺ کی سیرتِ مطہرہ کا وسیع مطالعہ کیا ہو، صحابہ کے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ روابط کا علم رکھتا ہو پھر نعتیہ شاعری کی روایت پر بھی اُس کی نظر ہو اور وہ یقینی طور پر نعت میں مستعمل الفاظ کے معانی اور معانی کی مختلف پرتوں کو بھی جانتا ہو۔ نعت میں حضورِ پُرنور ﷺ کے لیے الوہی شان ثابت کرنا یا آپ ﷺ کے خلافِ شان یا کسرِ شان بات، ضیاعِ ایمان و حبطِ اعمال سے کام لینے کی ضرورت ہے کہ وہ تنقیدِ نعت میں خلافِ حقیقت فیصلہ صادر نہ کر دے۔ اسی سے تنقیدِ نعت کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ تنقیدِ نعت کی مزید اہمیت جاننے کے لیے ایک حدیث شریف کا مطالعہ بھی مفید مطلب ہے۔

حضرت کعبؓ بن زہیر جب اپنی سابقہ بے باکیوں پر معافی مانگنے، توبہ کرنے اور اسلام لانے کے لیے بارگاہِ نبی اکرم ﷺ میں حاضر ہوئے تو انھوں نے اپنا قصیدہ ''بانت سعادُ'' بھی سنایا۔ اس میں جب انھوں نے ایک شعر میں حضورِ اکرم ﷺ کو ''مهند من سيوف الهند'' قرار دیا یعنی یہ کہا کہ حضور ﷺ ہند کی تلواروں میں سے ایک بے نیام تلوار میں تو حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت کعبؓ کی ایک معنوی غلطی کی اُسی وقت اصلاح فرمائی اور من سیوب الہند کی جگہ من سیوف اللہ پڑھنے کا حکم دیا۔ حضرت کعبؓ نے اسی وقت اس اصلاح کو بدل و جاں قبول فرما کر شعرا اُسی طرح پڑھا جیسے حضور ﷺ نے اصلاح دی تھی تو حضور ﷺ نبی اکرم ﷺ نے اپنی چادر مبارک بھی حضرت کعبؓ کو عطا فرمائی۔ اس سے تنقیدِ نعت کی بروقت ضرورت و اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نعت میں کوئی واضح غلطی ہو تو نعت گو کو عین محفل میں ٹوکنا عین سنت ہے۔

اس خاکسار کے نزدیک تنقیدِ نعت کو درج ذیل چار حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

الف۔ نعتیہ شناخت

ب۔ آدابِ شریعت (نعتیہ مضامین کا آدابِ شریعت کے مطابق ہونا)

ج۔ جذبۂ عشقِ رسول ﷺ

د۔ لسانی و شعری تقاضوں کی ہم آہنگی

نعتیہ شناخت کسی بھی نعت پارے کی اوّلین شرط ہے۔ اس کا سیدھا سادا مفہوم یہ ہے کہ نعتیہ شعر سنتے ہی توجہ حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف جائے۔ بعض غیرمحتاط نعت گو حضرات کی نعت کے اوپر کے عنوان یعنی ''نعت شریف'' کو مٹا کر ''غزل'' لکھ دیا جائے تو وہ صاف غزل لگتی ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے سراپائے مبارک کا اس طرح بیان جیسے عام غزل گو شاعر بیان کرتا ہے، منافیِ شانِ رسالت ہے۔ نعت گو کو یہ خیال رکھنا چاہیے کہ یہ محبوبِ مجازی کی نہیں محبوبِ حجازی ﷺ کی صفت وثنا ہے۔ کسی پرانے شاعر کا شعر ہے:

سناؤں کس کو بات اے سکھی ری　　　　کہ کس نے جوبن دکھا کے مارا
کہت ہے سب جگ جسے محمد ﷺ　　　　اُسی نے نیہا لگا کے مارا

بعض اوقات یوں ہوتا ہے کہ شعر میں کوئی تلازمۂ خیال، کوئی لفظی قرینہ ایسا ہوتا ہی نہیں جو ذہن میں محبوبِ حجازی ﷺ کا تصور پیدا کرے، ایسے اشعار کو کسی طرح نعت کا شعر قرار نہیں دیا جاسکتا۔ عصرِ حاضر کے ایک شاعر کی نعت کا شعر ہے:

ہجر اور وصل کی ہر رُت میں کھلیں مسکائیں
موسمِ دل میں کوئی رنگ دکھائیں آنسو

☆

جنوں میں رقص فرمانے کے دن ہیں
تڑپنے اور تڑپانے کے دن ہیں

یہ دیکھا جائے کہ نعت کے ہر شعر کا مضمون یا مواد شریعت کے مطابق ہے یا مخالف۔ نبی اکرم ﷺ کی شان میں ایسا مبالغہ جو درجۂ الوہیت تک جا پہنچے یا ایسی لغزش کہ مضمون سے استخفاف شانِ حضور ﷺ کا کوئی پہلو نکلتا ہو۔ مضمون کے علاوہ الفاظ کا بھی باریک بینی سے جائزہ لیا جائے کہ کوئی لفظ یا اس کا کوئی معنی شانِ سرکار ﷺ سے فروتر تو نہیں، مثلاً:

انسانیت کو بخشی وہ توقیر آپ ﷺ نے
ہر آدمی سمجھنے لگا ہے خدا ہوں میں

☆

زمین تیری طرح ہے نہ آسماں تجھ سا
بجز خدا نہیں کوئی بھی بے کراں تجھ سا

وہ فرشتہ ہیں انسان کے روپ میں
اُن ﷺ کا ہر قول ہر فعل منشور ہے

☆۔مضمون وصفِ محمودِ نبی ﷺ ہو اور عین آدابِ شریعت کے مطابق ہو تو وہ بلاشبہ نعت ہوگا لیکن شاعر کا والہانہ پن، حضور ختمی مرتبت سے قلبی ربط اور بے پناہ عشق اُس نعت کے مضمون کو نعت کا شعر بنائے گا۔ گویا نعت کا حدودِ شرع سے آمدہ مضمون سچے جذبے کی چاشنی سے نعت کا شعر بنتا ہے۔ اگر یہ جذبۂ عشق کارفرما نہیں تو حقیقی نعت کہی ہی نہیں جاسکتی۔

جاگ او یثرب کی میٹھی نیند کے ماتے کہ آج
لٹ رہا ہے آنکھوں آنکھوں میں تری اُمت کا راج

کیا یہ لہجہ والہانہ پن اور جذبۂ عشق سے ہم آہنگ ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو بے ادبی ہی کی ذیل میں آئے گا۔ ایسے اشعار کی معنوی تہہ میں ملتِ اسلامیہ سے ہمدردی کا جذبہ کتنا ہی گہرا کیوں نہ ہو، بے کار ہے۔

☆۔تنقیدِ نعت میں یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ شعر، ادبی، لسانی، شعری تقاضوں کو پورا کرتا ہے؟ اگر شعر میں عروضی اسقام ہیں، وزن ہی گڑبڑ ہے، الفاظ کے حروف ساکن یا متحرک ہونے کے حوالے سے تقطیع پر پورے نہیں اُترتے، محاورہ غلط بندھا ہے، روزمرہ کی غلطیاں ہیں، صنائع بدائع کا استعمال غلط ہے یا تکلیف دہ غرابت پیدا کر رہا ہے، تلمیح کا استعمال تاریخی حقائق کے منافی ہے۔ تشبیہ استعارہ شانِ رسالت سے فروتر ہے، وغیرہ وغیرہ۔ تو ایسا شعر، شعریت سے تہی ہوکر ہدفِ اعتراض بن جائے گا۔ اگر نعت کا شعر اپنی شعری پہچان رکھتا ہے، آدابِ شریعت کے عین مطابق ہے، جذبۂ دل بھی کارفرما ہے اور شعری تقاضے بھی کماحقہ پورے ہوتے ہیں تو سبحان اللہ یہی نعت کا سچا اور حقیقی شعر ہوگا۔ اس ضمن میں چند مثالیں پیشِ خدمت ہیں:

رسولِ پاک ﷺ جو لوٹے خدا کی محفل سے
قدم قدم پہ ہوا معجزہ مدینے میں

(لگتا ہے کہ سرکار ﷺ معراج کے بعد سیدھے مدینہ منورہ تشریف لائے لیکن یہ واقعہ مکی دور کا ہے۔)

اسی طرح مولانا ظفر علی خاں کا شعر ہے:

وہ شمع اُجالا جس نے کیا، چالیس برس تک غاروں میں
اک روز جھلکنے والی تھی سب دنیا کے درباروں میں

(اس شعر سے خیال ہوتا ہے کہ شاید حضور نبی اکرم ﷺ مسلسل چالیس برس تک غاروں میں تشریف لے جاتے رہے، یہ تاریخی حقائق سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ کیوں کہ آپ ﷺ نے اعلانِ نبوت سے تھوڑا عرصہ پہلے غارِ حرا میں جانا شروع کیا تھا، پیہم چالیس برس تک نہیں۔

ایک شعر ہے:

تنہا رسولِ پاک ملے ہیں خدا کے ساتھ
ایسا کبھی ہوا ہے؟ کسی انبیا کے ساتھ

(انبیا، نبی کی جمع ہے اس کے ساتھ ''کسی'' کا استعمال خلافِ اصول ہے ''کسی نبی'' ہونا چاہیے تھا)

ایک شعر ہے:

زباں ملی ہے ثنائے محمدی ﷺ کے لیے
میں کیوں نہ مدحتِ سلطان انبیا نہ کروں

(میں کیوں نہ مدحتِ سلطانِ انبیا نہ کروں میں پہلا نہ زائد اور لایعنی ہے۔)

ایک اور شعر دیکھیے:

یامزمل یامدثر کون ہے میرے حضور ﷺ
کون ہے یٰس و طٰہٰ آپ ﷺ ہیں بس آپ ﷺ ہیں

(اس شعر میں مزمل اور مدثر کا تلفظ غلط دیا گیا ہے۔ یہ قرآنی عبارت میں تحریف کی خطا میں بھی آتا ہے)

ایک اور شعر دیکھیے:

فرمانِ عائشہؓ بھی ہے کتنا حسیں ریاضؔ
ہر دم قرآنِ پاک کی آیت کی بات ہو

(یہاں قرآن کو قران باندھا گیا ہے، جو کسی طرح درست نہیں)

D:NaatRang-15
File: Afzal Ahmed
Final

ایک اور شعر دیکھیے:

غبارِ خاطرِ ایام دُھل ہی جائے گا
کبھی تو ہجر کا موسم بدل ہی جائے گا

(یہاں خیر سے دُھل کا قافیہ بدل باندھا گیا ہے اور شعر کی نعتیہ شناخت کا قرینہ بھی نہیں)

ایک اور شعر دیکھیے:

تمھی ہو جانِ تمنا، تمھی ہو روحِ یقیں
ہے تیری ذات سہارا تمام اُمت کا

(پہلے مصرعے میں تخاطب تمھی سے کیا گیا ہے۔ دوسرے مصرعے میں تری سے، اسے ہی شترگربہ کہتے ہیں)

اطہر ہاپوڑی نے ایک نعت اعلیٰ حضرت کو سنائی، جب یہ شعر پڑھا:

کب ہیں درخت حضرتِ والا کے سامنے
مجنوں کھڑے ہیں خیمۂ لیلیٰ کے سامنے

تو اعلیٰ حضرت نے سخت ناپسند کیا۔ اس شعر میں درختوں کو مجنوں اور حضور نبی اکرم ﷺ کو نعوذ باللہ خیمۂ لیلیٰ سے تشبیہ دی گئی۔ یہ تشبیہ شانِ نبوت کے منافی تھی۔ اعلیٰ حضرتؒ نے فوراً اس کی یوں تصحیح فرمائی:

کب ہیں درخت حضرتِ والا کے سامنے
قدسی کھڑے ہیں عرشِ معلیٰ کے سامنے

ایک اور شاعر کا شعر ہے:

زندگی بھر آپ ہی کے ہم نفس ہمدم رہے
جیسے دست برگِ گل میں گوہر شبنم رہے

(یہ تشبیہ بھی ناقص اور غیر فطری ہے۔ یہاں ہمدم رہنے کے عمل کو برگِ گل پر پڑی شبنم سے تشبیہ دی گئی ہے۔ حالاں کہ شبنم زندگی بھر ہمیشہ برگِ گل پر نہیں رہتی بلکہ بہت جلد مٹ جاتی ہے)

اسی شاعر کی ایک بہتر تشبیہ بھی دیکھتے جائیے:

خرامِ نازِ نبی ﷺ تھا یوں ارضِ طیبہ پر
فلک پہ جیسے کوئی ماہتاب چلتا تھا

ایک اور شعر دیکھیے:

آپ ﷺ کی عمرِ گراں مایہ کی نسبت سے حضور ﷺ
تجھ سے الطاف کی سائل ہیں تریسٹھ نعتیں

یہاں بھی شترگربہ ظاہر ہے۔

اس سلسلے میں اختصار کے پیشِ نظر انھی مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نعتیہ اشعار پر اس قسم کے محاکے اور عملی تنقید کی اشد ضرورت ہے۔ ماہنامہ ''نعت'' اور کتابی سلسلہ ''نعت رنگ'' میں اس ضمن میں بعض مضامین شائع ہوئے ہیں جن سے راقم نے استفادہ کیا ہے اور جن کے لکھنے والوں میں ابوالخیر کشفی، سعید بدر، عزیز احسن، رشید وارثی، عاصی کرنالی، راجا رشید محمود، پروفیسر شفقت رضوی اور پروفیسر محمد اقبال جاوید وغیرہ کے نام لیے جاسکتے ہیں لیکن اس سلسلے کو مزید پھیلانے اور کمالِ توجہ سے تنقیدِ نعت کی عملی صورتوں کو آگے لانے کی ابھی بہت ضرورت ہے۔

ناقدِ نعت کو متعلقہ علوم و فنون پر دسترس تو ہونی ہی چاہیے، اُسے غیر متعصب، غیر جانب دار اور بے لوث بھی ہونا چاہیے۔ اس میں عدل و انصاف کا جوہر بدرجۂ اتم ہونا چاہیے۔ اُسے کبھی جذباتیت کی رَو میں بہہ کر تنقیدی فیصلہ نہیں کرنا چاہیے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ تنقیدِ نعت ایک مشکل کام ہے، عام ادب پارے کی تنقید سے کہیں زیادہ ادق لیکن بدقسمتی سے طرح طرح کے دیباچہ نگاروں، تقریظ نویسوں اور مقدمہ بازوں نے اس فن کو بھی عام کرنے کی طرح ڈال دی ہے۔ ہر شاعر کے کلام کو عصرِ حاضر کا بہترین کلام ثابت کرنے کے لیے ان کا ذاتی اعتراف ہی کافی ہے۔ بعض اوقات ایک دیباچہ نویس ایک کتاب میں ایک شاعر کو بڑا شاعر قرار دیتا ہے تو دوسری کتاب میں کسی دوسرے کو بھی یہی مقام عطا کیا جا رہا ہے۔ چناں چہ ہر تقریظ صاحبِ کتاب کو سب سے بڑا شاعر ثابت کر رہی ہوتی ہے۔ اس سے تنقیدی روایت کا وہ لایعنی دبستان جنم لیتا ہے جسے ''دبستانِ بڑا بڑا، بڑی بڑی، بڑے بڑے'' ہی کہا جاسکتا ہے۔ ڈاکٹر عاصی کرنالی کسی دُکھ کے ساتھ لکھتے ہیں:

ہمارے ملک میں ایسے نقادوں کی کھیپ کی کھیپ موجود ہے، جنھوں نے

> اپنی پوری زندگی میں نہ ایک شعر کہا نہ ایک نثری جملہ تخلیق کیا لیکن تنقید لکھے جا رہے ہیں... اُن کا حال یہ ہے کہ گویا اُن کے ہاتھ میں ایک ''جج'' کا قلم ہے... سزا کا حکم سنا دیں یا باعزت بری کر دیں۔
>
> (''نعت رنگ'' نمبر۳، ص۲۸)

راقم الحروف کو ایسے دیباچہ نگاروں کو بچشمِ خود دیکھنے کا بھی موقع ملا ہے۔ جنھوں نے دیباچے کے لیے آئی ہوئی کتاب پر بغیر پڑھے اُسی وقت دیباچہ لکھ دیا وہ تقریظ بولتے گئے، شاعر لکھتا گیا اور یوں دس منٹ میں کام ختم۔ گو ایسے نقاد بہت چالاک ہوتے ہیں اور عموماً اس قسم کی تنقید کرتے ہیں کہ کتاب کی پرنٹنگ بہت خوب صورت ہے، کاغذ اعلیٰ ہے، لکھائی دل کش ہے، جلد مضبوط ہے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ایسی منافقت کی ضرورت بھی کیا ہے؟ اور اگر واقعی کسی ضرورت سے ایسی تنقید لکھی جا رہی ہے تو کہیں آخرت تو خراب نہیں ہو رہی۔ ناقدِ نعت کے لیے فرقہ بندی کے تعصب، گروہی اختلافات، سیاسی مفادات اور ذاتی تعلقات سے بالاتر ہونا بھی ضروری ہے۔ مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ تنقیدِ نعت کو ایسے غیرنقادوں سے بچانا ہوگا، اگر چلتی کار کی ڈرائیونگ کا کنٹرول کسی پیدائشی اندھے کے سپرد نہیں کیا جاسکتا تو تنقیدِ نعت کو ایسے غلط ناقدین سے بھی بچانا ہوگا۔ نعت دراصل ادب ہی کا نہیں ہماری محبت اور اس سے بڑھ کر ایمان کا مسئلہ بھی ہے۔ لہٰذا اسے کسی فردِ واحد کی ذاتی رائے کے سپرد نہیں کیا جاسکتا۔ آج ضرورت ہے کہ نعت کی عملی تنقید کا کام حفیظ تائب، ڈاکٹر اسحاق قریشی، راجا رشید محمود، رشید وارثی، عزیز احسن، ڈاکٹر ابوالخیر کشفی جیسے مستند نقادوں کے حوالے کیا جائے، یہ نام حتمی نہیں، بہت سے اضافے ممکن ہیں لیکن اصل چیز تنقید کے ساتھ علمی و قلبی وابستگی ہے۔ بدقسمتی سے آج کے اکثر دیباچہ نویس ادبی اوتھ کمشنر بن چکے ہیں جو بغیر پڑھے فوٹو اسٹیٹ پر مہر لگا کر اسے مصدقہ کا سرٹیفکیٹ جاری کر دیتے ہیں۔

عملی تنقیدِ نعت کی مثبت جہتوں کے حوالے سے درج ذیل نکات پر سوچ بچار مفید ہوسکتی ہے۔

(الف) یہ تنقیدِ نعت کی بڑی مثبت جہت ہے کہ آج نعت کو الگ صنف کے طور پر شناخت کیا جاچکا ہے۔ کتاب کے آغاز میں ایک دو شعر حمد و نعت کے محض تبرکاً لانے کا عمل بہت آگے بڑھ گیا ہے اور اب نعتیہ دواوین اور مجموعے کثرت سے شائع ہوکر ادبی دامن کو مایہ دار بنارہے ہیں۔

(ب) پی ایچ ڈی، ایم فل اور ایم اے کی سطح کے تحقیقی مقالے لکھے گئے اور لکھے جا رہے ہیں۔ اس سے تنقیدِ نعت کی عظیم سطح پر کاوشوں کا پتا چلتا ہے۔ یہ کام بہرحال یونی ورسٹیوں اور علمی اداروں میں جاری رہنا چاہیے۔ ہمارے دینی مدارس علم وفن میں کالجوں، یونی ورسٹیوں سے پیچھے نہیں، خصوصاً دینی علوم میں دینی اداروں کو فوقیت حاصل ہے۔ انھیں مقالہ جات کی تحقیق اور ان کے لوازم کی آگاہی کے بعد خود اپنے اداروں میں بھی نعتیہ مقالے لکھوانے چاہیں۔

(ج) تنقیدِ نعت کے باعث ماہنامہ ''نعت'' لاہور اور ''نعت رنگ'' کراچی جیسے وقیع مجلوں کا آغاز ہوا ہے، جو مثبت تنقیدِ نعت کو رواج دینے میں پورا زور صرف کر رہے ہیں۔ خصوصاً ''نعت رنگ'' کراچی نے بحث ونظر کے جن دریچوں کو وا کیا ہے وہ تنقیدِ نعت کی عظیم جہت ہے۔

(د) گورنمنٹ کالج شاہدرہ لاہور سے ڈاکٹر آفتاب نقوی شہید نے ''اوج'' کے دو لافانی نعت نمبر شائع کیے۔ دیگر کالجوں کو بھی اس طرح پیش قدمی کرنی چاہیے۔ یہ تنقیدِ نعت کی مثبت جہت ہے۔

(ہ) ملک میں چھپنے والے عام رسائل و جرائد کے نعت نمبر بھی تنقیدِ نعت کے فروغ میں اہم ذریعہ ثابت ہوئے ہیں۔ جیسے ''شام وسحر''، ''ہلال''، ''سیرتِ طیبہ'' وغیرہ کے نعت نمبر۔

(و) تنقیدِ نعت ہی کی بدولت بہتر سے بہتر تخلیقاتِ نعت کی ضرورت پر زور دیا جا رہا ہے۔ لہٰذا مقدار و معیار ہر دو لحاظ سے نسبتاً بہتر نعتیہ مجموعے چھپنے لگے ہیں۔

(ز) تنقیدِ نعت کی دل کشی نے ان اصحاب کو بھی اپنی طرف کھینچ لیا ہے جو دامِ غزل یا کسی دوسری صنف کے ہی اسیر تھے۔ اب بڑے سے بڑا شاعر بہتر سے بہتر نعت لکھنے کو باعثِ ثواب ہی نہیں اپنی ادبی بقا کا ضامن بھی سمجھنے لگا ہے۔

(م) مجلسی سطح پر تنقیدِ نعت نے اُس صاف شفاف اور قابلِ قدر ذوق کو پروان چڑھایا ہے جو نعت کے غلط مضمون کو نعتیہ محافل میں برداشت نہیں کرتا۔ لہٰذا آج کا نعت خواں بہت محتاط ہوئے بغیر اہلِ علم کی محفل نہیں لوٹ سکتا، ذرا سی کوتاہی پر ٹوکنے والے سرِمجلس بول اُٹھتے ہیں۔

(ط) اسی تنقیدِ نعت کے مجلسی اثر کی بدولت آج نعت خوانوں کو فلمی دھنوں پر نعت پیش کرتے ہوئے مخالفت کا سامنا ہے۔ فلمی دھن پر نعت لکھنا یا پڑھنا کسی طور قابلِ تحسین نہیں۔ تلازمۂ خیال انسانی ذہن کو فوراً فلم کے بیہودہ منظر کی طرف لے جاتا ہے اور نعت پس منظر میں چلی جاتی ہے۔ صرف دو مثالوں پر اکتفا کرتا ہوں۔ بڑی مشہور نعت ہے۔

مری بات بن گئی ہے تری بات کرتے کرتے
ترے شہر میں میں آؤں تری نعت پڑھتے پڑھتے

یہ بھارت کی ایک مغنیہ کے گانے:

مجھے کوئی مل گیا تھا سرِ راہ چلتے چلتے

کی دھن پر لکھی اور پڑھی جا رہی ہے لیکن عاشقانِ مصطفیٰ بھری مجلس میں ایسے نعت خواں کو ٹوکنے لگے ہیں۔ دوسری بھیانک مثال نعت کا یہ شعر ہے:

جو شہرِ نبی میں جائے گا، پھر واپس کیسے آئے گا
جب بچھڑے گا مر جائے گا، اونہوں شہر مدینہ بھلنا نئیں

اس نعت کے اشعار کے آخر میں پنجابی الفاظ میری سمجھ میں نہیں آ رہے تھے لہٰذا میں نے فیصل آباد کے نعت خواں نثار احمد بزمی صاحب سے رابطہ کیا کہ شاعر نے یہاں پنجابی کی پیوندکاری کیوں کی ہے؟ انھوں نے بتایا کہ یہ تو شاعر کی ضرورت تھی اُس نے فلمی گانے کے بول اور دُھن پر یہ نعت تیار کی ہے، فلمی گانے کے بول تھے:

ساون کی بھیگی باتوں میں، جب پھول کھلے برساتوں میں
جب چھیڑے سکھیاں راتوں میں، مینوں یاداں تیریاں اوندیاں نیں

تو جب اصل فلمی گانے کے اشعار میں پنجابی پیوندکاری ہے تو اس گانے کی طرز پر لکھی گئی نعت کے اشعار کے آخر میں بھی تو یہ پیوندکاری آنا ہی تھی۔ العیاذُ باللہ۔ بہرحال خدا کا شکر ہے کہ اب واقف عاشقانِ مصطفیٰ ﷺ تنقیدِ نعت کے باعث ایسی نعتوں اور ایسے نعت خوانوں کی جگہ صالح مواد و اصحاب کو ترجیح دینے لگے ہیں۔

(ی) تنقیدِ نعت نے بعض بنیادی اور اہم مباحث کو جنم دیا ہے جیسے کیا حضور نبی اکرم ﷺ کے لیے تو، تم، تیرا کی ضمیر تخاطب کے لیے مناسب ہے؟ یا جیسے نعت میں لفظ یثرب کا استعمال یا جیسے خود کو سگِ مدینہ کہنا جائز ہے یا نہیں... الحمدللہ کھل کر بحثیں ہوئی ہیں اور استخراجِ نتائج بھی۔ تنقیدِ نعت کے مثبت پہلوؤں سے ایسے مباحث جاری رہیں گے۔

میں اپنی گزارشات کا اختتام اس درخواست پر کرنا چاہتا ہوں کہ جو لوگ بزعمِ خویش تنقیدِ نعت کو نعت کے فن یا فکر کے منافی قرار دے کر اسے شجرِ ممنوعہ سمجھتے ہیں وہ اپنے ذہن میں اصلاحی پہلوؤں کو بھی رکھیں اور تنقیدِ نعت کی یہ مثبت جہت کبھی فراموش نہ کریں کہ تنقیدِ نعت کا

مقصدِ وحید بہتر سے بہتر تخلیقِ نعت کی طرف راغب کرنا ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم اپنے لیے لباس خریدتے ہوئے انتخاب کے ہزاروں پہلو سامنے رکھیں اور حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہِ کریمہ میں جو چاہیں پیش کر دیں۔

اس خاکسار کے نزدیک تنقیدِ نعت دراصل تیغِ تحفظِ ناموسِ مصطفیٰ ﷺ ہے، ایک ایسی تیغ جو درست کا دفاع کرتی ہے اور نادرست کو دفع کرتی ہے، شکریہ۔

(یہ مقالہ محکمۂ اوقاف، حکومتِ پنجاب کے تحت "سیّد ہجویرؒ نعت کونسل" کی طرف سے مرکزِ معارفِ اولیا، سیمینار ہال دربار شریف حضرت داتا گنج لاہور میں پہلے نعت سیمینار منعقدہ ۲؍دسمبر ۲۰۰۲ء کو پڑھا گیا۔)

D:NaatRang-15
File: Afzal Ahmed
Final

پروفیسر محمد فیروز شاہ۔ میانوالی

میانوالی میں نعت نگاری

حضرت ذوالنون مصریؒ کا قول ہے، 'اولیا اللہ بستیاں بساتے ہیں۔''

میانوالی بھی ایک اللہ والے کی بستی ہے۔ نسبتیں بڑی لج پال ہوا کرتی ہیں۔ خود سے وابستہ ہستیوں اور بستیوں کو سرنگوں نہیں ہونے دیتیں۔ میں سمجھتا ہوں نعتِ نبی ﷺ سے بڑھ کر کوئی اور سرخ روئی ہے ہی نہیں۔ میانوالی کے اہلِ قلم عشقِ نبی ﷺ کے علم تھامے، سربلند لفظوں کے نور و سرور سے سرشار دلوں کی آبادیاں سرفراز حرفوں اور عقیدت مند جذبوں کی شادابیوں سے منور و معطر کرنے کا وتیرہ وضع دار روایت کے روپ میں نبھاتے چلے آرہے ہیں...ایک اللہ والے کی بسائی ہوئی بستی کے باسیوں کا یہ فرض بھی ہے اور حق بھی!!

نعت سنتِ الٰہی ہے۔ سعادتِ دارین ہے۔ درِ حبیب ﷺ پر پلکوں سے دستک دینے کا عمل ہے۔ جذبہ باوضو اور حرفِ تقدس کی ردا اوڑھے نہ ہوں تو نعت ہوتی ہی نہیں۔ یہ تو سچے موتیوں کی عکس ریزی کا نام ہے۔ صادق محبتوں اور قلبی ارادتوں کے خمیر میں گندھ کر لفظ تشکیل پاتے ہیں۔ سحر دم حمد کرتے پرندوں، صبح کی اوّلین کرنوں، گل رت کے پہلے کھلنے والے پھولوں اور شبنم پڑی کلیوں کی خنک رنگتوں کے ہم سفر رنگ اور خوش بو کے سارے زمانوں، سبھی جہانوں میں ''و رفعنا لک ذکرک'' کے پھریرے لہرا رہے ہیں۔ ازل اور ابد کی بے کراں حیرتوں میں سچی مسرتوں کے رنگ اسم محمد ﷺ کی روشنی سے نکھرتے ہیں۔ اہلِ میانوالی کے دلوں میں انھی جاوداں خوشیوں کا سرور ہے۔ انھی ابد نصیب چاہتوں کی سرشاریاں ہیں۔ میانوالی میں نعت نگاری کے اہم رجحانات میں سراپا نگاری کا عنصر بہت نمایاں ہے۔ شعرائے کرام نے حضور مکرم ﷺ کے جمیل جلووں کا دیدار عقیدت بھرے لفظوں کے ہم راہ کیا ہے۔

D:NaatRang-15
File: Feroz
1st Proof

والشمس تیرا چہرہ ہے واللیل تیری زلف　　ہے چھاپ تیرے حسن کی ہر صبح و شام پر
(گلزار بخاری)

پیکرِ حسنِ ازل تصویرِ تنویرِ خدا　　مظہرِ شانِ حقیقت مبداء نورِ خدا
(سوز زیدی)

اندھیری رات میں وہ چودھویں کے چاند کی صورت
چمکنے کے لیے دنیا میں فرقانِ مبیں آیا
(سردار ممتاز)

اُس مہتابِ عالم تاب کی ضیا پاشیوں نے کائنات کے گوشے گوشے کو ملائم روشنیوں کی مٹھاس بھری نرماہٹوں سے بھر دیا۔ انسانیت کو عظمتوں سے ہم کنار کیا۔ ذرّوں کو صحرا کی وسعتوں، قطروں کو دریاؤں کی سخاوتوں اور انسانوں کو محبتوں کی حلاوتوں کا ذائقہ اور سلیقہ عطا فرمایا:

آپ ﷺ کے دم سے صحرا چمن ہوگئے　　شاخ در شاخ پیدا سمن ہوگئے
(امیر عبداللہ اشہر)

تری دعاؤں کے آسماں پر تمام عمروں تمام نسلوں کا دکھ لکھا ہے
تری تمنا کی وسعتیں ہم کنار کرکے ہم اپنے جذبے پرو رہے ہیں
(اجمل نیازی)

آپ ﷺ نے توحید کا ہرسُو اُجالا کر دیا　　یا حبیب ﷺ کبریا شمعِ فروزاں آپ ﷺ ہیں
(ابوالمعانی عصری)

خلق تاریک اندھیروں میں بھٹکتی پھرتی　　گر نہ انوارِ محبت سے اُجالا ہوتا
(محمد بخش زخمی)

گلشنِ دہر سرسبز ہونے لگا، رحمتوں کی جہاں میں بہار آگئی
بزمِ ہستی کے رُخ پر نکھار آگیا ہر طرف سہانا سماں ہوگیا
(غلام حیدر)

تیری رحمت تڑپ اُٹھی آقا ﷺ　　جب کہیں کوئی بھی اُداس ملا

☆

آیا ہے انقلاب یہاں کے ورود سے　　چھوٹی ہے کائنات رسوم و قیود سے
(منصور آفاق)

آدمیت کا ارتقا خیرالبشر کے نقشِ قدم کو سرمۂ چشم بنا لینے کا صدقہ ہے۔ جب تک ایک بھی درود پڑھنے والا زندہ ہے یہ صدقۂ جاریہ زندگی کو تابندگی میں بدلتا رہے گا اور درود پڑھنے والے تو بڑھتے ہی رہیں گے۔ فرازِ عرش ہو یا عرشِ خاک... فضاؤں اور خلاؤں میں انھی کے عشق کی سرشاریاں ہیں۔ ہواؤں میں اسی کی خوش بوئیں ہیں۔ صداؤں میں اسی کی چاہتوں کی سچائیاں ہیں۔ وہ عظیم ہستی جس نے اخلاق و کردار کی بلندیوں تک رسائی انسان کی دسترس میں دے دی۔

تیرا حسن جلوہ گر ہے تیرے خلق کا اثر ہے تیرے گیت گا رہا ہے ہر ایک غائبانہ
(ضیا اسلام پوری)

جو حرف تیری زباں پہ آیا وہ بن گیا علم کا خزانہ
لٹائے علم و ہنر کے موتی اگرچہ اُمی خطاب ہے تو
(سرمد مظاہری)

ظہورِ محمد ﷺ سے ہر پھول مہکا معطر ہوا صحنِ گلزار سارا
(اسلم ناظم)

جبینِ شب پر جو کہکشاں لفظ تو نے لکھے گئی رُتوں میں
ہماری بے نور ساعتوں میں چراغ بن کر وہ جل رہے ہیں
(محمد فیروز شاہ)

اُس انسانِ کامل کی تو گفتار میں بھی گلوں کی خوش بو ہے اور کردار... نورِ ہدایت کا سرچشمہ اور منبع و مخزن... اس خزانہ دین و دنیا سے وابستگی کی شادمانی قلم کی کامرانی کا جواز بھی بنتی ہے اور اساسِ امتیاز بھی... کہ عشقِ رسول ﷺ تو سرمایۂ حیات ہے۔

ان کے ہی در کا گدا زیست کی قسمت مانگوں ان سے ہی حرفِ وفا لطف کی صورت مانگوں
(ندیم نیازی)

زندگی کا کوئی لمحہ رائیگاں جانے نہ دو ذکر و فکرِ مصطفےٰ ﷺ ہر آن ہونا چاہیے
(انجم نیازی)

راحتِ جانِ دوعالم رحمتِ پروردگار زندگانی کا سہارا، قلبِ مومن کی ضیا
(سوز زیدی)

لازم ہے مغفرت کے لیے عشقِ مصطفےٰ ﷺ اس کے سوا نہیں کوئی درمانِ زندگی
(شررصہبائی)

عقیدت سے لیا جب میں نے اُن کا نام انجم　　مجھے آہستہ سے دل نے کہا آہستہ بولو
(انجم نیازی)

کملی والے نام تمھارا جب ادھروں پر آئے ہے　　من آنگن میں پل پل چندا مہکاوٹ برسائے ہے
(سلیم احسن)

وجہِ سکونِ قلب محمدﷺ کا نام ہے　　ہر دم مری زباں پہ درود و سلام ہے
(بشرا فغانی)

لفظوں سے پھوٹتی ہے کرن آفتاب کی　　آئی زباں پہ نعتِ رسالت مآبﷺ کی
(فاروق روکھڑی)

اس نام پہ صدقے اے عرشی یک بار زباں پہ آجائے
سب درد کا درماں ہو جائے شیطان بہت گھبرا جائے
(رئیس احمد عرشی)

میری الفت میرا ایمان نبیﷺ الخاتم　　فرحتِ روح کا سامان نبیﷺ الخاتم
(نعمان انصاری)

اکٹھی کر متاعِ عشقِ احمدﷺ　　تو اپنے ساتھ یہ توشہ لیے جا
(اسلم ظفر سنبل)

عنوانِ فکر و فن ہے محبت حضورﷺ کی　　ظلمت میں ضوفگن ہے محبت حضورﷺ کی
(ضیاء الحق ضیا)

سورۂ نجم لکھوں کوثر و طٰہٰ لکھوں　　تیری توصیف میں کیا اے شہِ بطحا لکھوں
(علی اعظم بخاری)

ساری دنیا سے ہیں ذیشان رسولِﷺ عربی　　جن کا اخلاق ہے قرآن رسولِ عربیﷺ
(نذیر درویش)

عشق تو ایک بحرِ بے کراں ہے۔ اس کا اپنا ایک جہاں ہے۔ اپنا آسماں ہے اور الگ زمان و مکاں ہے۔ جہاں محبوب کے جمال میں گم ہوکر زندگی کا سراغ ملتا ہے۔ جو چراغ کی طرح روشنی عطا کرنے والا ہوتا ہے...لیکن محبوبﷺ دوجہاں کی عظمتوں کے سامنے وسائلِ اظہار کی کم مائیگی عرقِ افعال میں ڈوب ڈوب جاتی ہے۔ اگر چہ اسی سمندر کی تہہ میں اسے موتیوں کے خزانے

بھی ملتے ہیں۔ ان خزینوں کا کھوج پا لینے والوں کو اپنے لفظ کس قدر بے مایہ اور کیسے غریب سے لگنے لگتے ہیں۔

میں تیری رفعتوں کو کس طرح اشعار میں ڈھالوں　　کہ رک جاتا ہے جبرائیل بھی آخر کسی حد میں
(خاور نقوی)

ملے جب نہ الفاظ شایانِ مدحت　　زباں پہ خدا کا کلام آ رہا ہے
(منور علی ملک)

مجھے کیا اعتماد الفاظ کی جادوگری پر ہے　　تری توصیف اک احسان میری شاعری پر ہے
(منصور آفاق)

ذکر ہے آپ ﷺ کا بے انت زمانوں پہ محیط　　نفسِ چند کی اس عمر میں کیا کیا لکھوں
(علی اعظم بخاری)

تیری مدحت میں ستارے، چاند، سورج، کیا لکھوں
یہ فقط ہیں استعارے، تو سراپا روشنی
(محمد فیروز شاہ)

ہم ایک ایسے دور میں جی رہے ہیں جس میں قدریں مر رہی ہیں۔ مرتی ہوئی نجیب روایتوں کے اس غم زدہ ماحول میں آس کی کرنیں صرف ان لفظوں سے ہی طلوع ہوتی ہیں جو محسنِ انسانیت ﷺ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات والا صفات سے شفقتوں کی خیرات مانگتے ہیں۔

المدد ہادیٔ کل، شافعِ روزِ محشر　　پھر مسلماں غمِ حالات سے دوچار ہوئے
(انجم جعفری)

مری دعا کے نحیف ہاتھوں سے چھٹ گیا تھا اثر کا دامن
لپٹ گئی مجھ سے خود ہی رحمت، لیا ہے جب تیرا نام آقا ﷺ
(منور علی ملک)

بہت کچھ ہو چکی اجزائے عالم کی پریشانی　　خدارا اب تو میرے دیس میں تیرا نظام آئے
(تاج محمد تاج)

کی جس پہ نظرِ شفقت تو نے ارماں اس کے بر آئے
اِدھر بھی ایک ہلکا سا اشارہ اے شہِ مدنی
(مجبور عیسیٰ خیلوی)

D:NaatRang-15
File: Feroz
1st Proof

آشوبِ آگہی میں مبتلا ذہنوں کے لیے مرہم حضورﷺ کے درِ اقدس سے ہی ملتا ہے۔ شعرائے میانوالی نے اس حقیقت کو بھی اپنے شعری رجحان کا عنوان بنایا ہے:

ہم اپنے ہی خول میں سمٹ کر کبھی کے خود سے بچھڑ گئے ہیں
دلوں کی برباد بستیوں پر ہر ایک لمحہ سوال اُترے
(عصمت گل خٹک)

ہے کون جس کے کوچے کا کرتے ہیں سب طواف
سوچا ہے تو نے شمس و قمر کے نظام پر
(گلزار بخاری)

جو رتجگے تیرے ہم سفر تھے ہمارے خوابوں میں رو رہے ہیں
تری گواہی کی منتظر صبحِ سرزمیں کے فراق میں نور بھر رہے ہیں
(اجمل نیازی)

ملا ہے دل کو سکوں اور روح کو تسکیں　　　ملی ہے درد کی ہر اک دوا مدینے سے
(عبدالرشید ایاز)

شعرائے میانوالی نے غلامئ رسولﷺ کی عظمتوں کو اپنے اشعار میں پُرانوار الفاظ اور اردت مند احساس کی رفاقت میں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ یہ حرف حرف سچائیاں دلوں کی اتھاہ گہرائیوں سے جنم لیتی گواہیاں ہیں۔

اب غمِ زیست ہے مجھ کو نہ غمِ وصل وفراق　　　میں تو ہر لمحہ بس اشکوں کی طراوت مانگوں
(ندیم نیازی)

سرِ افلاک خوشیاں ہیں، ستارے مسکراتے ہیں
فرشتے مل کے سب صلِ علیٰ کے گیت گاتے ہیں
(ضیا اسلام پوری)

کب وہ دارین میں ملول ہوا　　　جس پہ راضی مرا رسولﷺ ہوا
(سلیم احسن)

خیر اُمت کا لقب ہم کو جو خالق نے دیا　　　ہے یہ سب آپﷺ کا فیضانِ نبی الخاتم
(نعمان انصاری)

نامۂ اعمال ہو روشن ترا کر ظفر سرکار ﷺ کی مدحت رقم
(نصیر شاہ ظفر)

ہوا تیری جانب سے جوں ہی اشارہ مجھے دُور سے منزلوں نے پکارا
(اسلم ناظم)

عطا جن کو ہوا تیرے کرم سے ذوقِ جاں بازی نہ لڑنے سے جھجکتے ہیں نہ مرنے سے جھجکتے ہیں
(منظور حسین منظور)

جس نے تیری ذات سے ہٹ کر کبھی سوچا نہیں گردشِ دوراں نے بھی اس کو کبھی ٹوکا نہیں
(ظفر خاں نیازی)

محبوبِ خدا و دوجہاں ﷺ کے دیدار اور وصال کی آرزو میانوالی کے شعرا کی تخلیقی صلاحیتوں میں خوش بو بن کر نکھرتی ہے اور مشامِ جاں معطر کرتی چلی جاتی ہے۔

اشکبار آنکھیں ہیں آقا ﷺ کی زیارت کے لیے دل ترستا ہے خدایا اس سعادت کے لیے
(امیر عبداللہ اشہر)

مرا وہ پہلا پیام لے کر صبا نجانے کہاں گئی ہے
لکھا ہے دستِ دعا پہ اشکوں سے ایک تازہ پیام آقا ﷺ
(منور علی ملک)

تاج کو روضۂ اقدس پہ بلا لیجے گا کب سے ہے تشنۂ دیدار رسولِ عربی ﷺ
(تاج محمد تاج)

بلا لو اپنے قدموں میں شہِ بطحا کسی صورت میں بھر لوں چشمِ حسرت میں غبارِ پا کسی صورت
(مجبور عیسیٰ خیلوی)

حدودِ عصر اور مکاں سے آگے بشارتوں کا نگر دکھا دے
فصیلِ ہستی کو توڑ کر ہو نصیب تیرا وصال
(محمد فیروز شاہ)

دیارِ محبوب ﷺ کی ہر شے عزیز از جاں ہوا کرتی ہے کہ ان گلی کوچوں میں محبتوں کی مہک پرفشاں ہوتی ہے۔ مدینۃ النبی ﷺ سے والہانہ وابستگیوں کا اظہار بھی ایک بڑے شعری رویے کی صورت میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔

چمک اُٹھی مرے دل میں دعا مدینے کی مجھے نصیب ہو آب و ہوا مدینے کی
(عقیل عیسیٰ خیلوی)

D:NaatRang-15
File: Feroz
1st Proof

قدم رکھتا ہے جب انسان کوئی اس سرزمین پر　　فضا آواز دیتی ہے ذرا آہستہ بولو
(انجم نیازی)

تمنائیں دل میں تڑپنے لگی ہیں زبان پر محمد ﷺ کا نام آ رہا ہے
چلی آ رہی ہیں وہ ٹھنڈی ہوائیں، مدینے سے شاید پیام آ رہا ہے
(سرمد مظاہری)

وہ حسنِ تجلی وہ رحمت کے بادل　　وہ صبحِ مدینہ وہ شام اللہ اللہ
(سالار نیازی)

سرکارِ دوعالم ﷺ کا دربار مدینے میں　　اللہ کی رحمت کے انوار مدینے میں
(اسلم نیازی)

مرے حبیب ﷺ کے روضے کی چوم کر جالی　　گزر کے آئی ہے ٹھنڈی ہوا مدینے سے
(عبدالرشید ایاز)

لوٹیں نہ کبھی روضۂ اطہر سے نگاہیں　　دل میں وہ تمنا ہے کہ بے تاب ہے سینہ
(میاں نعیم)

ہر لحظہ کو یہ دل ہے طلب گارِ مدینہ　　ہو جائے ان آنکھوں کو بھی دیدارِ مدینہ
(نور محمد ساغر)

قریۂ جمیل کا جمال اہلِ دل کے سینوں میں سچے رازوں کے دفینے دریافت کرتا ہے۔ پھر انھیں جرأتِ اظہار عطا کر دیتا ہے۔ شعر میں اعلیٰ شعور اور عشق کے سرور کا ظہور محبتِ رسول ﷺ کی برکتوں کا لازمہ ہے محبتیں اندر کی صداقتیں ہوتی ہیں۔ یہ دلوں سے دلوں تک سفر کرتے جذبوں کی سچائیاں ہیں۔ جمالِ یار کی ضیاپاشیاں شاعری کو منور کرتی ہیں تو صبح کی پہلی کرن جیسی تنویر دلوں کو اپنی جاگیر بناتی چلی جاتی ہے۔

مری یہ آنکھیں نجانے کب سے کسی سفر پر نکل نہ پائیں
دل و نظر کی مسافروں میں کبھی تو تیرا جمال اُترے
(عصمت گل خٹک)

گلوں کی پتیاں ہیں یا ہے اس کا اسوہ حسنہ　　جسے لکھا گیا خوش بو وہ تفسیر کس کی ہے
(انجم نیازی)

تیری یاد کو تیرے خواب کو مری آنکھ رکھے سنبھال کے
میری زندگی کا جواز ہیں یہی عکس تیرے جمال کے
(محمد فیروز شاہ)

رب کائنات کے محبوب ﷺ کی اُمت میں شامل ہونے کا اعزاز ایک بڑی کامرانی اور شادمانی کا جواز ہے یاس کے زرد موسموں میں پرورش پانے والے پژمردہ لوگ اس کی رحمتوں کے گلاب مہکتے محسوس کرتے ہیں۔ یہ سرخ پھول سرخ رولحوں کی نوید لاتے ہیں اور بہار رُتوں کا ہراول بنتے ہیں۔ سرسبز موسموں کی بشارتوں میں شفیق رفاقتوں کے گلاب مہکتے ہیں اور دُکھی لوگوں کے من آنگن میں محبوبِ خدا ﷺ کی شفاعتوں کی اُمیدیں سکھی ساعتوں کی مسرتیں بن کر چمکنے لگتی ہیں۔ ہم بے مایہ، کم عمل اور گنہ گار لوگوں کی بخشش کا وسیلہ اس رحمت للعالمیں ﷺ کی ہستیِ مبارکہ ہی تو ہے:

وہ سالارِ آقائے تسنیم و کوثر ﷺ پلائیں گے اُمت کو جام اللہ اللہ

(سالار نیازی)

بس اسی اک بات پر رکھتا ہوں بخشش کی اُمید میں نے تیرے نام کو مولا ﷺ کبھی بیچا نہیں

(ظفر خاں نیازی)

اُفق سے آفاق تک رقم کرکے مغفرت کے کئی صحیفے
ترے کرم ہیں جو میرے عاصی دنوں کی قسمت بدل رہے ہیں

(محمد فیروز شاہ)

یہ وہ اہم شعری رجحانات اور رویے ہیں جو شعرائے میانوالی کی اردو نعتوں میں نمایاں ہوتے ہیں۔ مقامی زبان کی شاعری میں بھی ذوقِ نعت مائل بہ پرواز ہے۔ میں سمجھتا ہوں اس لمحے اعزاز بن جاتی ہے جب وہ کسی عقاب کے پروں کی پھڑ پھڑاہٹ سے پیدا ہوتی ہے اور عقابی رویہ فقط عشق ہی کی عطا ہے۔ میانوالی عشقِ رسول ﷺ کی خوش بخت وراثتوں کی امین بستی ہے۔ ایک ولیٔ کامل کی نسبتوں سے منسوب اس شہر کے باسیوں نے عشق کی عظمتوں کو حیاتِ تخلیق کا رفیق بنا لیا۔ انجم جعفری (دستورِ حیات) (و رفعنا لک ذکرک)، منظور حسین منظور (ارمغانِ عقیدت)، سردار ممتاز (گلدستۂ حجاز)، امیر عبداللہ اشہر (فیضانِ نظر) اور محمد منصور آفاق (آفاق نما) نے اپنے نعتیہ مجموعوں کے ذریعے دین و دنیا کی فلاح حاصل کی۔ یہ بستی میانوالی نعتِ محبوب ﷺ سے منور و معطر ہو کر پکار اُٹھی ہے بہ الفاظِ گلزار بخاری:

نام کیا آیا زباں پر آپ ﷺ کا
روح پر رحمت کے در کھلنے لگے

D:NaatRang-15
File: Feroz
1st Proof

کتابیات

اشہر، امیر عبداللہ　''فیضانِ نظر''　اسکندر آباد اکیڈمی، جنوری ۱۹۸۷ء

انجم جعفری　''دستورِ حیات''　حلقہ اربابِ ذوق، میانوالی، جون ۱۹۸۰ء

انجم جعفری (مرتب)　''ورفعنالک ذکرک''　تحریکِ فروغِ اردو، میانوالی، جنوری ۱۹۸۳ء

انجم نیازی　''حرا کی خوشبو''　جھنگ ادبی اکیڈیمی، جھنگ، ۱۹۸۵ء

حفیظ تائب (مدیر)　''گل چیدہ''　سیرت مشن پاکستان، لاہور، اپریل ۱۹۸۳ء

خاور نقوی　''نارسیدہ''　کاشف بک ڈپو، اسلام آباد، اپریل ۱۹۸۸ء

سرمد مظاہری　''وارداتِ سرمد''　ادارہ فروغ اردو، لاہور، جولائی ۱۹۷۳ء

سلیم احسن　''جکھڑ جھولے''　میانوالی اکیڈیمی، میانوالی، ۱۹۸۴ء

سوز زیدی　''سوزِ دروں''　شفیق زیدی پبلشر، اپریل ۱۹۹۰ء

شرر صہبائی　''بے نام''　احباب پبلشرز، میانوالی، مئی ۱۹۸۰ء

عقیل عیسیٰ خیلوی　''رشتۂ درد''　مکتبہ عقیل، عیسیٰ خیل، مئی ۱۹۸۵ء

عقیل عیسیٰ خیلوی (مرتب)　''شہرِ سخن''　مکتبہ عقیل، عیسیٰ خیل، اپریل ۱۹۸۱ء

گل بخشالوی　''بزمِ رسالت''　قلم قافلہ، کھاریاں، ستمبر ۱۹۸۵ء

محمد اجمل نیازی، محمد فیروز شاہ　مرتبین ''جل تھل''　غالب پبلشرز، لاہور، جولائی ۱۹۸۰ء

محمد فیروز شاہ　''دریچہ''　میانوالی اکادمی، میانوالی، ۱۹۸۴ء

محمد فیروز شاہ　''طلوع''　قرطاس پبلشرز، فیصل آباد، ۱۹۸۸ء

محمد منصور آفاق　''آفاق نما''　نمکسار پبلشرز، میانوالی، ۱۹۸۶ء

ممتاز، سردار　''گلدستۂ حجاز''　آئینۂ توحید، داؤد خیل، ۱۹۸۴ء

منظور حسین منظور　''جہاد نامۂ پاک''　انجمن ترقی علم و ادب، گوجرانوالہ، ۱۹۸۴ء

منظور حسین منظور　''ارمغانِ عقیدت''　انجمن ترقی علم و ادب، گوجرانوالہ، ۱۹۸۴ء

پروفیسر شفقت رضوی۔ کراچی

رسالہ ''شام و سحر'' کے نعت نمبروں کا تجزیاتی اور تنقیدی جائزہ

حضور رسولِ پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور عقیدت کے اظہار کے ہزاروں طریقے اور وسیلے ہیں جن سے نت نئے فانوس روشن کیے جاسکتے ہیں۔ یہ اربابِ خیر کی فکرو دانش ہے کہ وہ کس طرح خاموش جذبوں کو نطق عطا کرتے ہیں اور اظہار کے کتنے متنوع طریقے ایجاد کرتے ہیں۔ نعت کہنا ایک بابرکت عمل ہے نعت کی اشاعت، ترویج، تفہیم، تنقید، تقریظ اس کے حصول کے پہلو ہیں۔ صاحبِ ایمان ہوتے ہیں جو تواتر کے ساتھ اس فرض کو زندگی بھر نبھاتے ہیں۔ چاہے اس کے صلے میں داد و ستائش ان کے حصے میں آئے یا نہ آئے۔ دولت و زر پانے کے بجائے خرچ کرنا پڑے۔ وہ شہرت کے تاج سے بے نیاز حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور عقیدت کے پھول چنتے رہتے ہیں۔ ان کی تازگی اور خوشبو سے دوسروں کو لطف اندوز اور بہرہ اندوز کرتے رہتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں میں لاہور کے شیخ صفدر علی کو شمار کرنا چاہیے جنھوں نے ۱۹۷۴ء سے رسالہ ''شام و سحر'' کا اجرا کیا۔ یہ ایک علمی، ادبی رسالہ ہے۔ اس میں بلند پایہ مضامین نظم و نثر کے ساتھ دل آویز نعتیں بھی چھپتی ہیں۔ خدا نے انھیں توفیق دی کہ پندرھویں صدی ہجری کی پہلی عیدالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر نعت نمبر کا خصوصی شمارہ شائع کریں اور اس کے بعد ہر سال سوائے ۱۹۸۴ء کے یہ سلسلہ ۱۹۸۷ء تک جاری رکھیں گویا ''شام و سحر'' کو چھ ضخیم نعت نمبر شائع کرنے کا اعزاز حاصل ہوا۔ شیخ صفدر علی کی معاونت چودھری نور محمد، خالد بٹ، (خالدشفیق)، جان کشمیری، سجاد حیدر نے کی جب کہ اکثر حضرات پس پردہ رہ کر بے پروائے نام و نمود تعاون کرتے رہے۔

''شام وسحر'' کے ہر نعت نمبر کی ضخامت چار سو صفحات سے زائد ہے۔ اندازاً کہا جاسکتا ہے کہ ان شماروں کے ذریعے تین ہزار صفحات کا نذرانہ پیش کیا گیا۔ اس حجم کے باوجود مرتبین کی تشنگی ختم نہ ہوئی ہوگی۔ یہ نعت کی برکت ہے، ان تین ہزار صفحات میں نعت کے خوش نما، رنگین اور جاذبِ نظر پھول ہیں۔ ذہن، دماغ، دل اور روح کو حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آشنا کرنے والے مضامین ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات سے لو لگانے والوں کے احوال و آثار ہیں۔ ان پر تحسین و آفرین کے برسائے ہوئے پھول ہیں۔ تاریخ کے وہ جھروکے ہیں جن میں جھانک کر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اردو زبان کی تحریر کی ابتدا ہی حمد و نعت سے ہوئی تھی۔ ادبی تہذیبی تخلیقات کے سرنامے حمد و نعت سے معمور ہیں۔

''شام وسحر'' کے ان خصوصی شماروں میں اردو کے تابندہ نقوش ہی نہیں ہیں۔ پاکستان کی دیگر زندہ رہنے والی زبانوں نے نعت کے حوالے سے جو نقش چھوڑے ہیں ان کے آثار بھی موجود ہیں۔ اسے مبالغہ نہ سمجھا جائے کہ یہ شمارے نعت گوئی کی قاموس یا انسائیکلو پیڈیا ہیں۔ اس کے مشمولات پر سیر حاصل بحث ایک ''تالیف نو'' کی متقاضی ہے۔ ہمارے ذہن اور قلم کا اصرار ہے کہ اس کا جائزہ سرسری ہی لے لیا جائے۔ اس سے تجزیہ اور تنقید کا کماحقہ حق ادا بھی نہ ہو تو تعارف اور ستائش کا حق ہی ادا ہوجائے۔ اچھے کام کو نہ سراہنا بدذوقی ہی نہیں بے توفیقی بھی ہے۔ اور ہم ان سے دامن کشاں ہیں۔

''شام وسحر'' کے نعت نمبروں کی ایک بڑی اور اہم خصوصیت وہ بے شمار نعتیں ہیں جو روح کی بالیدگی اور ذہن کی کشادگی کا کام کرتی ہیں۔ ہر نمبر میں پچاسوں نعتیں ہیں۔ درجنوں نعت گو شعرا ہر نمبر میں محفل سجائے نظر آتے ہیں۔ ان میں مقام استادی پر فائز بزرگ بھی ہیں جن کی معجز بیانی کا زمانہ قائل ہے اور خوش فکر نو آموز بھی ان کے پہلو میں موجود ہیں۔ رسالے کے یہ حصے نعتیہ گلدستے ہیں۔ ہر شمارے کی نعتوں کو جداگانہ گلدستے کے طور پر شائع کیا جاسکتا ہے۔ فی الوقت ہم شائع شدہ مضامین کے تجزیاتی اور تنقیدی مطالعے کو پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ کیوں کہ اس وقت تک نعت کے حوالے سے تخلیقی عمل زیادہ ہوا تھا تجزیاتی اور تنقیدی عمل کی جانب توجہ نہیں دی گئی تھی۔ بیسویں صدی کے نصف آخر میں چند اہم مضامین شائع ہوئے ہیں ان میں ایک ڈاکٹر طلحہ رضوی برق کا تحریر کردہ ''اردو کی نعتیہ شاعری'' تھا جو ۱۹۶۸ء میں رسالہ ''جامِ نور'' کے لیے لکھا گیا تھا۔ اسی کی توسیعی شکل ان کی اسی نام کی کتاب ہے جو جنوری ۱۹۷۴ء میں

منظرِ عام پر آئی۔ کتاب کے آغاز میں ڈاکٹر طلحہ رضوی برق نے صراحت کی ہے کہ:

تقریباً چھ سال ہوئے حضرت علامہ ارشدالقادری صاحب مدظلہ نے اپنے رسالہ ''جام نور'' کے لیے مجھے اردو کی نعتیہ شاعری پر ایک مضمون لکھنے کا حکم دیا۔ تعمیل ارشاد میں بہ عجلت ایک سرسری مضمون لکھ کر روانہ کر دیا جو شائع بھی ہوگیا مگر اس مضمون کی تشنگی کا احساس برابر ہوتا رہا۔ فرصت ملی تو اس مضمون کو کچھ بسط دینے کی کوشش کی۔ جوں جوں لکھتا رہا اس قلزم ذخار و بحر ناپیدا کنار کی وسعت کا اندازہ ہوا۔ بالآخر اپنے عجز کے شدید احساس نے اس تحریر کو گویا نامکمل ختم کرنے پر مجبور کر دیا۔ احباب کے مشورہ پر اب یہ سرمایہ کتابی شکل میں پیش ناظرین ہے۔

(ڈاکٹر طلحہ رضوی برق، حرفِ آغاز ''اردو کی نعتیہ شاعری''، جنوری ۱۹۷۴ء ص ۴)

دوسرا مضمون ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے علم و فضل کا آئینہ دار ہے۔ یہ بھی ۱۹۷۴ء میں کتابی شکل میں منظرعام پر آیا۔ اس کی اہمیت اور حیثیت ایک مضمون سے زیادہ نہیں ہے اس بات کا اعتراف خود ڈاکٹر فرمان نے ان الفاظ میں کیا ہے:

میں اعتراف کرتا چلوں کہ میری کتاب نعتیہ شاعری کے موضوع پر کوئی محققانہ کتاب نہیں ہے۔ اسے آپ اردو کی نعتیہ شاعری کی تاریخ بھی نہیں کہہ سکتے اس لیے کہ اس میں نعتیہ شاعری کے سارے ادوار و افراد، احوال و آثار کی تفصیل تاریخ وار یا بالحاظ سنین درج نہیں ہے۔ یہ نعت گو شعرا کا تذکرہ بھی نہیں ہے اس لیے کہ اس میں سارے شاعروں کا ذکر نہیں۔ چند کا ذکر ہے یہ اردو کی نعتیہ شاعری پر جامع تنقیدی تصنیف بھی نہیں ہے بلکہ زیرنظر کتاب اردو کی نعتیہ شاعری کا ایک سرسری جائزہ ہے۔

(ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ''اردو کی نعتیہ شاعری''، ۱۹۷۴ء ص ۱۲)

صفدر حسین صفدر کا ایک مضمون بعنوان ''نعت کا عمرانی پہلو'' روزنامہ ''امروز''، ۱۱/اپریل ۱۹۸۰ء کو شائع ہوا تھا۔

D:NaatRang-15
File: Sham-1
Final

جو احوال اور خصوصیات ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے اپنی کتاب کے بتلائے ہیں وہی نوعیت ان مضامین کی ہے جو ''شام وسحر'' کے نعت نمبروں میں شامل ہیں۔ اس رویہ کا اعادہ کرنا

ضروری ہے کہ نعت ہی نہیں بلکہ ہمہ قسم کے مذہبی اور نیم مذہبی ادب پر تقدیس کے پردے ڈال کر انھیں تنقید سے بالاتر قرار دے دیا جاتا ہے۔ اس نوع کے ادب کے مضامین، طرز بیان اور زبان کے حسن و قبح پر گہری نظر ڈالنا سوئے ادب سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے ان کے بارے میں توصیف کے سوا کچھ نہیں لکھا جاتا۔ کم و بیش یہی صورتِ حال ''شام وسحر'' کے مضامین کی ہے۔ اس حقیقت کے باوجود ان مضامین کی اہمیت سے انکار بھی نہیں۔ ان مضامین میں تنقید کا فقدان سہی لیکن ان میں قدیم ادب پر پڑی گرد کو صاف کرکے تاریخ ادب کے ابواب کو روشن کر دیا گیا ہے۔ مضمون نگاروں نے قدما اور متوسطین کے ساتھ معاصرین کو بھی اپنی آنکھوں پر جگہ دی ہے۔ شاعروں کے لیے توصیفی کلمات کے ساتھ نمونہ کلام کو محفوظ کر دیا ہے۔ یہ ایسا خام مواد ہے کہ کوئی بھی صاحبِ نظر ان سے استفادہ کرکے ان میں جو تنقیدی کمی ہے اسے پورا کرنے کی سعی کرسکتا ہے۔ اسے معلوم اور محسوس کی پہلی آنچ کہیے کہ اسی سے شعلہ جوالہ پھوٹتا ہے۔ کسی سعی پیہم کو مہمیز کرنا بھی کارہائے نمایاں سے کم نہیں۔ ہر مضمون اپنے دامن میں معلومات کا ذخیرہ رکھنے کے باوجود ہل من مزید کا رنگ پیدا کرتا ہے۔ ایک چراغ سے صد ہزار چراغ روشن کرنا ہی تہذیبی ترقی کا لائحۂ عمل ہے۔

پہلا حصہ

ہمیں ''شام وسحر'' کے نعت نمبر کا تجزیاتی اور تنقیدی مطالعہ کا خیال اسی سبب ہوا کہ اس چراغ کی مدھم ہوتی لو کو ایک بار پھر تیز کریں۔ ذہنوں سے محو ہوتی یادوں کو تازہ کریں۔ نعت کے حوالے سے جو ابتدائی نوعیت کا معلوماتی، تحقیقی اور تنقیدی سرمایہ یکجا کرکے جس تحریک کی نشان دہی کی گئی ہے ان نشانوں کو اُجاگر کریں۔

اس تجزیاتی مضمون کو ہم نے تین حصوں میں منقسم کیا ہے، پہلا حصہ معلوماتی مضامین پر مشتمل ہے۔ اس کی ترتیب موضوع کی اہمیت کے اعتبار سے ہے۔

دوسرے حصے میں نعت گو شعرا کے بارے میں مضامین ہیں۔ اس میں ہر زبان کے نعت گو شاعروں پر لکھے گئے معلوماتی مضامین ان کے اشعار کے نمونوں کے ساتھ موجود ہیں۔ اس حصہ کی ترتیب مضمون نگاروں کے ناموں کے حروفِ تہجی کے مطابق ہے۔ ایک ہی مضمون نگار نے کئی کئی شاعروں پر مضامین لکھے ہیں۔ وہ سب ایک جگہ آگئے ہیں۔

تیسرے حصے میں لسانی اعتبار سے نعت کے دبستانوں پر مضامین ہیں۔ اس میں عربی، فارسی زبانوں کے علاوہ پاکستان کی قومی زبان کے اور علاقائی زبانوں پنجابی، سندھی، پشتو، بلوچی، براہوی، گجری، کشمیری زبانوں میں نعت کے بارے میں مضامین پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

ان تینوں حصوں سے تین اہم ابواب کی تکمیل ہوتی ہے یہی ہمارے پیشِ نظر رہے ہیں۔ نعتیہ شاعری اتنی وقیع اور اتنی زیادہ ہے کہ ہم ارادہ کے باوجود اس کے تعارف و تجزیہ کی ہمت پیدا نہ کرسکے اور اسے آئندہ کے لیے اٹھا رکھا ہے۔

آفتاب احمد خاں: قرآن کریم میں نعت رسول ﷺ

''قرآن حکیم میں نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم'' ایک فکر انگیز موضوع ہے۔ ''شام وسحر'' کے نعت نمبر۲ میں آفتاب احمد خاں نے اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ خداوندتعالیٰ نے اپنے محبوب کی تعریف و توصیف کا حق ادا کر دیا ہے۔ قرآن مجید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جس طرح نعت کہی گئی ہے اس انداز کی پیروی کرنا اور اس اسلوب میں نعت کہنا کسی شاعر کے لیے ممکن نہیں۔ لیکن ارشادات باری تعالیٰ کو نمونہ بنا کر اس کی سعی تو کی جاسکتی ہے۔ مضمون نگار نے قرآنی طرز کی وضاحت سے گریز کرکے اپنا مقصد یہ قرار دیا ہے کہ ''ان مضامین نعت کا ذکر کرنا ہے جو قرآن حکیم میں مختلف مواقع پر آیات میں بیان ہوئے ہیں۔ یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان محامد و محاسن کی پیش کش ہے جو خالقِ کائنات نے اپنے آخری صحیفے میں بیان کیے ہیں۔'' (''شام وسحر'' نعت نمبر۲، ص۲۷)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ارشادِ خداوند ہے کہ ''ہم نے تم کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔'' (انبیا، ص۱۰۷) گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمت للعالمین کہہ کر ان کی توصیف کی ہے۔ خدا نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام محبوبیت سے سرفراز کیا ہے۔ انھیں رؤف و رحیم پیغمبر کہا ہے۔ سورۃ النسا میں ارشاد ہوا، ''اے لوگو! بے شک تمھارے پاس اللہ کی طرف سے واضح دلیل آئی ہے اور ہم نے تمھاری طرف روشن نور اُتارا ہے۔'' آفتاب احمد خاں کا کہنا ہے، ''اس آیۂ کریمہ میں لفظ برہان اور نور مبیناً دونوں ہی نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیان کر رہے ہیں۔'' (''شام وسحر'' نعت نمبر۲، ص۳۰)

D:NaatRang-15
File: Sham-1
Final

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اتمامِ دین کا اعزاز عطا کیا گیا ہے اس کا اظہار اور اعلان قرآن میں موجود ہے یہ بھی ایک طرح سے نعت ہے۔ دیگر اعزازات جن سے حضور ﷺ بہرہ ور

ہوئے ان میں اعزاز خاتم النبیین، معلم کتاب وحکمت آپ کا مقامِ عدل، آپ کا احترام کرنے کی ہدایت، آپ کی نافرمانی کی سزا، آپ کے اسوۂ حسنہ کا ذکر، بشیراً و نذیراً نبی ہونا، دافع بلا ہونا، الم نشرح لک صدرک کہنا، شہرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کھانا، صاحبِ میثاقِ انبیا، غیب دان، شافعِ محشر ہونا، ذکر معراج، صاحبِ مقامِ محمود پر فائز ہونا، غرض جہاں جس طرح بھی قرآن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آیا ہے اس میں توصیف اور نعت کا کوئی نہ کوئی پہلو خود موجود ہے۔ یہ مضمون نگار کا مضامین قرآن پر عبور اور ان سے استنباط کی صلاحیت ہے کہ انھوں نے ایک اہم موضوع تلاش کیا اور اسے جامع طور پر صحت کے ساتھ پیش کرنے میں کامیاب ہوئے۔

حفیظ تائب : اردو نعت میں قرآنی آیات (''شام وسحر'' نعت نمبر۲)

اردو میں نعت کہنے والوں کی تخصیص نہیں ہے۔ ان میں عالم بھی ہیں، حافظ بھی، عامی بھی لفاظ بھی، لیکن نعت گوئی کا حق وہی ادا کرسکتے ہیں جن کی پیشِ نظر ارشاداتِ خداوندی اور اسوۂ حسنہ ہو! جناب حفیظ تائب نے جو خود ایک بلند پایۂ نعت گو شاعر اور صاحبِ علم و بصیرت بزرگ ہیں، ''اردو نعت میں قرآنی اثرات'' کے موضوع پر اپنے گراں بہا خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اس موضوع سے وہی انصاف کرسکتا ہے جس کے ذہن میں آیاتِ قرآنی کی مطالب واضح ہوں اور جس نے اردو نعت گوئی کا وسیع مطالعہ کیا ہو۔ حفیظ تائب ان ہر دو صفات سے متصوف ہیں۔ انھوں نے صنعتی کی تصنیف، قصہ بے نظیر (تصنیف ۱۰۵۵ھ) کے اشعار کے حوالے سے بتلایا ہے کہ شاعر نے شفیع، امین، رحمت للعالمین، طٰہٰ، یٰسین کے الفاظ قرآن سے مستعار لے کر نعت گوئی کا حق ادا کیا ہے۔ اسی طرح ولی دکنی، سراج اورنگ آبادی، محمد باقر آگاہ کو دورِ قدیم کے ان شاعروں میں شمار کیا ہے جو قرآن سے الفاظ، استعارے، علامتیں لے کر اپنے اشعار کو جلا بخشتے تھے۔ متوسطین کے دور کے بارے میں مضمون نگار کا خیال ہے کہ:

> متوسطین کا دور اردو نعت کی تاریخ میں بہت اہمیت رکھتا ہے کہ نعت کا اصل فروغ اس دور میں شروع ہوا۔ رنگ تغزل سے نعت کو وسعت دینے کا عمل بھی اس زمانے سے متعلق ہے۔ زبان اور بیان کی صفائی اور تشبیہات و استعارات کی ندرت کا اہتمام بھی زیادہ تر اسی دور میں ہوا۔ قرآن سے اخذ و استفادہ کا رجحان بھی بڑھا۔ قرآن اور سیرت کی ہم رنگی و ہم آہنگی کا چرچا ہوا۔ (''شام وسحر'' نعت نمبر۲، ص۶۱)

دورِ متوسطین کے جن شاعروں کے کلام میں قرآن سے استفادہ کی جھلک نظر آتی ہے ان میں ناسخ، شہیدی، مومن، بہادر شاہ ظفر، انیس دبیر، لطف بریلوی، امیر مینائی، محسن کاکوروی، شائق حیدرآبادی، بیان یزدانی، سرور لاہوری، مظفرالدین معلیٰ، حسن بریلوی، احمد رضا خان بریلوی، اسمٰعیل میرٹھی، اکبر میرٹھی، اقبال سہیل، ظفر علی خان، عبدالمجید سالک، حفیظ جالندھری، اثر صہبائی، محشر رسول نگری، عبدالعزیز خالد، اعظم چشتی، قمر یزدانی کا ذکر ان کے اشعار کے حوالوں کے ساتھ کیا ہے۔ یہ ایک اہم موضوع ہے اس کو وسعت دینے اور زمانہ حال تک کے امثال سے آراستہ کرنے کی ضرورت ہے۔

انور محمود انور: میلاد نامے، ابتدا، فروغ اور ارتقا (''شام وسحر'' نعت نمبر۳)

برصغیر پاک و ہند میں میلاد ناموں یا مولود ناموں کی ایک مستحکم روایت رہی ہے۔ پہلے زمانے میں یہ عموماً منظوم ہوا کرتے تھے۔ اب نثری کا رواج زیادہ ہے۔ اس کے درمیان میں بار بار اشعار بھی ہوتے ہیں۔ نثری میلاد نامہ بیٹھ کر پڑھے جاتے ہیں اور اشعار پڑھنے کے لیے مولود خوان اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور اہلِ محفل اس کا ساتھ دیتے ہیں۔ ہماری معاشرے میں خواتین کی محافل میلاد کا رواج عام ہے۔

میلاد خوانی کی ابتدا چھٹی ہجری میں ہوئی۔ کثرت سے میلاد نامے اور مولود نامے لکھے گئے، ان کا رواج پورے عالمِ اسلام میں بلاتفریق جاری رہا۔ مضمون نگار نے عربی میں پہلی مولود شریف لکھے جانے کی وضاحت یوں کی ہے، ''رہا عربی میں مولود شریف کی پہلی کتاب لکھنے کا شرف تو وہ ابوالخطاب عمر بن حسن وحیہ کلبی اندلسی کے حصہ میں آیا۔ (ص۱۸۳) مضمون نگار نے اپنی میری شمیل اور اسپنسر ٹرائینگم کی انگریزی تحریروں کو من وعن لکھ کر میلاد ناموں کے ارتقا کا حال بیان کیا ہے۔ گویا مسلمانوں کی اپنی کتابیں اس مضمونِ عالی سے تہی دامن ہیں۔ یہ رویہ بتلاتا ہے کہ اب خدا کی پہچان بھی قرآن وحدیث سے نہیں ہوگی بلکہ مغربی مصنفین کی تحریروں سے ہوگی۔ البتہ کہیں کہیں سیّد سلیمان ندوی کو اس قابل سمجھا ہے کہ ان کی تحریروں کو بطورِ حوالہ استعمال کیا ہے۔

مولود ناموں کی اہمیت کے بارے میں مضمون نگار کا خیال ہے کہ ''اس میں کوئی شک نہیں کہ میلاد ناموں نے عوام الناس کی ایک اہم ضرورت کا احساس کیا اور وہ ضرورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ سے اپنا روحانی اور دینی رشتہ استوار کرنے کی تھی۔ اور مولود نامہ کا بڑا احسان یہ ہے کہ انھوں نے نیم خواندہ عوام میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت

حسب نسب، خاندان، بعثت، ہجرت، وفات، معجزات، مبشرات، شمائل اور اخلاق و کردار کے بارے میں معلومات عام کرنے کی کوشش کی ہے۔'' (ص۱۸۹) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف اور مدح و ستائش کے جوش میں مولود نگار یہ نہیں دیکھتے کہ جو واقعات وہ بیان کر رہے ہیں ان کی حقیقت کیا ہے؟ (ص۱۸۹) جو غلط روایات عوام کی دلچسپی کی خاطر مولودناموں میں داخل کی گئیں اور اس تواتر سے بیان ہوتی رہیں کہ سچ سمجھی جانے لگی ہیں۔ ان میں بعض قطعی ناقابلِ قبول ہیں ایسی ہی مشکوک لیکن مقبولِ عوام حکایات و روایات کو مضمون نگار نے ص۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸) پر درج کیا ہے لیکن ان کی صحیح یا مشکوک ہونے سے بحث نہیں کی ہے۔ دنیا بھر کے انسانوں کی یہ نفسیاتی کم زوری ہے کہ وہ زمینی حقائق سے زیادہ دلچسپی فوق الفطرت اور محیرالعقول باتوں میں لیتے ہیں۔ زمانہ قدیم کی داستانیں مختلف علاقوں کی ضمنیات اور موجودہ دور کی سائنس فکشن اس کی مثالیں ہیں اور اسی نفسیاتی کیفیت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی زندگی کے علاوہ معجزات کے تذکروں کو اہمیت دی ہے اور اس بحث میں الجھتے ہیں کہ آپ کا سایہ تھا یا نہیں۔

مضمون نگار نے مولود شریف کے تاریخی پس منظر اور افادیت اور رویہ کا ذکر کرنے کے بعد چند اہم مولود ناموں پر بھی سرسری نظر ڈالی ہے۔ ان میں ایک مولود شریف شہید (غلام امام شہید م۱۸۷۶ء/۱۲۹۲ھ) ہے یہ اس موضوع کی سب سے مقبول کتاب ہے جو سینکڑوں بار چھپی ہے۔ دوسری ''میلاد شریف حالی'' ہے یہ ۱۸۶۴ء کی تصنیف ہے جو ۹۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ مضمون نگار نے حالی کی اس تصنیف کو ان کی تمام مضامین پر فوقیت دی ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ یہی حالی کی پہلی تصنیف ہے۔ (ص۲۰۲) اپنے مضمون کے درمیان میں (ص۱۹۴ تا ۱۹۵) انھوں نے اپنے علم کے مطابق جن مولود شریف کی فہرست دی ہے اس میں ۸۵ سے زائد اس نوع کی تصانیف شامل کی ہیں یہ موضوع جامع تحقیق اور تنقید کا متقاضی تھا۔ ہمیں خوشی ہے کہ ایک محنتی اسکالر جناب محمد مظفر عالم جاوید صدیقی نے ''اردو میں میلادالنبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کے عنوان سے تفصیلی اور وقیع کتاب لکھ کر اس تشنہ موضوع کی تشنگی کو باقی نہیں رکھا ہے۔ یہ مقالہ آٹھ ابواب تقریباً ساڑھے آٹھ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں اس ابتدا کا ۱۹۹۵ء تک کے میلاد ناموں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ بہرحال انور محمود انور کا نقش اوّل اور محمد ظفر عالم جاوید صدیقی کا نقش آخر اپنے اپنے زمانہ کی تحقیقی سہولتوں کے مدنظر اہم ہیں۔

اکرم رضا محمد: نعت، تعریف، تاریخ، رجحانات اور تقاضے

محمد اکرم رضا نے ''شام وسحر'' نعت نمبر (جنوری فروری ۱۹۸۷ء) ص ۵۷ تا ۶۲) میں نعت کے اہم پہلوؤں، تعریف، تاریخ رجحانات اور تقاضے پر قلم اٹھایا ہے۔ موضوع بے حد وسیع اور ایک کتاب کی تصنیف کا متقاضی ہے۔ محمد اکرم رضا نے اختصار کو ملحوظ رکھا، لیکن کامیابی سے موضوع کے ساتھ انصاف کیا ہے۔

نعت کی تعریف میں وہ نکتہ آفرینی سے کام لیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> نعت جو روزِ ازل سے کائناتِ انسانی کی حضور سے قلبی و روحانی وابستگی کی مظہر بنی ہوئی ہے، ایک ایمان افروز صنفِ ادب ہے نعت عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے لفظی معنی تو تعریف و ستائش کے ہیں مگر تمام مضاف میں اس کے مستعمل معنی توصیف و ثنائے حضور رہی درج ہیں۔ بلاشبہ یہ لفظ کی خوش قسمتی ہے کہ یہ ہمیشہ سے صرف اور صرف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان کرنے کے معنوں میں استعمال ہوتا آیا ہے ہوتا ہے اور ہوتا رہے گا۔ تمام زبانوں کے ذخیرہ الفاظ میں بہت کم الفاظ اتنے خوش نصیب ہوتے ہیں کہ کسی سے نسبت رکھنے کی بنا پر سربلند و سرفراز اور متبرک و محترم ہوجائیں۔
>
> (''شام وسحر'' نعت نمبر ۶، ص ۵۸)

نعت گوئی شوق سخن آرائی نہیں۔ اس کے لوازمات ہیں جن کا اظہار مضمون نگار نے اس طرح کیا ہے:

> نعت کہنے کے لیے بڑے اہتمام کی ضرورت ہوتی ہے۔ نعت کا زمزہ قدسی ایک ایسے دل کا تقاضا کرتا ہے جو اخلاص و نیازمندی سے بھرپور ہو۔ نعت ایک ایسے لہجے کی متقاضی ہوتی ہے جو احترام اور عقیدت کے ساتھ ساتھ ادب اور احتیاط کا مظہر ہو۔ نعت کے لیے عشق و وارفتگی کی متاع گراں مایہ درکار ہوتی ہے۔ (ایضاً ص ۶۱)

D:NaatRang-15
File: Sham-1
Final

نعت ایک طرف مذہبی عقیدہ، ذاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت اور ذوقِ عاشقی کے ساتھ ایک روحانی تڑپ کا نام ہے جو شاعری کی خصوصیات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اظہار کا

ذریعہ ہے۔ ان سارے اوصاف کے مجموعے سے ہی نعت کہنے کا حق ادا ہوسکتا ہے۔

مضمون نگار نے عربی کی نعت گوئی سے اس کی تاریخ بیان کی ہے۔ ان کے بیان کے مطابق ''تاریخی اعتبار سے میمون بن قیس کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس نے حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کرتے ہوئے پہلا قصیدہ لکھا۔ (ص۶۲) حضرت حسان بن ثابتؓ اور حضرت کعبؓ بن زہیر عربی کے ممتاز ترین نعت گو شاعر ہیں۔ دونوں کو حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں نعتیہ اشعار سنانے اور آپ کی زبانِ مبارکہ سے داد وتحسین حاصل کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ (ص۶۲) حضرت کعب بن زہیرؓ کے قصیدہ بانت سعاد کے پس منظر سے کون واقف نہیں۔ بعد کے شاعروں میں علامہ بوصیری کا قصیدہ بردہ شریف آج بھی اپنی مثال آپ ہے۔ اس کا ہم پلہ قصیدہ کوئی لکھ نہ سکا۔ مضمون نگار نے غیر صحابی شعرا کا سرسری ذکر کیا ہے بلکہ یوں کہیں صرف نام گنائے ہیں۔ نمونہ کلام شاید اس لیے نہیں دیا کہ عربی دان افراد کا کال ہے۔ فارسی کے نعت گو شاعروں میں سعدی، جامی، عرفی، قدسی، نظیری، فیضی، مولانا روم، خواجہ معین الدین چشتی، خواجہ نظام الدین اولیا، امیر خسرو، حکیم قاآنی، حافظ، نظامی، خاقانی کے نام گناتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کی نعتیں فارسی ادب کی آبرو اور وقار ہیں۔ قدسی کی نعت کو بقائے دوام حاصل ہے۔ ان شعرا میں دو ایک کے چند اشعار کے علاوہ کسی کا کلام دیا ہے اور نہ ان پر تبصرہ کیا ہے۔ یہی رویہ اردو شاعروں کے بارے میں اپنایا ہے۔ بات اسم شماری سے آگے نہیں بڑھی ہے۔

دور جدید میں نعت گوئی کے غیر معمولی فروغ کی وجہ پر غور کرکے صاحبِ مضمون نے نتیجہ نکالا ہے کہ:

> آج کا دور اپنی مادّیت پسندی سے بیزاری کا اظہار کرکے نعت کے دامانِ رحمت میں پناہ ڈھونڈ رہا ہے۔ یہ آج کی مجبوری نہیں بلکہ افتخار ہے کہ یہ اپنے تشخص کا احساس نعت کے حوالے سے دلانا چاہتا ہے۔
>
> (''شام وسحر'' نعت نمبر۶، ص۷۰)

مضمون نگار کے دورِ حاضر کے نعت لکھنے والوں کو تین طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے طبقے میں وہ خوش بخت غلامانِؐ رسول ہیں جنھوں نے شعر و ادب میں پہلا قدم رکھنے سے لے کر آج تک اپنے ذہن اور فکر کو فقط مدحت و نعتِ مصطفیٰ کے لیے وقف رکھا ہے۔ (ص۷۱)

دوسرے طبقے کے شاعروں میں جنھوں نے اپنی شعری مسافت کا آغاز غزل کی جانب پورے روایتی طمطراق سے کیا تھا مگر آہستہ آہستہ ان کی ایمانی بصارت اور روحانی بصیرت اس طور رہنمائی کی کہ انھوں نے روایتی محبوب سے بیزاری کا اظہار کر کے محبوبِ خالقِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دلوں کی خلوتوں اور نظر کی وسعتوں میں زندگی کی سانسوں کی طرح بسا لیا۔ (ص۱۷) تیسرا طبقہ دل و جان سے روایتی نظم وغزل کو ہی متاعِ ادب سمجھتا ہے۔ یہ شعرا عہدِ حاضر کے تقاضوں کو نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم آہنگ ہوتے دیکھ کر آبروئے شیوۂ اہلِ نظر کو پامال کرتے ہوئے اس مجبوری کے تحت نعت کہہ رہے ہیں کہ نعت اس دور کی پہچان اور اہلِ نظر کا ایمان بن چکی ہے۔ (ص۱۷) یہ تقسیم صداقت پر مبنی اور حال کی صحیح عکاس ہے بلکہ ہم اس میں یہ اضافہ کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ دورِ جدید کی نعت کا بڑا حصہ محض لفظی گورکھ دھندہ ہے۔ نئی لفظیات میں شعری ہنربازی کا دکھاوا ہے۔ ان شاعروں میں اکثریت ایسے حضرات کی ہے جو علم و عرفان سے بیگانہ ہیں۔ عظمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ذہنی شعور اور قلبی احساس سے کہیں ماورا ہے۔ ان کی نعت گوئی وہ کشکول ہے جس میں شہرت، نام آوری کے چند سکوں، ریڈیو کے چند چیک اور ٹیلی وژن پر رونمائی کے سکّے پڑے ہیں۔ یہ صرف شاعری کرتے ہیں نعت نہیں لکھتے۔ شاعری شعور کی زبان میں ہوتی ہے نعت وارفتگی اور عرفان کی زبان سے ہوتی ہے۔

نعت میں بھی حسنِ تغزل کا ہونا ضروری ہے۔ صاحبِ مضمون کا کہنا ہے، ''اگر نعت میں حسن و جمالِ محمدی کی ضیا پاشیوں کو نہ سمویا جائے تو نعت سوز و گدازِ قلبی کے ساتھ ساتھ حسنِ تغزل سے بھی محروم رہتی ہے۔ (ص۷۲) ''اور اگر سیرت و کردار رسول کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ نہ کیا جائے تو نعت میں جامعیت اور ہمہ گیری پیدا نہیں ہوتی۔ (ص۷۲) ان لوازمات کے ساتھ اگر کسی کی نعت گوئی حصولِ ثواب کی خواہاں ہے تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔

نعت کہنے کے ایک فیض تک مضمون نگار نے رسائی حاصل کی ہے۔ ان کا یہ بیان قابلِ غور اور بعد از غور مہر صداقت کا تقاضا کرتا ہے کہ ''جب نعت گو شاعر آشوب ذات یا آشوبِ دہر کے حوالے سے اپنی داستانِ الم حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار گہر بار میں عرض کرتا ہے تو اس کی بے قراریوں کو قرار آجاتا ہے اور پھر پریشانیوں کے ہجوم میں گھر کر بھی اس کے دل کے صحرا میں اُمید و حوصلہ کے غنچے چٹکنے لگتے ہیں۔ (ص۷۵)

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمہ صفت ذات کا کمال ہے کہ دنیا کی ہر زبان میں

D:NaatRang-15
File: Sham-1
Final

نعتیہ شاعری ملتی ہے، مشرقی دنیا میں تو اس کا نور دُور دُور پھیلا ہوا ہے۔ عربی، فارسی، اردو کے علاوہ ہر مشرقی زبان میں نعت کی جھلک کوئی آج کی بات نہیں۔ وہ تو صدیوں کی روایت ہے۔ دوسرے مذاہب کے ماننے والے بھی۔ ان کی عظمت کے قائل ہیں۔ اس لیے صرف غیر مسلم شعرائے اردو نے ہزاروں نعتیں اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔

اس مضمون میں بیان کردہ ہر نکتہ ساز دل کو چھیڑتا اور دماغ کو فکر کی دعوت دیتا ہے۔ مواد کے مقابل حسنِ تحریر ہے۔ نثر میں شاعری کی ہے اس کے کئی کئی حصے لطفِ شعر خوانی سے کم نہیں۔

انور سدید: اردو میں نعت نگاری، ایک جائزہ ۱۹۷۵ء تک

(''شام و سحر'' نعت نمبر ۵)

نعت گوئی کیا ہے؟ اس کی بنیادی خصوصیات کیا ہیں؟ اردو شاعری میں نعت گو شاعروں کا مقام کیا ہے؟ نعت گوئی کی ابتدا سے ۱۹۷۵ء تک نعت گوئی کن مرحلوں اور منزلوں سے گزری ہے؟ ان تمام کا جائزہ اس مضمون میں موجود ہے۔ اس موضوع پر ''شام و سحر'' کے سابقہ نمبروں میں بھی مضامین شائع ہوتے رہے۔ ان میں اور زیرِنظر مضمون میں مواد کی تکرار کے باوجود فرق یہ ہے کہ اس میں واضح تنقیدی شعور موجود ہے اگرچہ فراہم کردہ بعض اطلاعات نظرِ ثانی کی محتاج ہیں۔

مضمون کی ابتدا میں نعت گوئی کی مقبولیت کا ذکر کرتے ہوئے یہ دلیل دی گئی ہے کہ غیر مسلم بھی نعت گوئی کرتے رہے ہیں۔ اس حصے میں بعض اہم نام گنائے گئے ہیں جن میں سروجنی نائیڈو کا نام اردو شعرا کی فہرست میں شامل ہے۔ سروجنی نائیڈو حیدر آباد دکن کی رہنے والی تھیں۔ نہایت فصیح اردو بولتی تھیں۔ حیدر آباد کی ''گنگا جمنا'' تہذیب کی دل دادہ تھیں لیکن انھوں نے اردو میں نہیں انگریزی میں شاعری کی تھی۔ ان کی انگریزی نظموں کا مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔ اور وہ ''بلبلِ ہند'' (Nightingale of India) کہلاتی تھیں۔ غالباً صاحبِ مضمون نے ان کا نام انگریزی شاعرہ کے طور پر لکھا ہے لیکن تحریر میں احتیاط سے کام نہیں لیا۔ غیر مسلم شعرا میں دلورام کوثری کے ساتھ کلورام کا بھی ذکر ہے۔ یہ غالباً سہو کتابت ہے یا ممکن ہے راقم الحروف کی یہ کم علمی ہو کہ وہ اس نام سے واقف نہیں۔ کلورام کا جو شعر درج ہے وہ دلورام کوثری ہی کا ہے۔ غیر مسلم نعت گو شعرا میں بیسویں صدی کے معروف حضرات کے نام ہیں۔ پچھلی صدیوں کے شعرا

کو نظر انداز کر دیا ہے۔

فاضل مضمون نگار نے نعت گوئی کی تاریخ محمد قلی قطب شاہ کے عہد سے شمار کی ہے۔ وؔلی کے بعد سؔودا اور سؔودا کے بعد مؔومن کی نعت گوئی کا تذکرہ ہے۔ ہر شاعر کے بارے میں اپنی رائے ضرور پیش کی۔'' مثلاً:

> بہادر شاہ ظفر کی نعت میں انکسار اور خودسپردگی کا جذبہ نمایاں ہے۔ شہنشاہِ ہند جب شاہ دوجہاں سے خلوت میں باتیں کرتا ہے تو افتخار سلطنت نالۂ شب بن جاتا ہے اور سیاست کا سارا بوجھ آنسوؤں میں ڈھل جاتا ہے۔ (''شام وسحر'' نعت نمبر۵، ص۴۱۸)
>
> غالب آزاد فکر اور کشادہ خیال، وہ دین سے بیگانۂ محض تھا اور مذہب کا کھلا مذاق اُڑاتا تھا۔ شخصی لحاظ سے خالصتاً ایک دنیادار انسان تھا۔ نجی ضرورتوں کا اسیر تھا اور شراب اس کی گھٹی میں پڑی تھی۔ اس سب کے باوجود غالب کو شہِ دین کا اُمتی ہونے کا شرف حاصل تھا اور اس پر وہ کچھ کم فخر کا اظہار نہیں کرتا۔ (ص۴۱۸)
>
> حالی میں شیفتگی بھی ہے اور خودسپردگی بھی۔ ضبط بھی ہے اور تحمل بھی۔ سنجیدگی بھی ہے اور حقیقت افروزی بھی! یہی وجہ ہے کہ تاثر کی جو گہرائی سودا کے وجیہہ الفاظ اور مومن کی بوجھل ترکیبیں پیدا نہ کرسکیں۔ ان سے کہیں زیادہ شدید اثر حالی کے بے رنگ الفاظ پیدا کر گئے۔ (ص۴۱۹)

انور سدید کی ہر شاعر کے بارے میں جچی تلی رائے ہے جس کا اظہار وہ پوری خوداعتمادی سے کرتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ان کی بعض آرا سے اختلاف کی گنجائش باقی رہتی ہے۔

اردو نعت کے ارتقا کے ضمن میں انور سدید نے داؔغ کا ذکر بھی کیا ہے جن کو نعت کے حوالے سے عموماً کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔ مضمون نگار نے تمام معروف نعت گو شعرا کے کلام کے نمونے پیش کرنے کے ساتھ ساتھ جن آرا کا ذکر کیا ہے وہ لائقِ غور ہیں۔ انھوں نے کسی قابلِ ذکر شاعر کو چھوڑا نہیں ہے۔ بیسویں صدی کے شعرا میں اقبال کے بعد ظفر علی خاں، حفیظ جالندھری، بہزاد لکھنوی، اسد ملتانی، عبداللہ نیاز، نعیم صدیقی، عبدالعزیز خالد، حفیظ تائب، حافظ لدھیانوی،

محشر رسول نگری، منیر نیازی، ظہور نظر وغیرہ کی نعت گوئی کا احاطہ کیا ہے۔ مضمون اس صنف کی تاریخ سے آگاہی کے لحاظ سے اہم ہے۔

مضمون نگار نے یہ رائے بھی ظاہر کی ہے کہ مرثیہ کو انیس اور دبیر جیسے شاعر میسر آئے لیکن عبدالعزیز خالد کے سوا جس نے نعت کی کئی کتابیں بیک قافیہ لکھی ہیں کسی بڑے شاعر کے وسیع ادبی ذخیرے میں نعتوں کی تعداد دوچار سے زیادہ نہیں اسی لیے ہر شاعر کے ساتھ نعت کا ایک انفرادی رنگ تو سامنے آجاتا ہے لیکن نعت کے حوالے سے شاعر کا تخلیقی کل (Creative Totality) تشکیل نہیں پاتا۔'' (ص۴۱۷) یہ لکھتے ہوئے صاحبِ مضمون محسن کاکوروی، امیر مینائی، امجد حیدرآبادی کو بھلا بیٹھے ہیں۔

میر حسن کے عہد کی عکاسی کرتے ہوئے مثنوی سحرالبیان کے جو اشعار بطورِ نمونہ دیے ہیں وہ ہرگز حوالہ کے لائق نہ تھے۔ ان اشعار میں انبیا کی توہین ہے جو کسی طرح مناسب نہیں۔

بہر حال اس مضمون سے نعت کی عہد بہ عہد خصوصیات کی ایک جھلک سامنے آتی ہے۔

تحسین فراقی: اردو شاعری میں نعتیہ شہرِ آشوب کی روایت

(''شام وسحر'' نعت نمبر۶)

> شہرِ آشوب دراصل اقتصادی و سیاسی بے چینی اور مجلسی پریشانی کا منظرنامہ ہوتا ہے۔ اس میں کسی شہر یا ملک کے مختلف طبقوں کی مجلسی زندگی یا اس کے کسی پہلو کا نقشہ طنزیہ یا ہجویہ انداز میں کھینچا جاتا ہے یا شہر یا ملک پر کسی حادثے کے نزول کا درد آمیز ذکر کیا جاتا ہے اور گردش آسمانی اور زمانہ کی ابلہ نوازی اور سفلہ پروری کو بھی گاہے گاہے بیان کیا جاتا ہے۔
> (''شام وسحر'' نعت نمبر۶، ص۸۳)

تحسین فراقی نے شہرِ آشوب ایک عام سی تعریف کر دی ہے اسے ''نعت'' سے ربط نہیں دیا۔ بات تشنہ رہ گئی ہے۔

میرے خیال میں ''نعتیہ شہرِ آشوب'' کی ترکیب درست نہیں ہے۔ اسے یوں کہنا بہتر ہوتا ''نعتیہ کلام میں شہرِ آشوب'' یا ''شہرِ آشوب میں نعتیہ اشعار یا اشارے''۔ اردو کے شاعروں پر الزام ہے کہ وہ اپنے اطراف کے حالات سے آنکھیں بند کر کے ذات کی پنہائیوں میں گم رہتے اور درون بینی کو شعار بناتے ہیں۔ یہ اعتراض بنیادی طور پر غلط ہے جو حضرات اس اعتراض کے

مرتکب ہوتے ہیں وہ اساتذہ کے کلام کو سمجھتے نہیں ہیں یا سمجھنا نہیں چاہتے۔ شاعر کی درون بینی اور داخلیت ذات تک محدود نہیں ہوتی یہ سارے خارجی تجربات کے عکس یا نتائج ہوتے ہیں۔ وہ عام تجربوں کو اپنے احساس اور جذبہ کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں اور جو کچھ انھیں حاصل ہوتا ہے وہ شعر میں بیان کرتے ہیں۔ اساتذۂ سخن میں میر تقی میر اس حوالے سے سب سے ممتاز ہیں کہ ان کے اشعار دل کی روداد کے پردے میں زمانہ کی ستم آرائیوں کی داستان ہیں۔ بادی النظر میں جہاں زمانہ کے غیر انسانی برتاؤ، سماجی، اخلاقی تباہ حالی، ظلم وستم کی زیادتی، بھوک اور افلاس، ان سب کا دردمندانہ تذکرہ ہوتا ہے۔ ان کی مذمت کی جاتی ہے شہرِ آشوب چاہے قصیدہ، نظم (مثنوی) کے پیرایہ میں تفصیل اور وضاحت سے بیان کیا جائے یا غزل کے شعر میں ایمائیت، رمزیت اور علامتوں کے پردوں میں۔ ہر دو صورتیں شہرِ آشوب کی ہیں۔ غزل میں زیادہ واضح اور تیکھے انداز کے شہرِ آشوب کو دیکھنا ہو تو بہادر شاہ ظفر کا کلام پڑھیے۔ قصیدہ یا مثنوی میں خاص مضامین کی وجہ سے انھیں ''شہرِ آشوب'' کہا گیا لیکن غزل اور غزل کے اشعار بھی شہرِ آشوب سے خالی نہیں۔ میں یہاں مزید گزارش کی جسارت کروں گا کہ ''شہرِ آشوب'' اپنے دور کی ترجمانی کرتے ہیں اور کبھی تو شاعر اپنے دل کی بھڑاس اس کے ذریعے نکالتا ہے یا شہرِ آشوب کی ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ حضور کو مخاطب کر کے حالات بیان کیے جائیں۔ ان حالات پر افسوس کا اظہار کیا جائے۔ یہ غم اور افسوس شاعر کا انفرادی مسئلہ نہیں ہوتا۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتا ہے تو زیادہ تر ذاتی افتاد کو بیان نہیں کرتا۔ ان کی اُمت پر گزرنے والے مصائب کا ذکر کرتا ہے۔ بڑی شاعری اجتماعی احوال کے پیش کش سے ہوتی ہے۔ یوں تو انفرادی یا ذاتی غم کو بھی موضوعِ سخن بنایا جاتا ہے اس کی اہمیت معمولی سی ہوگی۔ تحسین فراقی نے فرق اور درجہ قائم کیے بغیر دونوں کے نمونے دیے ہیں۔ ذات کے حوالے سے شہرِ آشوب شیخ ابوالفرج محمد فاضل الدین بٹالوی کی ہے اور اجتماعی شعور اور درد وغم کی نمائندگی حالی کے ''عرضِ حال'' میں ہے:

اے خاصہ خاصان رُسل وقت دعا ہے
اُمت پر تری آ کے عجب وقت پڑا ہے

بٹالوی نے ردیف میں ''انظر بحالی یا نبیؐ'' کہہ کر اور حالی نے ''تری اُمت'' کا حوالہ دے کر نعت کا رنگ پیدا کر دیا ہے لیکن منیر شکوہ آبادی کی جس شہرِ آشوب کو نقل کر کے اسے ''نعتیہ شہرِ آشوب'' قرار دیا ہے اس میں ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے ہی نہیں اور نہ ان کی طرف کسی

D:NaatRang-15
File: Sham-1
Final

شعر میں اشارہ ہی ہے۔ اسے انتخاب اشعار کا نقص قرار دینا پڑے گا۔ اس طرح جو اشعار استمداد یا استغاثہ کے حوالے سے نقل ہوئے ہیں ان سے بھی وہ مفہوم ادا نہیں ہوا جو مضمون نگار کا مقصد ہے۔

مضمون کے ابتدائی حصے میں فارسی شہرِ آشوب دیے گئے ہیں۔ اس میں حافظ، سعدی، نظامی، جامی کا حوالہ ہے۔ اردو کے لکھنے والے فارسی کے ذکر سے دامن بچانا ہی نہیں چاہتے ممکن ہے اس سے اہلِ قلم کی زبان دانی کا سکہ بیٹھتا ہو لیکن زمانہ کے ساتھ ساتھ فارسی ''متروک'' ہوتی جا رہی ہے۔ اب شاید مضمون میں دیے گئے اشعار کو چند حضرات ہی سمجھ سکیں۔

تحسین فراقی نے منیر شکوہ آبادی کے شہرِ آشوب کو اردو کا پہلا نعتیہ شہرِ آشوب قرار دیا ہے۔ جو ''قصیدہ مسمی بفریاد زندانی در نعتِ حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم'' لکھا گیا۔ (ص۸۸) اس نعتیہ شہرِ آشوب میں منیر نے اپنے ذاتی کرب کو اجتماعی و ملی کرب بنا دیا ہے۔ انھیں کفر و اسلام کے حد درجہ ہم صحبت ہونے کا قلق ہے۔ انھیں رنج ہے کہ اہلِ صفا بھی صحبت بد میں ملوث ہوگئے ہیں۔ منیر نے انقلابِ زمانہ کی تصویر اس طرح کھینچی:

جو کل مزدور تھے وہ آج ٹھہرے راج کے مالک
جو شب کو مہترانی تھی ہوئی دن کو مہارانی
قضا جتنی معلق تھی وہ مبرم ہوئی اب کے
لٹک کر پھانسی میں جاتی رہی بنیادِ انسانی (ص۸۸)

منیر شکوہ آبادی کے بعد تحسین فراقی نے حالی، ظفر علی خاں، اقبال، نعیم الدین مرادآبادی، لطفی، جوش، سیماب، عبدالعزیز خالد کے علاوہ کئی شعرا کے کلام میں شہرِ آشوب کے انداز کے اشعار تلاش کیے ہیں۔ یہ صاحبِ مضمون کے وسیع مطالعے کے حاصل ہیں اور موضوع کی تفہیم میں مددگار بھی۔

حامد یزدانی: آزاد نعتیہ نظمیں (''شام وسحر'' نعت نمبر۴)

نعت ہر شعری ہیئت میں کہی گئی ہے۔ یہ شاعری کا کمال ہوتا ہے کہ وہ مضمون کو مؤثر اور دل کش بنا کر کس ہیئت میں پیش کرتا ہے۔ ورنہ نعت کے لیے ہیئت کی تخصیص کرنا عبث ہے۔ چوں کہ اردو دان طبقہ کے ذہنوں پر راج غزل اور تغزل کا ہے اس لیے نعتیں بکثرت غزل کی ہیئت میں تغزل کے کیف کے ساتھ لکھی جاتی رہی ہیں۔ اردو شاعری میں وقت کے ساتھ نت

نئے تجربے ہیئت کے ہوتے رہے۔نظم حالی اور اقبال کے فیضان سے عام ہوئی۔ جوش، احسان دانش نے اس کو آگے بڑھایا پھر نظم کے ساتھ آزاد نظم، معریٰ نظم اور اب نثری نظم نے سر اٹھایا ہے۔ سانیٹ نے کچھ دنوں کے لیے پیر پھیلائے۔ پسند خاطر محبوبانِ جہاں نہ ہونے سے یہ نو شگفتہ، غنچہ مرجھا گیا۔ اب ''ہائیکو'' کا واویلا ہے۔ تجربے ہوتے رہے ہیں، ہوتے رہیں گے۔ میری یا آپ کی انفرادی پسند سے یہ مقبول ہوں گے، نہ زندہ رہیں گے۔ جس پر اہلِ زمانہ پسندیدگی کی مہرِ ثبت کریں گے۔ اسی کو دوام حاصل ہوگا۔ اب فیصلہ اپنے ذوقِ سلیم سے کریں یا ہیئت کے اجنبی ہونے پر کراہیت کا اظہار کریں۔ اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ آزاد نظم نے پچھلی صدی کے آخری چھ دہائیوں میں خوب رنگ جمایا۔ میراجی، ظہور نظر، مخدوم، فیض، عارف عبدالمتین اور کتنے ہی نام ذہنوں میں محفوظ ہیں۔ ان کی نظموں کے ''آزاد'' ہونے کے باوجود ان کی موسیقیت، ترنم آفرینی، ایمائیت اور قدرے جوش نے خوب گل کاریاں کیں۔ شاعری کی چمن بندی میں آزاد نظمیں کہنے والوں کا بڑا ہاتھ رہا ہے۔ جب تمام مسائل حیات کا کامیاب تذکرہ ''تجربہ، تفہیم اور ابلاغ کا حق آزاد نظموں سے ادا کیا گیا تو شاعروں نے اپنے دل کی ان محبتوں، ذہن کے ان گوشوں اور روح کی ان گہرائیوں کو بھی آزاد نظموں میں ڈالا جن کا تعلق ذاتِ پاک رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ 'آزاد نعتیہ نظموں' کے بارے میں عارف عبدالمتین کا بیان ہے۔

> ''آزاد نعتیہ نظموں میں نئی شاعری کے اسی آبدار عنصر کا بالخصوص خیال رکھا گیا جو ایمائیت سے عبارت ہے اور جو مافی الضمیر کے اظہار کے علائم و رموز کو بروئے کار لانے کا قائل ہے۔ اس علامتی طرزِ ابلاغ نے جدید نعت کو ایسی تہ داری سے ہم کنار کیا ہے جس سے اسے نہ صرف مزید عمق فراہم کیا بلکہ ایک انفرادی آن بان بھی ارزانی کی ہے۔ (ص۳۹ تا۴۱)

حامد یزدانی کا ''آزاد نعتیہ نظموں'' کے عنوان سے ایک مضمون نعت نمبر۲ میں شامل ہے۔ انھوں نے کسی بحث میں الجھنے پر صرف آزاد نعتیہ نظموں کو انتخاب کو پیش کرنا ضروری سمجھا ہے اور ان الفاظ میں اس کا اعتراف بھی کیا ہے۔

چوں کہ ہمارے اس مضمون کا مقصد ''آزاد نعتیہ نظم'' پر کسی بحث کا در وا کرنا نہیں بلکہ ہمارا مقصد ''اردو اور پنجابی زبان میں اب تک کہی گئی نعتیہ نظموں کا تذکرہ ہے۔ لہٰذا ہم کسی فکری یا

فروعی بحث میں الجھنے کے بجائے اپنے مضمون کی طرف آتے ہیں۔'' (نعت نمبر۴ ص۱۴۰)

ہم یہاں آزاد نعتیہ نظموں کو نقل کر کے طول کلام کے شکار نہیں ہونا چاہتے۔ اس طرح لکھ دینا کافی سمجھتے ہیں کہ اردو کی نعتیہ نظموں میں انتخاب عبدالعزیز خالد، نعیم صدیقی، ظہور نظر، رشید قیصرانی، عارف عبدالمتین، حفیظ تائب، کامل القادری، الطاف قریشی، اعجاز فاروقی، حفیظ صدیقی یزدانی جالندھری، اقبال صلاحی الدین، آثم مرزا، گفتار خیال، جعفر بلوچ، تبسم رضوانی، مسعود ہاشمی، امجد اسلام امجد، علی اکبر عباس، زہیر کنجاہی، سیف اللہ خالد، محمد نواز، خالد علیم، طارق کامران، انور جاوید کے کلام سے کیا گیا ہے۔ ان میں چند نظمیں انتہائی متاثر کن ہیں۔ آخر میں حفیظ تائب، عارف عبدالمتین، تحسین فراقی، منظور وزیرآبادی، نادر حاجدی، محمد منیر لاہوری، راشد حسن دانا کی پنجابی آزاد نعتیہ نظمیں درج ہیں۔ مضمون کیا ہے قاموس الکلام یا بیاض اشعار ہے۔ تفہیم کی خاطر بالاکراہ انگریزی کا مترادف Anthology درج کرتے ہیں۔

خالد بزمی: اعترافِ عظمت، رسول اکرم ﷺ ہندو شعرا کی نظر میں (نعت نمبر۱)

نعت گوئی کے حوالے سے موضوع کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں مدحیہ نظمیں اور غزلیں مسلمانوں نے ہی نہیں لکھی ہیں غیر مسلم بھی اس میں برابر کے شریک ہیں۔ ان غیر مسلم شعرا کے مساعی کی ستائش میں کبھی کمی نہیں کی گئی۔ جس طرح مسلمان شعرا کی نعتوں پر داد و تحسین میں بخل سے کام نہیں لیا گیا اسی طرح ہندو شعرا کی نعتوں پر ستائش اور آفریں کے پھول برسائے گئے۔ ان کی کہی ہوئی نعتوں کو رسائل کے نمایاں جگہ دی۔ نعتیہ مشاعروں میں انھیں پذیرائی ملی۔ نور احمد میرٹھی نے ''بہرزماں بہرزباں'' میں ۳۱۴ غیر مسلم شعرا کا کلام جمع کیا ہے۔ ظاہر ہے اس میں اضافے کی گنجائش ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے عقیدت کی روشنی پھیل رہی ہے تو اس میں اعتراض کی کوئی بات نہیں۔ غیر مسلم شعرا کے حمدیہ اور نعتیہ کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے احمد صغیر صدیقی نے لکھا ہے۔

> اگر یہ لوگ واقعی قرآن شناس ہوتے تو مسلمان ہوگئے ہوتے۔ (''نعت رنگ''، شمارہ۱۴، ص۱۸۸)
>
> ڈاکٹر طلحہ رضوی برق نے لکھا ہے:
>
> یہ جو غیر مسلم نعت گویوں کی لمبی لمبی فہرست پیش کی جاتی رہی ہے کس رو سے انھیں نعت گو کہا جائے؟ کیا حضرت حسانؓ، حضرت کعب، جامی،

خسرو، درد، محسن، ریاض، میر، رضا بریلوی بھی نعت گو ہیں اور کالکا پرشاد،
چھمی نرائن، دیا شنکر نسیم، عزت سنگھ عیش، تلوک چند محروم، آنند نرائن ملا اور
جگن ناتھ آزاد بھی۔ (''سفیرِ نعت'' شمارہ ۳، ص ۵۸)

یہ اعتراضات حیران کن ہیں۔ گزارش یہ ہے کہ حضور کی ذات پاک، ان کے اعمال و افعال، ان کے افعال و افکار نے غیر مسلموں کو متأثر کیا تو کیا ان کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے جذبات کا اظہار شعر میں کریں۔ خدا کی وحدانیت کو تسلیم کرنا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رسولِ برحق اور خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم تسلیم کرنا ان کے شعور کے زندہ ہونے کی علامت ہے۔ خدا اور رسول پر مسلمانوں کی اجارہ داری نہیں ہے۔ یہ پابندی کہیں نہیں ہے کہ غیر مسلموں کی زبانوں پر ان کا نام نہ آنے پائے۔ اسلام کی تبلیغ اور اس میں وسعت اسی وقت ہو سکتی ہے جب اساسی اصول، دوسروں کے سامنے لائے جائیں۔ قرآن کو غلافوں میں بند کر کے طاقوں میں سجانے، رسول کو مسلمانوں کی ملکیت قرار دینے سے اسلام پھیلے گا نہیں اور بھی محدود ہو جائے گا۔ جب غیر مسلم اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کلام تخلیق کرتے ہیں جس طرح مسلمانوں کا شیوہ ہے تو کیا مسلمانوں کے کلام کو تو نعت کہا جائے اور غیر مسلموں کے کلام کو نعت نہ کہا جائے۔ یہ منطق ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ یہ کہنا کہ جب غیر مسلم وحدانیت اور رسالت پر قلم اُٹھاتے ہیں تو وہ مسلمان کیوں نہیں ہوجاتے۔ یہ اعتراض غمازی کرتا ہے بعض اہلِ فکر خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کی جاگیر سمجھتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے سوا خدا اور رسول کا نام لینے کا حق کسی کو حاصل نہیں۔ انھیں تو اس پر بھی اعتراض ہوگا کہ کائنات کے وجود میں آنے سے لے کر اب تک جن سو عظیم ہستیوں نے انسانیت کی بیش بہا خدمت کی ہے ان کی فہرست میں مائیکل ہارٹ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو سرِفہرست کیوں رکھا؟ وہ کوئی مسلمان تو تھا نہیں ہمارے محترم اہلِ علم مائیکل ہارٹ کی اس جسارت کی یقیناً مذمت کرتے ہوں گے۔

میں نے یہ بات اس سے قبل بھی لکھی ہے کہ ایک صاحب جن کا نام مسلمانوں کے جیسا تھا اور جو اب اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں ایک بھری محفل میں گویا ہوئے تھے کہ ''میں خدا کو نہیں مانتا، میں قرآن کو نہیں مانتا، لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتا ہوں کہ ان میں وہ تمام اوصافِ عالیہ موجود تھے جن کا ایک انسان میں جمع ہونا ممکن نظر نہیں آتا۔'' بیان کا ابتدائی حصہ بلاشبہ قابلِ مذمت ہے لیکن ایسا گم راہ شخص اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام کرتا ہے ان

D:NaatRang-15
File: Sham-1
Final

سے عقیدت رکھتا ہے تو کیا ہمیں یہ چاہیے کہ ہم اس کو ایسا کہنے سے روک دیں؟

غیرمسلموں میں حمد گوئی اور نعت گوئی کی روایت بہت پرانی ہے۔ اردو میں جب مثنوی نگاری کی ابتدا ہوئی تو مسلم اور غیرمسلم شعرا نے اس روایت کو شروع کیا اور ہر دور میں اس کی پاسداری کی کہ مثنوی کی ابتدا حمد اور پھر نعت سے ہو۔ یہ التزام نثری تصانیف میں بھی ملتا ہے (نثری حمد، نعت کا تعارف، تجزیہ اور تنقید کے کام ابھی تک سلیقے سے شروع نہیں ہوا ہے) میں نے غیرمسلموں کے اسلامی روایات اپنانے کے بارے میں اس سے قبل بھی ایک مضمون میں ذکر کیا ہے۔ چند حوالوں کا اعادہ غیرضروری نہیں ہوگا۔

منشی طوطا رام شایاں (م۱۲۹۰ھ) کی مثنویوں ''پر کالۂ آتش'' اور ''طلسم شایان'' کی ابتدا میں ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' درج ہے۔ ان کی اردو منظوم ''مہابھارت'' بھی اس طرح شروع ہوئی ہے۔

پوکرداس کی کتاب ''گیا گیپا المعروف راہ نجات'' بھی ہندو مذہب کی کتاب ہے جو مطبع روہیل کھنڈ سوسائٹی میں چھپی تھی اس کے سرِ ورق کی پیشانی پر ''لاالہ الا اللہ''، ''چت گیت'' اور ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' رقم ہیں۔

رائے برج باشی نے ''اخلاق برج باشی'' کی ابتدا ''ھوالغنی'' سے کی ہے۔

میں نے متعدد مثنویوں کا حوالہ اپنی کتاب ''اردو میں نعت گوئی... چند گوشے'' صفحہ۳۷ پر دیے ہیں۔ ان مثنویوں کا آغاز حمد و نعت سے ہوا ہے۔ کیا اس روش کا سختی سے محاسبہ کرنے والے چاہیں گے کہ ان کتابوں میں سے یہ حصے منسوخ کر کے ضائع کر دیے جائیں۔ اس سلسلے میں آخر گزارش یہ ہے کہ جو اسلام کے کم سے کم امور پر ہی متفق ہو اس کی حوصلہ افزائی کی جائے اس کی تربیت کی جائے کہ وہ دین سے کامل طور پر آشنا ہوجائے۔ رہا معاملہ دیں اور ایمان کا، اس کا فیصلہ کرنے والے ہم کون؟ معبود اور عبد کے معاملات کا تعلق ان دونوں سے ہے اس لیے حکم لگانے اور فتوے دینے سے بہتر ہے کہ ان کے لیے دعائے خیر کریں اور معاملات کو اللہ پر چھوڑ دیں۔

معذرت کہ تمہید بہت طویل ہوگئی۔ قارئین متفق ہوں گے اس تمہید میں کوئی غیرضروری بحث نہیں ہے۔

خالد بزمی نے ان ہندو شعرا کا تذکرہ مرتب کیا ہے جنھوں نے اپنے جذباتِ دلی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش کیے ہیں۔ تذکرہ میں دور جدید کے شعرا کے نام ملتے ہیں۔ متقدمین اور متوسطین کے بارے میں تحقیق کرنے اور ان کے نام اور کام کو مضمون میں شامل کرنے کی سعی نہیں کی گئی۔ مضمون کا آغاز ہری چند اختر کے نام سے ہوا ہے۔ غیر مسلم نعت گو شعرا کی محفل میں دلورام کوثری، عرش ملسیانی، تلوک چند محروم، جگن ناتھ آزاد، کشن پرشاد شاؔد، مہندر سنگھ بیدی سحر، رونق دہلوی، منور لکھنوی، برج موہن زیبا، بھگوان داس، راگھو ناتھ راؤ جذب جیسے معروف ناموں کے ساتھ بہت سے کم معروف شاعر بھی ملتے ہیں۔

مضمون روایتی تذکرہ کے انداز میں لکھا گیا ہے۔ شاعروں کے حالات مختصر ہیں۔ نمونہ کلام کہیں کم، کہیں زیادہ ہے۔ اسے تعارفی نوعیت کا مضمون کہا جاسکتا ہے۔ اس اعتبار سے لائق ستائش ہے۔

ہری چند اختر کے کلام کے نمونے کے طور پر ان کی مشہور نعت درج کی گئی ہے۔ اس کے مطلع اور ایک شعر کو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی:

کس نے ذرّوں کو اُٹھایا اور صحرا کر دیا
کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کر دیا
آدمیّت کا غرض ساماں مہیا ہوگیا
اک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا

دلو رام کوثری کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ہندو تھے۔ نعت گوئی کے طفیل انھیں مسلمان ہونے اور کوثر علی کا نام رکھ لینے کی توفیق ہوئی۔ کوثری کی محولہ طویل نعت بے حد اثر انگیز ہے۔ ان کا یہ شعر بھی مشہور ہے:

کچھ عشقِ پیغمبر ﷺ میں نہیں شرطِ مسلماں
ہے کوثری ہندو بھی طلب گارِ محمد ﷺ

امر چند قیؔس جالندھری کی نعتیہ غزلوں کی تعریف میں مضمون نگار نے لکھا ہے:

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت گوئی کے سلسلے میں امر چند قیس جالندھری کا نام بہت نمایاں ہے۔ قیس کی نعتوں میں بھی اس قدر خلوص ہوتا ہے کہ ان کے بعض اشعار دل پر نقش ہوجاتے ہیں۔

(نعت نمبر۱، ص۲۵۲)

D:NaatRang-15
File: Sham-1
Final

اس تعریف کے بعد جو نعتیہ غزل نقل کی ہے وہ زبان اور بیان کے لحاظ سے انتہائی دل آویز اور متاثر کن ہے۔ مطلع ہے:

وہ ابر فیضِ نعیم بھی ہے نعیم رحمتِ شمیم بھی ہے
شفیق بھی ہے خلیق بھی ہے رحیم بھی ہے کریم بھی ہے

مضمون ایک ادبی تذکرہ ہونے کے باوجود شاعروں کے بارے میں جچی تلی رائے کی وجہ سے اہم ہوگیا ہے۔ شاعروں کو ترتیبِ زمانی کے اعتبار سے جگہ دی جاتی تو اس کی تاریخی نوعیت میں اضافہ ہوجاتا۔

خالد علیم : اردو میں نعتیہ مثنوی (''شام وسحر'' نعت نمبر۴)

یہ بات بار بار دہرائی گئی ہے کہ اردو میں نعت گوئی کا آغاز مثنوی سے ہوا۔ قدیم زمانہ میں میلادنامے اور معراج نامے بکثرت لکھے گئے۔ یہ سب مثنوی کی ہیئت میں اور نعت کی ذیل میں آتے ہیں۔ اسی طرح اس روایت نے بھی فروغ پایا کہ غیر نعتیہ مثنوی کی ابتدا بھی حمد و نعت کی جانے لگی۔ یہ رویہ صرف مسلمانوں کا نہیں رہا بلکہ غیر مسلموں نے جو مثنویاں تصنیف کیں ان میں بھی اوّلین اجزا یہی ہیں۔ جب اردو شاعری کو شاہوں کی سرپرستی حاصل ہوئی تو قصیدہ کا رنگ چمکا۔ اسی کی اختصاری صورت غزل ہے جو عام ہوئی۔ شاہی کے ادوار میں نعتیہ قصائد بکثرت لکھے گئے جن کے لیے ضروری نہ تھا کہ دربار کے لیے لکھے گئے ہوں۔ شعرا کا ذہن قصیدہ کی گرفت میں تھا شاہوں کی پرتصنع مدح کرتے کرتے تھک گئے تو ذہنی سکون کی خاطر اور دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے ان کے ایمان نے نعتیہ قصیدہ لکھنے کی تحریک کی۔ قصیدہ کی طوالت اور زبان و بیان کی مشکلوں سے گھبرا کر اس سے فرار پانے والوں نے قصیدہ سے تشبیب علاحدہ کی۔ اسے غزل کا نام دے کر عام کیا۔

یہ سرسری جائزہ لینے سے مقصد مثنوی کی قدامت اور اہمیت کو واضح کرنا ہے۔ دکن میں بھی شاعری کے ابتدائی نقوش مثنوی کے روپ میں ملتے ہیں۔ ان میں نعتیہ مثنویوں کی کمی نہیں۔ ان ہی خیالات کا اظہار خالد علیم نے اپنے مضمون ''اردو میں نعتیہ مثنوی'' مشمولہ نعت نمبر۴ (ص۵۳ تا ۱۰۲) میں کیا ہے آغاز میں دکنی مثنویوں کا اجمالاً ذکر کرنے کے بعد انھوں نے میر و سودا کے عہد اور مابعد کی نعتیہ مثنویوں کا ذکر قدرے طویل انداز میں کیا ہے۔ ان میں مختصر اور طویل مثنویاں شامل ہیں۔ سودا کی مثنوی ''قصہ درعشق پسر شیشہ گر'' میں شامل نعتیہ اشعار کا حوالہ

دیتے ہوئے اس شعر پر جائز اعتراض کیا ہے:

اس کی ذات سے اثباتِ عشق ہے
کہ اس کی ذات میں عین ذاتِ حق ہے
لیا جب نامِ پاک اپنا بہ تعظیم
یہ فرمایا انا احمد بلا میم

مضمون میں دوسرا شاعر چھی نرائن شفیق ہے اس کی مثنوی ''تصویر جاناں'' بے حد مقبول ہے۔ شفیق کی دوسری تصنیف معراج نامہ ہے جو غالباً مضمون نگار نے نہیں دیکھی ہے۔ انھوں نے تذکرہ نعت گویان اردو'' جلد اوّل مولانا سیّد یونس شاہ کے حوالے سے چند اشعار معراج نامہ کے نقل کیے ہیں۔ یہاں یہ صراحت غیر مناسب نہیں ہوگی کہ راقم الحروف کی ایک کتاب ''اردو میں نعت گوئی، چند گوشے'' مطبوعہ ۲۰۰۲ء میں شفیق کا معراج نامہ مکمل پیش کیا گیا ہے۔ مضمون میں جن دیگر شعرا فن کی مثنویوں سے استفادہ کیا گیا ہے وہ یہ ہیں۔ محمد باقر آگاہ (مثنوی ہشت بہشت) میر حسن (سحر البیان) شاہ اسمٰعیل شہید (مسلک نور) سعادت یار خاں رنگین (مثنوی مہ جبین و نازنین، مسدس رنگین، نعتیہ مثنوی)، مومن دہلوی (نعتیہ مثنوی)، غلام امام شہید (مولود شریف شہید)، محسن کاکوروی (مثنوی صبح تجلی مثنوی چراغ کعبہ)، شوق قدوائی (نعتیہ مثنوی)، بے نظیر شاہ (مثنوی الکلام)، عزیز لکھنوی (صحیفہ ولا میں نعتیہ اشعار)، خوشی محمد ناظر (نغمۂ فردوس میں چند نعتیہ اشعار)، صفی لکھنوی (نعتیہ مثنوی)، سیماب اکبرآبادی (نعتیہ اشعار)، زاہد خاتون شیروانیہ، ز خ، ش (فردوس تخیل)، تاجور نجیب آبادی (نعتیہ مثنوی)، (حسرت موہانی (نعتیہ مثنوی)، امجد حیدرآبادی (رحمتی وسعت کل شی)، خواجہ دل محمد (دردِ دل)، ساغر نظامی (مثنوی سرور عالم)، ماہر القادری (ذکرِ جمیل)، وزیر الحسن عابدی (نعتیہ اشعار)، احسان دانش (نوائے کارگر) وغیرہ۔

ان مضمون میں شاعروں کا احوال برائے نام ہے جہاں تک ممکن ہوا شاعروں کے سالِ وفات درج کر دیے ہیں جن کی مدد سے ان کے دور کا تعین ہوجاتا ہے۔ مضمون نگار نے کسی فنی ترتیب سے مثنویاں پیش نہیں کی ہیں۔ اس میں ایسی طویل مثنویاں بھی شامل ہیں جو اوّل تا آخر نعتیہ ہیں۔ ایسی بھی ہیں جن کی نوعیت منظوم داستانوں کی ہے اور روایت کی پاسداری میں ابتدا میں حمد و نعت شامل ہیں۔ چند مثنویاں ایسی بھی ہیں جنھیں عام طور پر نعتیہ نظم کہا جاتا ہے۔ بہتر ہوتا کہ تاریخ کی ترتیب میں رکھ کر ان سب کو آپس میں گڈمڈ نہ کر دیا جاتا بلکہ ہیئت اور کیفیت کے لحاظ

سے جدا جدا ترتیب دیا جاتا۔

عام طور پر ولادت ناموں اور وفات ناموں میں فوق الفطرت اور ناقابلِ یقین روایات شامل کر دی جاتی ہیں۔ جن کی صداقت مشکوک ہوتی ہے، کتب تاریخ و سیر میں ان کا ذکر نہیں ملتا۔ ایسی حکایات اور بعض معجزات انسانی تحیر کے باعث ہونے کی وجہ سے دلچسپی کے حامل ہوتے ہیں اور زیادہ تر سامعین کے مزاج کو دیکھتے ہوئے ان باتوں کو مثنویوں میں شامل کیا جاتا تھا۔ صاحبِ مضمون نے ایسی چند روایات کی نفی کی ہے لیکن جس شدت سے ان کی مخالفت کرنا چاہیے تھی نہیں کی۔

مضمون میں اشعار کے حوالے ثانوی نوعیت کے ہیں۔ مضمون نگار اصل ماخذ کا کھوج لگانے کی زحمت سے بچ کر رسالوں اور کتابوں میں نقل کیے ہوئے اشعار پر انحصار کر گئے ہیں۔ تحقیق کے فن کے نقطۂ نظر سے مناسب نہیں ہے۔

خالد علیم : نعتیہ رباعیات، ایک جائزہ (''شام وسحر'' نعت نمبر۳)

نعت گوئی مثنوی، قصیدہ، غزل میں عام ہے۔ان کے بیش تر اذکار ہوتے رہتے ہیں۔ رباعی کی ہیئت میں نعتیں کم لکھی گئی ہیں اور ان کا ذکر بھی کم ہوتا ہے۔ خالد علیم نے اس موضوع پر قلم اُٹھایا ہے۔ ان کے مضمون کا عنوان ہے ''نعتیہ رباعیات، ایک جائزہ'' (نعت نمبر۳، ۱۹۸۳ء، ص۱۵۱ تا ۱۶۲) ابتدا میں خالد علیم نے رباعی کی تعریف بیان کی ہے۔ ''رباعی اس صنف سخن کا نام ہے جو چار مصرعوں پر مشتمل ہو اور اس کی بحر، بحر ہزج سے مشتق ہے۔ تاہم چاروں مصرعوں کا وزن ایک جیسا نہیں ہوتا۔'' ص۱۵۱) یہ صنف مخصوص رہی ہے علم، حکمت، اخلاقیات کے لیے لیکن دیگر مضامین پر کوئی پابندی بھی نہیں ہے۔ صاحبانِ فن کا خیال ہے کہ قصیدہ سے زیادہ رباعی مشکل ہے۔ صرف یہ تصور کرلیا کہ اس میں چار مصرعے ہوتے ہیں کافی نہیں۔ رباعی کی وہی کیفیت ہوتی ہے جو ڈراما یا اچھے افسانے کی ہوتی ہے۔ اس کی ابتدائی مصرعوں میں ایک خیال پیش کیا جاتا ہے جو تیسرے مصرعے میں تکمیل یا نقطۂ عروج کو پہنچتا ہے اور چوتھے میں مرکزی خیال کی وضاحت مخالف نقطۂ عروج کے طور پر کی جاتی ہے۔ بعض لوگ کم زور رباعیوں کو پڑھ کر نتیجہ نکال بیٹھتے ہیں کہ اس کا تیسرا مصرعہ بے کار اور بے معنے ہوتا ہے اور بزعم خود اصلاح فرما کر ثلاثی کے موجد بن بیٹھے ہیں۔ یہ چند باتیں راقم الحروف نے برسبیلِ تذکرہ کردی ہے ہیں ان کا ذکر زیرِ بحث مضمون میں نہیں ہے۔

مضمون نگار نے رباعیاں جو بطورِ نمونہ پیش کی ہیں۔ ان میں فارسی اور اردو رباعیوں کو جدا نہیں کیا ہے بلکہ دونوں زبانوں کی رباعیوں کو ساتھ ساتھ نقل کیا ہے۔ قدیم دور کی جو رباعیاں ہیں ان میں ایسے مصرعے ملتے ہیں جن کو نعتیہ کہا جاسکتا ہے۔ پوری رباعیاں مضامین نعت پر منحصر نہیں ہیں۔ جن کے ہاں نعتیہ رباعیاں ملتی ہیں ان میں قیام الدین قائم کا ذکر کیا گیا ہے ان کے کلام میں صرف دو رباعیاں ہیں جن کو مضمون نگار نے نقل کیا۔ کرامت علی شہیدی کی صرف ایک نعتیہ رباعی ملتی ہے۔ البتہ انیس و دبیر کے کلام میں ان کی تعداد زیادہ ہے چوں کہ ان دونوں اساتذہ کے مرثیے معرکتہ الآرا ہیں۔ رباعیاں ان مرثیوں کی شہرت میں دب گئی ہیں۔ مضمون نگار نے رباعی گوئی میں انیس پر دبیر کو فوقیت دی کیوں کہ ''میرزا دبیر لکھنوی کی رباعیات زوردار اور فصاحت میں بے نظیر ہیں۔ ان کی رباعیوں میں ندرتِ مضامین کی واضح مثالیں موجو دہیں۔'' (ص۱۵۵۔۱۵۶) انھوں نے دبیر کی یہ رباعی درج کی ہے:

کیا قامت احمد نے ضیا پائی ہے
چہرے میں عجب نور کی زیبائی ہے
مصحف کو نہ کیوں فخر ہو اس صورت پر
قرآں سے پہلے یہ کتاب آئی ہے

آخری مصرعہ جو رباعی کی جان ہے لائق غور ہے۔

اردو کے رباعی گو شاعروں میں غلام مولیٰ قلق، مذاق بدایونی، محسن کاکوروی، اکبر الٰہ آبادی، احمد رضا خاں بریلوی، غلام قادر گرامی جالندھری، امجد حیدرآبادی، فراق گورکھ پوری، اختر رضوانی، یزدانی جالندھری، انور فیروزپوری اور خالد علیم کے نام لیے گئے ہیں۔ ان شعرا میں تخصیص نہیں کی گئی۔ یہ رباعی گوئی سے مانے جاتے ہیں یا نہیں۔ اگر کوئی زندگی بھر نعتیہ صوفیانہ حکیمانہ اور اخلاقی رباعیاں لکھتا رہا ہے تو اس کے ہم جلیسوں میں اس کو شامل نہیں کیا جاسکتا جس نے ایک دو رباعیاں لکھی ہوں کیا فراق گورکھ پوری کو محسن کاکوروی احمد رضا خاں بریلوی اور امجد حیدرآبادی کے برابر سمجھا جاسکتا ہے؟

خالد علیم: اردو شاعرات کی نعت گوئی (''شام وسحر'' نعت نمبر۶)

D:NaatRang-15
File: Sham-1
Final

خالد علیم نے ایک ایسے موضوع پر قلم اٹھایا ہے جس کے لیے معلومات کی فراہمی آسان نہیں ہے۔ یوں تو خواتین میں شعرگوئی کا مذاق کبھی عام نہیں رہا۔ جن خواتین نے اس

جانب توجہ کی وہ سماجی روایات کی پاسداری میں کلام کی اشاعت سے پرہیز کرتی ہیں۔ اکثرت کا کلام ان رسائل میں شائع ہوا کرتا جو خواتین کے لیے مخصوص ہوتے۔ اشاعتِ کلام کے باوجود شاعرات کے کوائف پردۂ اخفا میں رہتے۔ شاعرات ہرگز نہیں چاہتی تھیں کہ ان کی زندگی کے حالات عام ہوں۔ دنیا ان کے شجرۂ نسب سے واقف ہوجائے ان کی عمر و خدوخال، مشاغل و اطوار وغیرہ کو اسی طرح پردوں میں رکھا جاتا جس طرح وہ خود پردے میں رہتی تھیں۔ خالد علیم نے مضمون کے ابتدائی کئی صفحات عورت کی پس ماندگی، مردوں کے سماج میں ان کے مقام کی پستی، علم کی کمی، ذوقِ شاعری کے پروان نہ چڑھنے کا احوال بیان کیا ہے۔ تقریباً پچاس کتابوں اور رسائل کی مدد سے وہ ایک ایسا تذکرہ نعت گو شاعرات مرتبہ کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں جس میں تقریباً ستر شاعرات کے احوال کہیں مفصل اور کہیں مختصر موجود ہیں۔ یہ ایک ابتدائی نوعیت کی کوشش ہے جو جدید تحقیقی انداز میں کام کو آگے بڑھانے کی تحریک کرتی ہے۔ مضمون نگار نے زیادہ توجہ احوال اور نمونہ کلام پر کی ہے۔ تبصرہ وتنقید کی جانب خاطرخواہ توجہ نہیں کی ہے۔ کم از کم جن شاعرات کا بہت سا نعتیہ کلام دستیاب ہوا ہے ان پر تبصرہ کرنا ضروری تھا۔

ریاض مجید: نعت کے محرکات (''شام وسحر'' نعت نمبر۳)

پاکستان کے نعت گو شعرا میں نعت کے حوالے سے تحقیق اور تنقید میں نمایاں خدمات انجام دینے والوں میں ایک معروف اور معتبر نام ریاض مجید کا ہے۔ وہ عرصہ سے نعت گوئی کر رہے ہیں۔ اس موضوع کے بارے میں انھوں نے تحقیق کے کام کی ابتدا پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لیے ۱۹۷۶ء میں کیا۔ اس کی تکمیل جون ۱۹۸۳ء میں ہوئی اور انھیں جامعہ پنجاب نے ڈاکٹریٹ کے اعلیٰ ترین ڈگری سے نوازا۔ ریاض مجید کی نعت سے دلچسپی اور وابستگی دیگر متعدد حضرات کی طرح حصولِ ڈگری تک محدود نہیں رہی۔ ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا ثمر ہے کہ وہ نعت کے ہر پہلو سے علمی و عملی طور پر وابستہ رہے۔ ان کی دلچسپی اور انہاک کے حوالے سے ڈاکٹر محمد اختر چیمہ نے لکھا ہے:

> پروفیسر ڈاکٹر ریاض مجید نے اس موضوع پر (نعت کے موضوع پر) ڈاکٹریٹ کرنے کے بعد بھی اپنی بیشتر علمی صلاحیتیں نعت گوئی، نعت نگاری، نعت نویسی، نعت پر تحقیق، نعت کے ابلاغ نعتیہ کلام کی اشاعت، نعتیہ مجالس، محافلِ سماع، نعتیہ مشاعروں اور نعتیہ کانفرنسوں کے

انعقاد کے لیے وقف کر دی ہیں۔ وہ آئے دن اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک سفر پر رہتے ہیں۔ وہ اس معاملے میں سفر اور حضر کی صعوبتوں کو بھی خاطر میں نہیں لاتے بلکہ ایسی مجلسوں میں شرکت کو اپنے لیے باعثِ اعزاز سمجھتے ہیں۔

(ڈاکٹر محمد اختر چیمہ، مضمون ''اردو میں نعت گوئی اور ڈاکٹر ریاض مجید''، مشمولہ رسالہ ''اوج''، نعت نمبر، جلد۲، ۱۹۹۳ء، ص ۳۲۶، ۳۲۷)

''شام وسحر'' کے نعت کے خصوصی شماروں میں ان کی اہم مضامین شائع ہوئے ہیں۔ ان کا پی ایچ ڈی کا مقالہ تحریر و تکمیل کے تقریباً سات سال بعد ۱۹۹۰ء میں شائع ہوا۔ اس کے چند اہم حصوں کو انھوں نے ''شام وسحر'' کے نعت نمبروں میں چھپوایا ہے۔ پہلا مضمون ''نعت کے محرکات'' ہے جو خصوصی شمارہ ۳ میں، ص۴۴ سے ص۶۲ تک پھیلا ہوا ہے۔ انھوں نے نعت کے محرکات میں عقیدت ۴۳۔۴۴۔ محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ (ص۴۴۔۴۶) اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ (ص۴۶ تا ص۴۷) حصولِ ثواب و طلب شفاعت (ص۴۸ تا ص۵۰) طلب برکت اور خیر جوئی (ص۵۰۔۵۱) کو شامل کیا ہے۔ اس کے بعد نعت کے ذیلی محرکات کے ضمن میں صوفیائے کرام کا خصوصی شغف و توجہ (ص۵۲ تا ۵۶)، مجلس محرکات نعت میں میلاد کی محفلوں (ص۵۶۔۵۸) مجالسِ سماع (ص۵۹۔۶۱)، سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جلسوں (ص۶۱) نعتیہ مشاعروں (ص۶۱) کا ذکر ہوا ہے۔ اختتام میں نعت کے فروغ میں ذرائع ابلاغِ عامہ کے کردار سے بحث کی ہے۔ تحقیقی مواد کے لحاظ سے تمام عنوانات اہم اور توجہ طلب ہیں۔ ان کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی کیا جاسکتا ہے کہ ہر نکتہ کے بارے میں قرآن و حدیث کے حوالوں سے کام لے کر اس کو وقیع بنایا ہے۔ ان حوالوں سے ریاض مجید کے شوقِ مطالعہ اور تبحرِ علمی کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ ہر بات کو دلیل یا قرآن اور حدیث کی تائید کے ساتھ بیان کر کے قاری کو قائل کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔ ان کی تحریر سلیس، عام فہم اور ہر طرح کی گنجلک سے پاک ہے اور وہ قاری کی توجہ کو اپنی گرفت میں لینے کا ملکہ رکھتے ہیں۔

ریاض مجید: نعتِ رسول ﷺ کے ماخذ (''شام وسحر'' نعت نمبر۳)

D:NaatRang-15
File: Sham-1
Final

ریاض مجید کے مقالہ کا دوسرا حصہ ''نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ماخذ'' ہے۔ یہ بھی خصوصی شمارہ ۳ میں شامل ہے۔ نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ماخذ میں ''الہامی صحائف اور

مذہبی کتب'' کا ذکر ہے۔ (ص۶۵ تا ۷۳) مقالہ میں شامل اسی عنوان کے تحت جو معلومات فراہم کی ہیں ان کی نسبت یہ مضمون مختصر اور غیر مکمل ہے۔ مضمون قرآن، حدیث، تورات، زبور، انجیل، اتھرویدِ، سام وید، کلکی پوران کے حوالوں سے پر ہے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے ہر مذہب کے بانیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی پیشین گوئی کی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک بتلائی تھی، مثلاً قرآن کریم میں حضرت عیسیٰؑ کی زبانی بشارت کا ذکر یوں ہے:

یاد کرو عیسیٰ بن مریم کی بات جو اس نے کہی تھی کہ اے بنی اسرائیل! میں تمھاری طرف بھیجا ہوا رسول ہوں۔ تصدیق کرنے والا ہوں اس تورات کی جو مجھ سے پہلے آئی ہے اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہوگا۔ (الصّف:۶۱)

خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں سو ٹھیک کہتے ہیں۔ میں ان کے لیے ان ہی کے بھائیوں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا۔ اور اپنا کلام اس کی منھ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے گا میں ان کا حساب اس سے لوں گا۔

(استثنا:باب۱۸، آیات ۱۷۔۱۹)

اسی طرح متیٰ، یوحنا وغیرہ کے حوالوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی اطلاع فراہم کی ہے۔ زبور کے باب۴۵ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف سے عبارت ہے۔ بدھ مت کے بانی گوتم بدھ نے اپنے شاگرد نندا سے کہا تھا۔

نندا میں پہلا بدھ نہیں ہوں، جو زمین پر آیا نہ میں آخری بدھ ہوں۔ اپنے وقت پر ایک اور بدھ آئے گا۔

گوتم بدھ نے آنے والا بدھ کا نام ''متیریا'' بتلایا تھا جس کے معنے ''رحمت'' ہیں۔

اتھروید کے منتروں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ''نراشنس'' (سب سے اچھا) اور ''پوشاہ'' (غریب نواز) بتلایا گیا ہے۔ غرض ریاض مجید نے ہر مذہب کی کتابوں اور ہر بانیٔ مذہب کے اقوال کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ماخذ قرار دیا ہے۔

ریاض مجید: اردو قدیم کے نعتیہ نمونے (''شام وسحر'' نعت نمبر۳)

ریاض مجید کا تیسرا مضمون ''اردوئے قدیم کے نعتیہ نمونے'' دراصل مقالہ کے تیسرے باب کا ایک حصہ ہے۔ اس باب میں انھوں نے دکنی زبان کی نشوونما کے سلسلے میں سیاسی، تہذیبی اور لسانی پس منظر کو بھی فراموش نہیں کیا ہے۔ سابق میں بھی ہم نے اس امر پر اصرار کیا ہے کہ دکنی قدیم اردو نہیں ہے وہ پنجابی وغیرہ کی طرح جداگانہ مکمل زبان ہے۔ اگر قدیم ہوتی اور اس کا جدید روپ اردو ہوتا تو وہ کبھی کی مر چکی ہوتی۔ اہلِ دکن گواہی دیں گے کہ دکنی اب بھی زندہ ہے اور وہاں کے لوگوں کے منھ چڑھی اور زبان چڑھی ہے۔ دوسرا امر قدیم عہد کی تصانیف کے بارے میں احتیاط کا تقاضا ہے جو ادب پارے خواجہ بندہ نواز سے منسوب ہیں۔ وہ جدید تحقیق سے غلط قرار دیے جا چکے ہیں۔ ڈاکٹر حفیظ قتیل اور ڈاکٹر حسینی شاہد نے متعدد دلائل وشہادتوں سے اس بات کو پایۂ ثبوت تک پہنچایا ہے۔ غالباً ریاض مجید پرانی روایات کے شکنجے سے باہر نہیں نکلے ہیں اور ان دونوں امور پر غور نہیں کیا ہے۔ اس لیے انھوں نے دکنی کے نمونوں کو قدیم اردو کے نمونے لکھا ہے اور بات خواجہ بندہ نواز سے شروع کی ہے۔ ان کے نمونۂ کلام دینے کے بعد ڈاکٹر جمیل جالبی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ ''ڈاکٹر جمیل جالبی نے اس بارے میں محققانہ انداز سے صراحت کی ہے کہ خواجہ بندہ نواز اور سیّد محمد اکبر حسینی کی کوئی اردو تصنیف نہیں ہے۔''
(نعت نمبر۳، ص۷۹)

انھوں نے نظامی کی ''کدم راؤ پدم راؤ'' کو جو ڈاکٹر جمیل جالبی کی دریافت ہے۔ اردو کی تصنیف قرار دے کر اس سے بھی نعتیہ اشعار نقل کیے ہیں۔ ساتھ ہی اقرار کیا ہے:

> نظامی کے نعتیہ اشعار کی زبان (اس مثنوی کے دوسرے شعروں کی طرح) ٹھیٹھ ہندی ہے جس میں سنسکرت اور پراکرت کے الفاظ کا استعمال کثرت سے کیا گیا ہے۔ اسی سبب سے اس نعت پارے کی زبان بہت مشکل اور عسیر الفہم ہے۔ (نعت نمبر۳، ص۷۹)

اس اقرار کے باوجود جو تاویل بھی کی جائے وہ ناقابلِ قبول ہوگی۔

اسی مضمون میں ''صوفیائے کرام کی جکریوں، دوہروں اور شعری تصانیف میں نعتیہ عناصر'' کی ذیلی سرخی کے تحت ایسے اشعار درج کیے ہیں جو صوفیائے کرام سے ''منسوب'' ہیں۔ ان میں شیخ بہاؤ الدین باجن، سیّد شاہ اشرف بیاہانی، شاہ علی محمد، میراں جی شمس العشاق،

برہان الدین جانم، خوب محمد چشتی، عبدالملک بھروچی، سکندر بن محمد، سیّد شاہ ہاشم حسنی العلوی، شاہ امین الدین اعلیٰ سے منسوب کلام کو مختلف حوالوں سے درج کیا ہے۔ موضوع کے مطابق ایک اہم کوشش ہے جس کے بعض پہلو لائقِ بحث ہیں۔

نظیر لدھیانوی: تذکرۂ عندلیبانِ ریاضِ رسول (''شام وسحر'' نعت نمبرا)

''شام وسحر'' کے پہلے خاص شمارہ کا پہلا مضمون ''تذکرہ عندلیبانِ ریاض رسول'' ہے۔ یہ اصغر حسین خاں نظیر لدھیانوی کی قلمی کاوش ہے۔ اس میں ''نعت کی تعریف'' اور ''نعت کے آغاز کا سہرا دکھنی شعرا کے سر باندھا گیا ہے۔ اور یہ بھی انکشاف کیا گیا ہے کہ نعت کی ابتدا مثنویوں سے ہوئی ہے۔ نعتیہ قصائد اور نعتیہ غزلوں کا رواج بعد میں ہوا۔ مثال میں سیّد بلاقی کی مثنوی معراج نامہ (تصنیف ۱۰۸۰ھ، تعداد اشعار ۱۵۰۰) مختار کی مثنوی معراج نامہ (تصنیف ۱۱۹۴ھ، تعداد اشعار بائیس ہزار) ملا نصرتی کی مثنوی معراج نامہ، عبدالحمید ترین کی مثنوی ''شمائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' میر فیاض ویلوری کی مثنوی ''روضہ الانوار'' (تصنیف ۱۱۵۹ھ) پیش کی گئی ہیں۔ اگرچہ یہ فہرست مکمل نہیں ہے۔ اس حقیقت کے اظہار کو بھی ضروری نہیں سمجھا گیا کہ ہر قسم کی مثنویوں کا ابتدائی حصہ حمد و نعت پر مشتمل ہوتا تھا۔ اس میں مسلمان شاعر کی تخصیص نہ تھی بلکہ غیر مسلم بھی اپنی مثنویوں کو حمد و نعت سے شروع کرتے تھے۔ مضمون نگار نے یہ اہم انکشاف کیا ہے کہ ''سیّد محمد فراقؔی نے غزل کی شکل میں نعت کا آغاز کیا۔'' (پہلا نعت نمبر، ص ۲۷) شمالی ہند میں نعت کی روایت کے حوالے سے نظیر لدھیانوی نے لکھا ہے:

> شمالی ہند میں یوں تو سودا اور میر کے علاوہ کئی اساتذہ نے نعتیہ قصائد لکھے ان کے دستور کے مطابق شعرا اپنے دیوان کا آغاز حمد و نعت ہی کے اشعار سے کرتے تھے۔ نظیر اکبر آبادی جرأت، انشا، ناسخ، مصحفی، میر حسن، میر محمدی بیدار اور رنگین وغیرہ نے تبرکاً چند نعتیں لکھیں اور بعض نے تو نہایت مشکل زمینوں میں قصائد کہے۔ شیخ مصحفی کا قصیدہ بہت مشکل زمین میں ہے۔ تاہم پہلے دور کے اساتذہ میں سے کسی نے نعت گوئی کو اپنا شعار نہیں بنایا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ غزل اور قصائد شعرا کا ذریعۂ معاش تھے۔ وہ اپنا زور اس پر صرف کرتے تھے اور حاکمانِ وقت اور امرا سے صلے پاتے تھے۔ (حوالہ مذکورہ، ص ۲۸)

اس ''تذکرہ'' میں شعرا کے حالاتِ زندگی بہت مختصر ہیں البتہ جدید شعرا میں علامہ اقبال اور مولانا ظفرعلی خاں کے بارے میں لکھتے ہوئے قدرے تفصیل سے کام لیا گیا ہے۔ قدیم تذکروں کی طرح واقعات کے حوالے کے ساتھ سنین کے اندراج کو ضروری خیال نہیں کیا گیا۔ اس طرح تحقیق کا حق ادا نہیں ہوا۔ جہاں تک تنقید کا تعلق ہے وہ بھی برائے نام ہے۔ ہر شاعر کے بارے میں ایک دو جملے مضمون نگار کے ذوق کے ترجمان ہیں۔ شاعر کے مجموعی طرز کے بارے میں کوئی دیرپا اثر نہیں چھوڑتے۔ محسن کاکوروی کے نعتیہ قصائد کا جائزہ لیتے ہوئے مضمون نگار نے یہ رائے قائم کی ہے:

> محسن کا کلام عیوب سے بالکل پاک ہے۔ خیالات کی طرح زبان بھی پاکیزہ اور شیرین ہے۔ قصیدے کے ہر شعر میں لفظی و معنوی صنعتیں ہیں۔ لکھنؤ کی خارجی شاعری کے برعکس محسن کا کلام جذبات کی دل کش بنیادوں پر استوار ہے۔ خلوص، محبت، شیفتگی اور عقیدت جو محسن کی زندگی کے عناصر تھے انھیں سے ان کی شاعری نے ترکیب پائی ہے۔
>
> (''شام وسحر'' نعت نمبر ا، ص ۳۹)

اس مضمون کی سب سے بڑی خوبی انتخابِ نعت ہے جس شاعر کا تعارف کروایا ہے نمونے کے طور پر اس کے اچھے اور زیادہ سے زیادہ اشعار دے دیے ہیں۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ فاضل مضمون نگار سرسری گزر جانے کے قائل نہیں ہیں۔ ان کا مطالعہ وسیع اور ان کی یادداشت قابلِ رشک ہے۔ مضمون کے ذریعے عقیدت اور محبت کے رنگارنگ پھولوں سے دل شاد اور ان کی خوشبو سے دماغ معطر ہوتا ہے۔

مضمون نگار نے معاصرین کو تذکرہ میں شامل کرکے اس کمی کو پورا کر دیا ہے جو ڈاکٹر طلحہ رضوی برق اور ڈاکٹر فرمان کے مضامین میں تھی۔ یہ سلسلہ جاری رہنا چاہیے۔ ہر پانچ دس سال کے بعد نئے آنے والوں کا خیرمقدم ہوتا رہے تو نئے نعت گو شاعروں کو خراجِ تحسین پیش کرنے اور صنف کے زندۂ جاوید ہونے کا ثبوت فراہم کرنے کا موقع ملتا رہے۔ مضمون نگار نے معاصرین کا احوال بیان کرتے ہوئے اپنے آپ کو فراموش نہیں کیا ہے۔ ان کا لکھا ہوا تعارف انتہائی مختصر ہے۔ اس ضمن میں انھوں نے حد سے زیادہ احتیاط ملحوظ رکھی ہے۔ جہاں اپنے اندازِ کلام اور ان کے محرکات پر لکھنے کا موقع تھا وہاں انھوں نے گریز سے کام لیا ہے۔ نعتوں کے طویل

اقتباسات نقل کرنے کو کافی سمجھا ہے۔

اردو شعرا کے جلو میں ممتاز گنگوہی بھی نظر آتے ہیں جو پوربی زبان کے شاعر ہیں۔ انھوں نے بہت سی اثر انگیز نعتیں کہی ہیں اور دیوان بھی مرتب کیا ہے۔ مضمون نگار نے یادداشت سے ان کے چند شعر نقل کیے ہیں۔ ان میں سے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔ شاعر کا مترنم لہجہ دل کو موہ لیتا ہے۔

موری مایا کو لوٹ کے گیو ٹھگ، مورے ڈھونڈھت ڈھونڈھت تھک گیو پگ
نہ تو ہاتھ میں کچھ، نہ ادھار میں کچھ، موہے لیکھے کو شاہ بلاوت ہے
کوئی ہند میں ایسا نہ رہا، میرے ٹوٹے بنج کو جو دیوے بنا
ہے دیس مدینہ میں سیٹھ مرا، وہی بگڑوں کے کاج بناوت ہے
یہ جو پیت کی گٹھڑی ہے پاس مورے، اسے دیس مدینے میں لے چلو
اسی دیس میں جا بیوپار کروں، ممتازؔ وہیں سکھ باوت ہے
(''شام وسحر'' نعت نمبر۱، ص۴۳)

مجموعی طور پر انتخابِ نعت خوب ہے۔ لیکن انتخاب میں شاعروں کی بے احتیاطی پر نظر نہیں رکھی گئی۔ انتخاب میں ایسے اشعار بھی آگئے ہیں جو بعض طبائع پر گراں گزر سکتے ہیں جیسے:

خواب میں زلف کو مکھڑے سے ہٹا لے آجا
بے نقاب آج تو اے گیسوؤں والے آجا
(''شام وسحر'' نعت نمبر۱، ص۴۲)

یہ بیان یزدانی کی مشہور ومعروف نعت کا مطلع ہے۔ اس غزل کو اکثر محافل میں پڑھا اور پسند کیا جاتا ہے لیکن اس مطلعے میں طرزِ تخاطب شانِ رسالت کے مطابق نہیں۔ شعر پر مجاز کا رنگ غالب ہے اور ردیف ناگوار ہے۔ ایسے متعدد اشعار ملتے ہیں جو سیاق وسباق سے ہٹ کر پڑھے جائیں تو نعت کے نہیں عام غزل کے شعر معلوم ہوتے ہیں۔ جن اشعار میں واضح اشارہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہ ہو ان کو نعت میں شمار کرنا زیادتی ہے۔ اسی طرح یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

عاشقوں کا ذکر کیا معشوق ہوگئے
انجمن کی انجمن صدقے ہے اے جانِ جمال

خوب رویان جہاں کو بھی یہی کہتے سنا
تم ہو شانِ حسن، جانِ حسن، ایمانِ جمال
(حسن رضا خاں، نعت نمبرا، ص۴۹)

عظیم قریشی اپنی ایک نعت میں کہتے ہیں:

آپ عکسِ شہود آپ رقصِ سجود
آپ نقش وجود شاہ ہر دوسرا
مصطفٰے مجتبےٰ

''رقصِ سجود'' فہم سے بلاتر ترکیب ہے:

آپ کا نقش پا سجدۂ انبیا
عرشہ اولیا شاہِ دوسرا
مصطفٰے مجتبےٰ

مقامِ انبیا ملحوظ نہیں رکھا گیا اور ان کی شان میں گستاخی کی گئی ہے:

بلند آپ نے آکر خدا کا نام کیا
جنابِ ختم رُسل نے بڑا یہ کام کیا
(راجا محمد عبداللہ نیاؔز، نعت نمبرا، ص۶۹)

پہلا مصرع لائقِ توجہ ہے:

آج یوسفؑ بھی ان کی غلامی میں ہے
تو نے دیکھا زلیخا ہمارا نبی
(اکبر میرٹھی، نعت نمبرا، ص۱۱۴)

علامہ اقبال کے نعتیہ کلام میں نظیر لدھیانوی نے یہ شعر بھی درج کیا ہے:

تماشہ تو دیکھو کہ دوزخ کی آتش
لگائے خدا اور بجھائے محمدﷺ

جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے یہ علامہ اقبال کا شعر نہیں ہے اس محفل میں حضرت جوش ملیح آبادی کو ان کے ''ایمانِ ظاہر'' کی وجہ سے نہیں محض شاعرانہ قدرت اور لفاظی کی وجہ سے شریک کیا گیا۔ یہ عمل خود ایک سوالیہ نشان ہے؟

D:NaatRang-15
File: Sham-1
Final

حضرت نظیر لدھیانوی اپنے زیرِ بحث مضمون میں اکبرالہ آبادی، حسرت موہانی اور عیش فیروز پوری کے ناموں کو شامل نہیں کر سکے تھے اس کی تلافی انھوں نے نعت نمبر۲ بابتہ ۱۹۸۲ء میں تتمہ (ص۱۹۸ تا ۲۰۶) لکھ کر کی ہے۔

نظیر لدھیانوی: اردو میں نعتیہ مخمس (''شام وسحر'' نعت نمبر۵)

نظیر لدھیانوی کا ایک مضمون ''شام وسحر'' کے پانچویں نعت نمبر بابت ۱۹۸۶ء میں بعنوان ''اردو میں نعتیہ مخمس یا خمسہ'' چھپا ہے اس میں مضمون نگار نے خمسہ کی مختلف ہیئتوں سے بحث کی ہے اور ہر ہیئت کی رعایت سے نعتیہ خمسہ درج کیا ہے۔ اسی کے ضمن میں تضمین کو شامل کر لیا ہے۔ جن شعرا کے خمسہ پیش کیے گئے ان میں حضرت احمد رضا خاں بریلوی، قاسم، عبدالعزیز خالد، عزیز حاصل پوری، جعفر بلوچ، ہلال جعفری، صوفی انور فیروز پوری، اکبرالہ آبادی، نظیر لدھیانوی، عابد نظامی، بیدم وارثی کے خمسے شامل ہیں۔ اس میں بعض جگہ طویل اقتباسات ہیں۔ مثالوں سے یہ تو سمجھ میں آجاتا ہے کہ خمسہ یا مخمس کیا ہے اور اس کی مختلف صورتیں کیا ہیں لیکن ہر خمسہ کی جو معنوی اور شاعرانہ خوبیاں ہوسکتی ہیں ان کی طرف کوئی اشارہ بھی نہیں ہے۔ اگر ان مخمسوں کا تنقیدی یا تجزیاتی جائزہ لے لیا جاتا تو مناسب ہوتا۔ بہرحال مضمون پڑھنے کے دوران فکر انگیز اشعار کے ذخیرے سے بہرہ اندوز ہونے کا موقع ملتا ہے۔

راجا رشید محمود: اردو نعت میں صلوٰۃ وسلام (''شام وسحر'' نعت نمبر۵)

اسی انداز کا ایک مضمون راجا رشید محمود کا ہے۔ انھوں نے ''اردو نعت میں صلوٰۃ وسلام'' کے موضوع پر لکھا ہے۔ ابتدائیہ میں اظہار کیا ہے کہ درود وسلام کا حکم قرآن مجید میں بھی ہے۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی تائید احادیث کے ذریعے کی ہے۔ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ حضرت خاتم المرسلین پر بکثرت درود وسلام بھیجے۔ یہ عمل خیر و برکت کا ہے اور اس میں مضمر بہت سے فوائد ہیں۔ مسلمانوں کی روزمرہ کی زندگی اس سے خالی نہیں۔ نیک ہیں وہ لوگ جو اس کی کثرت کے قائل اور اس پر عمل پیرا ہیں۔ شاعروں نے بھی اپنے کلام میں سعادت مندی کا ثبوت دیا۔ مضمون نگار نے اپنے اس مضمون میں ''جن شعرا نے کسی صنف سخن میں بارگاہِ حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم میں ہدیہ سلام'' پیش کیا ہے ان کی ایسی نعت شریف کا صرف مطلع پیش کیا ہے۔ ترتیب حروفِ تہجی کی ہے۔ اس تمہید میں ان شاعروں کے اشعار درج

ہیں جنھوں نے ''سلام'' عرض کرنے کی سعادت حاصل کی۔ شاعروں سے اس قابلِ احترام گروہ میں پانچ یا اس سے زائد معروف اور غیر معروف شاعروں کے نام اور ان کے اشعار شامل ہیں۔ یہ اشعار روح کو گرماتے اور تکریم کے جذبے کے محرک ہوتے ہیں۔ تمام اشعار اتنے نفیس اور پاکیزہ ہیں کہ ان میں سے چند کو منتخب کر کے پیش کرنا محال ہے۔ یہ راجا رشید محمود کی موضوع اور صاحبِ موضوع سے وابستگی اور وارفتگی کی دلیل ہے کہ ان کی ہر سانس حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وقف ہے اور ان کی ہر تحریر ان کے خلوصِ نیت کی دلیل ہے۔ شاعروں نے کہیں ''سلام'' لکھا ہے کہیں ''اسلام''، یا ''سلام علیک''، ''سلامُ علیک''، ''سلامُ علیکم''، ''سلامی علیک''، ''علیک السلام''، ''درود''، ''صلوٰۃ''، ''صل علیٰ''، ''صلی اللہ''، ''صلی اللہ محمد''، ''صلی اللہ علیہ وسلم''، ''صلی اللہ علیک وسلم''، ''درود وسلام''، ''صلوٰۃ وسلام''، ''الصلوٰۃ والسلام'' کے ذریعے اپنی اپنی عقیدت کو ظاہر کیا ہے۔ اشعار کی کثرت کی وجہ سے بعض کی ذیل میں مضمون نگار نے شعر درج کرنے کی بجائے ان شاعروں کے نام دے دیے ہیں جنھوں نے کثرت سے سلام کا کوئی خاص طریقہ اپنایا ہے۔

مضمون کیا ہے شاعروں کے عقیدت کے چھائے ہوئے نور میں مضمون نگار کے حسنِ انتخاب کی نیرنگیاں اور کیف ہے۔ شاعروں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد میں ڈوب کر لکھا ہے اور راجا صاحب ان احترامی کلمات کو آنکھوں سے لگا کر ہمارے نذر کیا ہے کہ ہم بھی اپنی نظر کو جلا بخشیں۔

راجا رشید محمود : عدم سایہ حضور ﷺ اور شعرا (''شام وسحر'' نعت نمبر ۶)

راجا رشید محمود نے ایک اہم موضوع پر اپنے گراں قدر خیالات کا اظہار ہے۔ روایات کے مطابق یہ ایک مسئلہ ہے کہ ''حضور سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ تھا یا نہیں۔ علمائے کرام کے درمیان اس پر اختلاف ہے۔ فاضل مضمون نگار نے لکھا ہے کہ ''علامہ ابن تیمیم، حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیتمی اور کچھ دیگر علما کہتے ہیں کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ تھا اور امام قسطلانی، امام زرقانی، قاضی عیاض، امام راغب اصفہانی، علامہ برہان الدین حلبی، علامہ ابن حجر مکی، امام شہاب الدین خفاجی، امام جلال الدین سیوطی، ملا علی قاری، مجدد الف ثانی، امام فخرالدین رازی، ملا واعظ کاشفی اور کئی دیگر حضرات دلائل دیتے ہیں کہ حضور فخرِ موجودات کا سایہ نہیں تھا۔ (ص۱۲۱) اس موضوع پر فارسی شعرا کے اشعار نقل کرنے کے بعد مضمون نگار نے مومن کے متعدد

اشعار درج کیے ہیں۔ وہ اس نظریے کے حامی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا:

جو وہ اوج ہو جلوہ گر پھر کہاں
ستاروں کی تاب، آسمانوں کی شان
یہ تابش میں انجم کا پایہ نہیں
کہ ان کے ہے ظل، اس کے سایہ نہیں
(نعت نمبر۶، ص۱۲۲)

اسی نوعیت کے مومنؔ کے متعدد اشعار تلاش کیے ہیں۔ محسن کاکوروی نے بھی حضور پیغمبرِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس معجزے کا ذکر اپنی بیشتر نعتوں میں کیا ہے۔ مضمون نگار نے اس سلسلے میں ''مسدس سراپا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم'' کا ذکر کیا ہے جس کے ہر بند کے آخر میں اس حقیقت کا اعادہ ہے جیسے:

سایۂ زیبا ہی نہ تھا آپ کے قامت کے لیے
روشنائی تھی یہی مہرِ نبوت کے لیے
لاکھ عاشق ہوں مگر لطف محبوب نہیں
ظل حق ہو تو ہو، ظلِ نبی تو نہیں
(ص۱۲۳)

میرحسن نے ''مثنوی سحر البیان'' میں نعت حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس مضمون کو یوں نبھایا ہے:

یہ تھی رمز جو اس کے سایہ نہ تھا
کہ رنگِ دوئی واں تک آیا نہ تھا

مضمون نگار نے اس سلسلے کے پندرہ شعر درج کیے ہیں۔ یہی حال سخنور سکندرآبادی کی ''مسدس سراپا'' کا ہے۔ دیگر شعرا میں غریب سہارن پوری، منور بدایونی، سودا، ناسخ، امیر مینائی، سرور لاہوری، اسمٰعیل میرٹھی، یزدان میرٹھی، احمد رضا خاں بریلوی، حسن رضا خاں بریلوی، حافظ پیلی بھیتی، امجد حیدرآبادی، صفی لکھنوی، کیف ٹونکی، اختر امروہوی، مصطفےٰ خاں نوری، نسیم بھرت پوری، ناظم رام پوری، ضیاء القادری بدایونی، دیدار علی شاہ، تاج عرفانی، خواجہ دل محمد، ظہور احمد، سہیل بنارسی، ماہرالقادری، حفیظ تائب، محسن احسان، اُمید فاضلی، سرور بجنوری، انجم

نیازی، انجم شادانی، شرف شیخوپوری، فقیر، طالق ہمدانی، نذیر احمد علوی، طالب کفایت علی کافی، سیّد محمد محدث کچھوچھوی، انیس، ذہین شاہ تاجی، اختر الحامدی، شجاع الدین، جمیل قادری رضوی، شمس ہندی، خواجہ امرتسری، ہلال جعفری، کرم حیدری، بشیر حسین ناظم، اصغر علی شاہ، محمد شریف ظفر، شوق قدوائی، آباد محمدی، مظہر الدین، آغا شاعر قزلباش، رسول خاں واسطی اور بہت سے شعرا کی درجنوں مثالیں درج کر کے اپنے وسیع مطالعے اور زبردست یادداشت کا ثبوت دیا ہے۔

دوسرا حصہ

آفتاب احمد نقوی : یزدانی جالندھری کی نعتیہ شاعری

(''شام وسحر'' نعت نمبر۵)

بیسویں صدی کے نصف آخر کے اہم نعت گوشعرا میں یزدانی جالندھری بھی اہم مقام رکھتے ہیں۔ ان کے نعتیہ کلام میں مروّج تمام اہم موضوعات پوری آن بان کے ساتھ موجود ہیں۔ وہ مدح رسول صلی اللہ علیہ وسلم کرتے ہوئے نئے نئے زاویوں اور پہلوؤں کو کام میں لاتے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ قرآن کے تصورِ نعت سے بھی استفادہ کرتے ہیں اور احادیث میں بیان کردہ شمائل و اوصافِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مدنظر رکھتے ہیں۔ وہ اس عظیم حقیقت کو فراموش نہیں کرتے کہ عالمِ انسانیت کی سب سے زیادہ خدمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے کی ہے۔ وہ ان تمام اوصاف کو کمال فن کاری سے نعت کے اجزا بناتے اور اس میں اثرانگیزی کا رنگ بھرتے ہیں۔ وہ حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوب کر نعت کہتے ہیں۔ ان کے اشعار جذبِ درون کے عکاس ہیں۔ ساتھ ہی وہ اپنے عہد کے سماجی، تہذیبی، ثقافتی اور فکری انتشار سے دامن نہیں بچاتے ان کا حل اسوۂ حسنہ کی پیروی میں بیان کرتے ہیں۔

یزدانی کی نعت میں تغزل کا کیف بھی ہے لیکن ان کی نعت کی خوبی یہ ہے کہ وہ تغزل کی رو میں بہتے نہیں اسے اور بھی پاکیزہ بنا دیتے ہیں۔ آفتاب احمد نقوی نے یزدانی جالندھری کے نعتیہ کلام کا جائزہ لینے کے بعد نتیجہ نکالا ہے کہ ''ان کی نعتیہ شاعری زبان اور بیان کی لطافتوں، الفاظ کی نزاکتوں نو بہ نو ردیفوں، صنائع و بدائع کے استعمال، مضامین کے تنوع اور ادب و احترام رسالت کے حوالے سے آج کے دور کی معیاری نعت ہے جس میں نعتیہ روایت بھی پوری توانائی کے ساتھ موجود ہے جب کہ دورِ حاضر کی مثبت جدت نگاری بھی تاب ناکی کے ساتھ جلوہ گر ہے۔'' (ص۲۵۹)

D:NaatRang-15
File: Sham-1
Final

آفتاب احمد نقوی : سیّد محمد امین نقوی کا اسلوبِ نعت

(''شام وسحر'' نعت نمبر ۶)

شام سحر کے نعت نمبروں میں جو لاتعداد مضامین نعت گوشعرا کے بارے میں ہماری نظر سے گزرے ہیں وہ معیار کے لحاظ سے بلاشبہ اعلیٰ پایہ کے ہیں لیکن ان تمام میں ایک کمی ہم نے یہ محسوس کی کہ ان شعرائے کرام کے احوال آثار بیان نہیں ہوئے ہیں۔ صرف ان کی شاعرانہ خصوصیات اور نعت گوئی کی مہارت کو توجہ کے قابل سمجھا گیا ہے۔ قدیم شعرا کے بارے میں بھی اسلاف نے یہی رویہ رکھا اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم جب کسی قدیم شاعر کا ذکر کرتے ہیں تو انداز ایسا مجرد ہوتا ہے کہ وہ نہ تو کسی خاندان کا فرد دکھائی دیتا ہے نہ کسی معاشرہ سے ان کا تعلق ہوتا ہے۔ اکثر صورتوں میں تو اس کے زمانے کا تعلق بھی محال ہوجاتا ہے۔ تعین زمانہ، خاندانی پس منظر، استفادہ کی صورت، حالاتِ زمانہ کے سلسلے میں بات قیاس سے آگے نہیں بڑھتی ہے۔ یہ رویہ شاعروں اور ادیبوں کے بارے میں عام نہیں رہا بلکہ ہم جس کو تاریخ کہتے ہیں اس میں بھی یہی رویہ ہے۔ سلطنتوں کی شکست و ریخت، بادشاہوں کا تخت نشین ہونا اور جنگوں میں زورآزمائی کرنا ہی تاریخ نہیں ہے۔ تاریخ عوام کی کیفیات بھی طلب کرتی ہے اگر خوش حالی ہے تب اور بدحالی ہے تب۔ اس کے اسباب طلب کرتی ہے۔ ہم جو سوال کرتے ہیں تاریخ میں اس کا جواب نہیں ملتا۔ یہی صورت سوانحی عمریوں کی ہے لوگوں نے اسے عموماً مدح اور کبھی کبھی مدلل مدح بنا دیا ہے۔ حالاتِ ظاہری کے وسیلہ سے اندرون میں جھانکنے کا فیشن کبھی عام نہیں رہا۔

اس طویل خامہ فرسائی کا مقصد داد دینا ہے۔ آفتاب احمد نقوی کو کہ انھوں نے امین نقوی پر مضمون لکھتے ہوئے احوال اور آثار دونوں کو مدنظر رکھا۔ اس کے مضمون میں صرف شاعر کا تعارف نہیں ہے ایک انسان کا تعارف بھی ہے۔ شاعر اور انسان کبھی جدا نہیں ہوتے۔ شاعر کو سمجھنے کے لیے اس انسان کو سمجھنا ضروری ہے جس نے شعر تخلیق کیے ہیں۔ آفتاب احمد نقوی نے اپنی شخصی اور ذاتی معلومات کے سہارے سیدمحمد امین نقوی کے سوانحی کوائف کو اگرچہ مختصر ہی سہی، خلاف روایت تحریر کرکے شخصیت نگاری کی جانب ایک قدم بڑھایا ہے۔ اگرچہ یہ سقم سے خالی نہیں ہے۔ مضمون نگار نے انکشاف کیا ہے کہ ۱۹۸۵ء میں امین نقوی نے اپنے حروف غیرمنقوطہ میں نعتیہ کلام پر مشتمل ایک مجموعہ کلام کو پیش کیا۔ (ص۴۶۳) لیکن اس مجموعے کے نام کی صراحت نہیں ہے۔ بعد کے صفحات میں ''محمد ہی محمد'' کا ذکر ہے مضمون نگار کا اشارہ غالباً اسی کی

جانب ہے۔ ان کا یہ بیان حیران کن توصیف کا حامل ہے کہ ''بائیس سال کی عمر میں جب وہ ابھی زمانہ طالب علمی سے گزر رہے تھے ''قصیدہ امینیہؔ کے نام سے عربی قصائد پر مشتمل ایک شعری مجموعہ ترتیب دیا تھا۔'' (ص۴۶۳) مضمون میں نہ تو قصیدہ کی تصنیف کا سال ہے اور نہ امین نقوی کا سال پیدائش کہیں درج ہے کہ اس کے ذریعے معلوم کیا جاسکتا کہ یہ قصیدہ کس سال پیش کیا تھا۔

امین نقوی کی شاعری کی اساس عشق محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور دعوت وتبلیغ دین ہیں۔ مضمون نگار ''عشق محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' کی تشریح ان الفاظ میں کرتے ہیں ''ان کے ہاں عشق رسالب مآب صلی اللہ علیہ وسلم محض ایک مجرد تصور کی صورت میں رونما نہیں ہوا بلکہ یہاں تصورِ عشق ایک باعمل صوفی کے وجدان سے تازہ کاری کے ہمراہ وارد ہوا ہے۔'' (ص۴۶۵)

امین نقوی حمد بھی کہتے ہیں اور نعت بھی ان کا موضوع ہے تو قطعہ ومثنوی بھی ان کے دائرہ فن میں شامل ہیں ان کے ہاں یہ چیز نمایاں ملتی ہے کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں اس کی بنیاد عشق کی دل آویزی اور محبت کی رنگارنگی پر ہوتی ہے۔ وہ کائنات کے ایک ایک کل پرزے میں عشق کے اسرار ورموز پاتے ہیں۔

آفتاب احمد نقوی نے مضمون بالکل نئی نہج پر لکھا ہے تھوڑا سا سنبھل کر لکھتے تو اور بھی کام کی چیز پیش کرسکتے تھے۔

اقبال جاوید محمد: جلیل مانک پوری غزل سے نعت تک

(''شام وسحر'' نعت نمبر۳)

محمد اقبال جاوید نے شام وسحر کے نعت نمبر۳ میں جلیل مانک پوری کے نعتیہ کلام پر مبصرانہ نظر ڈالی ہے۔ حالاں کہ جلیل باقاعدہ نعت کے شاعر نہیں ہیں۔ ان کی شہرت غزل گو کی حیثیت سے ہے۔ اس کا عہد داغ اور امیر مینائی سے متصل اور بعد کا ہے۔ محمد اقبال جاوید کو بھی اقرار ہے کہ ''جلیل بنیادی طور پر غزل کے شاعر تھے اور امیر مینائی کے سچے مقلد، ان کے انداز میں سادگی ہے مگر پرکاری لیے ہوئے خیال میں شوخی ہے مگر مترنم الفاظ کا دامن تھامے ہوئے۔ کہیں کہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جلیل زباں دانی محاورہ بندی اور رعایت لفظی کے شوق میں غیرمعتدل سے ہوگئے ہیں۔ مگر بحیثیت مجموعی ان کا کلام جذبات نگاری کے کمال اور محاورہ بندی کے حسن کا آئنہ دار ہے۔'' (ص۲۱۱) جلیل کی غزل کی تعریف کرتے ہوئے ان کی غزل کے چند

اشعار بھی بطور نمونہ دیے ہیں:

موسم گل میں عجب رنگ ہے مے خانہ کا
شیشہ جھکتا ہے کہ منھ چوم لے پیمانے کا

☆

آتے آتے ان کو آئے گا خیال
جاتے جاتے بے خیالی جائے گی

غزل کے اشعار کے انتخاب کے بعد مضمون نگار جلیل کے نعت گوئی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ''یہی جلیل جب مجاز سے حقیقت کی طرف آتے ہیں تو غزل باوضو ہوکر نعت اور مجاز پختہ تر ہوکر ایمان ہوجاتا ہے۔ (ص۲۱۲) مضمون نگار نے غزل کے مزاج اور فنی تلازموں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے جو موازنہ کیا ہے وہ لائق داد ہے۔ دونوں اصناف کا فرق بتلاتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ ''غزل میں صرف زمانے کے کرب اور زندگی کی سنگینیوں کا احساس ملتا ہے جب کہ نعت اس درد و الم کو منزل کا سکون بخشتی ہے۔ نعت غزل کی طرح انسان کو دنیا کی تلخیوں میں پریشان نہیں چھوڑتی بلکہ ایک ایسے محبوب کی نشان دہی کرتی ہے جس کی ایک نگہ لطف دل گرفتہ کلیوں کو متبسم اور پژمردہ پھولوں کو بہار سامانیوں سے نوازتی ہے۔ (ص۲۱۵) چناں چہ جلیل بھی اپنے دل کا غم اور مدح کی بے قراری اسی بارگاہ لطف و کرم میں پیش کرتے ہیں۔ جلیل بسیار گو بھی تھے اس وصف کی وجہ سے ان کے کلام میں جھول پیدا ہوجانا یقینی تھا۔ ان کے اکثر اشعار بھرتی کے معلوم ہوتے ہیں۔ ان چند خصوصیات و صفات کلام کے اظہار کے بعد مضمون نگار نے طویل انتخاب اشعار بھی دیا ہے جو ان کے مطالعہ کا حاصل ہے۔

اقبال جاوید محمد: شورش کاشمیری، بارگاہ رسالت مآب میں

(''شام وسحر'' نعت نمبر۵)

شورش کاشمیری بھی ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ وہ کئی علمی و ادبی اکابرین سے متاثر تھے۔ ان کی راہیں بظاہر جدا جدا تھیں ساتھ ہی بنیادی اقدار میں اشتراک تھے۔ وہ اقبال، ابوالکلام، عطاء اللہ شاہ بخاری، ظفرعلی خان سے متاثر تھے۔ ان سب میں خلوص، یگانگت، باہمی محبت کے علاوہ اسلام کی سربلندی اور حضور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے وارفتگی کے جذبات

مشترک تھے۔ شورش نے دینی فہم، فکری صلاحیت، ہنگامہ پرور خطابت، پرجوش صحافت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے محبت کی پاکیزگی ان سب سے حاصل کی تھی۔ وہ قادرالکلام اور پرگو شاعر تھے۔ ہر موضوع پر شعر کہنے کا ملکہ رکھتے تھے۔ ان کی زیادہ تر نظمیں ہنگامی اور وقتی اہمیت کی حامل تھیں۔ جن کو سیاسی اور تاریخی پس منظر سے واقفیت کے بغیر سمجھنا مشکل ہے۔ اس کی شاعری کا ایک اہم موضوع عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔ اشعار میں ہو یا نثر میں وہ آں حضرت کے لیے بے تاب جذبوں کا اظہار بڑی شدت سے کرتے تھے۔ مضمون نگاری نے شورش کے بارے میں پروفیسر رشید احمد صدیقی کے الفاظ نقل کیے ہیں، ''شورش کاشمیری کا قلم اور زبان سیف و سنان اور شمشیر و شبنم دونوں پر یکساں قدرت رکھتے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے انھیں والہانہ محبت تھی۔ مرحوم کے کردار کو بنانے اور اس کو تابندہ و پائندہ رکھنے میں اس محبت اور وارفتگی کو سب سے زیادہ دخل تھا۔'' (ص۲۱۶) پروفیسر رشید احمد صدیقی کے قلم سے نکلا ہوا ہر لفظ سند کا درجہ رکھتا ہے۔ انھوں نے چند الفاظ میں شورش کی شخصیت اور فن کو سمیٹ لیا ہے۔

مضمون نگار نے شورش کی نثر کے طویل اقتباسات اپنے مضمون میں شامل کیے ہیں۔ ان سب کا تعلق حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبے سے ہے بلند آہنگی، جوش وخروش، تڑپ اور بے تابی ان نثرپاروں میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ یہی کیفیت ان کی نعتوں میں ہے۔ مضمون نگار نے اپنی تحریر میں شورش کے لیے عقیدت کے پھول برسائے ہیں۔ اپنے مطالعہ کا حاصل طویل ترین نثری اور منظوم اقتباسات سے بھرا ہوا ہے لیکن تجزیاتی یا تنقیدی نکات کی کمی ہے مشرق میں شخصیت پرستی کا جو رجحان رہا ہے وہ اس مضمون سے آشکار ہے۔

اقبال جاوید، محمد: غلام رسول عدیمؔ کی نعت (''شام وسحر'' نعت نمبر۴)

اکثر لوگ شاعری ''کچھ نہ کچھ'' حاصل کرنے کے لیے کرتے ہیں۔ چند ایسے بھی ہوتے ہیں جو صرف اپنے لیے شعر کہتے ہیں ان کا واحد مقصد اپنے جذبات اور خیالات کو زبان دینا ہوتا ہے اور سچ پوچھیے تو یہی سچے ہوتے ہیں۔ ان کے بیاں میں کوئی لفظ تصنع کا حامل نہیں ہوتا۔ ان کے شعر میں کسی قسم کی ملاوٹ نہیں ہوتی۔ چاہے فن کے لحاظ سے ان کے اشعار کم زور ہی کیوں نہ ہوں، جذبوں کی مضبوطی ضرور ہوتی ہے۔ محمد اقبال جاوید نے غلام رسول عدیم کا جس طرح متعارف کروایا ہے اس سے میرے ذہن میں جو خیالات مرتسم ہوئے وہ میں نے سطور بالا میں لکھ دیے ہیں۔ عدیمؔ نے ایک خاموش زندگی گزاری۔ ان کا خاندان علمی نہیں اور نہ ان کے

پاس شعر و ادب کی نسبی روایت ہے۔ شاعری ان کا فطری ذوق ہے اور نعت گوئی ان کا طبعی رجحان۔ انھوں نے اپنا کلام بیاض میں محفوظ رکھا۔ اس کی اشاعت کی فکر کبھی نہیں کی۔ اقبال جاوید نے ان کی بیاض کے مطالعہ کے بعد نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ''انھیں اظہار پر قدرت حاصل ہے اور لفظ بڑھ بڑھ کر مطالب کے قدم لے رہے ہیں۔'' (ص ۲۳۷) ان کے فکر کی صداقت، تحریر کا حسن بن کر نگاہ سے لپٹتی اور دل میں اتر جاتی ہے۔ یہ تاثیر اور یہ رعنائی، گداز دل اور نشاطِ روح کے بغیر ناممکن ہے۔ کیوں کہ جذب دروں ہو تو حسن بیان بھی کیف پیدا نہیں کرسکتی، گداز اور نشاط کی دولت لو اور لگن کے بغیر نہیں ملتی۔'' (ص ۲۳۷، ۲۳۸) مضمون نگار نے تجزیاتی رجحان سے زیادہ نمونہ کلام کی پیش کش پر زور دیا ہے اور طویل اقتباسات سے اپنے مضمون کو طول دیا ہے۔

اقبال جاوید، محمد: محمد علی شیخ ننکانوی، ایک گم نام نعت گو

(''شام وسحر'' نعت نمبر ۵)

محمد جاوید اقبال کی مساعی لائق ستائش ہیں کہ انھوں نے شاعری کے گم شدہ ہیروں پر سے ناواقفیت کے غبار کو جھاڑ کر ان کی پوری تابانی کے ساتھ روشناس کرانے کا عزم کیا اور اس کی تکمیل کی زیرنظر مضمون اسی سلسلہ کی کڑی ہے۔

محمد علی شیخ کا بھی کوئی ادبی پس منظر نہیں۔ فطرت نے انھیں شعری ذوق عطا کیا تھا انھوں نے ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی۔ حالاں کہ انھیں کسی سے شرف تلمذ حاصل نہ تھا۔ ان کی شاعری میں جدت سے زیادہ روایت کی پاسداری ہے۔ پھر بھی ان کی غزل سے زیادہ ان کی نظم پرکشش ہے۔ جن نظموں میں مزاح کا عنصر ہے ان میں نسبتاً پائیداری اور جہاں وہ طنز سے کام لیتے ہیں وہاں ان کے قلم کی کاٹ بے پناہ ہے۔ انھوں نے نعتیں بھی کہی ہیں مضمون نگار کا خیال ہے کہ ''ان کی نعتیں دیگر اصناف سخن کے مقابلے میں زیادہ دل آویز اور پرتاثیر ہیں۔'' (ص ۳۱۱)

مضمون نگار نے محمد علی شیخ کے کلام کی خصوصیات بیان کرنے سے زیادہ اپنے رجحانات کو نیم شعری انداز میں پیش کرنے کی سعی کی ہے جس سے شاعر کو سمجھنے سے زیادہ مضمون نگار کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ البتہ شاعر کو سمجھنے کے لیے انھوں نے شاعر کی بیاض سے اقتباسات پیش کرنے پر اکتفا کیا ہے جو کئی صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔

اکرم رضا، محمد : حافظ لدھیانوی، صاحبِ اسلوب نعت نگار

(''شام و سحر'' نعت نمبر۴)

حافظ لدھیانوی نے مدتوں غزل کو اپنی تخلیقی کاوشوں کا مرکز ومحور بنائے رکھا اور محبوبانِ مجازی کے حسن و جمال کی طلسم کاریوں میں الجھے رہے۔ تغزل کا جادو جگاتے جگاتے جب یہ نعت کی مشک بار وادیوں میں داخل ہوئے تو پھر قلب ونظر کی مہک باری کا احساس ہوتے ہی ان کے توسن ادراک نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نعت مصطفوی کی بے کراں وسعتوں میں کھو کر رہ گئے۔'' (نعت نمبر۴: ص۲۱۷، ۲۱۸) محمد اکرم رضا نے اپنے مضمون میں حافظ لدھیانوی کا تعارف ان الفاظ میں کیا ہے۔ واقعی حافظ لدھیانوی اب نعت گوئی کے لیے وقف ہوکر رہ گئے ہیں۔ایک زمانہ ان کی غزل سرائی سے لطف اندوز ہوتا تھا۔ اب شاید ہی ان کی غزلوں کے اشعار کسی کو یاد ہوں۔ موجودہ دور کے نعت گو شعرا میں انھوں نے ممتاز مقام حاصل کیا ہے۔

مضمون نگار نے ان کی نعتوں کی اہم خصوصیات میں رنگ تغزل کی نشان دہی کی۔ نعت میں بھی وہ کیف تغزل پیدا کر کے اشعار میں جان ڈال دیتے ہیں۔ ان کے کلام کا بڑا حصہ محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو میں بسا ہوا ہے۔ وہ سیرت طیبہ کے مختلف پہلوں کو فن کاری سے پیش کرتے ہیں۔ انھوں نے طیبہ سے دوری اور مہجوری کے دن بھی کاٹے ہیں اور گنبد خضرا کی زیارت سے اپنی روح کو شاد کام بھی کیا ہے ان کی نعتیں ان ہر دو کیفیات کی تصویریں ہیں۔ وہ مضامین نعت کو روایتی انداز میں بیان نہیں کرتے۔ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دل کی گہرائیوں میں سمو کر خلوص اور سچائی سے اس کی ترجمانی کرتے ہیں۔

مضمون نگار نے حافظ لدھیانوی کے کلام کا غائر مطالعہ کیا ہے۔ اس کی ایک ایک خصوصیت کو جانچا اور پرکھا ہے۔ مضمون نگار کا انداز بیان نیم شاعرانہ ہے وہ نثر میں شاعری کا حسن پیدا کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ ان کی تحریر میں بلا کی جاذبیت ہے اور تأثر کی بھی کمی نہیں۔

اکرم رضا، محمد : صاحبزادہ فیض الحسن نعتیہ شاعری کے حوالے سے

D:NaatRang-15
File: Sham-1
Final

(''شام و سحر'' نعت نمبر۵)

صاحبزادہ فیض الحسن عالم بے بدل، خطیب شعلہ نوا اور شاعر دل پذیر تھے۔ ان کی

سیاست و خطابت کے چرچے اتنے عام ہوئے کہ ان کے سامنے ان کی شاعری کی لو مدھم پڑ گئی۔ کم لوگ ان کو شاعر کی حیثیت سے یاد کرتے ہیں۔ ان کا مجموعہ نعت ''ارمغانِ فیض'' کے نام سے ان کی وفات کے بعد شائع ہوا تھا۔ ان کا تخلص فیض تھا۔ انھوں نے ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے روحانی خانوادہ سے وراثت میں پایا تھا۔ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت ان کی قوت فکر کو عظمت ایمان اور مخلوق خدا میں پذیرائی حاصل ہوئی۔ وہ اقبال اور ظفر علی خان کے معاصرین میں تھے۔

مضمون نگار نے ان کے خصوصیاتِ کلام کے ضمن میں لکھا ہے، ''وہ اپنی نعتوں میں نہایت پاکیزہ اور خوب صورت مضامین پیش کرتے ہیں۔ انھوں نے عشق و عقیدت کی تمام تر عظمتوں کو دل و جان میں جگہ دیتے ہوئے اپنے رہوار فکر کو کسی مقام پر بھی بے قابو نہیں ہونے دیا۔ شریعت مطہرہ کی روشنی میں مضمون آفرینی کے جوہر دکھائے ہیں۔'' (ص۲۴۶) ''تحریکِ آزادی کے دوران میں اور اس کے بعد بھی ان کی تقاریر کا موضوع عظمت و شانِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم رہا ہے۔ محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی رفعت ان کی نعتوں میں اُجاگر ہے۔'' (ص۲۴۷) ''ان کے کلام میں مطالعہ کی گہرائی بھی ہے اور مشاہدہ کی گیرائی بھی۔ مضمون آفرینی بھی ہے اور زبان و بیان کا خوب صورت انداز بھی۔ پرشکوہ تراکیب بھی ہیں اور برمحل تشبیہات و استعارات بھی، رفعت افکار بھی ہے اور شوکت استدلال بھی جذبات ایمانی کی سچائی بھی ہے اور خلوص عقیدت کی رعنائی بھی۔ ان کی شاعری کا منبع قرآن، حدیث اور اسوہ حسنہ ہیں۔'' (ص۲۵۳)

مضمون نگار فیض کی شخصیت اور ان کے کلام میں بے حد متاثر معلوم ہوتے ہیں۔ انھوں نے ان ہر دو پہلوؤں کی وضاحت اور توصیف میں اپنا سارا زورِ قلم صرف کر دیا ہے۔ فیض کی شاعری کا حسن اپنی جگہ مضمون نگار کے حسن بیان نے تحریر کو دو آتشہ بنا دیا ہے۔

اکرم رضا، محمد: میاں کریم اللہ ایک منفرد نعت گو (''شام وسحر'' نعت نمبر۳)

محمد اکرم رضا نے متعدد معروف اور غیر معروف شاعروں کے احوال اور ان کے کلام کے مبصرانہ جائزے ''شام وسحر'' کے مختلف نمبروں میں لیے ہیں۔ اس سلسلے کا پہلا مضمون زیر نظر ہے جو خصوصی شمارہ (۳) میں چھپا ہے۔ میاں کریم اللہ شاعری کی دنیا میں کم معروف ہیں۔

حالاں کہ ''وہ عالم بے بدل اور فاضل اجل ہونے کے علاوہ عربی، فارسی، اردو اور پنجابی زبانوں پر یکساں دسترس رکھتے تھے اور ان تمام زبانوں میں ان کی کامیاب شاعری ان کی علمی و ادبی صلاحیتوں کا منھ بولتا ثبوت ہے۔'' (ص۲۲۱) ان کی شاعری کا بیشتر حصہ مدحت و ثنائے مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کا دل آویز روپ لیے ہوئے ہیں۔ انھوں نے شاعری کو اپنے جذباتِ روحانی اور احساسات ایمانی کا ذریعہ اظہار بناتے ہوئے حدودِ شریعت کو ایک لحظہ کے لیے بھی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونے دیا۔ میاں صاحب صوفی تھے۔ ان کی صوفیانہ شاعری متلاشیاں ایمان وعمل کے لیے متاع گراں مایہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ پنجابی میں عاشق، فارسی اور اردو میں کریم یا کریمی تخلص کرتے تھے۔ مضمون نگار نے ان کی شخصیت کے تعارف ساتھ ساتھ ان کے خصوصیاتِ کلام بھی بیان کیے ہیں۔ ان کی رائے کے مطابق ''آپ کی شاعری کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ شریعت، طریقت اور معرفت کے تمام اسرار و رموز بیان کرتے ہوئے قرآن و سنت کو ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ ان کے کلام میں علم و حکمت، محبت الٰہی اور مدحت و ثنائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک سمندر موجزن ہے۔ آپ نے ہمیشہ سادگی الفاظ کا خیال رکھا ہے۔ مضمون آفرینی کرتے ہوئے عربی اور فارسی الفاظ بھی اس مہارت فن کے ساتھ استعمال کر جاتے ہیں کہ یہ الفاظ ذہن وفکر کو قطعاً نامانوس نہیں معلوم ہوتے۔ (ص۲۲۳) مضمون نگار نے ان کے کلام کا جو طویل انتخاب دیا ہے اس سے ان کے بیان کردہ خصوصیات کی مکمل طور پر تائید ہوتی ہے۔

اکرم رضا، محمد: محمد حسین شاہ ایک درویش صفت مدحت نگار مصطفٰے ﷺ

(''شام وسحر'' نعت نمبر۳)

محمد اکرم رضا کا دوسرا مضمون اس شمارے (نعت نمبر۳) میں محمد حسین شاہ کی نعتیہ شاعری کے بارے میں ہے۔ ''حضرت حسین شاہ بھی اس کاروان شاعری کے ایک رکن ہیں جس کا ہر فرد دولتِ ایمانی سے مالامال اور شاعری جز ویست از پیغمبری'' کی روشن مثال ہے۔ ان کی غزلیات، قطعات اور رباعیات کا ایک مجموعہ ان کی وفات کے بعد ۱۹۵۷ء میں ''دیوانِ ضیا حسین'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ (ص۲۲۹) ان کا تمام کلام عارفانہ نوعیت کا ہے۔ انھوں نے اپنی زندگی کا محور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بنا رکھا تھا اس لیے ان کی تمام شاعری اسی محور روحانی، مرکز ایمانی اور مصدر نورانی کی مدحت و ثنا کے لیے وقف نظر آتی ہے۔ ان کا نام محمد حسین تھا،

D:NaatRang-15
File: Sham-1
Final

دنیائے معرفت میں حسین شاہ کہلاتے، تخلص حسین کرتے تھے۔ وہ امرتسر کے قریب ایک گاؤں کے رہنے والے تھے۔ ۱۸۶۶ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۵۶ء میں اس دیارِ فانی سے رخصت ہوئے۔ وہ صاحب علم و فضیلت اور واقف امور شریعت بزرگ تھے۔ ان کا کلام عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھرا ہوا ہے۔ انھوں نے حضور کی جو سراپا نگاری کی ہے اس میں شوخی کچھ زیادہ ہی ہے۔ بڑی مشکل قوافی اور ردیفوں میں بھی اچھے شعر کہتے ہیں۔ اردو کی طرح ان کی فارسی کی غزلیں بھی دل گداز، روحانی سوز و ساز کی غماز ہیں۔ مضمون نگار نے اردو کلام کے علاوہ فارسی کلام کے نمونے بھی دیے ہیں۔

اکرم رضا، محمد : راجا رشید محمود کاروانِ نعت کا ممتاز رکن

(''شام وسحر'' نعت نمبر۵)

نعت کہنے اور نعت کے ابلاغ کے لیے راجا رشید محمود نے اپنے آپ کو وقف کر رکھا ہے۔ پاکستان میں جب بھی نعت کے فروغ کے نیک کام میں حصہ لینے والوں کا ذکر ہوتا ہے۔ ان کا نام سب سے پہلے لیا جاتا ہے۔ شام وسحر کے ادارہ میں وابستہ حضرات کے نقش تاریخ میں ثبت ہیں اور ایک طرح سے حصہ ماضی ہو چکے ہیں۔ راجا رشید محمود داستانِ امروز کا سرنامہ ہیں۔ محمد اکرم رضا نے ۱۹۸۶ء میں ان کو خراج تحسین ادا کرنے کے لیے یہ مضمون لکھا تھا۔ اس کے بعد کے سالوں میں راجا صاحب نے خدمت نعت کی کئی ارتقائی منزلیں مزید طے کر لی ہیں۔

راجا رشید محمود نے شعر گوئی کی ابتدا صنف نعت سے کی اور پھر ہمیشہ کے لیے اس کے ہو رہے۔ اسی لیے کہا ہے:

میرا فکر و فن نبی کے ذکر تک محدود ہے
خالق کونین کا مجھ پر کرم ہے جود ہے

ایک صاحب ایمان مدحت نگار کی حیثیت سے رشید محمود نے اپنے آقا و مولا کی مقدس سیرت کے مختلف گوشوں کا سیر حاصل مطالعہ کیا ہے اور آپ کی سیرت کے نور کو چہار سو پھیلانے کے لیے نعت کا مشغلہ اختیار کیا ہے۔ ایسا کم ہوا ہے کہ احادیث نبوی کو کسی نعت گو نے کثرت سے نظم کیا ہو۔ یہ خصوصیت رشید محمود کے یہاں ملتی ہے۔ انھوں نے فرمودات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو واضح اور سہل بنا کر اس طرح پیش کیا ہے کہ ان کی روشنی میں انفرادی اور اجتماعی کردار

سازی کی توفیق ہوسکتی ہے۔ ان کے کلام میں مضامین کی پاکیزگی کے ساتھ حسن تغزل بھی موجود ہے۔ کثرت سے نعتیں کہنے کے باوجود ان کے اشعار میں تازگی باقی ہے کیوں کہ وہ ایک ہی مضمون کو سو طریقے سے بیان کرنے میں قدرت رکھتے ہیں۔ مضمون نگار نے ان کے کلام کی خصوصیات کے بارے میں لکھا ہے:

> راجا رشید محمود کے نعتیہ مجموعوں میں بھی ایسے بہت سے شعری نمونے نظر آتے ہیں جن سے شاعر کی قدرتِ فکر وفن شعری بانکپن اور نعت کے حوالے سے عقیدت کے والہانہ اظہار کا پتا چلتا ہے۔ انھوں نے سادہ لفظوں میں عام فہم تراکیب کا سہارا لیے اپنا مفہوم و مدعا ادبی مہارت، فنی چابک دستی سے بیان کیا ہے۔ بعض حالتوں میں ان کی استعمال کردہ بڑی بحروں کی نسبت چھوٹی بحریں زیادہ لطف دیتی ہیں۔ (ص ۲۸۷)

ضرورت ہے کہ راجا رشید محمود کی شخصیت اور نعت کے حوالے سے ان کی خدمات پر تفصیلی اور وقیع کام انجام دے کر اعترافِ خدمت کیا جائے۔

اکرم رضا، محمد : مدحت نگارِ احمد مجتبیٰ، ضیاء القادری بدایونی

(''شام وسحر'' نعت نمبر ۶)

شاہ محمد یعقوب حسین ضیاء القادری، بدایوں کے رہنے والے تھے۔ قیامِ پاکستان کے بعد کراچی آئے۔ ان کی کہی ہوئی نعتوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ وہ بسیار گو تھے۔ ان کی زندگی میں کوئی رسالہ ایسا نہ رہا ہوگا جس میں ہر ماہ ان کی دو چار نعتیں نہ چھپتی ہوں۔ انھوں نے مجاز کی شاعری کبھی نہیں کی۔ انھیں محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت یوں عطا ہوئی تھی کہ آغاز شاعری سے زندگی کے اختتام تک وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت و ثنا میں لگے رہے۔ ان کے کلام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال جہاں افروز کا تذکرہ اکثر ملتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ قدسیہ کے لحاظ سے نعت گو شعرا نے جو اہم مضامین باندھے ہیں ان میں ایک معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ ایک صاحبِ ایمان مسلمان کی حیثیت سے ضیاء القادری نے بھی معراج کو بطور خاص اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔ ان کی نعتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دل میں مدینہ منورہ کی تڑپ موجود تھی اور جب وہ اس سعادت سے بہرہ افروز ہوئے دولتِ لازوال سے سرشار ہوگئے۔ ان دونوں کیفیات کو انھوں نے مؤثر انداز میں جزو کلام بنایا ہے۔

جب انھیں حج بیت اللہ کی سعادت نصیب ہوئی اور اسی کے ساتھ مدینہ منورہ میں حاضری کا موقع میسر آیا تو ان کے جذبات دلی کی بیتابی نے ان سے ''دیارِ نبی'' جیسی مثنوی تصنیف کروا دی۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد کو اپنی روح کی خواہش مانتے اور ساتھ ہی اُمت مسلمہ کے حوالے سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کر کے شہرِ آشوب کے انداز کے اشعار کہتے اور دعائیہ انداز میں خیر و برکت طلب کرتے۔ اس طرح ان کی نعتیں داخلی اور خارجی موضوعات سے مملو ہیں۔

مضمون نگار نے اپنے طویل مضمون میں ان کی نعتوں کی تمام خصوصیات کا احاطہ کیا ہے اور ہر خصوصیت کے ساتھ مناسب اشعار کے حوالے دیے ہیں۔

اکرم رضا، محمد : سیّد محمد مرغوب اختر الحامدی، نعت محل کا روشن چراغ

(''شام وسحر'' نعت نمبر ۶)

اختر الحامدی نے شاعری کا آغاز غزل گوئی سے کیا۔ انھیں لسان الحسان ضیاء القادری سے سلسلۂ تلمذ حاصل تھا۔ استاد کے ارشاد پر غزل گوئی ترک کی اور نعت گوئی کو شعار بنایا۔ انھیں ذوقِ شاعری اسلاف سے ورثے میں ملا تھا ان کے والد مولانا محمد ایوب منش حضرت خلش اجمیری کے شاگرد تھے جن کو مومن خان مومن سے شرفِ تلمذ حاصل تھا۔

اختر الحامدی نے پہلی نعت گیارہ سال کی عمر میں لکھی جسے علامہ بیدل بدایونی نے پسند فرمایا اور اپنی شاگردی میں لے لیا۔ بیدل بدایونی کے انتقال کے بعد وہ ضیاء القادری بدایونی کے شاگرد ہوئے۔ اختر الحامدی کم عمری سے ہی محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم رکھتے تھے۔ اسی کا والہانہ اظہار ان کی نعتوں میں ہوتا ہے۔ ''وہ حضورِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہیں تو محض الفاظ کے گلزار ہی نہیں کھلاتے بلکہ صورت اور سیرت کی تابانیوں سے گلزار شاعری کو بہار دوام بخشنے کے لیے اسے معنوی اور باطنی محاسن کے تذکار کا حسن بھی بخشتے ہیں۔'' (ص ۳۱۵)

''اختر الحامدی کا ایمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے سرشار اور ان کا کلام ذکرِ تجلیاتِ حضور سے مہک بار ہے۔ انھوں نے حضور کی تجلیاتِ حسن کو کسی مجازی محبوب کی تشبیہ ذہن میں سجا کر نہیں دیکھا بلکہ عقیدت کی شمع جلا کر قرآن اور حدیث کے متن سے پھوٹتے ہوئے حسن و جمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ افروزیوں کو قرطاس وقلم کی زینت بنایا ہے۔ عقیدت کی فراوانی ہے مگر احتیاط شریعت کے ساتھ، محبت اور چاہت کا وفور ہے، مگر آدابِ ایمانی کے ساتھ۔'' (ص ۳۱۶)

مضمون نگار کو عبارت آرائی کا جو شوق ہے مطالب کی ادائی کے ساتھ اس کی جلوہ

فرمائی ان کی تحریروں کو لائق مطالعہ بنا دیتی ہیں۔ حسن کاری کی نمود اس مضمون میں بھی موجود ہے۔ پڑھتے ہوئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ مطالب کی داد دی جائے یا اسلوبِ بیان کی۔ وہ اشعار کا انتخاب کرنے میں اپنے ذوق سے پوری طرح کام لیتے ہیں۔

اکرم رضا، محمد: محمد شریف غیرتؔ قادری کی نعت گوئی، شہنشاہ نامہ کے آئینے میں

(''شام وسحر'' نعت نمبر ۶)

محمد شریف نام، غیرت تخلص، والد ان کے میاں کریم اللہ، غیرت قادری ربیع الآخر ۱۳۱۷ھ کو گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ جولائی ۱۹۷۳ء کو وفات پائی۔ مزاجاً اور مشرباً صوفی تھے۔ یہ صفت ان کے نام کا جزو بن گئی۔ وہ نامور عالم دین، طبیب، ماہر تعلیم، ادیب، خطیب اور شاعر تھے۔ درسِ نظامی کے فاضل تھے۔ یونانی طب میں شمس الاطبا کی سند رکھتے تھے۔ ہومیوپیتھی سے بھی سند یافتہ تھے۔ فاضل علوم شرقیہ تھے، فارسی میں ایم اے کیا تھا۔ درس و تدریس کے پیشے سے منسلک رہے۔

جن دنوں ابوالاثر حفیظ جالندھری کے ''شاہنامۂ اسلام'' کی ہر طرف چرچے تھے۔ آپ کو بھی حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کو نظم کرنے کا خیال ہوا۔ انھوں نے ہزاروں اشعار پر مشتمل ''شہنشاہ نامہ'' تصنیف کیا جس کا دیباچہ جسٹس سر عبدالقادر نے لکھا۔ اس کتاب کا آغاز دعا اور مناجات سے ہوا تھا جس کے بعد سرزمین عرب کی منظوم تاریخ اور جغرافیائی حالات بیان ہوئے ہیں۔ انھوں نے سرزمین عرب اور اس کے ساتھ ساری دنیا کی تہذیب وتمدن اور ان کی پس ماندگی اور بے راہ روی کا نقشہ کھینچا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد عرب دنیا افعالِ بد سے بیزار ہوتی گئی۔ غیرتؔ قادری نے واقعہ نگاری اور منظر نگاری خوب کی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت، سیرت اور اہم واقعات کو مؤثر انداز میں بیان کیا ہے۔

مضمون نگار نے مثنوی کی جزئیات پر نظر رکھتے ہوئے اس کی صفات بیان کی ہیں اور ان کے لیے توصیفی الفاظ استعمال کیے ہیں۔ محمد اکرم رضا اپنی رنگین عبارت آرائی کے شوق میں موضوع سے انصاف نہیں کر پاتے۔ ان کا لکھا ہوا نصف مضمون ان کی شوق کی غمازی کرتا ہے اور نصف میں کام کی باتیں ہوتی ہیں۔ تحقیقی اور تنقیدی مضامین کے لیے یہ روش مناسب نہیں سمجھی جاتی۔ اس نوع کے مضامین میں سادگی اور جامعیت کو اہمیت دی جاتی ہے۔

اکرم رضا، محمد: ریاض حسین چودھری، جدید لہجے کا نمائندہ مدحت نگار

(''شام وسحر'' نعت نمبر۶)

ریاض حسین چودھری کی مدحت نگاری نمودِفن اور نمائشی ذکر یا شاعری برائے شاعری تک محدود نہیں۔ وہ تو اپنی شاعری کو پیمانہ طلب سمجھتے ہوئے اس کے ذریعے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت طلبی کے انداز ڈھونڈتے ہیں۔ ان کی نعتیں روحانی کسک اور سوز درون کی غماز ہیں۔ وہ اپنی مدحت نگاری میں کرم فرمائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اوّلیت دیتے ہیں۔ وہ افسانہ عالم اور کرب دنیا سے آشنا ہیں ان کا اظہار کرتے ہوئے وہ حضرؐ صلی اللہ علیہ وسلم سے دہائی دیتے ہیں کہ وہ شاعر کی انفرادی اور اُمت مسلمہ کی اجتماعی مدد کرکے انھیں آلام سے چھٹکارا دلائیں، بیسویں صدی کے اکثر شعرا اپنے زمانہ کے حالات سے مطمئن نظر نہیں آتے ہیں۔ ان کا جو رویہ حالی اور اقبال سے شروع ہوا ہے وہ کم وبیش اس دور کے ہر بیدار مغز شاعر کا وتیرہ بن گیا ہے۔ محمد اکرم رضا نے ریاض حسین چودھری کی نعت گوئی کے نفس کو پہچان لیا ہے اور اس کی تائید ان کے اشعار سے کی ہے۔

دیگر مضامین کی طرح اکرم رضا کا یہ مضمون بھی بے جا طوالت اور رنگینیٔ بیان کا حامل ہے۔

انور سدید: خالد بزمی، ایک منفرد نعت گو (''شام وسحر'' نعت نمبر۵)

انور سدید نے خالد بزمی کا تعارف رسمی طور پر کروایا ہے اور نہ ان کی نعت گوئی پر اظہارِ خیال رسمی طور پر کیا ہے وہ شخصی طور پر خالد بزمی اور ان کے نعتیہ کلام سے متاثر معلوم ہوتے ہیں۔ چناں چہ انھوں نے نفی سے اثبات کی راہ تلاش کی ہے نفی اس بات کی کہ غیر مسلم اور ترقی پسند شعرا محض فیشن پرستی یا شعری تقاضوں کی تکمیل کی خاطر نعت کہتے ہیں۔ وہ قابل اعتنا نہیں کیوں کہ وہ تو صرف مشاعروں کے لیے ردیف و قافیہ سے خوش فعلیاں کرتے ہیں۔ ان کی آنکھوں میں سچائی اور عقیدت کی چمک نظر نہیں آتی۔ ان کے برخلاف خالد بزمی کا یہ حال بیان کیا ہے کہ ''جب وہ نعت کہتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جلال و جمالِ نبوت ان کی رگ و پے میں ایک کیفیت سرمدی سی طاری کر دیتا ہے اور پھر عاجزی اور نیازمندی ان پر سکتہ طاری کر دیتی ہے۔'' (ص۲۶۲)

انور سدید نے ان کی بعض نظموں کا تجزیہ کیا ہے ان میں وہ نظم بھی شامل ہے جس

میں ظہورِ اسلام سے پہلے کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں، ''خالد بزمی نے اس دور کے تذکرہ میں نقاد یا مؤرخ بننے کی سعی نہیں کی بلکہ انھوں نے اس جبریت کو آشکار کیا ہے جب دنیا ظلم کی حدت سے تپ رہی تھی اور انسان رہینِ سلوکِ ناروا ہو چکا تھا۔'' (ص۲۶۴) اس پس منظر میں جب ولادت اور بعثت کا ذکر کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ گھپ اندھیرے کے بعد یک دم اُجالا ہو گیا ہے۔ یہی خالد بزمی کی فن کاری کا کمال ہے۔

انور سدید اس بات سے بھی متاثر ہیں کہ خالد بزمی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف مبارکہ کی ترجمانی کا حق ادا کیا ہے۔ وہ صاحبِ خلقِ عظیم کے اوصاف مبارکہ کے بیان میں مبالغہ اور غلو سے کام نہیں لیتے۔ وہ آدابِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے ان کے عظیم کردار کو ابھارنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی محبت اور شیفتگی کا ذکر بھی کرتے ہیں اور اس حوالے سے طیبہ کی سرزمین اور اس خاکِ پاک سے پیوستگی کی خواہش کو بھی ظاہر کرتے ہیں۔

انور سدید نے ایک اہم بات کا انکشاف کیا ہے کہ ''نعت کے اظہار و ابلاغ کے لیے خالد بزمی نے بالعموم غزل کی ہیئت کو ہی فراوانی سے استعمال کیا ہے۔ لیکن ان کی نعتوں میں غزل کے مزاج نے زبردستی داخل ہونے اور شاعر کو مغلوب کرنے کی کوشش نہیں کی ہے۔ خالد بزمی نے غزل کے محبوب کو اپنے ایوان نعت میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی۔ اس ضمن میں یہ بات بھی کچھ انھیں سے منسوب کی جاسکتی ہے کہ انھوں نے نعت اور غزل میں ایک واضح حد امتیاز پیدا کیا ہے۔'' (ص۲۷۰)

شاعر کی متنوع خصوصیات، موضوعات سے ان کا لگاؤ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے احترام اور عقیدت کے جذبات کی مناسب طریقہ سے ترجمانی قابلِ ستائش ہیں تو مبصر انور سدید نے بھی کمال چابک دستی سے ان پر ادیبانہ انداز میں اظہارِ خیال ہے۔ شاعر کی بعض خصوصیات نومشق کے لیے راہیں متعین کرنے کے کام آسکتی ہیں جن کی نشان دہی انور سدید نے اپنی بالغ النظری سے کی ہے۔ اس انداز کے جو مضامین شام وسحر کے نعت نمبروں میں شامل ہوئے ہیں ان میں یہ بھی ایک کامیاب مضمون ہے جو پڑھنے والوں کو دعوتِ فکر بھی دیتا ہے۔

انور سدید: انجم نیازی کی نعت (''شام وسحر'' نعت نمبر۵)

مضمون کا ابتدائی حصہ تاثراتی انداز کا ہے۔ انور سدید، انجم نیازی کو شخصی طور پر بھی

جانتے ہیں اور ان کی غزل گوئی کے وسیلے سے بھی کہ ایک دن یکایک انجم رومانی نے انکشاف کیا کہ ان پر نعت نازل ہوئی ہے اور وہ اسے سنانے کے لیے بے تاب ہیں، انور سدید نعت کو لفظوں کا کھیل نہیں سمجھتے، فراوانی جذبات کا بے ساختہ اظہارِ خیال کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں کوئی نعت نہیں کہہ سکتا جب تک اس پر حضوری کی کیفیت طاری نہ ہو۔ چناں چہ جب انھوں نے انجم نیازی کی پہلی نعت سنی تو ایسا محسوس کیا کہ اس میں حضوری کا کیف ہے جو دل نشین بھی ہے اور جاں گداز بھی! انجم نیازی اس پہلی نعت کی کیفیت کو کبھی فراموش نہ کرسکے۔ انھوں نے کلام کو وقیع اور معتبر بنانے کے لیے قرآن، حدیث اور دیگر ماخذات کا گہرا مطالعہ کیا اور ان کی روشنی میں انھوں نے نعت کو سجایا۔

انور سدید نے مضامین کی گہرائی کے ساتھ نعتوں کی کیفیت کے بارے میں خاص تأثر قائم کیا ہے۔ بقول ان کے ''انجم نیازی کی نعت کا موضوع اس تعلق اور عقیدت کی مثال ہے جو انھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے ہے اس کی ایک سطح پر تو انجم نیازی نعت میں اپنے دلِ حزین کی واردات پیش کرتے ہیں۔ دوسری سطح پر وہ خود اپنے آپ میں گم نظر آتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر گرامی سے اپنے آپ کو تلاش کرتے ہیں۔

تیسری سطح پر وہ زمانے کے آلام میں آسودگی کی تمنا کرتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو زادِ راہ کے طور پر قبول کرتے ہیں۔ (ص ۳۱۸)

انجم نیازی نے نعت کے لیے غزل کا آہنگ بھی آزمایا ہے اور نظم اور نظم معریٰ کا بھی۔ وہ ہر رنگ میں کامیاب نظر آتے ہیں۔

انور سدید کا مضمون اگرچہ مختصر ہے لیکن انھوں نے انجم نیازی کے تعارف کا حق ادا کر دیا ہے۔

تحسین فراقی : صلو علیہ وآلہ (''شام وسحر'' نعت نمبر ۱)

حفیظ تائب اردو کے معروف نعت نگار ہیں۔ تحسین فراقی نے ان کے کلام کے مجموعہ ''صلو علیہ وآلہ'' کو پیشِ نظر رکھ کر ان کے کلام کا تجزیاتی مطالعہ کیا ہے جسے انھوں نے اخلاص اور احتیاط سے قلم بند کیا ہے۔ یہ ایک عام جیسا تبصرہ نہیں ہے اور نہ چند لفظی تعارف ہے۔ تحسین فراقی جو مطالعہ کے شوقین معلوم ہوتے ہیں پوری توجہ اور انہماک سے اس مجموعہ کی خواندگی کی ہے اور ہر ہر شعر سے انھوں نے جو اثرات لیے اس کو بے کم و کاست سپردِ قلم کر دیا ہے۔ البتہ شوقِ

تحریر میں تمہید کے طور پر چار صفحات صرف کر دیے ہیں جن کا بظاہر حفیظ تائب یا ان کے مجموعہ کلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس تمہیدی بیان میں نعت کی ابتدا، عربی اور فارسی میں نعت گوئی کی روایت اور اردو میں نعت کے فروغ پر اپنی معلومات کا اظہار کرنے کے بعد وہ نفسِ مضمون یعنی حفیظ تائب کی نعت نگاری کی جانب متوجہ ہوتے ہیں اور کتاب کے مشمولات سے بیان کا آغاز کیا کہ اس میں ساٹھ نعتیں ہیں۔ بیشتر غزل کی ہیئت میں ہیں۔ ایک اہم قصیدہ ''آیۂ نور'' ہے اور باقی نعتیہ نظمیں ہیں۔ ''اگر اس نعتیہ مجموعہ کو اردو کا نعتیہ کلام کا گلِ سرسبد کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا'' (ص۲۹۲)

مضمون نگار نے اس امر کی نشان دہی کی ہے کہ ''متقدمین کے ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سراپا نگاری کا جو غالب رجحان تھا وہ حفیظ تائب کے ہاں نہیں ہے۔ اس کی ایک آدھ جھلک شاید کہیں نظر آجائے۔'' (ص۲۹۴) انھوں نے دوسری خصوصیت یہ گنائی ہے کہ ''تائب کا نعت گوئی کا شعور بالغ ہے وہ جانتے ہیں کہ عبد اور اللہ کو اپنے اپنے مقام پر رکھنا ہی متوازن ترین رویہ ہے۔'' (ص۲۹۴) تائب نے مضامین میں سب سے زیادہ اہمیت سیرتِ طیبہ کو دی ہے ان کے ہاں یہی نعت گوئی کا اصل مقصد ہے۔ (ص۲۹۵) پانچویں صفت یہ ہے کہ تائب اپنے دور کے پریشان کن حالات، مسلمانوں کی کرب میں مبتلا کیفیت سے آگاہ اور متاثر ہیں۔ وہ غم جو آلامِ زمانہ سے وہ محسوس کرتے ہیں اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عرض کر دیتے ہیں۔ ان اشعار کی کیفیت شہرِ آشوب کی جیسی ہے۔ نعت میں شہرِ آشوب کا رجحان زیادہ عام نہیں رہا ہے صرف چند شعرا نے ہی اس طرز کو اختیار کیا ہے۔ ان میں حفیظ تائب بھی شامل ہیں۔ (ص۲۹۵)

حفیظ تائب ذاتِ رسولِ پاک کے عشق و محبت کی گرمی اپنی روح میں محسوس کرتے ہیں یہی گرمی ان کے اشعار میں بھی ہے وہ چاہتے ہیں کہ جس سوزِ عشق میں وہ تڑپ رہے ہیں وہ عام ہو اور مسلمان اپنے دل میں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح بسائے رکھیں۔

حفیظ تائب نے نعتوں میں محاسن کلام کا خاص خیال رکھا ہے۔ ان کا کلام فنی سقم سے پاک ہے۔ اس لیے معانی سے قطع نظر فنی پہلو بھی ان کی نعتیہ ادب کا ایک بے بہا خزینہ ہے۔ (ص۲۹۸)

D:NaatRang-15
File: Sham-1
Final

تحسین فراقی نے حفیظ تائب کے نعتیہ کلام کے کسی پہلو کو تشنہ نہیں چھوڑا ہے۔ اسے ایک اچھی کتاب پر ایک اچھا تبصرہ کہا جاسکتا ہے۔

جعفر بلوچ : محمد عبداللہ نیآز، اردو نعت کی ایک منفرد آواز

(''شام وسحر'' نعت نمبر۲)

عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار عبداللہ نیآز کی نعت گوئی مولانا ظفر علی خاں کے زیرِ سایہ اخبار ''زمیندار'' سے شروع ہوئی۔ جعفر بلوچ نے ان کی قدیم ترین نعت کا جو پتا چلایا ہے وہ ۱۸ر جنوری ۱۹۱۶ء میں ''زمیندار'' میں شائع ہوئی تھی۔ نیآز ان شعرا میں ہیں جن کی شاعری واردات قلبی کی بے ساختہ ترجمانی ہے۔ وہ نہ تو محفل آرائی کے لیے نعت لکھتے تھے اور نہ نام ونمود کی خاطر اخباروں میں شائع کروانا معمول بنا لیا تھا۔ نظم میں چاہے موضوعِ سخن کچھ بھی ہو وہ ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی نہ کوئی پہلو نکال ہی لیتے۔ ان کی ایک طویل نظم کو ''یہ ہیں کارنامے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے'' ان کے دوست قاضی عبدالرحمٰن خان نے طبع کروایا تھا۔ ایک اور طویل نظم حالی کی نعتیہ نظم کی بحر میں ہے۔ اس کے کچھ بند ۱۹۴۱ء میں اور کچھ اس کے بعد کہے گئے تھے۔ اس نظم میں خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ انسانیت کو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ممنون ہونا چاہیے کہ انھوں نے توحید کا عالم گیر پہلو پیش کیا تھا۔ جعفر بلوچ نے اس کے بعض حصوں کا تجزیہ پیش کیا ہے۔ اس نظم میں رسول اُمی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم وحکمت کی تجلّیوں کا عالم افروز سرچشمہ قرار دیا ہے۔ کہیں وہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم مساوات کا جاں نواز قصہ دہراتے ہیں اور یاد دلاتے ہیں کہ ان کی تعلیم کی بدولت کس طرح غریبوں اور ضعیفوں کے سیہ خانہ میں انقلاب کا نور پھیلا۔ کہیں اس میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کی اہمیت بیان کرتے ہیں۔ اسی طرح جعفر بلوچ نے ان کی ایک نظم ''شہنشاہِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں نذر گوہرین'' کا تجزیہ کیا ہے۔ وہ اس نعت کو حسنِ خیال، حسنِ بیان اور فنی مرصع کاری کے لحاظ سے اردو نعتیہ ادب کے نوادر میں شمار کرتے ہیں۔ ان کی اکثر نظمیں اپنے عہد کی مقامی، ملّی، بین الاقوامی حالات پر تنقید اور ان کے ذریعے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف لیے ہوئے ہیں۔ جعفر بلوچ نے نیآز کے اشعار پیش کرتے ہوئے مضمون کو اپنی آرا سے مزین کیا ہے۔ اچھے شاعر کو اچھا مبصر میسر آجائے یہ بھی خوش نصیبی ہے اس معاملے میں نیاز واقعی خوش نصیب ہیں۔

جعفر بلوچ کے انداز تحریر کی خصوصیت ہے کہ وہ شاعر کے کلام کے کسی حصے کو سامنے رکھ کر اس پر تبصرہ اس طرح کرتے ہیں کہ اس کا اطلاق زیرِنظر حصہ پر بھی ہوتا ہے اور من حیث المجموع پوری شاعری پر بھی۔ نظیر لدھیانوی کی نعت نگاری پر تبصرہ بھی اسی نوعیت کا ہے۔

مضمون کی ابتدا میں پاکستان میں نعت گوئی کے فروغ کا طویل ذکر نظیر لدھیانوی کے تعارف کے طور پر کیا گیا ہے جس کی کوئی ضرورت تو نہ تھی۔ نظیر کی نعت نگاری کی جانب جو توجہ فرمائی ہے تو کلام کا آغاز اس طرح کیا ہے، ''جناب نظیر لدھیانوی نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر خیر کے لیے گوناگوں اسالیب اور ہیئتوں سے کام لیا ہے۔ کہیں وہ غزل کہتے کہتے نظامِ تخیل کو نعت کی وادیوں کی طرف موڑ دیتے ہیں کبھی مولانا حالی، ظفر علی خاں اور اقبال کی روایت کی روشنی میں عام قومی اور ملّی نظموں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے استمداد کرتے نظر آتے ہیں۔ کبھی رباعیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال و جلال کا تذکرہ کرتے ہیں۔'' (ص۲۱۲) وہ شہرِ آشوب کے انداز کے اشعار لکھنے کے بعد اس بے راہ روی اور ذہنی و روحانی گم راہی کا علاج اور فلاحِ انسانیت کی کوئی صورت دیکھتے ہیں تو وہ جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ہیں۔ جعفر بلوچ نے ان کی نعت نگاری سے یہ مجموعی تأثر قائم کیا ہے۔ جناب نظیر بڑے کہنہ مشق اور وسیع التجربہ شاعر ہیں اگرچہ ان کے یہاں غیر معمولی ندرت طرفگی، وضع تراکیب کی نیرنگیاں، اچھوتے موضوعات کی جستجو اور انھیں نو بہ نو اسالیب میں ڈھالنے کی صلاحیت کا اظہار اس بھرپور انداز میں نہیں ملتا جو علامہ اقبال اور ظفر علی خاں کا خاصہ ہے۔ لیکن اساتذہ کے متعینہ معیاروں کا انعکاس ضرور ان کے یہاں دیکھا جاسکتا ہے۔ (ص۲۱۴،۲۱۵)

اساتذہ میں سے جناب نظیر نے زیادہ تر جامی، قدسی، حافظ، محسن کاکوروی، شہیدی، حالی، ظفر علی خاں اور اقبال کی بعض شگفتہ زمینوں میں طبع آزمائی کر کے اپنے جوہر دکھائے ہیں۔ (ص۲۲۵) اساتذہ سے جناب نظیر کی رشتہ بندی اور تسلسل آفرینی کا دوسرا مظہر ان کی تضمینیں بھی ہیں۔ (ص۲۲۵) جناب نظیر کے یہاں ماضی اور حال کے ارتباط کا تیسرا ذریعہ ترجمہ نگاری ہے۔ انھوں نے جاوید نامہ کا منظوم ترجمہ کیا۔ نعت میں فارسی کے نعتیہ کلام کو اردو میں منتقل کیا ہے۔ جعفر بلوچ نے نظیر لدھیانوی کی شاعری کی اہم ترین خصوصیات تک رسائی حاصل کر کے قاری تک انھیں پہنچانے کی پرخلوص کوشش کی ہے اس کے لیے وہ داد کے مستحق ہیں۔

جعفر بلوچ: علیم ناصری، صاحب اسلوب نعت گو (نعت نمبر۵)

جعفر بلوچ نے علیم ناصری کا تعارف ایک عالم بے بدل کے طور پر کیا ہے۔ ان کے خیال میں جناب علیم ناصری کا علم و فضل سندوں اور ڈگریوں سے ماورا ہے اور ان کی ڈگری اور

اردو زبان ادب میں ان کی فضیلت و مہارت کے جزوی اعتراف کے مترادف ہے۔ علیم ناصری کے فتراک علم وفضل میں اردو تو ایک صید زبوں ہے۔ وہ فارسی اور عربی ادبیات سے بھی شغف رکھتے ہیں۔ فارسی میں تو وہ دادِ سخن بھی دیتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ دینی علوم کے غواص ہیں۔ (ص۲۷۱)

علیم ناصری نعت گوئی میں فکری اور وجدانی طور پر سلامت روی کے قائل ہیں۔ اس راہ کی مشکلات کا انھیں کامل احساس ہے۔ (ص۲۷۲) ان کے وسعتِ مطالعہ کا اظہار ان کی نعت سے ہوتا ہے کہ وہ جابجا قرآن و حدیث سے تلمیحات لیتے ہیں۔ تاریخِ اسلام کے روشن ابواب کے حوالے دیتے ہیں۔ جعفر بلوچ نے مجموعی طور پر ان کو دبستانِ اقبال سے متعلق قرار دیا ہے۔
''وہ علامہ اقبال سے خصوصاً تمتع یاب ہیں۔ انھوں نے اقبال کی زمینوں سے دادِ سخن دی ہے۔ ان کی لفظیات کو برتا ہے ان کے افکار کو بہ رنگ دیگر ادا کیا ہے۔ (ص۲۷۵)

جعفر بلوچ یہ ثابت کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں کہ مجموعی طور پر علیم ناصری کی نعت علم وفن کی بلندیوں کی امین ہے۔

حافظ لدھیانوی: حفیظ تائب ایک منفرد اور صاحبِ طرز نعت گو

(''شام وسحر'' نعت نمبر۲)

''شام وسحر'' کے نعت نمبروں میں نعت گو شعرا پر مضامین کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ ان مضامین میں، شخصی تأثر، تنقیدی شعور، جذبہ استحسان اور خراجِ تحسین سب ہی کچھ موجود ہیں۔ ہمارے اردو کے شاعر مال و متاع کے اعتبار سے عموماً تہی دامن ہوتے ہیں تو ان پڑھنے والے اور ممدوح بھی ان سے کم بے حال پائے جاتے ہیں لیکن ایک طرف سے سیم و زر کی بارش کے بجائے عقیدتوں، جذبوں، لفظوں کی شبنم افشایاں ہوتی ہیں تو دوسری طرف ہل من مزید کے نعروں کے درمیان سپاس گزاری کی کمی نہیں ہوتی۔ اچھے شاعروں کے لیے توصیف کے نذرانے توقیر بڑھاتے اور ذوق شعر گوئی کو مہمیز کرتے ہیں۔ لفظوں کے جادوگر لفظوں کی جادوگری جگاتے ہیں۔

''شام وسحر'' کی بزمِ نعت کا ایک وقیع نام حفیظ تائب کا ہے جن کا نعتیہ کلام ہر خاص شمارے کی زینت ہے۔ ''شام وسحر'' کی بزمِ نعت سے ہٹ کر بھی اردو کی دنیائے نعت گوئی میں یہ نام برسوں سے گونج رہا ہے۔ ان کے بارے میں لکھنے کے لیے جن صاحب نے قلم اُٹھایا ہے

وہ خود شاعرانہ مرتبہ میں ان سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔ حافظ لدھیانوی کے قلم سے نکلنے والے الفاظ نے حفیظ تائب کی نعت گوئی کی تفہیم اور ابلاغ کا حق ادا کر دیا ہے۔

جب تک حافظ لدھیانوی ان سے ملے نہ تھے صرف نام سنا تھا ان سے ملنے کی خواہش رکھتے تھے۔ اور جب ملے اور نعتیں سنائیں تو انھیں اپنا گرویدہ بنا لیا۔ ان کی شعر خوانی میں ''نیازمندانہ لہجہ، دھیمی مگر پرکشش آواز، عاجزانہ اور دردمندانہ اسلوب، ہر لفظ دل کی گہرائیوں میں اُترتا نظر آیا۔ چند اشعار پر آنکھیں اشک بار ہوگئیں۔ بارگاہِ رسالت سے حضوری کی محرومی نے اشکوں کی صورت اختیار کر لی۔'' (ص۲۷۰) پس معلوم ہوا حفیظ تائب نعت میں صرف شاعری نہیں کرتے اپنی روح کے کرب کو اس میں سمو دیتے ہیں۔ جس دور میں غزل کا چرچا رہا اس دور میں عام روش پر چلنے کے بجائے حفیظ نے اپنے لیے گنبدِ خضرا کی راہ کو چنا تو اس میں قلب و روح کی کتنی تڑپ شامل رہی ہوگی۔

حافظ لدھیانوی کو اعتراف ہے کہ ''بہت کم شعرا ایسے ہوں گے جنھوں نے حفیظ تائب کی طرح نعت کے مزاج کو سمجھا ہو اور نعت میں ہیئت اور اسلوب میں کامیاب تجربے کیے ہوں اور نعت کو روایتی انداز سے نکال کر فن کے درجے میں لے آئے ہوں۔'' (ص۲۷۱) حفیظ تائب کے کلام میں حرم نبوی میں حاضری کی تمنا اور اس کی محرومی کی تڑپ بھی ہے اور جب انھیں یہ سعادت مل گئی تو حضوری کی کیفیت میں جو کچھ کہا وہ جذبات کی ترجمانی ہے:

کرم ہے بے نہایت گنبد خضرا کے سائے میں
چمک اُٹھی ہے قسمت گنبدِ خضرا کے سائے میں

یہ پوری نعتیہ غزل ان کے حقیقی جذبات کو پیش کرتی ہے۔

حافظ لدھیانوی نے حفیظ تائب کے کلام کی ایک خصوصیت یہ بھی بیان کی ہے کہ ''وہ نعت کہتے وقت انتخابِ الفاظ کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ نعتیہ اشعار میں یہ احتیاط ضروری ہے۔ جذبے کی صداقت کے ساتھ ساتھ الفاظ کے مزاج کو سمجھنا اور ان کے برمحل استعمال کا سلیقہ نعت کے تقدس کو دوبالا کر دیتا ہے۔'' (ص۲۷۵)

حفیظ تائب کی نعتوں میں ''التجائیہ لہجہ اور دعائیہ رنگ ان کو دوسرے شعرا سے ممیّز کرتا ہے۔ اس رنگ کی جھلکیاں ان کی نعتوں میں ہمیں ملتی ہیں۔'' (ص۲۷٦) سیرتِ مطہرہ، شمائل مبارکہ اور حیاتِ طیبہ کے مختلف پہلوؤں کے ساتھ ان کے بنی نوع انسان پر احسانات کو حفیظ

D:NaatRang-15
File: Sham2
Final

تائب نے موضوع بنایا اور ہنرمندی سے ان کو پیش کیا ہے۔ حافظ لدھیانوی نے تمام خصوصیات کلام کی تائید میں ان کے اشعار کے مناسب حوالے بھی دیے ہیں۔

حامد یزدانی : خالد علیم کی نعت نگاری (''شام وسحر'' نعت نمبر۶)

حامد یزدانی نے علمی انداز میں خالد علیم کی سہ جہتی شاعری کا ذکر کیا ہے اور اسے پرزم (منشور مثلثی) کہا ہے جس طرح پرزم کے تین رُخ ہوتے ہیں جن میں سے روشنی کی شعاعیں گزر کر مختلف رنگوں میں منقسم ہوکر پھیل جاتی ہیں اس طرح خالد کی نعتیہ شاعری میں بھی تین نمایاں رُخ دیکھے جاسکتے ہیں جن سے گزر کر ان کی شاعری کی تین بنیادی خصوصیات کئی ایک محاسن میں تقسیم ہوجاتی ہیں اس منشور مثلثی کا ایک رُخ تاریخی شعور ہے۔ دوسرا عصری بصیرت وحدت آہنگ تو تیسرے رُخ کو فنی بالیدگی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔'' (ص۴۵۴) خالد علیم نے اپنی نعتوں میں جو تلمیحات استعمال کی ہیں وہ بھی ان کے گہرے تاریخی شعور کے غماز ہیں۔ (ص۴۵۵) ''خالد کی نعت جہاں ہم پر قصر تاریخ کا باب تلمیح وا کرتی ہے وہاں مدحت کے آفاق پر سیرت نگاری کے ستاروں سے جگمگاتی کہکشاں کی بھی نشان دہی کرتی ہے۔'' (ص۴۵۵)

مضمون میں محنت سے اشعار جمع کیے ہیں۔ خصوصیاتِ کلام کو سمجھا ہے اور اپنی تمام تر علمیت و قابلیت کو روبکار لا کر خالد علیم کی نعت گوئی کو نذرانۂ سپاس پیش کیا ہے۔ ہر دو قابل مبارک باد ہیں ایک اپنے کلام کی پاکیزگی اور ندرتِ بیان کے لیے تو دوسرا اس کی تفہیم کروانے اور توصیف کرنے ہیں۔

حفیظ تائب : ساغر صدیقی کی نعتیہ شاعری (''شام وسحر'' نعت نمبر۲)

ساغر نے شعر کا سفر نعت خوانی سے شروع کیا۔ امرتسر کی فضائیں کئی سال نوعمر ساغر کی نوائے دل نشین سے معمور ومعنبر رہیں۔ پہلے وہ نعتیں پڑھتا تھا پھر خود کہنے لگا۔ ۱۹۵۰ء میں وہ جواں شاعر کے طور پر پاکستان میں متعارف ہوا۔ وہ عام انسانوں کی طرح زندگی کرتا اور مشاعرے لوٹتا تھا۔ اس زمانے میں وہ زیادہ تر غزلیں کہتا تھا۔ ان کی اصل شہرت ان کے نعتیہ سلام کی وجہ سے ہوئی جو ظفر علی خاں کے رنگ میں تھی۔ ساغر نے غربت اور افلاس میں زندگی کے دن کاٹے تب بھی وہ حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار رہے۔ مضمون نگار نے نعت کے بارے میں ساغر کے اپنے خیالات بھی پیش کیے ہیں وہ لکھتے ہیں:

نعت میرے نزدیک تعریف رسالت کا وہ طریقہ ہے۔ جس میں الفاظ

زبان سے نہیں پلکوں سے ترتیب پاتے ہیں۔ منصور وشمس سے مجھ تک یہ نعمت عظمیٰ کیسے پہنچی، چشم عقیدت کے لیے اس کا جواب سرمد کے قطرہ ہائے قوی اور شہباز کا نعرہ مستانہ ہی دے سکتا ہے۔ میں نعت کہتے ہوئے اپنے جسم اور روح کو جہنم کے شعلوں سے ڈرا لیتا ہوں۔ (ص ۲۶۷)

ساغر کی نعت گوئی کے بارے میں یہ مضمون مختصر اور تشنہ ہے۔ حالاں کہ ان کے اشعار، ان کی بلندی و پاکیزگی فکر اور قدرتِ اظہار کے غماز ہیں۔ اسے شاعر کے کلام کی داد صرف ۳ صفحات میں دینا زیادتی ہے۔

حفیظ تائب: سیّد عاصم گیلانی کی نعتیہ شاعری (''شام وسحر'' نعت نمبر۴)

سیّد عاصم گیلانی کی نعتیہ شاعری اگرچہ مختصر مضمون ہے لیکن اختصار کے باوجود اس میں کام کی باتیں ہیں۔ شاعر کی ذات کے حوالے سے مضمون نگار نے اطلاع دی ہے کہ ''سیّد عاصم گیلانی صوفیانہ مکتبِ فکر کے نعت نگار ہیں۔ ان کی نعت کی اساس وہ صوفیانہ روایت ہے جس میں طریقت شریعت کے ہم رکاب رہتی ہے جس میں عصری مسائل سے نمٹنے کی تاب ہوتی ہے۔ جس میں محبت اتباع کے سانچے میں ڈھل جاتی ہے جس میں قال حال کا آئینہ ہوتا ہے۔ اسی لیے ان کی فکر میں عمل کی توانائی، تقدس کی خوشبو، خلوص کی گرمی اور نظر کی وسعت ہے۔ جذبات اور افکار کی طہارت سے سیّد عاصم گیلانی کی نعت کا خمیر اُٹھا ہے۔'' (ص ۲۲۷)

عاصم تغزل آفرینی کی دھن اور والہانہ شیفتگی کے باوصف آداب نعت ملحوظ رکھتے ہیں۔ انھوں نے احتیاط کے رویے کو اس طرح اپنایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم ذاتی کسی صورت میں بھی نعت میں استعمال نہیں کیا۔ حالاں کہ ہر دور میں ان ؐ کا اسم ذاتی نعت میں استعمال کرنے کا رواج رہا۔

اردو نعت کے دورِ جدید میں سیرتِ اطہر سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے مگر عاصم گیلانی اس میدان میں بھی دوسرے نعت نگاروں سے الگ دکھائی دیتے ہیں۔ انھوں نے مضامینِ سیرت کو نئے نئے زاویوں سے دیکھا ہے۔

D:NaatRang-15
File: Sham2
Final

اپنے مختصر مضمون میں حفیظ تائب، عاصم گیلانی کا تعارف کسی قدر کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔

حفیظ تائب : راسخ عرفانی کی نعت گوئی (''شام وسحر'' نعت نمبر۶)

راسخ عرفانی نے ۱۹۵۹ء حج بیت اللہ اور زیارت حرمین شریفین سے فیض یاب ہونے کے بعد نعت گوئی کا آغاز کیا۔ سفرِحجاز کی کیفیات ان پر اس طرح طاری ہوئیں کہ ان کے شاعرانہ قدرت ابھر آئی اور انھوں نے نعت گوئی اختیار کی تو اسی سفر کی برکتوں کو محسوس کرتے اور بیان کرتے رہے۔ یہ ان کی اللہ تعالیٰ سے بندگی اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا وفور ہے کہ وہ ان اثرات اور کیفیات سے نکل نہ سکے اور جو کچھ دل پر گزری اسے رقم کرتے رہے۔ ان کے مجموعۂ نعت شائع ہونے کی اطلاع مضمون نگار نے دی ہے لیکن اس کا نام نہیں بتلایا۔ انھوں نے یہ انکشاف کیا ہے کہ اس مجموعہ کی پہلی نعت کرامت علی شہیدی کی شہرۂ آفاق قصیدہ کی زمین میں ہے جس پر طبع آزمائی کو محسن، امیر اور کئی دیگر شعرا نے اعزاز سمجھا۔ اس مجموعے میں نعت نبوی اور حدیثِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوانات کے تحت بھی نعتیں ملتی ہیں جو شاعر کے مسلک کو ظاہر کرتی ہیں۔ (ص۳۷۸)

راسخ عرفانی نے چالیس احادیث کے متن کا اردو ترجمہ بھی کیا ہے۔ یہ صرف لفظی تراجم نہیں ہیں بلکہ حدیث کے موضوع کی تشریح بھی ہے اور بیشتر جگہ راوی کا نام دے دیا ہے۔ راسخ کا دوسرا مجموعہ نعت ''حسن کلام'' اور تیسرا ''ارمغانِ حرم'' اور چوتھا ''ذکرِ خیر'' پانچواں ''حدیثِ جاں'' چھٹا ''نسیم منیٰ'' ہیں اس قدر کثرت سے نعتیں لکھ کر انھوں نے اپنے رجحان کا اظہار کر دیا ہے کہ وہ حضور کے والہ وشیدا ہیں۔ ان کا ذکر تغزل آمیز تقدس سے کرنے کا ملکہ رکھتے تھے۔ مضمون نگار نے ہر مجموعہ کے منتخب اشعار کو پیش کر کے شاعر کے کلام کی خصوصیات کو واضح کیا ہے۔

رفیع الدین ہاشمی: حافظ مظہر الدین کی نعت گوئی (''شام وسحر'' نعت نمبر۲)

احسان دانش کا کہنا ہے ''نعت کا فن صرف عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو پہنچتا ہے۔'' رفیع الدین ہاشمی اس قول کا اطلاق حافظ مظہرالدین پر کرتے ہیں۔ وہ ایسے عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی قلبی وابستگی نعت بن کر ظاہر ہوئی ہے۔ (ص۲۶۱) قدرت نے انھیں شعرگوئی کی جو صلاحیتیں ودیعت کی ہیں مظہرالدین نے انھیں مجاز کے لیے صرف کرنے کے بجائے مدحتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وقف کر دیں۔ ان کے کلام کے مجموعے ''تجلّیات'' ''جلوہ گاہ'' اور ''بابِ جبرئیل'' اس کے شاہد ہیں۔ رفیع الدین

ہاشمی ان کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حافظ مظہرالدین کے نزدیک مدحتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سبب ذاتی اعتقاد بھی ہے اور ان کا یہ ایمان بھی کہ نعت گوئی عقبیٰ میں ذریعۂ نجات ہوگی لیکن اس سے بھی زیادہ آپ کی توصیف و ثنا آپ کے خیرالبشر اور ہادئ انسانیت ہونے کا تقاضا ہے۔ (ص۲۶۲)

حافظ صاحب کی نعت گوئی کی خصوصیات کے حوالے سے اگرچہ یہ مضمون مختصر ہے اس میں گہرا تجزیاتی یا تنقیدی عنصر بھی نہیں ہے لیکن رفیع الدین ہاشمی کی تحریر کو ایک اچھا تعارف سمجھا جاسکتا ہے۔

ساجد حسین ترمذی: خواجہ عابد نظامی کی نعت گوئی (''شام وسحر'' نعت نمبر۶)

ساجد حسین ترمذی نے خواجہ عابد نظامی کی نعت گوئی پر قلم اُٹھایا۔ تمہید میں وہ نعت کی اوصاف، خصوصیات، محرکات اور دیگر امور کے علاوہ عربی اور فارسی کے نعت کے چمن زاروں سے گزرتے ہوئے اردو میں نعت گوئی کے گوشے کی سیر کرتے ہوئے خواجہ عابد نظامی تک پہنچے ہیں۔ ان کا زورِ بیان تمہید میں صرف ہوگیا۔ شاعر کے کلام اور اس کی خصوصیات کے بارے میں وہ تفصیل پیش نہیں کرسکے۔ البتہ ایک تاثراتی خاکہ پر اکتفا کیا ہے۔ ان کے بیان میں الفاظ زیادہ ہیں اور مفہوم کم ہے۔ ان کی تعریف کا انداز ملاحظہ ہو:

خواجہ عابد نظامی کے نعتیہ اشعار پڑھتے ہوئے مجھے ہمیشہ یوں محسوس ہوا ہے جیسے میرے اردگرد ہریالی اور شادابی پھیل گئی ہے۔ رنگ برنگ کے پھول کھل کر جھوم رہے ہیں۔ اور وہ پھولوں کی نکہت سے چارسو معطر ہوگئے ہیں۔ شاخِ گل پر بیٹھا ہوا ایک طوطی اپنے نغمے بکھیر رہاہے۔ یہ نغمہ کیا ہے؟ روح کے لیے امرت، ایمان کی غذا اور دل کی تمنا نغمہ در نغمہ کانوں میں رس گھلنے لگتا ہے یہاں تک کہ نغمہ کی لے میری آنکھوں کو جل ترنگ بجانے پر مجبور کر دیتے ہیں اور پھر رم جھم ہونے لگتی ہے۔ رحمت کی رم جھم۔ نغمہ رُکا، رم جھم تھمی تو ایک ہی احساس باقی رہ گیا کہ حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ تو ہر کوئی کرتا ہے مگر وعدے کی شہادت کے لیے محترم عابد نظامی جس طرح جگر کو لخت لخت کرکے عشقِ رسول صلی اللہ علیہ

D:NaatRang-15
File: Sham2
Final

وسلم کا گلدستہ بناتے ہیں وہ انھی کا حصہ ہے۔ عابد نظامی نے اپنی نعتوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ والا صفات سے اپنی وابستگی کا اظہار جس وارفتگی سے کیا ہے اس کی وجہ سے ان کے اشعار ان کی کلائی کی نبض اور دل کی دھڑکن بن گئے ہیں۔'' (ص۴۲۵) اتنی تعریف و توصیف و ستائش کے بعد بھی ساجد حسین ترمذی کو عابد نظامی کے لائق حوالہ اشعار کثرت سے نہیں مل سکے۔

عدیم، غلام رسول: ایک عاشقِ رسول، ایک ثناخوان مصطفیٰ راز کاشمیری

(''شام وسحر'' نعت نمبر۶)

مضمون نگار نے راز کاشمیری پر لکھتے ہوئے رہوارِ فکر و قلم کو آزاد چھوڑ دیا ہے تاکہ شاعری اور اطراف شاعری پر نظر ڈال کر اپنے قلم کی وقعت ثابت کی جائے اور پھر راز کاشمیری پر لکھتے ہوئے اس تمہیدی کلام سے فائدہ اُٹھایا جائے۔ مگر عملاً ایسا نہیں ہوا، تمہید اور اصل موضوع میں ربط پیدا نہ ہوسکا جب کہ مضمون نگاری کی علمیت اور قابلیت ظاہر ہوگئی گو وہ بھی صحیح جگہ نہیں۔ مضمون نگار نے جدت طرازی کے زعم میں لفظوں سے کھیلنے اور فنی تراکیب ایجاد کرنے کے شوق میں ایسے الفاظ لکھے ہیں جو مضمون کے معیار کو بلند نہیں کرتے، مثلاً ''نفسیاتی ماحولیات''، ''ہیئتوں کے نامناسب اُلٹ پلٹ تجربوں''۔ ضروری نہیں ہے کہ قلم اُٹھایا جائے تو اس کے ساتھ لفظوں کا ایسا جنگل بھی لگایا جائے جس کا کوئی مصرف نہ ہو۔

راز کاشمیری کے کلام کی خوبیوں میں لکھا ہے، ''وہ دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہوکر مئے حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت کا جام چھلکاتا، صورت اور سیرت سے فکر وعمل اور قلب و نظر کی روشنی حاصل کرتا اور سازِ حیات کو آپ کے اشارۂ ابرو پر نغمہ ریز پاتا ہے۔'' (ص۳۴۵) نثرنگاری اور حسن کاری کے ساتھ معلومات کا ڈھیر لگانے کے سلسلے میں ''انگریزیات'' سے بھی بھرپور استفادہ کیا ہے جس قدر طویل مضمون ہے اس کی مناسبت سے نمونہ کلام بالکل کم ہے گویا مضمون نگار نے دلائل کو آئینہ سمجھ لیا ہے اور آئینہ کو چھپا رکھا ہے۔

علیم ناصری: زاہدہ خاتون شیروانہ، ایک بلند پایہ نعت گو

(''شام وسحر'' نعت نمبر۴)

ایک درخشان دور تھا جب خواتین کے تمام ادبی رسائل اور بیشتر عام رسائل میں ایک

لکھنے والے کا نام ز خ ش نظر آتا تھا، ان کی تحریر میں پختگی، خیالات میں بلندی، فکر میں اصلاحی نظریات ہوتے، پڑھنے والے دلچسپی اور رغبت سے پڑھتے مگر ان کے سب پڑھنے والوں کی پیشانیوں پر ایک سوالیہ نشان ابھرتا ''یہ کون ہے؟'' مرد یا کوئی خاتون؟ بیگم خواجہ حسن نظامی کے ذریعے بھید کھلا کہ یہ بھیکم پور (علی گڑھ) کے شیروانی خاندان کی چشم و چراغ زاہدہ خاتون شیروانیہ ہیں جو مشرقی تمدن کی پاسدار، شرم و حیا کی دلدار، خواتین کی تعلیم کی حامی، ان کی جہالت اور توہم پرستی کی دشمن ہیں۔ ان کے مضامین اور نظمیں خواتین میں بے حد مقبول تھیں۔ وہ اردو اور فارسی میں شاعری کرتیں۔ نعت گوئی سے خاص دلچسپی تھی۔ ان کے اردو کلام کا مجموعہ ''فردوس تخیل'' کے نام سے چھپا تھا۔ اس کی ساری نظمیں اسلامی نقطۂ نظر، ملی درد اور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے مملو ہیں۔ ان کی نظمیں ''رسول''، ''دیارِ حبیب''، ''ہم تین ہیں''، ''بی بی آمنہ کا بسترِ مرگ'' خاصی مقبول ہوئیں۔ مضمون نگار نے ان کی متعدد نظموں کا حوالہ دیا۔ ان کے مشمولات سے بحث کی ہے اور زاہدہ خاتون کے طرزِ اظہار کو سراہا ہے۔ ایک معتبر نام جو اردو دان طبقہ کی بے پروائی کا شکار ہوکر ماضی کی تاریکیوں میں کھو گیا تھا اس کی بازیافت کے ذریعے علیم ناصری نے ایک اہم خدمت انجام دی ہے۔ خواتین شاعرات اور نثرنگاروں پر جب بھی کام ہوگا یہ مضمون اساسی معلومات فراہم کرے گا۔

مسعود ہاشمی: عدم کی نعتیہ اور متصوفانہ شاعری (''شام وسحر'' نعت نمبر۳)

عہدِ جدید کے اہم شاعروں میں عدم کا درجہ بلند ہے۔ وہ ''تحسین باہمی'' سے بے پروا، سیاسی نظریاتی اور ادب وتنقید سے بیگانہ اپنے تخلیقی عمل کو جاری رکھے رہے۔ ناقدینِ وقت نے ان کی جانب زیادہ توجہ نہیں دی اور جس کسی نے قابلِ اعتنا سمجھا اس نے ان کی شاعری پر خمریات کا لیبل لگا دیا۔ انھوں نے تصوف اور نعت کے حوالے سے جو شعرگوئی کی وہ اس مہمل نظریہ کی نظر ہوگئی کہ موضوعاتی شاعری لائقِ تنقید نہیں ہوتی جو یہ کہتے ہیں وہ ''موضوعاتی'' کے پردے میں یہ بات کرتے ہیں۔ حالاں کہ ان کا اشارہ مذہبی نوعیت کے ادب سے ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حمد ونعت، منقبت، مرثیہ پر متاثر کرنے والی تنقید نہیں ملتی۔ عدم کی متصوفانہ اور نعتیہ شاعری بھی مہمل نظریات تلے دبی رہی۔

مسعود ہاشمی نے پہلی بار توجہ دلائی ہے کہ عدم، عمر خیام نہیں بلکہ حافظ شیرازی بھی ہیں۔ اگرچہ عدم کا نعتیہ کلام بہت کم ہے لیکن جو کچھ ہے وہ نئی طرز اور نئی ڈکشن میں ہے۔ مسعود ہاشمی

کے مطالعے کا حاصل یہ ہے کہ ''عدم نے جس طرح دوسرے موضوعات کو کمال برجستگی اور تخلیقی وارفتگی سے اپنے فن میں ڈھالا ہے اسی طرح اس نے جب نعت گوئی کی طرف دھیان دیا تو موضوع کی ساری تقدیس کو اس تخیل آمیز خلاقی سے شعروں میں سمویا کہ وجدان کا اعجاز محسوس ہوتا ہے۔'' (ص۲۲۵) مضمون نگار نے حمد اور تصوف کے اشعار کے ساتھ نعتیہ نظمیں بھی درج کی ہیں۔ ان نظموں میں بالکل نئی آواز ہے جو روایت سے ہٹ کر ہے لیکن موضوع کا تقدس ان اُجلے اُجلے لفظوں اور نکھرے نکھرے انداز میں حیران بھی کرتا ہے اور متاثر بھی! ضروری ہے کہ مضمون نگار نے عدم کی شاعری کے جن پہلوؤں پر توجہ دلائی ہے اس پر سنجیدگی سے غور بھی کیا جائے اور کام بھی کیا جائے۔ نام کے پیچھے دوڑنے والی قوم میں شاید کام کا کوئی قدردان اُبھر آئے۔

مشتاق احمد سیّد: شاعرِ چادرِ رحمت، منیر قصوری (''شام وسحر'' نعت نمبر۵)

سیّد مشتاق احمد نے نعتیہ کلام کے مجموعہ ''چادر رحمت'' کے حوالے سے منیر قصوری کا ذکر کیا ہے اور ان کے کلام پر تبصرہ کیا ہے۔ ''چادر رحمت'' کے ساتھ ہی عربی کے دو قصائد ذہن میں تازہ ہوجاتے ہیں ایک حضرت کعب بن زہیرؓ کا اور دوسرا مصر کے نابغۂ روزگار شاعر علامہ بوصیری کا! آخر الذکر کا ''قصیدہ بردہ شریف'' کے عنوان سے زیادہ مشہور ہے۔ منیر قصوری عربی دان بھی ہیں اور عالم بھی، اس لیے اپنی کتاب کا نام رکھتے ہوئے ان کے ذہن میں رسولِ خدا کی چادر مبارک ضرور رہی ہوگی۔ شاعر کا خیال جیسا کہ انھوں نے اپنے اشعار میں ظاہر کیا ہے یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایتِ خاص کے بغیر کسی شاعر کو نعت گوئی کی توفیق نہیں ہوسکتی۔ چناں چہ وہ اپنی نعت گوئی کے سلسلے میں آپ کی عنایت کا اکثر ذکر کرتے ہیں۔ مضمون نگار نے کلام کے مطالعے کے بعد اس خصوصیت کی نشان دہی کی ہے کہ منیر قصوری نے قرآن و حدیث کا گہرا مطالعہ کیا ہے ان کے ظاہری باطنی معنوں تک رسائی حاصل کی ہے تب اپنی شاعری کو ان سے مزین کیا ہے۔ وہ لفظوں کے صحیح اور جائز استعمال سے واقف ہیں۔ وہ ذکرِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی عجز و انکسار سے کرتے ہیں ان کے اشعار میں سوز و گداز کی کیفیت موجود ہے۔ وہ بلاغت کے رموز سے بھی واقف ہیں اور صنائع و بدائع کے مناسب استعمال کی قدرت رکھتے ہیں۔ ان کے کلام کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ آسان، سلیس اور عام فہم ہے۔ اس میں سادگی اور برجستگی ہے۔ وہ تراکیب کے سلسلے میں تازہ کاری سے کام لیتے ہیں۔ مشتاق احمد نے

خود بھی آسان اور عام فہم انداز میں منیر قصوری کی نعتوں پر روشنی ڈالی ہے اور ایک ایک نکتہ کو جداگانہ اس طرح بیان کیا ہے کہ ابلاغ اور تفہیم کا حق ادا ہوگیا ہے۔ یقیناً انھوں نے منیر قصوری کے کلام کا غائر مطالعہ کیا ہے۔

خالد بزمی : بارگاہِ ختم المرسلین میں عارف عبدالمتین (''شام وسحر'' نعت نمبر۶)

خالد بزمی دورِ جدید کے اہم شاعری عبدالمتین سے شخصی طور پر بھی واقف ہیں اور ان کے کلام سے بھی! وہ عارف عبدالمتین کو صرف ایک شاعر ہی نہیں سمجھتے بلکہ ایک ادیب، ایک نقاد اور ایک ادبی صحافی کے طور پر ان سے واقف ہیں۔ ان کا ماضی و حال ان کے سامنے عیاں ہے۔ انھوں نے عارف عبدالمتین کے ماضی کے حوالے سے ان کی وہ نظمیں نقل کی ہیں جن میں مذہب کا مذاق اُڑایا گیا ہے۔ اشتراکیت ہی کو سب کچھ سمجھا گیا ہے اور کارل مارکس اور لینن کی قصیدہ خوانی کی گئی ہے۔ پھر وہ انقلابِ زمانے بھی خالد بزمی نے دیکھا کہ عارف عبدالمتین ایک کالج میں طالب علموں کو قرآن، حدیث، سیرتِ نبی اور تاریخِ اسلام کی تعلیم دینے لگے تھے۔ یہ کام پیشہ ورانہ فرض کے طور پر نہیں، دل کی لگن کے طور پر انجام دیا اس کی شہادت ان کے کلام سے ملتی ہے جس کو بلاشبہ نعت کہا جاسکتا ہے۔ عارف عبدالمتین نظم کے شاعر ہیں، انکا لہجہ نیا ہے۔ اندازِ بیان نیا ہے، ڈکشن نیا ہے، اشاریت نئی ہے۔ وہ نعت گوئی کے روایتی سانچوں کے شاعر نہیں ہیں۔نظم میں سادگی اور روانی کا وہ حال ہے کہ دورِ جدید کا کوئی شاعر ان کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ دھیمے انداز میں وہ یوں باتیں کرتے ہیں جیسے کسی قریبی آشنا سے محوِ گفتگو ہوں۔ ان کے اشعار میں فکر کا غالب عنصر ہے۔ ان اشعار کو دیکھیے اس کے معنی اور لہجہ پر غور کیجیے کیا یہ انداز کسی بھی دوسرے نعت گو کا ہے؟

تجھ کو دو گونہ سفارت کا شرف تفویض ہے
تو خدا ہی کا نہیں انسان کا بھی ہے ترجماں

☆

تیرے رشتوں کی عنایت ہیں ازل اور ابد
میں ہر اک عہد میں جیتا ہوں حوالے سے ترے

☆

D:NaatRang-15
File: Sham2
Final

مجھے فلک کی سی سرکشی دے، مجھے زمیں کی سی عاجزی دے
جہاں سے گزروں تو سر اُٹھا کر، تجھے ملوں میں تو سر جھکا کر

باوجود اس کے کہ عارف عبدالمتین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب واضح اشارہ کرکے شعر نہیں کہے ہیں لیکن ان اشعار کی فضا ایسی ہے کہ گویا مداح ممدوح سے، غلام آقا سے مخاطب ہے اشعار پر چھائی ہوئی پاکیزگی، لہجوں کی طہارت، مضامین کی تقدیس باور کرواتی ہے کہ اس کلام کے مخاطب سوائے ذاتِ رسول کے کوئی ہستی نہیں ہوسکتی۔ یہی عارف عبدالمتین کا کمالِ فن ہے خالد بزمی نے اشعار کا انتخاب اس طرح کیا ہے کہ شاعر کی خصوصیاتِ کلام محتاجِ تعارف وتبصرہ نہیں رہیں۔ ''شام وسحر'' کے نعت نمبروں میں شعرا پر جو مضامین شائع ہوئے ہیں ان میں یہ ایک نمایاں حیثیت کا حامل مضمون ہے۔ اسے خالد بزمی کا خلوص کہیے یا عارف عبدالمتین کی صلاحیتیں کہ انھوں نے اعترافِ ہنر کروا ہی لیا۔

کلیم محمد دین: بھولے بسرے نعت گو (''شام وسحر'' نعت نمبر۴)

بھولے بسرے نعت گو شعرا میں محمد دین کلیم نے محرم علی چشتی، قلندر شاہ سہروردی، خواجہ محمد یار مریدی چشتی، اصغر علی روحی، میر غلام دستگیر نامی غلام غوث صمدانی اور غلام سرور لاہوری کو شمار کیا ہے اور ہر ایک کا مختصر تعارف لکھ کر ان کی یادوں کو تازہ کیا ہے۔

محرم علی چشتی اپنے زمانے کے معروف صحافی تھے وہ ''کوہِ نور'' اخبار کے ایڈیٹر رہے بعد میں اپنا اخبار ''رفیق ہند'' نکالا۔ ان کی صحافت مخالف انگریز تھی اور ان کا انداز انتہائی جارحانہ ہوتا تھا۔ وہ انجمن اسلامیہ پنجاب کے جوائنٹ سیکرٹری بھی رہے۔ محرم علی چشتی نے ۱۹۳۴ء میں وفات پائی۔ مضمون نگار نے وضاحت نہیں کی کہ وہ اردو میں نعت کہتے تھے یا فارسی میں؟ نمونۂ کلام میں جو چند شعر نقل ہوئے ہیں وہ فارسی کے ہیں۔ (ص۲۴۹)

قلندر شاہ سہروردی کے بارے میں بھی پیش کردہ معلومات مختصر اور ناکافی ہیں۔ ان کے بارے میں اتنا ہی بتلایا گیا ہے کہ ۱۷۷۱ء میں لاہور میں پیدا ہوئے۔ پھر لکھنؤ چلے گئے تھے۔ ۱۷۹۵ء میں وہاں سے لاہور گئے۔ ان کا پیری مریدی کا سلسلہ تھا۔ مضمون نگار نے انکشاف کیا ہے کہ شیخ امام بخش ناسخ بھی ان کے مرید تھے جو ان کی خدمت کرنے لاہور آئے تھے۔ ۱۷ر فروری ۱۸۳۲ء کو انتقال فرمایا۔ ان کی تصانیف میں دیوان قلندر شاہ، حلیہ شریف (اردو) بیان

عقائد منظوم (فارسی) معراج القبول (فارسی)، ترکیب تلاوت کلام الٰہی (فارسی) آدابِ خلوت۔ شرط اربعین، مکتوبات، حلیہ شریف (فارسی)، تعداد اربعین (ص۲۵۰) نمونۂ کلام کے بطور چند فارسی اشعار دیے گئے ہیں۔ (ص۲۴۹۔۲۵۰)

خواجہ محمد یار فریدی ولادت کے اعتبار سے دولت گڑھی، ضلع رحیم یار حاں کے تھے۔ خواجہ غلام فرید کوٹ مٹھن کے مرید تھے۔ ان کا دیوانِ فارسی اردو، سرائیکی زبانوں پر مشتمل ہے۔ محمد، بلبل، خرد، تخلص فرماتے تھے۔ مثنوی مولانا روم کو نہایت خوش الحانی سے پڑھا کرتے تھے۔ لوگ ان سے مثنوی سننے کے متمنی رہا۔ مضمون نگار نے ان کے صرف چند فارسی شعر نقل کیے ہیں۔ (ص۲۵۰)

اصغر علی روحی بن قاضی شمس الحسن بن میاں پیر بخش ۱۳۸۹ھ/ ۱۸۶۸ء گجرات کے علاقے میں پیدا ہوئے۔ اعلیٰ تعلیم لاہور میں پائی ۱۸۹۲ء میں اسلامیہ کالج لاہور کے شعبہ عربی و علوم اسلامیہ کے لیکچرر مقرر ہوئے۔ ۱۹۴۱ء میں سکبدوش ہوئے۔ اپنے زمانے کے مشہور شاعر تھے۔ ان کا کلام مقتدر رسائل میں اکثر چھپتا تھا۔ شاعر اچھے تھے مگر زمانہ کی بے قدری نے ان کو فراموش کر دیا۔ ان کا فارسی دیوان چھ ہزار صفحات اور عربی دیوان پانچ سو اشعار پر مشتمل ہے۔ ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۴ء میں لاہور میں وفات پائی۔ ان کے بارے میں یقیناً تحقیقی کام ہونا چاہیے۔ ان کا اردو کلام برآمد کرکے اس کے معیار کو جانچ کر شاعر کے مقام کا تعین کیا جانا ضروری ہے۔ (ص۲۵۱)

غلام دستگیر نامی، ان کے والد ماجد پیر حامد شاہ بن غلام محمد خاں ۲۳ رجمادی الثانی ۱۳۰۰ھ/ یکم مئی ۱۸۸۳ء کو ضلع لاہور کی ایک تحصیل میں پیدا ہوئے۔ تعلیم لاہور میں حاصل کی۔ والد کے انتقال کے بعد بھی تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔ وہ بے شمار کتب کے مصنف ہیں۔ مضمون نگار نے ان کی تصانیف کی تفصیل نہیں بتلائی۔ یہ معلوم نہ ہوسکا کہ تصانیف کن عنوان پر اور کس معیار کی ہیں۔ نمونہ کلام میں تین اشعار نعت کے درج کر دیے ہیں۔

حاجی غلام غوث صمدانی جالندھر کے رہنے والے تھے۔ ۱۸۹۰ء میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام سندھی خاں تھا۔ وہ ایک گوشہ نشیں، فاضل اور عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ مثنوی صمدانی فارسی آپ کی تصنیف ہے جو ۱۹۵۵ء میں شائع ہوئی ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۲ء میں انتقال ہوا۔ تذکرہ کے ساتھ چند فارسی اشعار درج ہیں۔ (ص۲۵۶) یہ صراحت نہیں ملتی کہ آیا وہ اردو میں بھی شاعری

کرتے تھے یا نہیں۔

مفتی غلام سرور لاہوری غلام سرور ۱۲۴۴ھ/ ۱۸۲۸ء میں کوٹلی مفتیاں نزد حویلی میاں خاں، موچی دروازہ لاہور میں غلام محمد کے گھر پیدا ہوئے۔ (ص۲۵۶) اپنی تعلیم والد سے حاصل کی۔ تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ، صرف ونحو مولانا غلام اللہ فاضل لاہور سے حاصل کیے۔ متعدد تصانیف آپ سے منسوب ہیں۔ ''خزینۃ الاصفیا''، ''حدیقۃ الاولیا''، ''تاریخ مخزن پنجاب''، ''مدینۃ الاولیا''، ''گنجینہ سروری''، ''دیوانِ نعت سروری''، ''کلیاتِ نعت سروری''، ''بہارستان تاریخ وغیرہ'' (ص۲۵۲) ایک مجموعہ ''حمد ایزدی'' کے نام سے ۱۸۸۰ء میں چھپا تھا۔ اسے اردو کا پہلا حمدیہ دیوان کہا جاتا ہے۔ دوسرا حمدیہ دیوانِ مضطر خیرآبادی کا ''نذر خدا'' ہے۔ تیسرا مظفر وارثی کا ہے جس کے بارے میں وہ دعوا کرتے ہیں کہ وہ پہلا حمدیہ دیوان ہے۔

مضمون نگار نے سرور لاہوری کے دو شعر فارسی کے اور دو اردو کے نقل کیے ہیں۔ ان کا کلام نصائح سے بھرا پڑا ہے۔ ضروری ہے کہ مسلمانوں کے بچوں کی تعلیم کی ابتدا ان کی نظموں کی جائے۔

اس مضمون میں جتنے بھی شاعروں کا ذکر کیا گیا ہے وہ سب تشنہ ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسم شماری کو کافی سمجھا گیا ہے جس سے یاد تازہ ہوجائے۔ حالاں کہ جس زمانے میں مضمون لکھا گیا اس دور میں ان کے احوال جمع کرنا اور ان کے کلام کو حاصل کرنا مشکل نہ تھا۔

تیسرا حصہ

مشرق کی مختلف زبانوں میں نعتیہ شاعری

رسالہ ''شام وسحر'' کے نعت نمبروں کا سلسلہ شائع کرتے ہوئے ایک نئی روایت کی ابتدا کی ہے کہ نعت کو کسی ایک زبان سے مخصوص نہیں رکھا۔ رسالہ اردو زبان کا ہے اس لیے توقع کی جاسکتی تھی کہ وہ اردو میں نعت گوئی اور اردو کے نعت گو شاعروں پر ہی توجہ دیتے لیکن ادارہ ''شام وسحر'' اور اس کے وسیع النظر کارکنوں نے موضوع کی وسعت اور افادیت کو پیشِ نظر رکھا۔ یہ جانتے ہوئے کہ مشرق کی تمام زبانوں میں نعت کہنا عقیدت کا اظہار بھی ہے اور فن شاعری کا کمال بھی ادارہ ''شام وسحر'' نے اردو کے علاوہ ان زبانوں میں بھی نعت گوئی کی زندہ روایت کو روشناس کروانے کی کوشش کی جو یا تو مسلمانوں کی ہیں یا موجودہ پاکستان کے مختلف علاقوں میں

بولی جاتی ہیں۔ عربی اور فارسی ہمارے اسلاف کا ورثہ ہے لیکن زمانے کے سیاسی اور سماجی تقاضے مزاحم رہے۔ چناں چہ ان سے ہمارے رشتے اس طرح استوار نہیں رہے جیسے ہونا چاہیے تھا۔ کہنے کو تو ہم مسلمان ہیں۔ خدا اور رسول کو دل سے مانتے ہیں۔ قرآن شریف کو کلامِ الٰہی تسلیم کرتے ہیں۔ احکامِ خداوندی اور ارشادات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام کرتے ہیں اور جہاں تک ممکن ہو اس پر عمل بھی کرتے ہیں لیکن عربی زبان پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے قرآن وحدیث کے بلاواسطہ مطالب کے سمجھنے میں دشواری ہوتی ہے۔ ان کم زوریوں کے باوجود ہمارے ذہنی اور روحانی رشتے عربی کے ساتھ موجود ہیں اور رہیں گے۔

فارسی زبان صدیوں جنوبی ایشیا کی سرکاری اور عوامی زبان رہی۔ یہاں کے باسی اس زبان پر اتنے حاوی ہوئے کہ انھوں نے تصانیف نظم ونثر میں اعلیٰ پایہ کی یادگاریں چھوڑیں کہ اہلِ ایران بھی ان کی قدر کرتے ہیں۔ ہمارے معاشرے سے اس زبان کا چلن بھی اٹھتا جارہا ہے لیکن وہ ہمارے خمیر میں جگہ جاچکی ہے پاکستان کی تمام زبانوں میں نفوس کرچکی ہے۔ ہم فارسی کو بھلا دیں لیکن ہماری زبانوں میں موجود اثرات کو نہیں مٹا سکتے۔

رسالہ ''شام وسحر'' نے نعت نمبروں میں عربی اور فارسی نعت گوئی کے اذکار شائع کرکے کئی دبستانوں کے در کھول دیے ہیں۔ جن سے ہم کسبِ نور کرچکے ہیں اور کرسکتے ہیں۔ ان کے علاوہ پنجابی، سندھی، بلوچی، پشتو، کشمیری، براہوی اور گوجری زبانوں کی نعت گوئی کی روایت سے واقفیت بہم پہنچانے کی سعی بلیغ کی ہے۔ ہم ان کی تفصیل بیان کرنے سے قاصر ہیں لیکن اجمالی خاکہ ضرور پیش کرنا چاہتے ہیں۔

خالد بزمی : عربی نعتیہ شاعری (''شام وسحر'' نعت نمبر۱)

نعت گوئی کی ابتدا بلاشبہ عربی زبان میں ہوئی اور یہ سلسلہ گزشتہ سوا چودہ سو سال سے تمام تر فصاحت و بلاغت شادابی اور تازگی کے ساتھ جاری ہے۔ اس روش کو معجزہ کا نام دینا خلافِ واقعہ نہیں ہوگا۔ پروفیسر خالد بزمی صاحبِ علم اور صاحبِ نظر اہلِ قلم ہیں۔ ان کے متعدد مضامین سے رسالہ ''شام وسحر'' کے قارئین خصوصیت سے اور دیگر رسائل کے قارئین عمومیت سے استفادہ کرتے رہے ہیں۔ ان کے اظہار کے مطابق عربی میں نعت کی رائج دونوں صورتیں تھیں۔ یعنی اشعار میں بھی اور نثر میں بھی نعت کہی جاتی رہی ہیں۔ ابتدا میں اردو میں یہ رواج رہا لیکن

D:NaatRang-15
File: Sham2
Final

شاعروں کو منظوم نعتوں کو اتنا مقبول بنا دیا کہ نثری روایت باقی نہ رہی۔ قدیم عہد کی کسی تصنیف کو اُٹھا کر دیکھ لیں وہ نثر میں چاہے مذہبی نوعیت ہو، ادبی ہو، داستانی ہو، کچھ بھی ہو اس میں چند صفحات اللہ کی تعریف اور چند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ضروری ہوتے تھے۔ یہ روایت مسلمانوں نے قائم کی تھی اور غیر مسلم بغیر تعصب کے اس کے پابند رہے وہ سمجھتے تھے کہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے جس کام کا آغاز ہو اس میں یقیناً برکت ہوتی ہے۔ اب یہ رواج ختم ہوا تو برکت بھی جاتی رہی۔

مضمون نگار نے دوسرا مسئلہ یہ اُٹھایا ہے کہ نعت صنفِ ادب ہے یا نہیں۔ بعض لوگ اسے صنف قبول کرتے ہیں۔ خالد بزمی اور ان کے ہم نوا اسے محض موضوعِ سخن مانتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے صنف کا تعین موضوع سے نہیں، ہیئت سے کیا جاتا ہے۔ گویا غزل صنف ہے، قصیدہ صنف ہے، رباعی صنف ہے وغیرہ اس کے بارے میں گزارش کروں گا کہ مرثیہ کو مرثیہ کیوں کہتے ہیں، مسدس کیوں نہیں کہتے۔ منقبت کو منقبت کیوں کہتے ہیں وہ جس ہیئت میں ہے اس کی مناسبت سے کیوں نہیں کہتے، سلام کو سلام کیوں کہتے ہیں، غزل کیوں نہیں کہتے؟ ان مثالوں سے ظاہر ہوا کہ کبھی تو ہیئت کے لحاظ سے صنف کا تعین ہوتا ہے اور کبھی موضوعِ سخن کے لحاظ سے! اس میں الجھنے، تکرار کرنے، اصرار کرنے، اپنی ہی بات کو منوانے کی روایت کو ختم کر کے وسیع النظر سے کام لینا چاہیے۔ ادب کوئی ایسا مضبوط سانچہ نہیں ہے کہ اسے بدلا بھی نہ جاسکے یا توڑا بھی نہ جاسکے۔ چلیے مان لیتے ہیں کسی وقت ہیئت کے لحاظ سے صنف ہوتا تھا اب ادب میں تنوع اور وسعت پیدا ہونے کے بعد اصطلاحات میں لچک پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ اس لیے اگر موضوع کے لحاظ سے بھی صنف کا تعاون ہو اور اس سے ابلاغِ عامہ کا حق کما حقہ طور پر ادا ہوتا ہو تو اس کی مخالفت کی کوئی وجہ نہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ دونوں کی باتوں کو تسلیم کر کے صلح جوئی کا جذبہ ظاہر کیا جائے کہ صنف کا تعین ہیئت سے بھی ہوسکتا ہے۔ اور مضامین کے لحاظ سے بھی! چلیے بحث ختم۔

خالد نظامی نے اپنے مضمون میں یہ اہم انکشاف کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے قبل ہی لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے منتظر تھے اور ان کی شان میں اشعار کہا کرتے تھے۔ اس بات کو ثابت کرنے کے لیے انھوں نے تبع کے یثرب پر حملے اور بنیامین قرظی کے تبع کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خبر سنانے کے لیے جو اشعار پڑھے تھے ان کا حوالہ دیا

ہے اس کے بعد تبع نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اشعار ادا کیے۔

مضمون نگار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے قبل کی ایک نعت کا حوالہ دیا ہے۔ یہ شاعر قس بن ساعدہ کی نعت ہے۔ انھوں نے حضرت بی بی آمنہؓ اور حضرت ابوطالب کی نعتوں کا بھی حوالہ دیا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے قبل کہی گئی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد تو یہ سلسلہ عام ہوا۔ مضمون نگار نے اس دور کے نعت گو شعرا کے ذکر میں حضرت حسان بن ثابتؓ انصاری، حضرت عبداللہ بن رواحہؓ، حضرت کعب بن زہیرؓ، خلفائے راشدین، ابوسفیان بن الحارث، ابوالعتاہیہ، علامہ بوصیری کے ساتھ ساتھ بعد کے ادوار کے عربی نعت گو کو اسی گروہ میں شامل کیا ہے۔ جیسے ابن الفارض، ابن خلدون، علامہ ابن حجر عسقلانی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، علامہ آزاد بلگرامی، قاضی محمد حنفی المعصومی، احمد شوقی وغیرہ۔

مضمون انتہائی معلوماتی ہے۔ عربی نعت گو شعرا سے تعارف کا مرحلہ تو خیر سے گزر جاتا ہے۔ البتہ عربی اشعار کے معنے سمجھنے میں دشواری ہوتی ہے۔ فاضل مضمون نگار نے اکثر جگہ عربی اشعار کے معنے اردو میں بیان کرکے اس کو آسان کر دیا ہے اور تشنگانِ علم کو سیراب کر دیا ہے۔

ظہور احمد اظہر: احمد شوقی کی نعتیہ شاعری (''شام وسحر'' نعت نمبر۱)

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
تب کہیں ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

عربی شعریات کی تائید میں احمد المتنبی کے بعد ایک سال تک عربی ادبیات کی چشم حیران اپنی بے نوری پر روتی رہی تب جا کر شوقی جیسا دیدہ ور پیدا ہوا۔

> جون ۱۹۷۷ء میں مصر کے دارالحکومت قاہرہ میں ایک پروقار تقریب منعقد ہوئی جس میں عرب دنیا کے تین چوٹی کے شاعر خصوصی دعوت پر شریک ہوئے۔ یعنی شہزادہ عبدالفیصل سعودی عرب، عبدالنعم رفاعی، اردن اور نزار قبانی۔ یہ تقریب مصر کے قومی شاعر احمد شوقی کی رہائش گاہ پر منعقد ہوئی جس کی صدارت انوار السادات نے کی تھی جس کے اختتام پر احمد شوقی کے اس گھر کو قومی عجائب گھر میں تبدیل کر دیا گیا۔ (ص۲۸۳)

D:NaatRang-15
File: Sham2
Final

احمد شوقی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں پانچ قصائد کہے ہیں۔ یہ پانچ قصائد نہ صرف عربی زبان کی نعتیہ شاعری کے تاج زرین ہیں بلکہ تمام اسلامی زبانوں کی نعتیہ شاعری کے لیے ایک قابلِ تقلید اور خوب صورت نمونہ ہیں۔ (ص۲۸۴)

ان میں پہلا قصیدہ ''نہج البردہ'' احمد شوقی نے امام بوصیری کے قصیدے کے طرز پر نظم کیا ہے۔ یہ ۱۹۱۰ء میں کہا گیا تھا۔ پہلی بار مصر کے روزنامہ ''المویذ'' کی ۲۶رجنوری ۱۹۱۰ء کی اشاعت میں چھپا تھا جو شوقی کے دیوان ''الشوقیات'' کا حصہ بنا۔ قصیدہ پرانی طرز پر لکھا گیا ہے۔ غزل اور تشبیب کے بعد وہ فریبِ دنیا سے محفوظ رہنے اپنے آپ کو زہد و تقویٰ کی تلقین کرتے ہوئے گریز کا رنگ اختیار کرتے ہوئے عظمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی کرنے لگتا ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے نمایاں پہلوؤں اور مشہور معجزات کا اجمالی ذکر کرنے کے بعد تاریخی واقعات کے تسلسل کی طرف آتا ہے۔ غرض احمد شوقی نے تاریخ و سیرت کو اس طرح یکجا کر دیا ہے کہ اس میں واقعات کے تسلسل کی شان بھی ہے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات سے زمانہ کا رخ بدلنے کی تفصیل بھی۔ قصیدہ کا کینوس بے حد وسیع ہے۔ اسی گرفت میں رکھنا اور کہیں بھی جھول نہ آنے دینا شاعر کا کمالِ فن ہے۔ شعر سے شعر یوں پیوست ہے کہ قاری کو پلک جھپکانے کی فرصت ملے اور نہ سانس لینے کی۔ ادب عالیہ کا کمال یہی ہوتا ہے کہ من و تو کتاب اور قاری ایک ہو جائیں۔

مضمون نگار کا خیال ہے کہ احمد شوقی اپنے قصیدہ کے بعض اجزا کے حوالے سے بوصیری سے آگے ہیں۔ یہ احمد شوقی کی شرافت اور عظمت ہے کہ انھوں نے اپنی برتری کا دعویٰ نہیں کیا۔ وہ چاہتے تو اپنے قصیدہ کا نام ''جوابِ قصیدہ بردہ'' یا ''جواب بوصیری'' رکھ سکتے تھے لیکن انھوں نے ''لہجہ بوصیری'' نام رکھ کر بوصیری کی عظمت کو تسلیم کیا اور ان کی پیروی کو اپنے لیے اعزاز قرار دیا ہے۔ چناں چہ اپنے ایک شعر میں احمد شوقی نے کہا ہے۔

ترجمہ: ''اللہ گواہ ہے میں اپنے اس قصیدے میں بوصیری کا معاوضہ یا مقابلہ نہیں کر رہا۔ بھلا موسلا دھار بارش والے اُٹھتے ہوئے گھنے بادل کا معاوضہ یا سامنا کون کرسکتا ہے۔''

مدح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں شوقی کا دوسرا قصیدہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اوّل کہلاتا ہے۔ (ص۲۸۷) یہ قصیدہ ننانوے اشعار پر مشتمل ہے۔ اسے شاعر نے ۱۹۱۱ء میں نظم کیا جون ۱۹۱۲ء کے مجلّہ ''الزھور'' قاہرہ میں پہلی بار چھپا تھا۔

احمد شوقی کا تیسرا نعتیہ قصیدہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ثانی کہلاتا ہے جو ۱۷ اشعار پر مشتمل ہے۔۱۹۱۴ء میں لکھا گیا اور روزنامہ ''عکاظ'' قاہرہ میں فروری ۱۹۱۴ء میں پہلی بار چھپا۔

احمد شوقی کے مذکورہ تینوں قصیدے لاجواب سمجھے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت میں ان کا ایک اور قصیدہ ''ھمزیہ'' بھی ہے جسے مصری ''ولد الہدیٰ'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ کیوں کہ اس کے پہلے شعر کا پہلا لفظ یہی ہے۔

یہ قصیدہ اُم الکلثوم کی آواز میں ریکارڈ بھی کیا گیا ہے۔قصیدہ ۱۳۱ اشعار پر مشتمل ہے۔

مضمون نگار نے اردو دان طبقہ کے لیے ایک خوان نعمت یا دولتِ غیر مترقبہ سے نوازا ہے کہ عربی کے اتنے بڑے شاعر کا تعارف ایسے دل نشین انداز میں کروایا۔ ان کے اشعار کے ترجمے ان کی بلند خیالی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور ملتِ اسلامیہ سے خلوص کو ظاہر کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں عربی دان حضرات کی کمی نہیں۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ یہ حضرات ایک حلقہ بنا کر عربی کی کلاسیکی مذہبی اور غیر مذہبی شاعری کا اردو میں ترجمہ کرکے پیش کریں۔ ادب کی زبان سب سے مستحکم ہوتی ہے۔ یہ دلوں کو قریب لاتی ہے۔من وتو کے امتیازات کو ختم کرتی ہیں۔ مصر کے مسلمانوں کا دل اس طرح تڑپتا ہے جس طرح پاکستانی مسلمان کا... دونوں جگہ سے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نغمے پھوٹتے ہیں۔ زبان اور لحن الگ الگ ہوں تو کیا جذبے، ارادے، ایمان ایک ہیں۔ان کا باہم ملانے کی سعی ضروری ہے۔

منیر قصوری : علامہ بوصیری اور ان کی نعتیہ شاعری (''شام وسحر'' نعت نمبر۱)

عربی کے ایک بلند پایہ نعت گو جن کے اشعار پر خود ممدوح نے شاد ہو کر چادر عنایت کی ہو، کے حالات پر منیر قصوری نے اس قدر تفصیل اور جامعیت سے قلم اُٹھایا ہے کہ مضمون ایک مقالہ اور بہ اعتبارِ طوالت ایک کتاب ہے۔ انھوں نے مصر سے قصائدِ بوصیری کی مستند جلد منگوائی۔ اس کے ایک ایک لفظ پر غور کیا، اس کے حسنِ ظاہری اور معنوی سے لطف اندوز ہوئے اور پھر قارئین کے لیے ۵۰ صفحات پر مشتمل ایک مضمون سپردِ قلم کیا۔ اس بیان کو بلا حیل و حجت تسلیم کرلیا جانا چاہیے کہ یہ مضمون معیار کا ہے''شام وسحر'' کے نعت نمبروں میں اس کے پایہ کا شاید ایک آدھ مضمون ہی ملے گا۔ علامہ بوصیری کے نام اور نسب کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''نام محمد، ولدیت سعید، کنیت ابوعبداللہ، لقب شرف الدین رکھتے تھے۔ والد آپ کے قصبہ بوصیر کے رہنے والے

تھے۔ سالِ ولادت کے بارے میں مختلف روایات ہیں جب کہ اتفاق یکم شوال بروز منگل ۶۰۸ھ پر ہے۔ وفات قاہرہ میں ۶۹۶ھ میں ہوئی۔

مضمون نگار نے دیوانِ بوصیری کا جو نسخہ مصر سے منگوایا وہ ۲۹۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں ۳۰ قصائد ہیں۔ چند ہجو ہیں اور چند متفرق اشعار ہیں۔ ان کے ۳۰ قصائد میں سے ۱۴ قصیدے ہیں جو خاص طور پر جنابِ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں لکھے گئے ہیں۔ مضمون نگار نے ان میں سے ہر ایک کی خصوصیات پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔ قصائد کے سلسلے میں چودھویں نمبر پر وہ قصیدہ ہے جو ''قصیدہ بردہ'' کہلاتا ہے۔ اگرچہ تمام قصائد معیار زبان و بیان کے اعتبار کے اعلیٰ درجے کے ہیں لیکن قصیدہ بردہ کو خوشنودئ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف حاصل ہوا۔ اس لیے اس کا مرتبہ عالی سمجھا جاتا ہے۔ مضمون نگار کو اعتراف ہے کہ ''اس کا چرچا صرف عالمِ عرب میں نہیں تمام عالمِ اسلام کے اطراف و اکناف اس کی خوش بو سے مہک رہے ہیں۔ شاید ہی کوئی ایسا ملک، شہر یا قصبہ ہو جس سے قصیدہ بردہ پڑھا نہ جاتا ہو۔ (ص ۱۷۰) اس قصیدے کی برکت سے بوصیری جو فالج میں مبتلا تھے، صحت یاب ہوگئے تھے۔ اس قصیدے میں ۱۶۰/ اشعار ہیں۔ اس کی نمایاں محتویات تشبیب، مدحِ رسول، معجزاتِ رسول کا ذکر، غارِحرا کا ذکر، واقعۂ ہجرت، قرآن شریف کا اعجاز و ایجاز۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت پر فخر، جنگِ حنین، بدر، احد کا تذکرہ اور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے جود و کرم کی باتیں ہیں۔ (ص ۱۷۱)

منیر قصوری نے قصیدے کے اکثر اشعار اور ان کا ترجمہ درج کرکے ان کی خوبیوں کی نشان دہی کی ہے۔ واقعہ یہ ہیکہ اس کا صحیح لطف عربی دان حضرات ہی اُٹھا سکتے ہیں۔ ترجمے سے بہرہ اندوز ہونا چمن کی دُور دُور سے سیر کرنا ہے۔

فاضل مضمون نگار نے جس طرح قصیدہ بردہ کی تفصیلات اور مفاہیم بیان کی ہیں، اس طرح دوسرے تمام قصائد کو بھی پیش کیا ہے۔ یہ مضمون اردو دان طبقہ کے لیے ایک قیمتی تحفے سے کم نہیں۔

علیم ناصری: فارسی میں نعتیہ کلام (''شام وسحر'' نعت نمبر ۱)

علیم ناصری کا موضوع فارسی میں نعتیہ کلام ہے جو اردو داں طبقہ کے لیے اجنبی نہیں ہے۔ لیکن جہاں تک علمی، تاریخی اور ادبی معلومات کا تعلق ہے اہلِ علم کا حصہ ہے۔ علیم ناصری

نے علمی سطح پر بات کرتے ہوئے معلومات میں اضافہ کیا ہے، مثلاً ان کا انکشاف ہے کہ ''یہ تاریخی حقیقت ہے کہ پہلی تین ہجری صدیوں میں فارسی شاعری کا سراغ نہیں ملتا۔ فارسی زبان کا پہلا شاعر رودکی (م۳۰۴ھ) کوتسلیم کیا گیا ہے۔ تیسری صدی ہجری میں فارسی کے کسی نعتیہ شاعر کا نام نہیں ملتا۔ چند شاعروں نے اپنی کتابوں کے آغاز میں روایتاً حمد و نعت کے دو چار شعر شامل کر دیے ہوں گے۔ اسی طرح فردوسی کے ''شاہنامہ'' کی ابتدا میں چند نعتیہ اشعار ہیں ورنہ عنصری، فرخی، منوچہری، وقیقی، اسدی طوسی جیسے قادرالکلام شعرا کے ہاں باقاعدہ نعتیں نہیں ملتیں۔ ایرانی نعت گو شعرا میں انھوں نے ابوالقاسم حسن فردوسی (م۴۱۱ھ) کا سب سے پہلے ذکر کیا ہے۔ بعد کے شعرا میں مجدالدین سنائی غزنوی (م۵۲۵ھ)، عمر خیام (م۵۳۶ھ)، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (م۵۶۱ھ)، خاقانی (م۵۸۲ھ)، نظامی گنجوی (م۶۰۲ھ)، شمس تبریزی (م۶۵۳)، مولانا روم (م۶۷۲ھ)، شیخ مصلح الدین سعدی (م۶۹۱ھ)، جامی، قاآنی شامل ہیں۔ ہند کے شعرا جنھوں نے فارسی میں نعت گوئی کی ان میں مسعود سعد سلمان (م۴۴۴ھ)، خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ (م۶۳۲ھ)، خواجہ معین چشتی اجمیریؒ (م۶۳۳ھ)، خواجہ فرید الدین عطارؒ (م۶۳۷ھ)، شہاب الدین مہمرہ بدایونی (م۷۰۲ھ)، شیخ شرف الدین بوعلی قلندرؒ (م۷۲۴ھ)، امیر خسرو (م۷۲۵ھ)، نصیرالدین ہمایوں (م۹۶۳ھ)، عرفی (۹۹۹ھ)، فیضی (م۱۰۰۴ھ)، خواجہ باقی باللہؒ (م۱۰۱۲ھ)، نظیری نیشاپوری (م۱۰۲۱ھ)، شاہ ابوالمعالی قادری لاہوریؒ (۱۰۲۴ھ)، شیخ عبدالحق حقی محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ)، قدسی (۱۰۵۶ھ)، ولی دکنی (م۱۱۱۹ھ)، عبدالقادر بیدلؔ (۱۱۳۳ھ)، مظہر جان جاناں (م۱۱۸۵ھ)، اسماعیل شہید دہلوی (م۱۲۴۶ھ)، غالب دہلوی (م۱۲۸۵ھ)، غلام احمد شہید (م۱۲۹۶ھ)، احمد رضا خان بریلویؒ (م۱۳۴۰ھ)، زاہدہ خاتون (م۱۳۱۴ھ)، غلام قادرگرامی جالندھری (م۱۳۴۵ھ)، اقبال (۱۳۵۷ھ)، ظفر علی خاں (م۱۳۷۶ھ)، عثمان علی خاں والیٔ دکن (م۱۳۸۶ھ)، منظور احمد مجور (م۱۳۸۸ھ)، ماہرالقادری (۱۳۹۸ھ)، آغا صادق حسین صادق (م۱۳۷۷ھ)، نظیر لدھیانوی، حافظ مہرالدین، غلام نصیرالدین گولڑوی، عبدالعزیز خالد، حفیظ تائب، صوفی محمد افضل فقیر، انور فیروزپوری، فضل حق، محمد اعظم چشتی، خالد بزمی، یزداں جالندھری، منظور سعید احمد کو شامل کیا ہے۔ ہر شاعر کے حصے میں مشکل سے ۴، ۵ سطریں آئی ہیں۔ ۳۴ صفحات میں اس طویل فہرست کے شاعروں کو نمٹ لیا ہے جن میں حالات بھی ہیں اور نمونہ کلام بھی، اختصار کا یہ عالم ہے کہ روایتی ادبی تذکروں کو بھی مات

کر دیا۔ البتہ اسم شماری کی ضرورت پوری ہوگئی ہے۔

خواجہ حمید یزدانی: جویا تبریزی کی نعت (''شام وسحر'' نعت نمبر۴)

فارسی کے نعت گو شعرا کا تذکرہ علیم ناصری نے اپنے مضمون میں مختصراً کیا ہے۔ خواجہ حمید تبریزی نے مغلیہ دور کے کشمیر میں مقیم شاعر کا حال نسبتاً طویل لکھا ہے۔ ان کے والدین ایرانی نژاد تھے جو تبریز سے آکر کشمیر میں قیام پذیر ہوئے۔ جویا کی پیدائش یہیں کی ہے۔ ان کا نام داراب بیگ ہے۔ تاریخِ ولادت کے بارے میں اختلاف ہے۔ البتہ ان کی تاریخِ وفات ۱۱۱۸ھ /۱۳۰۶ء ہے۔ ان کی تاریخِ وفات ''سخن ور'' سے نکلتی ہے۔ ان کے اہلِ دول سے تعلقات قریبی تھے۔ زندگی خوش حالی میں گزاری۔ ''جویا کے کلام میں چھ نعتیہ قصائد، ایک قطعہ اور ایک رباعی ہیں۔ عام قصائد کے برعکس جن کے آغاز میں بہاریہ تشبیب سے ہوتی ہے اس نے شروع سے فضا ایسی قائم کی ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ وہ دنیا کے بجائے دین کی بات کرنے والا ہے۔'' (ص۲۴۲) ''جویا کو احساس ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت گوئی آسان اور معمولی بات نہیں ہے۔ اس کے لیے موجِ کوثر سے بھی زیادہ پاک زبان کی ضرورت ہے اور وہ ایسا ہی اہتمام کرتا ہے۔ (ص۲۴۳) وہ نعت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے اظہار کے لیے تشبیہات وتمثیلات سے کام لیتا ہے اور کہیں قرآنی تلمیحات و اقتباسات سے واضح کرتا ہے۔ (ص۲۴۳)

مضمون نگار نے کئی نعتوں کا تجزیہ کرکے جویا کو فارسی کا اہم نعت گو شاعر قرار دیا ہے۔

پنجابی میں نعت گوئی

پاکستان میں علاقائی طور پر بولی جانے والی زبانوں میں پنجابی سب سے بڑی اور اہم ہے۔ اس کے بولنے والوں کی تعداد صوبے پنجاب کی آبادی کے لحاظ سے سب سے زیادہ ہے۔ یہ پاکستان کی قدیم زبانوں میں سے ایک ہے جو ادبی سرمائے سے مالامال ہے۔ اس کی لوک کہانیاں سینہ بہ سینہ منتقل ہوکر ان کی مقبولیت کی سند بن گئی ہے۔ پنجابی شاعری پر تصوف کا غالب رنگ ہے اور اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت میں کثرت سے کلام ملتا ہے۔ رسالہ ''شام و سحر'' کے نعت نمبروں میں بہت سے مضامین پنجابی نعت گوئی اور نعت گو شعرا پر شائع ہوئے ہیں۔ ان میں سے حسبِ ذیل چار مضامین اردو میں لکھے گئے ہیں۔

''پنجابی نعتیہ شاعری کا ارتقا'' از حفیظ تائب، نعت نمبر۱

''خواجہ فرید کی نعتیہ شاعری'' از جعفر بلوچ، نعت نمبر۱

''لاہور کے نعت گو شاعر'' (۱) از محمد دین کلیم، نعت نمبر۲

''لاہور کے نعت گو شاعر'' (۲) از محمد دین کلیم، نعت نمبر۳

ان کے علاوہ اس موضوع پر جتنے مضامین شائع ہوئے ہیں وہ سب پنجابی زبان میں ہیں۔ رسالہ کے مضامین کے بارے میں عمومی تأثر جو قائم ہوا یہی ہے کہ سب مضامین بلند پایہ، معلومات افزا اور فکر انگیز ہیں۔ لکھنے والے صاحبانِ علم ہیں۔ اس لیے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ پنجابی میں لکھے گئے مضامین یقیناً معیار میں کسی اردو مضمون سے کم نہیں ہوں گے۔ ہمیں اس کوتاہی کا اعتراف ہے کہ ہم پنجابی زبان پر اتنا عبور نہیں رکھتے کہ اہلِ علم کی نگارشات پر رائے دہی کی جسارت کرسکیں۔ اس لیے ان مضامین کا حوالہ دیتے ہوئے اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوتے ہیں اور ماہر زبان پنجابی سے استدعا کرتے ہیں کہ وہ ان کا مطالعہ کرکے ان کی خوبیوں کے بارے میں آگاہی فراہم کریں۔

پنجابی زبان میں لکھے گئے مضامین:

''پنجابی نعتیہ شاعری'' از سلیم خاں گمی، نعت نمبر۱، ص۳۶۱

''راغب قصوری دی نعتیہ شاعری'' از یونس احقر، نعت نمبر۱، ص۳۷۱

''حفیظ تائب دی پنجابی نعت'' از محمد اسلم رانا، نعت نمبر۱، ص۳۷۷

''محمد علی ظہوری دی نعت'' از کلیم شہزاد، نعت نمبر۱، ص۳۸۳

''پنجابی دا ایک نویکلا نعت گو'' از حفیظ تائب، نعت نمبر۲، ص۳۵۳

''پنجابی دے صاحبِ کرامت نعت گو'' حاجی دین محمد گجراتی، از سیّد مسعود ہاشمی، نعت نمبر۲، ص۳۶۱

''مولوی غلام رسول عالم پوری دی نعت'' از حفیظ تائب، نعت نمبر۲، ص۳۶۷

''عبدالحق صابر دی پنجابی نعت'' از آفتاب احمد نقوی، نعت نمبر۲، ص۳۷۱

''پنجابی نعت دا موضوعی پکھ'' از یونس احقر، نعت نمبر۳، ص۳۲۵

''پنجابی نعت دا اک نویکلا شاعر، مولابخش کشتہ، از آفتاب احمد نقوی، نعت نمبر۴، ص۳۴۷

D:NaatRang-15
File: Sham2
Final

''پیر فضل گجراتی دی نعتیہ شاعری'' از حفیظ تائب، نعت نمبر۴، ص۳۵۱

''پنجابی نعت دا سرکڑھواں ناں''، فقیر محمد فقیر، از حفیظ تائب، نعت نمبر۴، ص۳۵۹

''دائم قائم دائم، نعتیہ شاعری دے حوالے نال'' از محمد اکرم رضا، نعت نمبر۴، ص۳۶۳

''صائم چشتی، نبی دا ثناخواں'' از محمد اکرم رضا، نعت نمبر۵، ۴۵۳

''راجا رشید محمود دی نعتیہ شاعری'' از عصمت اللہ زاہد، نعت نمبر۵، ص۴۶۵

''پنجابی نعت دیاں صنفاں'' از آفتاب احمد نقوی، نعت نمبر۶، ص۵۵۶

''ارتقائی دور دی پنجابی نعت'' از آفتاب احمد نقوی، نعت نمبر۶، ص۵۸۷

''مدحت نگارِ احمد مجتبےٰ'' مولوی غلام رسول عالم پوری دی نعت، از محمد صادق جنجوعہ، نعت نمبر۶، ص۶۰۹

حفیظ تائب: پنجابی نعتیہ شاعری کا ارتقا (''شام وسحر'' نعت نمبر۱)

حفیظ تائب اردو اور پنجابی کے ادیب اور نعت گو شاعر ہیں۔ ان کا ہر دو زبانوں کا مطالعہ وسیع ہے۔ عربی اور فارسی سے بھی واقفیت رکھتے ہیں۔ انھوں نے ایک ایسے موضوع پر قلم اُٹھایا ہے جو بہت وسیع ہے۔ اس کو ایک مضمون میں سمیٹ لینا ہی ان کے فنِ قلم کاری کا کمال ہے۔ انھوں نے حضرت شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر (وفات ۶۷۹ھ/۱۲۸۰ء) کو پنجابی کا پہلا شاعر قرار دیا ہے اور ان کے ایک شعر کے حوالے سے کہا ہے کہ اسے پڑھ کر ان کا دھیان ''ہمیشہ پندرھویں سیپارہ کی پہلی آیت کی طرف جاتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرمایا ہے۔ (ص۲۱۹) اسی دور کے حاجی بابا رتن (وفات ۱۱۲۰ھ) کا اکادکا نعتیہ کلام بھی مل جاتا ہے۔ بابا نانک (وفات ۱۵۳۹ء) کے بھی نعتیہ اشعار ملتے ہیں۔ ان حوالوں سے مضمون نگار نے یہ ثابت کرنا چاہا کہ پنجابی میں نعت گوئی کا آغاز ساتویں صدی ہجری میں ہو چکا تھا۔ لیکن ابتدائی صدیوں کا کلام دست برد زمانہ ہوگیا۔ صرف آثار باقی رہ گئے ہیں۔ گیارھویں صدی ہجری میں یہ روایت مستحکم ہوئی۔ نعت گوئی عام ہوئی اور اس کے آثار و شواہد محفوظ رہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے مولوی عبداللہ لاہوری کا حوالہ دیا ہے۔ جن کے کلام میں وافر تعداد میں نعتیہ اشعار ملتے ہیں۔'' اس کے بعد ادب اسلامی کے چمن زار میں بہار آئی پھر پنجابی کی شاید ہی کوئی کتاب ایسی لکھی گئی جس میں نعت نہ ہو۔'' (ص۲۲) انھوں نے حافظ رانجھا برخوردار، حضرت سلطان باہو، علی حیدر ملتانی، بلھے شاہ، وارث شاہ، احمد یار مرالوی، قادر باز، غلام رسول غلام،

محمد مسلم، عبدالستار، سیّد فضل شاہ نواں کوٹی، محبوب العالم، غلام رسول عادل گڑھی، غلام نبی کلانوری، غلام رسول عالم پوری، خواجہ غلام فرید کا مختصراً تذکرہ کرنے کے بعد اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ ''گزشتہ ایک صدی میں پنجابی شعرا نے نعت اور سیرت کے جو ذخائر فراہم ہوئے ہیں ان کا احاطہ ایک مضمون میں کسی طرح ممکن نہیں۔ اس دور کی تصانیف کی ایک فہرست پیش کی جاتی ہے جس سے پنجابی نعت نگاروں کے کارناموں کا کسی حد تک اندازہ ہو سکے گا۔'' (ص۲۲۳)

نعت نگاروں کی فہرست ان کی تصانیف کے ص۲۲۳ کے آخر سے شروع ہو کر ص۲۲۸ یعنی مضمون کے اختتام تک جاری ہے، اس میں سیکڑوں کتابوں کا اندراج ہے۔

جعفر بلوچ: خواجہ فرید کی نعتیہ شاعری، (''شام وسحر'' نعت نمبر۱)

جعفر بلوچ کا خیال ہے کہ ''اردو کے اوّلین ادبی نقوش کی طرح پنجابی اور سرائیکی کے اوّلین ادبی نقوش بھی دینی افکار کے رنگ اور نور سے مزین ہیں۔'' (ص۳۰۵) انھوں نے پنجابی زبان کے پہلے مؤقر اور معتبر شاعر حضرت بابا فرید کو قرار دیا ہے۔ ان کی شاعری شریعت کی مستعد پاسداری ہے۔ جعفر بلوچ نے ان کے خاندانی پس منظر کو پیش کیا ہے اور نتیجہ نکالا ہے کہ یہ خاندان کئی پشتوں سے روحانی اور دینی خدمات انجام دیتا رہا تھا۔ ان کے بڑے بھائی اور مرشد خواجہ غلام فخرالدین اوحدی صاحبِ دیوان شاعر تھے۔'' دیوان اوحدی اور کلیاتِ فرید کے تقابلی مطالعے سے خواجہ فرید کی شاعری پر خواجہ غلام فخرالدین کے وجدانی فیضان کا علم ہوتا ہے۔ مضمون نگار نے خواجہ فرید کے حالاتِ زندگی کے بجائے ان کی سیرت اور کردار پر کافی روشنی ڈالی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کھوئے ہوئے تھے۔ انھوں نے ملتانی زبان میں کافیاں لکھنے کے علاوہ سندھی، ہندی، سنسکرت، اردو اور فارسی میں بھی کافی اشعار کہے۔ خواجہ صاحب کے ہاں صوفیانہ حوالے سے تکریم حبیبِ خدا کی ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ وحدت الوجود کے آئینے میں حسنِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے جلوے دیکھتے ہیں۔'' (ص۳۰۸) خواجہ صاحب اپنے دور کے معتبر عالم بھی تھے۔ اس لیے ان کے نعتیہ ادب میں قرآن، حدیث اور فقہی اصطلاحات کے حوالے بار بار آتے ہیں۔ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرآنی اسما سے بھی اپنی نعتوں کو آراستہ کیا ہے۔ حدیث کو منظوم کرنے یا تلمیحات کے انداز میں اس کا حوالہ دینے کا ملکہ انھیں حاصل تھا۔

جعفر بلوچ نے خواجہ فرید کی شاعرانہ خصوصیات کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ

''رمز و ایما صرف غزل ہی کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ باکمال شعرا نے ''مریز و کجدار'' کے اس نیرنگِ زار سے دوسری اصناف میں بھی کام لیا ہے۔ خواجہ صاحب نعت میں بھی اس خصوصیت کو برتتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے ہاں حرف برہنہ کی کم عیاری کی بجائے ایسا پیرایہ ہے جس پر ادب آمیز رمز کا زرنگار غلاف ہے۔ ان کی کافیوں میں رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی اسمِ گرامی بار بار نہیں آتا بلکہ وہ عموماً صفاتی ناموں میں اپنے مضمونِ نعت کو فروزاں کرتے ہیں۔'' (ص ۳۱۴)

جعفر بلوچ نے خواجہ فرید کے کلام کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔ اور اس کی خصوصیات کو محسوس کرتے ہوئے ان کو قارئین تک پہنچانے کا حق ادا کیا ہے۔ وہ اشعار نقل کرنے اور مفہوم بتلانے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ مضمون، زبان اور اندازِ بیان کی نشان دہی بھی کرتے جاتے ہیں۔ ان باتوں سے ہی استحسان کا حق ادا ہوتا ہے۔

محمد دین کلیم : لاہور کے نعت گو شعرا (''شام وسحر'' نعت نمبر۲۔۳)

رسالہ ''شام وسحر'' کے نعت نمبروں میں ''پنجابی میں نعت گوئی'' کے موضوع پر جو مضامین اشاعت پذیر ہوئے سطورِ بالا میں ان کی تفصیل درج کرنے کے بعد ہم ان مضامین کا سرسری جائزہ لینا ضروری سمجھتے ہیں جو لاہور کے بارے میں شائع ہوئے۔

''لاہور کے نعت گو شعرا' کے زیرِ عنوان محمد دین کلیم کا ایک مضمون دو حصوں میں شائع ہوا۔ پہلے حصے کی اشاعت کے ساتھ ادارہ کی جانب سے یہ نوٹ دیا گیا ہے:

> محمد دین کلیم کی شخصیت مؤرّخ لاہور کی حیثیت سے جانی پہچانی ہے۔ انھوں نے اس مضمون میں ان مرحوم شعرا کی یادوں کو ان کے نعتیہ کلام کے حوالے سے تازہ کرنے کی کوشش کی ہے جو لاہور میں پیوندِ خاک ہوئے۔ اس مضمون میں ان شعرا کو شامل نہیں کیا گیا جن کا ذکر ''نعت نمبر ۱۹۸۱ء'' میں آچکا ہے۔ مدیر (ص ۲۷۹)

زیرِ نظر پہلے حصے میں ان نعت گو شعرا کو پیش کیا گیا ہے جو ۱۹۸۲ء سے قبل وفات پائے اور لاہور میں دفن ہوئے۔

مضمون نگار نے پنجابی کے قدیم نعت گو شعرا میں سرِفہرست ''مسعود سعد سلمان لاہوری'' کا رکھا ہے۔ ان کی شخصیت روایات کی بنا پر زندہ ہے۔ اردو اور پنجابی ہر زبان کے

ماہرین اپنی تحریروں کو ان کے ذکر سے زینت بخشتے ہیں لیکن ان کا کسی زبان میں کلام برآمد نہیں ہوا ہے۔ جستہ جستہ اشعار ہر زبان کے ان سے منسوب ملتے ہیں، جن کے حوالے مستند ہونے کی کوئی شہادت نہیں ہے۔

اس طویل مضمون میں جو۴۲ صفحات (ص۲۷۹ تا ۳۲۰) پر پھیلا ہوا ہے۔ انیسویں صدی عیسوی کے نعت گو شعرا کو شامل کیا ہے جن کی تعداد تقریباً اسّی ہے۔ ان میں فارسی، عربی اور پنجابی زبانوں کے شاعر بلاتخصیص شامل کیے گئے ہیں۔ ان کا انداز روایتی ادبی تذکروں کا ہے۔ شاعروں کے احوال مختصراً بیان ہوئے ہیں۔ سب سے اہم بات جو تذکروں کے برخلاف ہے سنین اور تصانیف کا التزام ہے۔ ہر شاعر کی تاریخِ پیدائش اور تاریخِ وفات کی صراحت کی وجہ سے شاعر کے دور کا آسانی سے تعین کیا جاسکتا ہے اور تصانیف سے ان کے رجحانات کا پتا چلتا ہے۔ کہنے کو یہ ایک مضمون ہے لیکن اس کو پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مضمون نگار نے محنت شاقہ سے کام لیا ہے۔ رسالہ کی ضخامت حائل نہ ہوتی تو یقیناً موضوع کو وسعت دینے کی گنجائش تھی۔ لیکن جو کچھ اس مضمون میں ہے وہ معلومات کا بیش بہا خزانہ ہے۔ اختصار کی وجہ سے اشعار کے حوالے نہیں دے سکے۔ اس کامیاب کوشش پر مضمون نگار اور اس کی اشاعت پر ادارہ ''شام و سحر'' داد کے مستحق ہیں۔

اس مضمون کا دوسرا حصہ نعت نمبر۳ میں چھپا ہے۔ اس کی ابتدا میں صراحت کی گئی ہے کہ:

> قبل ازیں میرا مقالہ ''لاہور کے نعت گو شعرا'' ماہنامہ ''شام وسحر'' کے نعت نمبر ''نقشِ ثانی'' ۱۹۸۲ء میں شائع ہو چکا ہے۔ جس میں مدینۃ الاولیا لاہور کے ابتدا سے ۱۹۸۲ء تک ان لاہوری شعرا کا نعتیہ کلام پیش کیا گیا جو لاہور میں مدفون ہیں۔ اب ''لاہور کے حیات نعت گو شعرا'' کا تذکرہ پیش کیا جا رہا ہے... یہ تذکرہ ۱۸۹۶ء سے ۱۹۸۲ء تک محیط ہے۔ (ص۲۴۱)

مضمون کی ابتدا میں ایک فہرست ان شعرا کی مع صراحت مطبوعہ مجموعہ ہائے نعتیہ کلام دی گئی ہے اس میں چودہ شاعر شامل ہیں۔ ۱۶ صفحات (ص۲۴۱ تا ۲۵۶) کے اس مضمون میں اٹھائیس شاعروں کا ذکر ہے جن کا تعلق بیسویں صدی سے ہے اور جو۱۸۸۲ء میں زندہ تھے۔ ان

میں زیادہ تعداد اردو کے شاعروں کی ہے۔ اس طرح معلومات سے پر دو قسطوں اور تقریباً ۶۰ رصفحات پر پھیلا ہوا مضمون اپنے تابندہ نقوش چھوڑ گیا ہے۔ ان پر تحقیق کی ایک وسیع اور جامع تاریخ مرتب کی جاسکتی ہے۔ جس میں اہلِ لاہور یقیناً فخر کریں گے۔

غلام حسین اظہر: گوجری نعت (''شام وسحر'' نعت نمبر۲)

غلام حسین اظہر گوجری کو قدیم ترین زبان مانتے ہیں۔ ان کے خیال کے مطابق دکنی اور گوجری زبانوں کی اصل ایک ہے اور دکنی ادبیات کی طرح گوجری ادبیات کو بھی اردو پر تقدم حاصل ہے۔ انھوں نے اس دعوے کی دلیل نہیں دی اس دور کی تصانیف کا احوال دیا ہے۔ وہ یہ لکھ کر اس سے صرفِ نظر کر گئے ہیں۔ ''اردو کے دکنی دور کا جائزہ بہت سے محققین لے چکے ہیں۔ اردو کے دکنی دور کی ساری شاعری گوجری میں ہے۔ اس وجہ سے اس دور کا جائزہ لینا تکرار محض ہوگا۔ اس لیے ہم اگر جدید دور کی شاعری پر ہی نگاہ ڈالیں تو بہتر ہے۔'' (ص۱۸۳)

مضمون نگار نے جدید گوجری کا اہم شاعر رانا فضل حسین کو قرار دیا ہے۔ ان کا نعتیہ کلام کتابی صورت میں منظرِعام پر آچکا ہے۔ ''ان کی نعت میں قدیم اور جدید کا حسین امتزاج ہے۔ ان کے ہاں احترام اور عقیدت کا وہ بے پایاں جذبہ موجود ہے جو نعت کی جان ہے۔ ان کے نزدیک زندگی کے وہی لمحات حاصل زیست ہیں جو ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں گزریں۔'' (ص۱۸۳) ساتھ ہی فضل حسین کے متعدد اشعار مع ترجمہ دیے ہیں۔ فضل حسین کا تذکرہ ان کے کلام پر تبصرہ سیرحاصل ہے جو کئی صفحات پر محیط ہے۔

مضمون نگار نے فضل حسین کے بعد دوسرے شاعر مولانا محمد اسمٰعیل ذبیح کا ذکر کیا ہے۔ ان کے کلام پر عمومی تبصرہ یہ ہے۔'' ان کی نعت میں اس حقیقت کا اظہار ملتا ہے کہ رنگ و نسل اور دیگر امتیازات کو مٹا کر بنی نوع انسان کو ہر قسم کی غلامی سے نجات دلانے کا عظیم کارنامہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انجام دیا ہے۔ ان کی نعت میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ایک مینارۂ نور کی صورت ہے جس کے ایک طرف اوہامی تمدن ہے اور مختلف انواع کی غلامی کے پنجے میں لہولہان انسانیت ہے۔ اور دوسری طرف روشنی کا نور جس نے عقل وشعور کا اُجالا پھیلایا اور ہر نوع کی غلامی و امتیازات کو مٹایا۔'' (ص۱۸۶) ذبیح کا کلام بھی مع ترجمہ و تفصیل لکھا گیا ہے۔

مضمون نگار نے نئی نسل کے شاعروں میں سرور صحرائی، صابر آفاقی، مخلص وجدانی، فیض اللہ جوشی، سرتاج راجوری، مہرالدین قمر کے نام دیے ہیں جب کہ سرور صحرائی اور مہرالدین قمر کے اسلوب پر روشنی ڈالی ہے۔ ان کے خیال میں ''نعت کے میدان میں گوجری زبان دوسری زبانوں کی ہم پلہ ہے اور اس میں فکر کی عظمت اور بیان و زبان کی ملاوٹ کے کئی ایسے دل آویز اور فکر انگیز رجحانات موجود ہیں جو اس کے نعتیہ ذخیرہ کو ایک بلند مقام عطا کرتے ہیں۔''
(ص۱۸۹)

نوازعلی شوق : سندھی نعتیہ شاعری کا مختصر جائزہ (''شام وسحر'' نعت نمبر۱)

نوازعلی شوؔق سندھی کے ہی اہلِ زبان نہیں بلکہ اردو پر بھی انھیں دسترس حاصل ہے ان کو اردو کا اہلِ زبان کہنے میں کوئی امر مانع نہیں۔ شوؔق کو تاریخِ سندھ، تاریخِ اسلام اور ادبیاتِ سندھ سے گہرا لگاؤ ہے۔ انھوں نے سندھی نعتیہ شاعری کا مختصر جائزہ پیش کیا ہے۔ اس اختصار کے باوجود ان کا مضمون جامع ہے۔

مضمون کے ابتدائی حصے میں جو حقائق بیان کیے ہیں ان سے اسلام اور سندھ کے گہرے رشتوں کا پتا چلتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ''برصغیر پاک و ہند میں سب سے پہلے صوبہ سندھ اسلام کے نور سے منور ہوا اور اسی لیے سندھ کو ''باب الاسلام'' بننے کی سعادت نصیب ہوئی۔ مکتوباتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مجموعہ سب سے پہلے دیبل (سندھ) کے ایک عالم ابوجعفر بن ابراہیم نے مرتب کیا۔ قرآن شریف کا پہلا ترجمہ ۲۷۰ھ میں سندھی میں ہوا۔ اس سرزمین میں ایسی عظیم الشان شخصیتیں پیدا ہوئیں جن پر پورے عالمِ اسلام کو فخر ہے۔'' (ص۲۳۱)

مضمون نگار کے تعارفی کلمات کے بعد عربی میں نعت گوئی کا اجمالاً ذکر کیا ہے۔ وہ سندھی شاعری کی خصوصیات سمجھاتے ہوئے لکھتے ہیں:

> وائی یا کافی سندھی زبان کی مقبول صنف ہے۔ اس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ حمد و نعت، منقبت، تصوف، عشق و محبت وغیرہ کے موضوعات پر شعرائے کرام نے بہت عمدہ کافیاں کہی ہیں جن کافیوں میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت اور ثنائیاں کی جاتی ہیں۔ ان کو ''مولود'' کا نام دیا گیا ہے۔ یہ ہیئت کے لحاظ سے خالص سندھی صنف ہے جو سندھ میں رائج ہے اور سندھی ماحول کی پیداوار ہے۔ سندھ کے عظیم محقق، ادیب اور

D:NaatRang-15
File: Sham2
Final

دانش ور ڈاکٹر نبی بخش خاں بلوچ کی تحقیق کے مطابق مولود ساتویں صدی ہجری سے مروّج ہوئے۔ (ص۲۴۳)

انھوں نے ڈاکٹر نبی احمد بلوچ کے تحقیقی کارنامے بیان کرتے ہوئے سندھی لوک ادب اسکیم کا بھی ذکر کیا ہے جس کے تحت سندھی ادبی بورڈ کے توسط سے ڈاکٹر صاحب موصوف نے ۳۶ کتابیں شائع کروائی ہیں جن میں ''مداحوں ءِ مناجاتو''، ''معجزا'' اور ''مولوُ'' شامل ہیں۔ آخرالذکر میں ۱۸۵ شعرا کا منتخب نعتیہ کلام شامل ہے۔ ''کافی'' کے موجود مکمل نمونے بارھویں صدی ہجری کے آغاز کے ہیں۔ شاہ عنایت رضوی کے کلام کا نام ''مولوُ'' ہے۔ ان کے بعد شاہ عبداللطیف بھٹائی کا زمانہ ہے۔ شاہ لطیف نے کافی، دوہے اور وائی ہر ایک میں نعتیہ کلام کہا ہے۔ شاہ لطیف کے ہم عصر عبدالرؤف بھٹی (وفات ۱۱۶۶ھ) ہیں۔ وہ خالصتاً مولود کے شاعر ہیں۔ اس مضمون میں مخدوم عبدالرحیم گرہوڑی، مخدوم محمد اسمٰعیل، حضرت سچل سرمست، رمضان کمھار، حمل خاں لغاری، سیّد غلام محمد شاہ گدؔا، حاجی امام بخش خادم، میر عبدالحسین خاں سانگی، شمس العلما مرزا قلیچ بیگ، محمد ہاشم مخلص، مولانا عبدالغفور ہمایونی، مولوی محمد عاقل، فقیر ہدایت علی نجفی تارؔی، لطف اللہ بدوی، حافظ عبداللہ بسؔمل، آسورام، رانا بھگوان داس، پرس رام کا ذکر مختصراً آ گیا ہے اور ان کے سندھی کلام کے نمونے درج کیے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے شاعروں کے صرف نام دینے پر اکتفا کیا ہے اور آخر میں شوق نے اپنے سندھی نعتیہ اشعار بھی دیے ہیں۔ مضمون سے واضح ہوتا ہے کہ سندھ میں نعت گوئی کی روایت نہایت مستحکم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت کا اظہار ہر دور میں پورے خلوص اور شاعرانہ فن کاری کے ساتھ کیا گیا ہے۔ ضروری ہے کہ سندھی میں نعتیہ شاعری پر جامع تحقیقی کام کیا جائے جس کا تعارف دیگر زبانوں کے ذریعہ بھی ہو۔

خاطر غزنوی: پشتو میں نعت گوئی (''شام وسحر'' نعت نمبر۱)

خاطر غزنوی نے ''پشتو ادبیات کی تاریخ'' کے حوالے سے لکھا ہے کہ پشتو زبان کو قدیم زبانوں کی صف میں جگہ دی جاتی ہے۔ اس کی قدامت پر کئی مستشرقین نے صاد کیا ہے اور اسے سنسکرت اور ژنداوستا کی بہن قرار دیا ہے۔ بعض اسے نہ ایرانی اور نہ ہندی گھرانے کی زبان سمجھتے ہیں بلکہ ان کا دعویٰ ہے کہ پشتو جو اصل آریائی زبان ہے اور آریائی زبان سے پیدا ہوئی ہے۔ (ص۲۴۱) ان کا یہ بھی خیال ہے کہ برصغیر میں سب سے پہلے پشتونوں نے اسلام قبول کیا

اور یہ قوم خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح معنوں میں پیروکار ہے۔ پشتونوں میں نماز نہ پڑھنے والا نفرت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

پشتو کی پہلی معلوم نظم امیر کروڑ کی لکھی ہوئی ہے جو ۱۳۹ھ کے لگ بھگ لکھی گئی ہے۔ یہ امیر کروڑ کا اپنا شجاعانہ قصیدہ ہے۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ اسلامی ماحول میں زندگی گزارنے کے حوالے سے امیر کروڑ نے ضرور نعت کہی ہوگی جو دستیاب نہیں ہے۔ پشتو ادب کے قدیم ترین صنف ٹپہ ہے جو لوک گیت کا درجہ بھی رکھتا ہے۔ ٹپوں میں ہر موضوع اپنایا گیا ہے۔ اس صنف میں نعتیہ کلیاں ملتی ہیں۔ پشتو کے ابتدائی دور کے شاعروں کا کلام مفقود ہوچکا ہے یا برائے نام محفوظ ہے۔ مضمون نگار بتلاتے ہیں کہ ''پشتو ادب کے ابتدائی شعرا میں نعتیہ کلام ملامست زمند کے ہاں ملتا ہے۔ یہ دسویں صدی ہجری کے وسط میں پیدا ہوئے۔ وہ ایک نامور عالم، مصنف اور شاعر تھے۔ ان کی کتاب ''سلوک الغزات'' جہاد کے بارے میں ہے۔ (ص۲۴۳) مضمون نگار نے ملامست زمند کے دو نعتیہ شعر بھی درج کیے ہیں اور ان کا ترجمہ بھی درج ہے۔

دیگر نعت گو شعرا میں دولت لوہانی، بی بی نیک بختہ، مرزا خاں انصاری، بایزید انصاری، امیر، ملا الف ہوتک، رحمٰن بابا، معزاللہ مہمند، خواجہ محمد بنگش، کاظم خاں شیدا، پیر محمد کاکڑ، احمد شاہ ابدالی، حافظ الپوری قدیم شعرا کے زمرے میں آتے ہیں جن کے مختصر ذکر کے ساتھ ساتھ ان کے کلام کے نمونے مع ترجمہ دیے گئے ہیں۔

جدید دور میں تقریباً سبھی شعرا نے نعتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لکھنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ ان میں حاجی سمندر بدرشوی اور امیر حمزہ شنواری قابلِ ذکر ہیں۔ حاجی سمندر خاں نے ''وقرآن ژڑا'' یعنی ''گریہ قرآن'' کے نام سے ایک شعری مجموعہ شائع کیا ہے۔ انھوں نے صرف بسم اللہ کی تفسیر میں چالیس ہزار شعر لکھے ہیں۔ جدید دور کے ہر شاعر کے ہاں نعت کا نیا انداز ملتا ہے۔

اشرف بخاری: جدید پشتو ادب میں نعت گوئی (''شام وسحر'' نعت نمبر۲)

اس مضمون کو خاطر غزنوی کے مضمون کی کڑی سمجھا جائے۔ خاطر غزنوی کی طرح اشرف بخاری نے بھی نعت کو پشتو ادب میں قدیم روایت قرار دیا ہے۔ ان کے خیال میں ''اکابر پشتو شعرا کے صف میں کوئی ایک شاعر بھی ایسا نظر نہیں آتا جو نعت کہنے کی سعادت سے محروم رہا ہو۔'' (ص۱۹) یہ سلسلہ دورِ جدید میں بھی جاری ہے۔ جدید دور کے ممتاز شعرا میں حمزہ شنواری،

قلندر مہمند، اجمل خٹک، ولی محمد طوفان، عبداللہ استاد، مرزا زخمی جگر، حاجی محمد امین، سیّد رسول رسؔا، سمندر خاں سمندؔر، پری شان خٹک، سردار خاں فؔنا، ایوب صابر، ساحر آفریدی، محمد اعظم اعظؔم، طالب کلاچوی، مطیع اللہ قریشی، سیّد بشریٰ بیگم، داور خاں داؤد وغیرہ کے مجموعہ ہائے کلام میں کم سے کم ایک آدھ نعت ضرور ملتی ہے۔ (ص۱۹۱) مضمون نگار نے پشتونوں میں ایک ایسے شعرا کے طبقے کا ذکر کیا ہے جن کو ''اولسی شعرا'' یعنی عوامی شاعر کہا جاتا ہے۔ ان کا کلام چھپتا نہیں ہے نہ وہ اس کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ عوام سے ہوتے ہیں۔ ان کی ذہنی سطح عامۃ الناس کی ہوتی۔ ان کا بیشتر کلام نعتیہ ہوتا ہے۔

پشتو میں نعتیہ کلام کی متعدد ہیئتیں رائج ہیں جیسے غزل، مثلث، مخمس، مستزاد، چار بیتی وغیرہ ان تعارفی کلمات کے بعد مضمون نگار نے کسی تفصیل میں گئے بغیر متذکرہ بالا شعرا کے کلام کے نمونے مع ترجمہ درج کر دیے ہیں۔

کامل القادری: بلوچی میں نعت گوئی (''شام وسحر'' نعت نمبر۲)

بلوچی کو تحریری زبان بنے زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔ اس کا ادب گانے والوں اور داستان سراؤں کے سینے میں محفوظ ہے۔ بلوچستان میں انگریزوں کی آمد کے بعد اس نے تحریری شکل اختیار کی۔ جو سرمایۂ ادب قدیم تحریر میں آیا وہ اصل کے سمندر کے ایک قطرے سے بھی کم ہے۔ اس لیے وثوق سے شاعرانہ رجحان کا تعین آسان نہیں ہے۔ مضمون نگار کا خیال ہے کہ ''بلوچی شاعری کے قدیم ترین عوامی شاعری یا کلاسیکل شاعری میں حمدیہ اشعار ملتے ہیں یا پھر حضرت علی یا بزرگانِ دین کی منقبت میں اشعار ملتے ہیں کہیں یہ دیکھ کر حیرت کی انتہا نہیں رہتی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کوئی شعر نہیں ہے۔ (ص۱۵۱) ''یہ مسئلہ تحقیق طلب ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے بلوچی کی قدیم شاعری یکسر خالی کیوں ہے؟ کیا یہ قرامطی اثرات کا نتیجہ یا محض ادباً بلوچی شعرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لینے سے گریز کرتے رہے ہیں۔ (ص۱۵۱)

کامل القادری کی تحقیق کے مطابق انگریزوں نے عیسائی مذہب کی تبلیغ کی خاطر بائبل کے ''یوحنا'' کا ترجمہ بلوچی زبان میں کر کے بلوچستان بھیجا۔ یہی قدیم بلوچی رسم الخط کا نمونہ ہے۔ اس ترجمہ اور اس کے مقصد کی وجہ سے بلوچستان میں گویا مخالفت کی آگ بھڑک اُٹھی۔ اس کے ردِّعمل کے طور پر دُرخان کے مقام پر مولانا فاضل درخانی نے ایک مدرسہ قائم کیا اور

بلوچی زبان میں دینی کتب کی اشاعت کا اہتمام کیا۔قرآن پاک کا براھوی اور بلوچی زبانوں میں ترجمہ ہوا۔شعرا کے کلام کے مجموعے شائع ہوئے۔ ان دُرخانی مدرسہ فکر کے شعرا کے کلام میں نعتیں شامل ہیں۔ مدرسہ دُرخانی کے نامور شعرا میں مولانا عبدالمجید، مرادعلی رئیسانی، صوفی عبداللہ منگھری، مولانا محمد اسمٰعیل، ذگر مینگل، حاجی نیر خاں اور ملا گہرام وغیرہ ہیں۔ اسی مدرسہ سے ''عنایت النعت'' شائع ہوئی جس میں دینِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان سے چند نظمیں اور نعتیں شامل ہیں۔ مدرسہ دُرخانی کے شعرا اور ادبا نے تبلیغی لٹریچر تیار کیا جس میں شعریت، شاعرانہ حسن اور حسن ادا نام کو نہیں۔

بیسویں صدی کے دو صوفی منش شاعر چگھا بزدار اور جواں سال بگٹی ہیں جن کا کلام صوفیانہ ہے۔ انھوں نے نعت تو نہیں کہی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بالواسطہ کیا ہے۔ جنگِ آزادی کے دوران تحریک کو آگے بڑھانے کے لیے اردو سے کام لیا گیا۔ بلوچی میں قابلِ ذکر لٹریچر تخلیق نہیں ہوا۔ البتہ بلوچی شاعری اور ادب کا سنہری دور ۱۹۴۷ء میں پاکستان کے قیام کے بعد شروع ہوا۔ ۱۹۴۹ء کے بعد کا زمانہ وہ ہے جس میں بلوچی ادب نے نشوونما کی ایک نئی سطح پائی۔ نہ صرف نعت بلکہ غزل، آزاد نظم، ورس لبری اور جدید تکنیک میں بلوچی میں نظمیں لکھی جانے لگیں۔ (ص۱۵۳) اس دور میں پرانے شعرا جو ۱۹۴۹ء سے قبل فارسی اور اردو میں شعرا کہتے تھے۔ نوجوان نسل کے شانہ بہ شانہ بلوچی میں شاعری کرنے لگے۔ اسی دور میں نعت گوئی کی جانب خاطرخواہ توجہ کی گئی۔ قاضی عبدالرحیم صابرؔ، حق گو، میر عیسیٰ خاں قومی، حاجی عبدالسلام جیسے پرانی وضع کے شاعروں کے متوازی نوعمر شعرا، مثلاً عطا شاد، غنی غریب، عنایت اللہ قومی، مبارک قاضی وغیرہ نعتیں لکھنے لگے۔

مضمون نگار کا خیال ہے کہ ''یہ سوال صرف نظر کر دینا چاہیے کہ ادبی لحاظ سے وہ شعرا کی نعتیں کس معیار کی ہیں کیوں کہ نعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شیفتگی اور حب کا اظہار ہوتا ہے۔ حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اظہار جس انداز، لب ولہجہ، زبان، ہیئت و آہنگ میں ہو، خوب ہوتا ہے۔ (ص۱۵۳) بلوچی میں نعت کے لیے ''وزبت'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

''بلوچی شخصیت پرست نہیں لہٰذا جب وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات کا ذکر کرتے ہیں تو ان کے اوصاف بیان کرتے ہیں۔ وہ فارسی اور اردو کے شاعری کی طرح سراپا نگاری سے نہیں کرتے۔ وہ مجازی عشق کے اندازِ بیان یعنی غزلیہ ڈکشن کو نعت میں

بروئے کار نہیں لاتے۔ وہ اسوۂ حسنہ بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ لہٰذا بلوچی شاعری میں وہ افراط و تفریط نظر نہیں آتی جو اردو اور فارسی یا عربی کے نعتیہ کلام میں پائی جاتی ہیں۔ (ص۱۵۹۔۱۶۰)

بلوچی نعت گوئی کے رواج کو ابھی سو سال بھی نہیں ہوئے۔ اس لیے بلوچی نعت گوئی کی روایت مستحکم نہیں ہوئی ہے، بن رہی ہے۔

عبدالرحمٰن براہوی: براہوی نعت گوئی (''شام وسحر'' نعت نمبر۲)

عبدالرحمٰن براہوی کا خیال ہے کہ بیسویں صدی کے نصف اوّل تک براہوی زبان میں تقریباً ایک ہزار کتابیں شائع ہوچکی تھیں۔ ان سب کی ابتدا میں حمد و نعت ضرور ہیں۔ ان میں قدیم ترین کتاب آٹھویں صدی ہجری کی ہے۔ براہوی ادب کی طرف پوری توجہ تیرھویں صدی ہجری میں اس وقت دی گئی جب شیخ البلوچستان علامہ فاضل دُرخانی نے ایک دینی مدرسہ قائم کیا۔ اس مدرسہ سے بلوچی اور براہوی زبانوں کی سیکڑوں کتابیں شائع ہوئیں۔ ان میں بھی حمد و نعت موجود ہیں۔

براہوی میں تاحال جو قدیم ترین نعت برآمد ہوئی ہے وہ ملا ملک داد قلاتی کی ہے۔ وہ اٹھارویں صدی عیسوی کے شاعر ہیں۔ ان کی تصانیف میں صرف ''تحفۃ العجائب'' دستیاب ہے جس کی تکمیل ۱۱۷۳ھ/ ۱۷۶۷ء میں ہوئی تھی۔ اس میں کل ۲۷۵ اشعار ہیں۔ ابتدا میں حمد ہے اس کے بعد نعت اور منقبت ہیں۔ اٹھارویں صدی عیسوی کا دوسرا شاعر جس کی نعت دستیاب ہے بلو ہے۔ اس کی تصنیف مثنوی ''ماہ گل'' میں نعت کے چند بند ہیں۔ بعد کے شاعروں میں مولانا نبو خاں (پیدائش ۱۸۵۱ء)، حاجی عبدالمجید چوتوئی (پیدائش ۱۸۷۶ء)، مولانا محمد عمر دین پوری (پیدائش ۱۸۸۱ء)، مولوی عبداللہ دُرخانی (پیدائش ۱۸۸۱ء)، مولانا مرادعلی رئیسانی، پیر محمد نیمرنی، پیر محمد زہیرانی، جمال بادینی، حافظ سعید احمد، کریم بخش سائل، میر گل خاں نصیر، خلیفہ گل محمد نوشکوی، صوفی عبداللہ منگچری، جوہر براہوی، محمد اسحاق سوز ہیں۔ مضمون نگار نے ہر ایک کے بارے میں چند سطری تعارف کے بعد ان کے اشعار مع ترجمہ دیے ہیں۔ ان اشعار میں شعرا کی عقیدت اور محبت چھلکتی نظر آتی ہے۔

مضمون مختصر ہے اس کی اہمیت اس حد تک ہے کہ براہوی زبان میں نعت گوئی کا ہلکا

سا خاکہ ذہن میں قائم ہوجاتا ہے لیکن تفصیلی تبصرے اور تنقید کے لیے تشنگی باقی رہ جاتی ہے۔

صابر آفاقی : کشمیری میں نعت گوئی (''شام وسحر'' نعت نمبر۲)

صابر آفاقی نے اپنے مضمون کی ابتدا میں مؤرّخ کشمیر پنڈت کلہن کی شہرۂ آفاق تاریخ ''راج ترنگی'' کے یہ الفاظ اقتباس کیے ہیں کہ:

> کشمیر میں فقط روحانی قوت سے قبضہ کیا جاسکتا ہے۔ یہ خطہ ہندو اور بدھ تہذیب کے ادوار میں بھی روحانیت کا گہوارہ رہا ہے مگر جب اسلام یہاں پہنچا تو لوگ خدا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاکر پاکیزہ زندگی گزارنے لگے۔ کشمیر کے شعرا دیگر زبانوں کے ساتھ ساتھ کشمیری میں بھی حمد ونعت اور منقبت کہہ کر اپنی عقیدت کا اظہار کرنے لگے۔'' (ص۱۷۱)

یوں تو کشمیری کے ہر بڑے شاعر نے نعت ضرور کہی ہے مگر جن شعرا نے نعت کو فن کی حیثیت سے اپنایا ان میں مضمون نگار نے عزیز اللہ حقانی، عبدالاحد ناظم، میر ثناء اللہ کریری، مولوی صدیق اُرحاجنی، غلام احمد جید، عبدالغفور تائب اور عبدالاحد نادم کو قابلِ ذکر قرار دیا ہے اور میر ثناء اللہ کریری، غلام احمد جید، غفار بابا تائب، عبدالاحد نادم، صدیق اللہ حاجنی کے بارے میں دو ایک سطریں لکھ کر ان کے نعتیہ کلام کے طویل حصے مع ترجمہ شاملِ مضمون کیے ہیں۔

کشمیری میں نعت گوئی اور نعت کی خصوصیات کے لحاظ سے مضمون پڑھنے کے بعد تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔ اس مضمون کو زیادہ سے زیادہ چند شعرا کا تعارف قرار دیا جاسکتا ہے۔

اختتامیہ

رسالہ ''شام وسحر'' کے چھ خصوصی نعت نمبروں کے مطالعے کے بعد میں ان کے بارے میں تأثرات پیش کرنے سے قبل ضروری سمجھتا ہوں کہ اتنے بڑے وسیع اور اہم منصوبے کی بخیر وخوبی تکمیل پر جناب شیخ صفدر علی اور ان کے رفقائے کار بالخصوص جناب خالد شفیق کو مبارک باد دوں جس کے وہ بجا طور پر مستحق ہیں اور ان کا کارنامہ ایک روشن مینار بن گیا ہے جس کی تاب ناک شعاعوں میں نت نئے مجلوں اور خاص نمبروں کا ایک جلوس رواں دواں ہوچکا ہے۔

''شام وسحر'' نے نہ صرف خاص خاص نمبروں کی روایت کو مستحکم کیا ہے بلکہ موضوعاتی خاص نمبروں کی داغ بیل ڈالی ہے۔ جس کی وجہ سے ایک ہی مضمون کے تمام پہلوؤں پر جامع خیالات

یکجا ہوجاتے ہیں اور طالبانِ علم کو کتب خانوں کی الماریوں میں جھانک کر مطلوبہ متعلقہ مواد منتخب کرنے میں جو دشواری ہوسکتی ہے ایک موضوعاتی نمبر اس ضرورت کو پورا کر دیتا ہے۔

نعت کے حوالے سے نثر میں بہت کم کام ہوا ہے جو کچھ ہوا ہے وہ بیسویں صدی کے رُبع آخر میں اور اس کام کی جانب توجہ دلانے والوں میں اربابِ ''شام وسحر'' سب سے نمایاں رہے ہیں۔

نعت کے بارے میں ایک خیال یہ تھا کہ یہ ایک پاک، پاکیزہ، مقدس چیز ہے۔ اس کو پڑھو اور چوم کر طاق میں سجا دو۔ اس کی خوبیوں اور خامیوں پر نظر ڈالنے والوں کو کڑے تیوروں کا سامنا کرنا پڑتا۔ نقاد اس سے یہ کہہ کر دامن بچا جاتے ہیں کہ یہ ایک موضوعاتی شاعری ہے اور موضوعاتی شاعر پر تبصرہ لاحاصل ہے۔ نعت کو کبھی صنفِ شاعری نہیں سمجھا گیا اگر اسے صنفِ شاعری خیال کرتے تو اس میں شاعری کی خصوصیات تلاش کرتے۔ اس میں شعری لوازمات کا کھوج لگاتے پھر ان کے بارے میں حکم لگاتے کہ نعت کے لیے کیا خصوصیات درجۂ اولیٰ رکھتی ہے کون سی خصوصیات کی وجہ سے نعت کی حرمت متاثر ہوتی ہے۔ اس کا لب و لہجہ کیا ہے، اس میں الفاظ کس طرح کے ہوں، الفاظ کی در و بست کیا ہو، دیگر اصناف سے اسے کیوں کر ممیّز کیا جائے، لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا۔ اردو شعر و ادب پر تنقید ذاتی پسند ناپسند پر قائم رہی ہے۔ ذرا شعور نے پیر پھیلائے تو سیاسی اور نیم سیاسی نظریات کو تنقید کی مسند پر لا بٹھایا۔ جب خود کچھ نہ کرسکے تو مغرب کے دوسرے اور تیسرے درجے کے فن کاروں اور قلم کاروں کو تنقید کے امام بنا بیٹھے۔ یہاں تک کہ حمد و نعت، مرثیہ، منقبت کو مغربی اصولِ شاعری پر رکھا گیا۔ ہمارے پلّے شعور کی جو تھوڑی بہت پونجی تھی دورِ غلامی میں (جو اب تک جاری ہے) گروی رکھ کر ہم ادب اور شاعری کے معیار اور تنقید کی بات کرتے ہیں تو کھوکھلے لفظوں کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ نعت جو ایک موضوعاتی شاعری ہے اس کے حسن و قبح کی جانچ پڑتال کا کام ''شام وسحر'' کے لکھنے والوں نے خود کیا۔ ان درجنوں لکھنے والوں میں ایک بھی ایسا نہیں ملا جس نے مغرب کی دریوزہ گری کی ہو۔ چلیے یہ مان لیتے ہیں کہ ان تعارفی اور تنقیدی مضامین کا معیار بلند نہیں۔ اس کی مدافعت میں، میں یہ کہوں گا کہ یہ تجربہ کی پہلی کڑی ہے۔ عام طور پر پہلی کڑی جتنی مضبوط ہوتی ہے یہ اس سے زیادہ مضبوط ہے۔ دوسرے یہ کہ بری ہو یا بھلی ہو اپنی ہے اور اپنی چیز کس کو بھلی نہیں معلوم ہوتی۔ مجھے نہیں معلوم یہ قصہ درست ہے یا من گھڑت۔ کہا جاتا ہے کہ بچوں کی خوب صورتی کا ایک مقابلہ

منعقد ہوا۔ برنارڈشا کو اس کا جج بنایا گیا۔ برنارڈشا نے تمام بچوں کو بغور دیکھا اور پہلا انعام اس بچے کو دیا جو سیاہ رو تھا۔ ناک نقشہ برا تھا، اس میں ظاہری حسن کی کوئی علامت نہیں تھی۔ لوگوں نے برنارڈشا سے پوچھا، ''آپ نے اس بچے کو منتخب کیا؟'' اس نے جواب دیا، ''اس کے حسن و جمال کو میں نے اپنی نگاہ سے نہیں اس کی ماں کی نگاہ سے دیکھا ہے اور اس کی ماں کی نظر میں اس کے بچے سے زیادہ دنیا میں کوئی حسین نہیں۔'' تو کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنی چیز کو اپنی نظر سے دیکھو۔ اپنوں کی تحریروں کو تحریر کرنے والوں کی نظر سے دیکھو۔ میں نے ''شام وسحر'' کو اس نظر سے دیکھا ہے اور یہ مجھے بہت بھلا معلوم ہوا ہے۔ اس کی تمام خوبیوں کے ساتھ اور اس کی تمام خامیوں کے ساتھ۔

نقشِ اوّل عموماً خام ہوتا ہے۔ ''شام وسحر'' خام نہیں ہے۔ یہی اس کی خوبی ہے۔ اس میں مضامین اور نعتوں کے ذخیرے ہیں۔ اتنے بڑے ذخیرے کو یکجا کرنا کوئی کھیل نہیں۔ لکھنے والے بہت ہیں سوچ سمجھ کر علم اور ایقان کے ساتھ لکھنے والے کہاں ہیں۔ اب سے بیس، بائیس سال قبل تو اور بھی کال تھا ایسے میں ادارہ نے ایسے ایسے لکھنے والوں کو جمع کر لیا ہے کہ جو آج اپنے اپنے میدان کے شہ سوار کہلاتے ہیں۔

نعت کے حوالے سے کئی طرح کا کام کیا جاسکتا ہے۔ ایک ہے اس کو عام کرنا اور فروغ دینا۔ پہلے یہ کام نعتیہ گلدستے کیا کرتے تھے۔ کبھی کبھی منعقد ہونے والے نعتیہ مشاعرہ سے کام لیا جاتا (اس کاوش میں ان رسالوں کو شامل نہیں کرتا جو تبرکاً ابتدا میں حمد و نعت ڈال دیتے ہیں۔ ان کے لیے تو یہ صرف کاروبار کی کامیابی کی سند ہے) اب بھی دو ایک نعتیہ گلدستے یا رسالے نکلتے ہیں۔ موضوع کی وسعت اور اہمیت اور پڑھنے اور لکھنے والوں کے ذوق اور شوق کو دیکھتے ہوئے یہ تعداد کم ہے۔ ''شام وسحر'' نے ہر نعت نمبر میں بکثرت شعری نمونے جمع کر دیے ہیں کہ اس کا ایک روپ گلدستہ کا ہوگیا ہے۔ یہ کام نعت کو عام کرنے اور نعت کو فروغ دینے کا سبب ہوا۔

''شام وسحر'' نے نعت کے تمام شعری اور موضوعاتی پہلوؤں کے جائزہ پر منحصر مضامین شائع کیے۔ لوگوں کو پتا چلا معیار کیا ہوتا ہے؟ کہاں ہے اور کہاں نہیں ہے۔ تعینِ معیار کے لیے اس کے لکھنے والوں نے جو اصول منضبط کیے ہیں وہ ان کے بلند شعور کے ضامن ہیں۔ ہمارے کلچر، ہماری تاریخ، ہمارے مذہب، ہماری فکر کے مطابق ہیں۔ اس کے سکے کھرے ہیں اس میں

D:NaatRang-15
File: Sham2
Final

اسمگل کیے ہوئے افکار کی کھوٹ شامل نہیں ہے۔

نعت گوئی کسی مذہب، فرقہ، علاقہ یا زبان سے مخصوص نہیں۔ یہ ہر صاحبِ ایمان کے دل کی آواز ہے۔ اس کی وسعت کا ہلکا سا خاکہ ان مضامین سے ملتا ہے جو عربی، فارسی، اردو، پنجابی، سندھی، پشتو، بلوچی، براہوی، گجراتی اور کشمیری زبانوں کے سرمایۂ نعت کے حوالے سے لکھے گئے ہیں۔ ان کو پڑھ کر سر بلند بھی ہوتا ہے اور سینہ کشادہ بھی ہوتا ہے۔

ان خصوصی شماروں نے اردو والوں کی آنکھوں پر بندھی پٹی کھول دی ہے لوگوں کو یہ احساس ہو چکا ہے کہ ایسا ''ادب'' بھی تخلیق ہوسکتا ہے، ایسے ادب پر لکھا بھی جاسکتا ہے اور ایسی ادبی تحریک چلائی بھی جاسکتی ہے۔ نعت گوئی کو تحریک بنانے والے ہی ''شام وسحر'' کے کارکنان ہیں۔ آج یہ تحریک جوان ہوکر پھل پھول دے رہی ہے اگرچہ بادِسموم کی زد میں ہے۔

لوگ کسی ایک میدانِ فکر یا میدانِ عمل میں بڑے کارنامے انجام دے کر نام پیدا کرتے ہیں لیکن ان سے بڑا نام ان کا ہوتا ہے جنھوں نے ابتدا کی تھی۔ جنھوں نے بنیاد کا پتھر رکھا تھا۔ تاریخ کی دیوار پر کندہ ہے کہ نعت کو تحریک بنانے کا پہلا بنیاد کا پتھر ''شام وسحر'' نے رکھا تھا۔

پروفیسر علی محسن صدیقی۔ کراچی

برصغیر پاک و ہند میں عربی نعتیہ شاعری

(ایک جائزہ)

اسلام سے بہت پہلے اہلِ ہند سے عربوں کے رابطے تھے۔ عرب بالخصوص حجاز ان تجارتی کاروانوں کی گزرگاہ تھا جو جنوبی ہند سے بادبانی کشتیوں کے ذریعے خلیج عرب کے ساحلی شہروں میں آتے اور عرب کے صحرائی راستوں سے ہوتے ہوئے شام و ایشیائے کوچک سے گزر کر بازنطینی علاقوں تک پہنچتے تھے۔ زمانۂ قدیم میں یہ عظیم کاروانِ تجارت تھا جو بین الاقوامی حیثیت رکھتا تھا۔ مکہ کا شہر اسی شاہراہ (امام مبین) پر واقع تھا اور اس سرزمین جوع وخون میں اس کے مکینوں کے لیے طعام و امن کی رسد و فراہمی کا واحد ذریعہ یہی تجارتی کاروان تھے جن کا ایک بازو قریش بھی تھے۔ عرب و ہند کے قدیمی روابط کی وجہ سے عربی زبان میں ہندوستانی الفاظ بھی در آئے اور قرآن مجید میں سنسکرت کے الفاظ کی موجودگی ان روابط کی شاہد عدل ہے۔ یہ ابتدائی روابط اقتصادی تھے اور زندگی کے تمام گوشوں تک ان کا پھیلاؤ نہ تھا۔ عرب و ہند کے تعلقات میں وسعت اس وقت پیدا ہوئی، جب اسلام فاتحانہ اس سرزمین میں داخل ہوا۔ اگرچہ ساحلی علاقوں پر مسلمانوں کی یلغاروں کا سلسلہ عہدِ فاروقی سے شروع ہوچکا تھا اور بھڑوچ، (بروص) تھانہ (تانہ) اور ٹھٹھ (تتہ) تک عربوں کے قدم پہنچ چکے تھے، مگر یہ مشہور اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کا دورِ زرّیں تھا کہ محمد بن قاسم نے سندھ و ملتان میں فاتحانہ داخل ہوکر اسلام کی عمل داری قائم کی۔ اس عملِ تسخیر کے بعد عرب و ہند کے روابط میں استحکام پیدا ہوا۔ مقامی آبادی میں اسلام پھیلا اور فاتحین و مفتوحین میں جذب و انجذاب کے عمل کا آغاز ہوا۔ اور یہ ملک اسلامی علوم و مآثر کا مرکز بن گیا۔ عربی زبان، نظم و نثر یہاں کے لوگوں کے لیے اجنبی نہ

رہی اور اسلام و پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی عقیدت و وابستگی کا سلسلہ بڑھا اور پھر بڑھتا ہی گیا۔ اس ملک میں عربوں کے بعد غزنوی ترک آئے پھر غوری آل سنشب آئے، خلجی، قرونہ اور افغان و ترک آئے۔ دائرے بڑھتے گئے۔ سندھ و ملتان سے پنجاب کے میدانوں تک، وہاں سے دہلی اور شمالی ہند کی زرخیز وادیوں تک، بنگال کی سحر انگیز سرزمین تک، مالوہ، گجرات اور دکن تک غرض کراچی سے راس کماری تک، خیبر سے امپھال تک یعنی موجودہ برعظیم پاک و ہند کے ہر حصے میں اسلام کے نام لیوا اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے عقیدت مندو مداح پہنچ گئے۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی کی کتاب ''برصغیر میں عربی نعتیہ شاعری'' اسی اجمال کی تفصیل اور اسی سفرِ شوق کی رنگین داستان ہے:

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ ہو

ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی کی زیرِنظر کتاب آٹھ ابواب پر مشتمل ہے، جن کی یک گونہ تفصیل یوں ہے:

باب اوّل : نعت کے موضوع، اس کے محرکات، اس کے منابع اور فن سے متعلق مباحث پر مشتمل ہے۔ یہ حصہ ۱۷۲ صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور اس میں ۸۷۹ حوالہ جات ہیں۔ نعت کے موضوعات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی اوصاف، سوانح حیات، پیغمبرانہ عظمت، معجزات، صلوٰۃ و سلام، اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور عصری موضوعات کا مذکور ہے۔ اس باب کے دوسرے جز یعنی محرکات نعت کے ضمن میں جن مضامین سے بحث کی گئی ہے وہ ہیں، رسالت، اطاعت و اتباع، عقیدت و محبت، توسل و استغاثہ، شوقِ دیدار اور خواہشِ زیارتِ مدینہ منورہ۔ ان محرکات کے بیان کے بعد فاضل مصنف نے چند ثانوی محرکات سے بھی بحث کی ہے۔ یہ ثانوی محرکات ہیں، حاضریٔ، مدینہ کی کیفیات، مقامی اثرات وعصری حالات، تتبع اور مجلسی محرکات۔ باب اوّل کے جز سوم میں سیرت الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منابع (مآخذ) سے بحث کی گئی ہے۔ مصنف نے سیرت کے ماخذ اوّل قرآن حکیم کا ذکر کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ قرآن مجید کا عملی پیکر ہے کہ کان خلقہ القرآن۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے نقوش کا پہلا ماخذ کتاب اللہ ہی ہے۔ بقول ڈاکٹر قریشی ''قرآن کی جن آیات سے مداحین کو خصوصی دلچسپی رہی، ان کا تعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کے خصائص و فضائل سے ہے۔'' اور چوں کہ ایسی آیات بکثرت ہیں اور ان کا ذکر طوالت کا باعث ہے، اس لیے انھوں نے صرف چند کے ذکر پر اکتفا کیا ہے۔ لیکن اس اختصار کے باوجود انھوں نے چوبیس عناوین کے تحت آیاتِ قرآنی کا استقصا کیا ہے۔ سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے ماخذ یا منبع کی حیثیت سے انھوں نے ''حدیث'' کا ذکر کیا ہے۔ حدیث جناب رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقوال، اعمال اور تقریر سے عبارت ہے، اس لیے قرآن مجید کے بعد تذکارِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے موثق، جامع و مستند ماخذ حدیث ہی ہے۔ ڈاکٹر قریشی نے جمع و تدوین حدیث کا بھی اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے اور ابتدائی صحائف مثلاً صحیفہ ہمام بن منبہ وغیرہ کی بھی نشان دہی کی ہے۔ بعدازاں صحاح ستہ اور بعض دیگر مجموعہ ہائے حدیث کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ انھوں نے اس سلسلے میں کتب صحاح ستہ کی طویل فہرست مضامین درج کی ہے، جو غیرضروری طوالت کا سبب بنی ہے اور بظاہر اس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ نعت کے منابع میں علاحدہ عنوان کے تحت پروفیسر قریشی نے اسلامی تاریخ و سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر لکھی جانے والی کتابوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ یقیناً یہ کتابیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے تمام گوشوں پر محیط ہیں۔ ابنِ اسحاق کی کتابِ سیرت اگرچہ بتمامہ موجود نہیں ہے مگر ابنِ ہشام، ابنِ سعد اور متقدمین کی کتابوں میں اس کے جزوِ غالب کی موجودگی بسا غنیمت ہے۔ قریشی صاحب نے ان قدما کے علاوہ متاخرین میں ابنِ سید الناس، سہیلی، قرطبی، ابنِ حزم، ابنِ قیم اور ابنِ کثیر کی کتبِ سیرت کی نشان دہی کر کے اپنے وسعتِ مطالعہ اور کتاب زیرِ تبصرہ کی جامعیت کا بڑا ثبوت دیا ہے۔ اسی طرح طبری، مسعودی، ابنِ اثیر اور ابنِ خلدون کی کتب تاریخ کا بھی بطور ماخذ ذکر کیا ہے، کیوں کہ ہماری کسی جامعت تاریخی کتاب کا ذکر سیرت الرسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تہی دامن ہو ہی نہیں سکتا۔ بابِ اوّل کا چوتھا جزو ''فن'' ہے فن کے ضمن میں شعر کی تعریف، نعتیہ شاعری کی خصوصیات اور اس کی متنوع ہیئتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ مصنف نے پانچویں صدی ہجری کے نقاذ و ادیب ابوالعباس حسن بن رشیق قیروانی (متوفی ۴۵۶ھ) کی قائم کی ہوئی تقسیم کو بنیاد بنا کر نعت گوئی کو مدحیہ شاعری کے زمرہ میں محسوب کیا ہے مگر وہ اسے ایک نئی صنفِ سخن قرار دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں، ''مدحِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدیح کا حصہ ہے مگر اپنی مخصوص ہیئت و عناصرِ ترکیبی کے لحاظ سے ایک نئی صنفِ سخن ہے۔ یہ خالص جذبوں اور معطر خیالات کا وہ حسین مرقع ہے جو سراسر محترم اور ہمہ تن مقدس

D:NaatRang-15
File:Ali Mohsin
Final

ہے۔" (صفحہ۱۳۳) قریشی صاحب نے نعتیہ شاعری کو ایک نئی صنفِ سخن قرار دینے پر جو دلائل قائم کیے ہیں، وہ قوی نہیں ہیں۔ کیوں کہ شاعری جذبوں اور تخئیل کا حسین مرقع ہی ہوتی ہے اور یہی خصوصیت اسے نثر سے متمائز کرتی ہے۔ اگر شعر جذبات سے عاری اور تہی ہو تو وہ کلام منظوم ہوگا مگر شعر نہیں ہوگا۔ کتاب میں ابنِ رشیق متوفی ۴۵۶ھ کے سالِ وفات کے مختلف اندراجات ہیں مثلاً ۴۵۳ھ اور ۶۳۴ھ وغیرہ۔ میرا قیاس ہے کہ یہ اختلاف سہو کتابت کے سبب سے ہے۔

باب دوم : اس باب میں پروفیسر قریشی نے اسلام میں شعر کی حیثیت سے بڑی فاضلانہ بحث کی ہے۔ شعر و شاعری کے متعلق آیاتِ قرآنیہ اور احادیث نبویہ کا جائزہ لے کر یہ ثابت کیا ہے کہ شاعری اگر مثبت اقدار و انداز کی ترجمان ہو تو وہ جائز بلکہ مستحسن ہے۔ اسی لیے صحابہ کرام اور ائمہ نے شعر کہے ہیں اور ادبِ اسلامی میں شاعری درجۂ استناد و اعتبار رکھتی ہے۔ اس باب میں (۲۶۶) حوالہ جات ہیں۔ کتاب کا یہ باب ہر چند کہ بقامت کہہ تر ہے، مگر بقیمت بہتر بھی ہے۔

باب سوم : اس باب کے مضامین ۲۲۸ صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں اور حوالہ جات کی تعداد ۹۲۹ ہے۔ یہ باب طویل ہے اور اس کے مشتملات میں پہلا عنوان ہے "ابتدائی مدح نگار" اس عنوان کے تحت جن شعرا اور ان کے اشعار کا ذکر کیا گیا ہے، ان کا استناد و اعتبار مشکوک ہے۔ بیشتر اشعار منحول اور غیر مستند ہیں۔ ایک تحقیقی کتاب میں ان کے ذکر سے پہلوتہی کرنا چاہیے تھا۔ ایسے بیشتر اشعار جامعینِ سیرت و ناقدینِ اشعار کے نزدیک وضعی ہیں۔ اس باب کا دوسرا عنوان ہے "نعت نگاری صحابہ کرام کے عہد میں" اس میں حضرت حسان بن ثابت، کعب بن مالک، عبداللہ بن رواحہ اور کعب بن زہیر رضی اللہ عنہم کے شاعرانہ اوصاف اور نعتیہ کلام کا ناقدانامہ جائزہ لیا گیا ہے۔ اس ضمن میں خلفائے راشدین کے نعتیہ کلام کے نمونے بھی پیش کیے گئے ہیں لیکن ان کے انتساب کو بھی درست نہیں سمجھا گیا ہے۔ یہاں متعدد معروف و غیر معروف اصحاب کے اشعار پیش کیے گئے ہیں جن میں ایک شاعر بنام عمر بھی شامل ہے جس کے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ صاحب ایک قصیدہ نعتیہ کے مالک ہیں۔ یہ عمر انسان نہیں بلکہ جنات کے گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ بیان حد درجہ غیر ثقہ و غیر مستند ہے۔ اس باب میں "مخدراتِ اسلام" کے عنوان کے تحت خواتین کے نعتیہ اشعار بھی درج کیے گئے ہیں، ان میں جنابِ آمنہ، حلیمہ سعدیہ،

اروئی بن عبدالمطلب، عاتکہ بنت عبدالمطلب، صفیہ بنت عبدالمطلب اور اُم ایمن وغیرہ کے اشعار شامل ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فاضل مصنف نے جمع و تدوین پر زیادہ زور دیا ہے اور زیادہ سے زیادہ اسما اور اشعار کو ذخیرہ کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ اس کے بعد صحابہ کرام کی مدحیہ شاعری کا عمومی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس باب میں اموی اور عباسی ادوار کے عربی نعتیہ شاعروں کا بھی ذکر کیا گیا ہے، قریشی صاحب نے المدائح النبویہ سے شعرا کی بے توجہی کے اسباب میں سیاسی گروہ بندی، مذہبی فرقہ بندی، شعرا کی ہوسِ زر، دین سے بیزاری اور قدیم جاہلی روایت کی رجعت کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ قارئین کے لیے مصنف علام سے اتفاق کرنا بڑا مشکل ہے، کیوں کہ اسی دور میں ائمہ فنون نے دینی علوم کی تدوین، تبویب اور تہذیب کے فرائض انجام دیے اور سیرتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتابیں مدون کیں اور یہی کتب سیرت کی بنیادی دستاویزات قرار پائیں۔ اس دور کے نعت نگاروں میں امام ابوحنیفہ ابوالعتاہیہ، متنبی، شیخ عبدالقادر جیلانی، زمخشری، عمر بن فارض، جمال الدین الصرصری وغیرہ کا اجمالی ذکر، کتاب کی جامعیت اور ہمہ گیری کی دلیل ہے۔

اس باب کے ایک جز کا عنوان ہے ''سقوطِ بغداد کے بعد'' ۶۵۶ھ (۱۲۵۸ء) میں بغداد کی عباسی خلافت کی بساط ہولاگوخاں نے اُلٹ دی اور دنیائے اسلام سیاسی تشتت، علمی انحطاط اور فکری اضمحلال کا صید زبوں ہوگیا۔ اس عہد نامسعود میں عربی نعتیہ شاعری کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس عہد کے سب سے نمائندہ و نمایاں نعت نگار امام بوصیری ہیں۔ قریشی صاحب نے قصیدہ بردہ کا قدرے تفصیل سے ذکر کیا ہے اور علمی نہج پر اس کا مطالعہ و تجزیہ پیش کیا ہے۔ بوصیری کے بعد بعض دیگر شعرا، مثلاً ابن حجر عسقلانی، ابن سید الناس، ابن نباتہ مصری کا اجمالی ذکر کرکے آٹھویں صدی ہجری سے بارھویں صدی ہجری تک کے نعت گوشعرا کی اسم شماری کی گئی ہے ہے۔ مصنف نے جامعیت کے خیال سے اندلس کے ایسے چند فضلا کا تذکرہ کیا ہے جنھوں نے اپنے علمی مشاغل میں سے کچھ وقت نعت نگاری میں بھی صرف کیا ہے۔ ایسے علما میں ابن جبیر، ابن حزم ظاہری، شیخ اکبر ابن عربی اور ابن خطیب وغیرہ زیادہ نمایاں ہیں۔

اس باب کے اخیر میں عہدِ حاضر کے عربی شعرا کی نعت نگاری کا جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ عہد دنیائے عرب کے انحطاط اور ملّی زوال کا دور ہے۔ قنوطیت اور عبدیت کی فضا میں سانس لینے والے اربابِ علم جدوجہد اور فکر و عمل سے عاری تھے، لیکن اس یاس قاطع کی کوکھ سے ملّی

آزادی کی تحریک نے جنم لیا، جدید تعلیم اور فنی مہارت کے حصول کی خواہش اور مغربی اقوام کی سیاسی کش مکش نے دنیائے عرب میں آزادی کی جدوجہد کو مہمیز کیا۔ خصوصاً مصر میں فرانسیسی نفوذ اور محمد علی پاشا کی سیاسی بصیرت کی وجہ سے مایوسی کا جمود ٹوٹا اور عربوں میں جہد للحیات کی سرگرمیاں تیز سے تیز تر ہونے لگیں۔ اس دورِ سعی و عمل میں عربوں کو اپنے شان دار ماضی اور مذہب سے لگاؤ پیدا ہوا اور عظمتِ رفتہ کی بازیابی اور دلوں میں جذبہ ایمانی کی حرارت پیدا کرنے کی غرض سے ذاتِ رسول اکرم علیہ السلام سے دلی وابستگی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کی تڑپ نے نعتیہ شاعری کو پروان چڑھایا۔ اس عہد کی نعتیہ شاعری اسلوب قدیم اور سبک بوصیری کی آئینہ دار ہے۔ لیکن بتدریج معانی و مطالب میں تنوع در آیا اور استغاثہ و اصلاح کا انداز و منہج واضح ہونے لگا۔ پروفیسر قریشی نے اس عہد کے شعرا میں عمرالیانی، عبداللہ فکری، محمود ساحی باروری، یوسف نبہانی اور احمد شوقی سے بحث کی ہے۔ خصوصاً شوقی کا تفصیلی مطالعہ شامل ہے اور ان کے نہج البردہ، الہمزیہ النبویہ اور دول العرب وعظمائے الاسلام کا قدرے تفصیل سے تذکرہ کیا ہے۔ اس باب کے خاتمہ سے پہلے مصنف نے ایران میں عربی نعتیہ شاعری کا جائزہ لیا ہے جو سرسری و اجمالی ہے۔ اس اجمال میں خاقانی، رومی، سعدی، جامی، جمالی ہندی اور خاتمۃ الشعرائے ایران مرزا حبیب قاآنی کی اسم شماری کی گئی ہے۔

باب چہارم: اس باب میں عرب و ہند کے ابتدائی تعلقات سے بحث کا آغاز کیا گیا ہے۔ مقالہ کی ابتدا اسی باب سے ہوتی ہے۔ کتاب کے ابتدائی تین ابواب مصنف کی جامعیت کی سعی کے مظہر ہیں اور پانچ سو صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں، اس لیے یہ چوتھا باب ''عرب اور برعظیم پاک و ہند کے تعلقات'' کے عنوان سے اصل موضوع سے براہِ راست تعلق رکھتا ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ باب بھی تمہیدی ہی ہے اور مقالہ باب پنجم سے شروع ہوتا ہے، بہر کیف اس باب میں نہایت وقیع معلومات جمع کی گئی ہیں جو فاضل مقالہ نگار کے تبحرِ علمی کی دلیل ہیں۔ اس باب میں ہبوط آدم، عربوں کی جہاز رانی، جنوبی و مغربی ہند کے ساحلی مقامات پر عربوں کی آمد اور قدیم تجارتی روابط سے مختصر بحث کی گئی ہے۔ عہدِ خلفائے راشدین اور اموی و عباسی ادوار میں مسلمان فاتحین کی برعظیم میں آمد اور بعدازاں سندھ و ملتان کی تسخیر کا اجمالی تذکرہ کرنے کے بعد ہندی نژاد عربی شعرا کی اسم شماری کرائی گئی ہے۔ ایسے شعرا میں ہارون بن موسیٰ ملتانی، کشاجم سندھی و ابوعطا سندھی کا ذکر کیا گیا ہے۔ انھیں میں البیرونی و مسعود سعد سلمان کی

عربی شاعری کے نمونے دیے گئے ہیں۔ حالاں کہ یہ حضرات عہدِ غزنویہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ انھیں اس جائزے میں غالباً اس لیے شامل کیا گیا ہے کہ یہ ''عہدِ سلطنت'' سے پہلے گزرے ہیں۔ اس باب میں ۱۸۹ حوالے ہیں اور حجم ۵۶ صفحات ہے۔

باب پنجم : اس باب کا عنوان ہے۔''المدائح النبویہ سلاطین کے دور میں'' یہ باب قطب الدین ایبک کی تخت نشینی سے شروع ہوکر ابراہیم لودھی کی وفات تک کے کوئی ساڑھے تین سو سال کی علمی، معاشی، معاشرتی خصوصاً عربی نعت نگاری سے وابستہ سرگرمیوں کا احاطہ کرتا ہے۔ اس کا حجم ۶۷ صفحات ہے اور حوالہ جات کی تعداد ۲۰۶ ہے۔ یہ دور نسبتاً طویل ہے، اس میں دہلی کے پانچ حکمران خاندان، مملوک، خلجی، تغلق، سیّد اور لودھی کے علاوہ دورِ لامرکزیت کے متعدد حکمران خانوادے داخل ہیں، مثلاً کشمیر کے سلاطین، ملتان کے لنگاہ، مالوہ، گجرات، جون پور و بنگال کے سلاطین اور دکن کے بہمنی، قطب شاہی، عادل شاہی، نظام شاہی، عماد شاہی اور برید شاہی سلاطین۔ اس دورِ سلطنت دہلی و لامرکزیت میں صوفیائے کرام کے عظیم سلسلے، علمائے عظام کے وسیع حلقہ ہائے درس اور برعظیم کی ملتِ اسلامیہ کے معاشرتی تنوع، وسعت اور کثرت کے احوال، وسیع مطالعہ کا اقتضا کرتے ہیں مگر مقالہ زیرِ نظر میں ان کا بہت اختصار کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، غالباً اس اختصار کی وجہ مواد کی کمی یا شوقِ جستجو کی آبلہ پائی ہے۔ بہرکیف صوفیا میں خواجہ معین الدین چشتی، قطب الدین بختیار کاکی، شیخ فریدالدین گنج شکر، شیخ نظام الدین اولیا، شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلی، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی، شیخ فخرالدین عراقی کا ذکر کیا گیا ہے، مگر مخدوم جلال الدین بخاری اوچھی اور شرف الدین یحیٰی منیری کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ علما میں مؤرّخ منہاج سراج، حسن صنعانی، قاضی شہاب الدین دولت آبادی کی اسم شماری کی گئی ہے۔ شعرا میں عراقی، قاضی عبدالمقتدر والدمامینی کا تذکرہ کتاب میں شامل ہے۔ خصوصاً قاضی عبدالمقتدر کے لامیۃ الہند اور شیخ احمد تھانیسری کے قصیدہ دالیہ کا تفصیلی مطالعہ موجود ہے۔ اس مطالعے میں قریشی صاحب نے نقد و نظر کا حق ادا کر دیا ہے۔ اس الدمامینی (م۸۲۷ھ) کے مدحیہ قصیدہ الرائیہ کا تجزیہ بھی علمی و ادبی تحقیق کی عمدہ مثال ہے۔ اس باب میں چند سہو یا تسامح کی نشان دہی ضروری ہے۔ سلطان شمس الدین التمش کے نام کی تصحیح ہوچکی ہے۔ وہ ا ل ت ت م ش ہے۔ ا ل ت م ش نہیں ہے۔ سلطان معزالدین کے قباد، بلبن کا بیٹا نہیں پوتا تھا۔ وہ بغراخاں کا بیٹا تھا۔ شرقی سلطنت، جسے شہنشاہ شاہ جہاں شیراز ہند کہتا تھا، بیجاپور (دکن) میں نہیں

بلکہ جون پور (پورب) میں قائم ہوئی تھی۔ سلطان ابراہیم شرقی، جون پور کا سلطان تھا۔ بیجاپور کا نہیں جہاں کے سلاطین ''عادل شاہی'' کہلاتے تھے۔

باب ششم: (المدائح النبویہ مغلیہ دور حکومت میں) اسے دورِ عروج اور دورِ زوال میں تقسیم کیا گیا ہے:

(الف) مغلیہ دورِ عروج (از ۱۵۲۶ تا ۱۷۰۷ء): بابر سے اورنگ زیب کے دورِ حکومت و حالات کے سرسری جائزہ کے بعد اس عہد کے علما و صوفیہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ صوفیہ کے بیان میں برعظیم کے سلسلہ ہائے تصوف کا تفصیلی تذکرہ سپردِ قلم کیا گیا ہے۔ علما میں شیخ محمد غوث گوالیاری، علی متقی، محمد طاہر پٹنی، مولانا عبداللہ سلطان پوری اور مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی وغیرہ کی اسم شماری کی گئی ہے۔ اسی طرح صوفیہ میں شیخ عبدالقدوس گنگوہی، شیخ سلیم چشتی، خواجہ باقی باللہ اور مجدد الف ثانی کے مختصر تعارف کے بعد اس عہد کی علمی سرگرمیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس عہد کے مدح نگاروں میں شیخ جمالی، شیخ عبداللہ عید روسی، یعقوب حرفی، فیضی اور حسن بن علی بن شدقم کے نعتیہ اشعار درج کیے گئے ہیں اور ان کی قدرے تفصیل دی گئی ہے۔ اس عہد کے ایک نعت نگار سیّد معصوم علی الدشتکی کے کلام کا خصوصی مطالعہ بھی اس حصے میں شامل ہے اور خوب ہے۔

(ب) مغلیہ دورِ زوال (از ۱۷۰۷ء تا ۱۸۵۷ء): کتاب کا یہ حصہ پروفیسر قریشی کی علمی تحقیق و تدقیق کا اعلیٰ نمونہ ہے اور حاصلِ مطالعہ یہی جزو ہے۔ ہمارا یہ دور سیاسی انحطاط و انحلال کا عبرت ناک مرقع ہے، مگر علمی کمال اور ادبی وفکری سرگرمیوں کا نقطۂ عروج بھی یہی عہد ہے۔ اس عہد میں امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی جیسی نابغۂ عصر شخصیت پیدا ہوئی اور اسلامی ہند ان پر فخر کرتا ہے۔ کتاب کے اس جز میں بھی پہلے سیاسی انتشار کا مختصر بیان ہے۔ اس کے بعد علما میں ملا جیون، محمد حیات سندھی، مرتضٰی زبیدی، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، مولانا عبدالعلی بحرالعلوم کا صوفیہ میں مولانا فخرالدین دہلوی، خواجہ نور محمد مہاروی اور مظہر جاناں کا اجمالی ذکر کیا گیا ہے۔ جن نعت نگاروں کا قدرے تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے، ان میں مخدوم محمد ہاشم تتوی، شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز اور میر غلام علی آزاد بلگرامی کے اسما ہیں۔ شاہ ولی اللہ کے علمی کمالات کی نشان دہی کے بعد ان کی نعتیہ شاعری کا مختصر بیان ہے۔ قریشی صاحب نے شاہ صاحب کے قصیدہ بائیۂ کا تجزیہ پیش کیا ہے اور ان کے قصیدۂ ہمزیہ کا بھی جائزہ لیا ہے۔ شاہ صاحب کے صاحب زادہ شاہ رفیع الدین کے قصیدۂ معراجیہ کے مختصر تذکرہ کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ قصیدہ

ان کی عربیت پر ماہرانہ دسترس کا زندہ ثبوت ہے۔ اس کے بعد انھوں نے شاہ عبدالعزیز کا مختصر ذکر کیا ہے۔ حالاں کہ شاہ عبدالعزیز کی شاعری و عربیت نہایت وقیع و ارفع و اعلیٰ ہے۔ بہرکیف ان کے قصیدہ میمہ کا جو نعتیہ ہے، ذکر کیا گیا ہے۔ اس باب کے اخیر میں میر غلام علی آزاد بلگرامی کا قدرے تفصیل سے مذکور ہے اور اس کی وجہ ان کے دس عربی دواوین اور کثرتِ اشعار ہے۔ آزاد کے عربی اشعار کی تعداد سترہ ہزار سے زیادہ ہے۔ اُن کے اشعار کا جزو غالب مدحت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ پروفیسر قریشی کی رائے ہے کہ ''آزاد کو عربی شاعری میں بلند مقام حاصل ہے۔ انھوں نے عربی شاعری میں نئے تجربات سے قارئین کی توجہ کو جذب کیا ہے۔'' اس رائے سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا۔ بقول مولانا فضل حق خیرآبادی ''حروف آں عربی است و درحقیقت آں زبان دیگرہست'' اور مولانا شبلی نے ان کے کلام پر یہ رائے دی ہے کہ ''آزاد کا عربی کلام ان کے چہرۂ کمال کا داغ ہے'' قریشی صاحب نے اس عجمی شاعری پر ۲۴ر صفحے صرف کیے ہیں جو الفاظ کا اسراف ہے۔

باب ہفتم : المدائح النبویۃ دور جدید میں۔ یہ دور ۱۸۵۷ء سے اب تک(؟) کے کوائف پر مشتمل ہے۔ ابتدا میں اس عہد کے سیاسی حالات کا اجمالی بیان ہے۔ پروفیسر صاحب نے اس ضمن میں لکھا ہے، ''۱۷۶۵ء میں بکسر کے مقام پر انگریزوں کی کامیابی دراصل برصغیر کی غلامی کی خشتِ اوّل تھی (ص ۶۸۷)'' بکسر کی جنگ جیتنے کے بعد انگریز اودھ (یوپی) میں در آیا تھا مگر غلامی کی خشتِ اوّل ۱۷۵۷ء میں پلاسی کی جنگ میں سراج الدولہ، نواب بنگال و بہار کی شکست اور لارڈ کلایو کی پُرفریب کامیابی نے رکھی تھی۔ اس عہد کے علما میں مولانا کفایت علی کافی، مولانا احمد سعید مجددی، مولانا عبدالحیٔ فرنگی محل، سیّد نذیر حسین محدث دہلوی، مولانا محمود حسن دیوبندی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا عبدالعزیز میمن جیسے سربرآوردہ حضرات کی اسم شماری کرائی گئی ہے اس عہد کے جن عربی شعرا کا ذکر کیا گیا ہے اُن میں مفتی صدرالدین آزردہ، مولانا محمد فاروق چریاکوٹی، شیخ محمد طیب مکی، مولانا حمیدالدین فراہی، شیخ محمد سورتی وغیرہ کے نام تحریر کیے گئے ہیں۔ المدائح النبویہ لکھنے والے شعرا میں منشی امیر احمد امیر مینائی، مولانا ذوالفقار علی دیوبندی، مولانا شبلی نعمانی اور مولانا حالی وغیرہ کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ یہ تمام اسم شماری محض تبرکاً ہے اور چند ابیات کے سوا انھوں نے عربی میں شاعری نہیں کی ہے۔ اس اجمال کے بعد فحول شعرائے عربی کا ذکر قدرے تفصیل سے کیا گیا

ہے۔ ان میں مولانا فضلِ حق خیرآبادی، مولانا فیض الحسن سہارن پوری، قاضی طلا محمد پشاوری، مولانا احمد رضا خاں، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی، مولانا انور شاہ کشمیری، مولانا اصغر علی روحی، مولانا عبدالقدیر حسرت، مولانا ظفر احمد عثمانی اور مولانا محمد یوسف بنوری اور مولانا محمد افضل فقیر کی عربی شاعری کے نمونے دیے گئے ہیں اور ان کی شاعرانہ حیثیت کا بھی تعین کیا گیا ہے۔ پروفیسر قریشی نے ان حضرات کی عربی نعتیہ شاعری کے معیار و کمال کی تعریف کی ہے اور وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ''عہدِ جدید میں عربی مدحیہ شاعری اپنے سابقہ معیار کے ساتھ باقی ہے اور عصرِ حاضر کے موجود شعرا کی دلچسپیاں بتا رہی ہیں کہ یہ سلسلہ اس اعتماد اور یقین کے ساتھ برقرار رہے گا۔ اور یقیناً مستقبل میں مزید بہتری کی صورت پیدا ہوجائے گی۔''

باب ہشتم : اس باب میں ابواب ماسبق میں بیان کردہ مباحث کا عمومی جائزہ لیا گیا ہے اور ''حرفِ آخر'' میں پروفیسر صاحب نے ممونیت کے الفاظ کے ساتھ کم و بیش ایک ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی اس داستان کو ختم کیا ہے۔ یہ داستان طویل مطالعہ، مجاہدہ و مباحثہ کا نتیجہ ہے اور مصنف کی کدوکاوش اور جہد بے نہایت کی شاہد عدل بھی ہے۔

''کتاب برصغیر پاک و ہند میں عربی نعتیہ شاعری'' کی تفصیل کا اجمال سطور ماسبق میں پیش کیا گیا۔ اس سے پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی کے تبحر و وسعتِ معلومات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ یہ کتاب عربی نعتیہ شاعری کا ''دائرۃ المعارف'' ہے۔ اردو میں اس موضوع پر اتنا سیر حاصل مقالہ، کم از کم میری نظر سے نہیں گزرا۔ اردو زبان پر عربی نعتیہ شاعری کے حوالے سے جو قرض تھا، اسے قریشی صاحب نے ادا کر دیا، اللہ جزائے خیر دے۔

مگر انسان ضعیف البنیان ہے، اس کی کامیاب ترین کوشش بھی خطا و نسیان سے محفوظ نہیں رہ سکتی اور اس میں کوئی نہ کوئی کمی رہ جاتی ہے۔ کتاب ''برصغیر پاک و ہند میں عربی نعتیہ شاعری'' بھی اپنی گوناگوں خوبیوں کے باوجود بعض تسامحات سے محفوظ نہیں ہے۔ ہم سطور ذیل میں ان کی جانب اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ اگر وہ نقائص درست ہیں تو اگلے ایڈیشن میں ان کی تصحیح ہوجائے اور اگر نادرست ہیں تو میری تصحیح ہو جائے۔ میں پروفیسر قریشی کے اعلیٰ علمی پایہ کا، اسی کتاب کے مطالعے کے بعد قائل ہوا ہوں اور الحمدللہ تسامحات کی نشان دہی کے بعد بھی قائل ہوں۔

۱۔ کتاب کے نام میں ''برصغیر پاک و ہند'' دیکھ کر عربی زبان کے ایک فاضل کی

لغزش قلم پر سخت حیرت ہوئی۔ ہندوستان کی آزادی کے بعد اس ''شبہ قارہ'' میں بھارت، پاکستان، سری لنکا، مالدیپ، بھوٹان اور بنگلہ دیش کی آزاد حکومتیں قائم ہوئیں، یوں یہ وسیع خطۂارض ایک ملک کے بجائے متعدد ملکوں کا مجموعہ ہوگیا، اس لیے اسے "Sub-Continent" کا نام دیا گیا، پہلے اس کا ترجمہ ''تحتی براعظم'' کیا گیا، مگر بعد میں اس کا ترجمہ ''برعظیم'' کیا گیا اور اہلِ علم میں اصطلاح رائج ہوگئی۔ کچھ لوگ غلطی سے اسے ''برصغیر'' بھی لکھتے ہیں، مگر یہ غلط ہے اوراس سے کوئی انکارنہیں کرسکتا۔عربی میں ''شبہ القارہ'' سے بھی ''برصغیر'' کی تغلیط ہوتی ہے۔

۲۔ کتاب میں عربی اشعار اور عربی عبارتوں کے ترجمے نہیں دیے گئے ہیں۔ اس سے عربی نہ جاننے والوں کے لیے کتاب سے استفادہ کرنا دشوار ہوگیا ہے اور اس کی قرأت بھی محدود ہوگئی ہے۔

۳۔ کتاب میں ایسی عبارتیں بھی ہیں جو عربی اردو مخلوط ہیں اور قارئین کے لیے ان کی فہم مشکل ہے، مثلاً ''دس سال حضرت انس حاضر دربار رہے مگر کہتے ہیں **فما سبنی قط ولاضربنی**'' (صفحہ۲۸) ''ابوالعطا کی وفات کے بارے میں قدرے اشتباہ ہے۔ **قال البغدادی مات عقب ایام المنصور، قال ابن شاکر تو فی بعد الثمانین والمائة**۔ دوسری روایت کو زیادہ پذیرائی حاصل ہوئی۔'' صفحہ۵۴۶)

۴۔ کتاب کی زبان اردو عربی ہے۔ اکثر مقام پر مشکل عربی الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، مثلاً موالید، تمثالِ نعلین کا تذکرہ، اضغاث احلام، رفث القول، تجاوزعن الحد، حظیرہ، معالم حسنہ، عمومی غموض وغیرہ وغیرہ۔

۵۔ کتاب میں ایسی ترکیبیں بھی ہیں جن سے ''شترگربگی'' کا اظہار ہوتا ہے، مثلاً ''پوترخیالات'' ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ''ہم جولی'' کہا گیا ہے۔

ان الفاظ کے ساتھ اپنی کج مج تحریر کو ختم کرتا ہوں اور کسی لغزش قلم کے لیے عذر خواہ ہوں۔

D:NaatRang-15
File:Ali Mohsin
Final

پروفیسر شفقت رضوی۔ کراچی

اردو حمد و نعت پر فارسی شعری روایات کا اثر
(تعارف و تجزیہ)

جناب عاصی جن کے نام کے ساتھ سابقے اور لاحقے بھی شامل کریں تو انھیں ''پروفیسر ڈاکٹر عاصی کرنالی'' کے نامِ نامی سے مخاطب کرنا پڑتا ہے۔ نام کی طوالت یوں ہی نہیں ہے ان کی ہمہ جہت شخصیت کی نمائندہ ہے۔ وہ عالم ہیں، اردو ان کے گھر کی لونڈی ہے۔ عربی اور فارسی بھی ان کی گرفت سے باہر نہیں۔ وہ شاعر بھی ہیں اور حمد و نعت گوئی سے خصوصی وابستگی رکھتے ہیں۔ صاحبِ طرز ادیب ہیں، صاحبِ نظر مبصر اور نقاد ہیں۔ اب معلوم ہوا کہ وہ محقق بھی ہیں اس کو کہتے ہیں ''سونے پر سہاگہ''۔ ان کا تحقیقی کارنامہ وہ مقالہ ہے جو پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری کے حصول کے لیے جنابِ ڈاکٹر وحید قریشی کی نگرانی میں لکھا گیا۔ یہ مقالہ بڑے سائز کے ساڑھے چھ سو صفحات پر محیط ہے۔ اس کے عنوان نے بھی سابقہ طویل عنوانات کے ریکارڈ توڑ دیے ہیں۔ عنوان ہے ''اردو حمد و نعت پر فارسی شعری روایت کا اثر''۔ یہ ایک ہی مقالہ کا موضوع ہے۔ حالاں کہ اس پر ایک سے زائد مقالے لکھے جاسکتے ہیں۔ اردو ادب اتنی بے بساط نہیں ہے کہ حمد و نعت جیسے موضوعات اور ان پر عربی اور فارسی کے اثرات کی نشان دہی کے لیے چھ سو صفحات کے مقالے پر اکتفا کیا جائے۔ یہ جنابِ ڈاکٹر پروفیسر عاصی کرنالی کا ذوقِ تحقیق ہے کہ انھوں نے کئی دریاؤں کو ایک کوزہ میں سمو لیا ہے۔ بلاشبہ مواد کی جمع بندی میں انھوں نے کاوش و جستجو سے کام لیا ہے، نہایت عرق ریزی سے کتبِ قدیم و جدید کا مطالعہ کیا ہے۔ شعری ماخذات کی تلاش میں درجن بھر کتب خانوں میں موجود گرد سے اَٹی کتابوں کی گرد صاف کی ہے۔ مواد کو سلیقہ سے مرتب کیا ہے۔ مقالے کے پانچ ابواب دراصل پانچ مقالات ہیں۔ ان کی محنت کا صلہ

ان کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری کی صورت میں مل گیا ہے۔ لیکن ان کے حصے میں جو خراجِ تحسین آتا ہے وہ انھیں ابھی پہنچنا ہے۔ یہ فرض ہماری استطاعت سے باہر ہے کہ باہنر ہی اس کا حق ادا کر سکتے ہیں۔ مقالہ زیرِنظر ۵ ابواب پر منقسم ہے۔ پہلا باب مقالہ کے عنوان کی مناسبت سے عربی اور فارسی میں حمد و نعت گوئی سے متعلق ہے۔ ساتھ ہی اس باب کو کئی حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ چوں کہ موضوعِ بحث حمد ہے اور حمد صرف اللہ تعالیٰ سے نسبت و تعلق رکھتی ہے، اس لیے مقالہ نگار نے ''اللہ'' کی تلاش میں بھی کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی۔ اس سلسلے میں انھوں نے جن صاحبانِ علم کے اقوال اور بیانات سے استفادہ کیا ہے، ان کے اقتباسات بھی درج کیے ہیں۔ حالاں کہ متذکرہ بیانات موضوع کا تمام تر احاطہ نہیں کرتے اور بعض صورتوں میں گم راہ کن بھی ہیں۔ اس ضمن میں علما سے استفادہ کے ساتھ ساتھ مذاہب میں اللہ کے بارے میں تصور کو بھی پیشِ نظر رکھا ہے۔ اس طرح استفادہ کرنے اور فیض یاب ہونے کا تاثر تو قائم کیا ہے لیکن ان کی توضیح و تشریح، ان کی کمی و بیشی، ان سے نظریاتی، علمی و فکری اختلاف یا تائید کے وجوہ کے اظہار سے گریز کیا ہے۔ یہاں بیان کی طوالت کے لیے معذرت کے ساتھ چند گزارشات پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔ یہ میرے اپنے خیالات ہیں۔ قارئین کا ان سے متفق ہونا ضروری نہیں اور اس معاملے میں میرا اصرار بھی نہیں ہے۔

اقتباسات پیش کرنے میں جو رویہ عام طور پر رائج ہے، اس سے صرف یہ اظہار ہوتا ہے کہ علما ماقبل نے کیا کہا ہے۔ اگرچہ کھلے طور پر اس کا اظہار نہیں کیا جاتا لیکن لکھنے والے کے مافی الضمیر کی اس طرح ترجمانی ہوتی ہے کہ گویا اس نے بیان کو بطورِ سند قبول کرلیا ہے۔ لیکن قبولیت کے جواز کے طور پر جس طرح توضیح و تشریح ہونی چاہیے یا جس طرح جواز یا استدلال ہونا چاہیے وہ نہیں کیا جاتا۔ جنابِ عاصی نے بھی یہی رویہ اختیار کیا ہے۔ اس مقالے کا شاید ہی کوئی صفحہ ہو جو کسی کی رائے کے اقتباس سے خالی ہو۔ اس نوع کی ترتیب و تدوین سے قاری مرعوب ضرور ہوجاتا ہے کہ مقالہ نگار کی وسعتِ علمی اس کے حدِ تصور سے بھی پرے ہے۔ اگر کسی مقالے میں ایک سو اقتباسات ہوں تو ان میں سے یہ ضرور باور ہوجاتا ہے کہ مقالہ نگار نے ایک سو کتابیں یا مضامین ضرور پڑھے ہیں۔ ان اقتباسات اور حوالوں کی اہمیت چاہے عام لوگوں کی نظر میں کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ مجھ جیسا ادنیٰ طالب علم ان سے واقف ہونے کے بعد یہ بھی سوچتا ہے کہ اوروں کی آرا تو معلوم ہوگئیں، آخر مقالہ نگار کی اپنی رائے کیا ہے؟ کیا پی ایچ۔ ڈی کی سطح کی

تحریروں کو ذاتی افکار، خیالات، نظریات سے مملو ہونا چاہیے یا خوشہ چینی کی روش اختیار کرنی چاہیے۔ جنابِ عاصی نے بھی ہر شاعر کے بارے میں کہیں ایک اور کہیں ایک سے زائد نقادوں کی آرا پیش کر دی ہیں۔ میں اسے تحقیقی یا تخلیقی عمل باور کرنے سے قاصر ہوں۔ رسالوں کے مضامین میں تو یہ رویہ چل سکتا ہے، پی ایچ۔ ڈی کے مقالے میں اسے اختیار کرنا صاحبِ رائے ہونے سے انکار کرنے کے مترادف ہے۔ رائے مقالہ نگار کی ہونی چاہیے۔ اگر وہ رائے دوسروں کی بھی ہے تو ان کے نام اور ماخذ کے حوالے سے کام چلایا جاسکتا ہے۔ لیکن ایک ایک، ڈیڑھ ڈیڑھ صفحے پر پھیلی ہوئی آرا کو صرف مقالہ طویل کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ رویہ اس بات کی غماز ہے کہ مقالہ نگار اپنی کوئی رائے نہیں رکھتا اور اگر رکھتا ہے تو اس کو استدلال کے ذریعے منوانے کے سلیقے سے قاصر ہے یا اس میں اعتماد کی کمی ہے اور وہ ''بھیک کے مانگے کے اجالے میں مگن'' رہنے کا قائل ہے۔ زیرِنظر مقالہ علم اور معلومات سے گراں بار ہے۔ اس قسم کے حوالوں سے اس کی وقعت میں اضافہ نہیں ہوا ہے بلکہ شاید کمی ہوئی ہے۔

ہمارے خیال میں اس قسم کے حوالوں کی ضرورت وہاں زیادہ ہوتی ہے جہاں ماقبل کی کسی تحریر سے اختلاف ہو۔ میری ایک کتاب پر انگریزی اخبار میں یہ تبصرہ شائع ہوا تھا کہ میں نے پرانی کتابوں کے حوالوں سے کام نہیں لیا ہے۔ سوائے اس کے جہاں پہلے سے پیش کردہ معلومات سے اختلاف کیا گیا ہے۔ اس اعتراض پر مجھے ان مبصر کی علمی کم مائیگی کے سوا کوئی نکتہ نظر نہیں آیا۔ معلوم حقیقتوں کے لیے تائیدی بیان تلاش کرنا اور انھیں تحریر کرنا کارِعبث ہے۔

پہلے باب میں مذاہبِ عالم میں اللہ کے تصور کو تلاش کرنے کی سعی قابلِ تحسین ہے۔ اس ضمن میں پیش کردہ معلومات مقالہ نگار کے وسیع مطالعے اور اخذ مطالب کی صلاحیتوں کو اُجاگر کرتے ہیں۔ ان خوبیوں کا اقرار نہ کرنا مقالہ نگار کی محنت کو رائیگاں کرنے کے مترادف ہوگا۔ اس حوالے سے بھی دو باتیں کھٹکتی ہیں۔ ایک یہ کہ انھوں نے مذہب، علم الاصنام اور فلسفیانہ عمیق میں فرق ملحوظ نہیں رکھا ہے اور سب کو ایک ہی سطح کے مذہب سے تعبیر کیا ہے۔ مذہب من جانب اللہ بوسیلہ نابغۂ ہستی بطورِ کلام یا احکام نازل ہوتا ہے۔ ایسے مذاہب کو برحق کہا جاتا ہے۔ وقت کے گزرنے کے ساتھ کئی مذاہب کا نزول ہوا ان میں کسی مابعد مذہب نے ماقبل کی تردید یا تکذیب نہیں کی۔ (افراد نے کی ہو تو اور بات ہے) علم الاصنام انسانی ذہنی تخلیقی عمل کے دائرے میں آتے ہیں۔ ان کے تخلیق کار کے وجود سے بھی ہم واقف ہوتے ہیں۔ ''الف لیلیٰ''، ''داستانِ

D:NaatRang-15
File:Shafqat-1
Final

امیر حمزہ'' جیسی داستانوں کو مذہب مان لینا اور ان کے کرداروں کو خدا یا اس کا کوئی روپ قرار دینا ذہنی دیوالیہ پن کے سوا کچھ نہیں۔ مقالہ نگار نے مذہب اور علم الاصنام کو برابری کے درجے پر رکھا ہے۔

مقالے میں تعریف و توصیف کے لیے استعمال ہونے والی اصطلاحات کی وضاحت موجود ہے۔ جیسے حمد، ثنا، ستودن، ستائش، سپاس و شکر وغیرہ اور صاف لفظوں میں لکھ دیا ہے ''حمد صرف اللہ کی تعریف و توصیف کے لیے مخصوص ہے اس کے دائرۂ مفہوم میں کوئی اور ذات یا شخص یا شے داخل نہیں ہوسکتی۔'' (ص۱۰) لیکن اس اصطلاح کے استعمال میں احتیاط نہیں برتی گئی ہے جیسے ان لیل دیوتا کی حمد (ص۲۱)، اننا دیوی کی حمد (ص۲۱)، عشتار دیوی کی حمد (ص۲۲)، نن ارتا، جنگ کے دیوتا کی حمد (ص۲۲)، ای کر مندر کی حمد (ص۲۲)، اش کر بارش طوفان اور ہوا کے دیوتا کی حمد (ص۲۳)، شولگی بادشاہ کی حمد (ص۲۳)، سورج کی حمد (ص۲۶)، نیل کی حمد (ص۲۷)، وارن کی حمد (ص۲۸)...ہے۔ ان ''حمدوں'' کا کوئی جواز!؟

اسی باب میں ''اثباتِ الٰہی کے دلائل'' کے زیرِ عنوان جن خیالات کا اظہار کیا گیا وہ ایک عام ادیب کی سطح سے بہت بلند ہے۔ اس میں مقالہ نگار کی مذہبی معاملات پر دسترس کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس میں (صفحات ۳۷ تا ۴۹) میں جنابِ عاصی اپنی تبحرِ علمی کے ساتھ ادیب کی سطح سے بلند تر دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے علم اور ان کی قدرتِ اظہار پر رشک کرنے کو جی چاہتا ہے۔ ''اثباتِ الٰہی کے دلائل'' کے بعد مقالہ نگار نے عربی کے شاعروں کے کلام کے حوالے سے یہ بھی انکشاف کیا ہے کہ ماقبلِ اسلام بھی ان میں خدا کا کوئی نہ کوئی تصور موجود تھا۔ اسی کے ساتھ بعد کے شعرا کے کلام میں بھی خدا کے وجود کے اثبات کی تائید میں کلام درج ہے۔ (ص۵۰ تا ۶۱)

اسی باب میں ''نعت'' بحیثیت صنفِ شاعری سے بحث کرتے ہوئے نعت کے لفظی معنی بحوالہ لغات درج کیے ہیں اور فیصلہ کن انداز میں تحریر فرمایا ہے۔

> لغوی معانی و مفاہیم کے باوجود اصطلاحی طور پر نعت کا لفظ حضرت محمد ﷺ ہی کی ذاتِ گرامی اور صفاتِ حمیدہ و طیبہ ہی کے بیان کے لیے مخصوص ہے جب کہ دوسری ہستیوں کے لیے وصف، مدح، مدحت، منقبت، تعریف، توصیف کے الفاظ کا استعمال انھیں ممتاز و مختلف کرتا ہے۔ (ص۶۳)

یہی نعت کی حقیقی اور جائز تعریف ہے اور خاص و عام میں رائج ہے لیکن بعض پست

ذہن افراد جدتِ خیال اور شہرت طلبی کی خاطر حضور پاک ﷺ کی توہین کے مرتکب ہوتے ہوئے نعت کی اصطلاح ان کے لیے استعمال کرنا جائز قرار دیتے ہیں جو حضورِ پاک ﷺ کی خاکِ پا کے برابر بھی نہیں ہیں۔ اپنے وسعتِ مطالعہ کے اظہار کے لیے مقالہ نگار نے عظمتِ رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے قرآن شریف کی شہادتوں پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ ماقبلِ اسلام کی متعدد کتبِ آسمانی اور تصانیف سے بھی فیض اٹھایا ہے۔ ان میں ''سام وید''، ''اتھروید''، ''بھگوت گیتا''، ''مہابھارت''، ''پوتھی راما سنگھ''، ژنداوستا'' کے حوالے شامل ہیں۔ بظاہر ان کا عنوانِ مقالہ سے براہِ راست کوئی تعلق نہیں لیکن کم علموں کے لیے وافر اطلاعات موجود ہیں۔ حمد و نعت کے بارے میں پہلا باب (ص۷ تا ۱۸۰) خاصا معلومات افزا ہے۔

دوسرے باب کا موضوع ہے ''اردو شاعری میں حمد و نعت کی روایت اور اس کے محرکات'' اس کے ضمن میں دینی و مذہبی، نفسیاتی و ماحولیاتی، تہذیبی و تاریخی، ملّی وقومی، علمی و ادبی، متصوفیانہ و فلسفیانہ محرکات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ (ص۱۸۱ تا ۲۱۱) اس باب کے سلسلے میں چونکا دینے والی بات یہ ہے کہ ''ابواب کی تقسیم'' میں وہی عنوان قائم کیا گیا ہے جو اوپر درج کیا گیا جب کہ مقالے میں ان متذکرہ مباحث کا عنوان ہے ''فارسی شعری روایات اور اردو حمد و نعت''۔ اس فرق کا جواز ناقابلِ فہم ہے۔ اس میں فارسی شعری روایات کے جو حوالے دیے گئے ہیں وہ حمد و نعت تک مخصوص ہیں۔ فارسی شعری روایات نے اردو شاعری کی ہر صنف میں یکساں طور پر متاثر کیا ہے۔ اس کا اعتراف اس باب میں موجود ہے۔ (ص۱۸۳) اسی کے ساتھ حمد و نعت پر فارسی اثرات کی نشان دہی بھی ہے۔ موضوعاتِ شعری کے ساتھ بحور و اوزان کی یکسانیت بھی واضح کی گئی ہے۔ ہمارے خیال میں اس کی ضرورت نہ تھی۔ اردو میں جو بحریں رائج ہیں وہ مسلمہ طور پر عربی و فارسی سے اخذ کی ہوئی ہیں۔ اس بات کو چند جملوں میں سمیٹا جاسکتا تھا جب کہ ہر بحر کو عنوان بنا کر اس میں فارسی کا ایک شعر اور اردو کا ایک شعر بطورِ نمونہ درج کیا ہے۔

اس سے شاید دعوے کی دلیل سامنے آجاتی ہو لیکن کلام طوالت کا شکار ہوجاتا ہے۔ عام طور پر پی ایچ۔ ڈی کے مقالوں کا وزن مشمولات کی گہرائی اور گیرائی کے بجائے ضخامت سے دیکھا جاتا ہے۔ کوئی تعجب نہیں۔ بہرحال باب دوم بھی تمہیدی نوعیت کے مباحث پر مشتمل ہے اور حق یہ ہے کہ مقالہ نگار نے موضوع کی وضاحت کا حق ادا کیا ہے۔

تیسرا باب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے میں حمدیہ اور دوسرے میں نعتیہ شاعری کے

مختلف پہلوؤں پر اظہارِ خیال کیا گیا ہے۔ پہلے موضوع کے مباحث دیگر امور کے سوا ''اللہ کا تصور قدیم مذاہب و عقائد میں'' بھی شامل ہیں۔ اس کے بارے میں پہلے ہی تفصیلی اظہارِ خیال کیا جاچکا ہے۔ یہاں ان کی تکرارِ محض ہے۔ دیگر پہلوؤں پر بحث تو تحصیلِ حاصل ہے لیکن جن شاعروں کے نام گنائے گئے ہیں، جن اشعار کو درج کیا گیا ہے، ان میں عربی یا فارسی شعری روایات نظر آتی ہیں اور نہ مقالہ نگار نے ان کی نشان دہی کی کوشش کی ہے۔ دراصل یہ باب اردو کی شاعرانہ روایت کی وضاحت میں ہے، فارسی روایات سے قطعاً مبرا ہے۔

چوتھا باب ''قدیم ادوار سے عصرِ جدید تک حمد و نعت کا جائزہ'' ہے۔ اس کے ابتدائی حصے میں اردو زبان کی نمو پذیری اور ترقی پذیری کے بارے میں وہی کچھ لکھا گیا ہے جو عام طور پر اس قسم کی کتابوں میں ملتا ہے۔ لطف یہ ہے کہ اردو کی اوّلین ارتقائی شکل دکنی کو بتلایا گیا ہے جس کا کوئی جواز نہیں۔ ایک ہی زمانے میں نمو پذیر زبانوں میں اردو، پنجابی، دکنی اور دوسری کئی زبانیں شامل ہیں جن میں باہم یکسانیت کے علاوہ اختلافات بھی ہیں۔ اگر دکنی اردو کا قدیم روپ ہے تو پنجابی کیوں قدیم روپ نہیں۔ کیوں کہ دکنی اور پنجابی میں بھی یکسانیت ہے اگر دکنی نے روپ بدل کر اردو کا بہروپ اختیار کر لیا تو جدید (اردو) کے رواج پانے کے بعد قدیم (دکنی) کی وفات حسرت آیات ہوجانی چاہیے جب کہ ایسا نہیں ہے۔ اردو کے عام ہونے کے دو ڈھائی صدی کے بعد بھی دکنی اپنی پوری توانائی کے ساتھ زندہ ہے اگر اس میں کسی کو شک ہو تو وہ مرحوم ریاست حیدرآباد کے مغربی حصے جسے مرہٹ واڑہ کہا جاتا تھا۔ دکنی کے زندہ شواہد سے بہرہ اندوز ہوسکتا ہے۔ کسی بزرگ نے دکنی کو اردو کے ساتھ نتھی کردیا اور اب تک ان کی سنت جاریہ ہے۔ عقل و فہم، دلیل و استدلال تحقیق اور تفتیش سے کام لینا ہمارے ''محققین'' کی نظر میں گناہِ کبیرہ ہے۔ اس لیے ماشاء اللہ سبھی لکیر پیٹے جا رہے ہیں۔ دکنی تحریروں کے حوالے سے ''معراج العاشقین'' کے مصنف خواجہ بندہ نواز گیسودراز ہیں یا نہیں اس کا ذکر ڈاکٹر جمیل جالبی کی تاریخِ اردو ادب کے حوالے سے کیا گیا ہے جس میں یہ بحث اجمالی ہے۔ دراصل یہ جالبی کا تحقیقی کارنامہ نہیں ہے بلکہ ان کی تاریخ لکھی جانے سے برسوں قبل استاذی ڈاکٹر حفیظ قتیل نے ''معراج العاشقین کا مصنف کون'' کے عنوان سے ایک کتاب لکھی تھی اور یہی اس عمومی دعوے کی تردید کی تھی کہ ''معراج العاشقین'' کے مصنف خواجہ بندہ نواز نہیں ہیں۔ اس کام کی تکمیل محبی مکرم ڈاکٹر حسینی شاہد نے کی ہے۔ ان کے پی ایچ۔ڈی کے وقیع مقالے ''امین الدین اعلیٰ'' میں

انھوں نے خواجہ بندہ نواز اور امین الدین اعلیٰ کے خاندانوں کے صوفیانہ خیالات کی تحقیق و تفصیل کا ذکر کرتے ہوئے واضح کیا ہے۔ معراج العاشقین میں جو صوفیانہ خیالات ہیں، وہ خاندانِ بندہ نواز کے خیالات سے مختلف ہیں اور امین الدین اعلیٰ کے خاندانی خیالات کے عین مطابق ہیں۔ اس وضاحت کو اس لیے ضروری سمجھ کر لکھ دیا ہے۔ چند معروف اور مقبول کتابوں پر اکتفا کرنا تحقیق کی تکمیل کے لیے ضروری نہیں۔ مقالہ نگار کو غور کرنا اور معلوم کرنا چاہیے تھا۔ اس موضوع پر ڈاکٹر جالبی کی حمایت میں یا ان سے اختلاف میں بھی کچھ لکھا گیا ہے یا نہیں۔ دوسروں کی تحقیق سے استفادہ کرنے سے ہی کوئی محقق نہیں بن جاتا۔ وہ تحقیق پوری نہیں ہوتی جس میں تمام حامی اور مخالف آرا اور نتائج کو پیشِ نظر رکھ کر استدلال سے کسی کو تسلیم اور کسی کو رد نہ کیا جائے۔

اس ضمن میں یہ اظہار بے جا نہ ہوگا کہ مولوی عبدالحق، ڈاکٹر زور، پروفیسر سروری وغیرہ اردو تحقیق کے حوالے سے بڑے نام شمار کیے جاتے ہیں۔ انھوں نے بے شمار مخطوطات بازیافت کیے۔ لاکھوں کی قدر کی کتاب کوڑیوں میں اور کوڑیوں کی کتاب لاکھوں میں خریدی۔ یہ ان پر الزام یا اعتراض نہیں، ان کی لگن کا اعتراف ہے۔ متذکرہ بزرگوں نے (جن میں ڈاکٹر زور اور پروفیسر سروری سے اکتسابِ فیض کی سعادت مجھے حاصل رہی ہے) گراں قدر کارنامے انجام دیے۔ انھوں نے مخطوطات کا تعارف کروایا۔ ان کی وضاحتی فہرستیں مرتب کیں۔ ان کے متنوں کی تدوین کی اور اس کے چند نظریات قائم کیے۔ ان کی کاوشوں کو خراجِ تحسین ادا کرتے ہوئے یہ کہنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ ان کے نظریات یا خیالات حرفِ آخر نہیں ہیں۔ انھوں نے مخطوطات کی خواندگی کی متنوں کو شائع کیا بعض ناقص مخطوطہ کے متنوں کی خواندگی میں ان سے غلطی ہوئی ہے۔ اسی طرح مصنف یا کتاب کے بارے میں ان کے نظریات کو بعد کی تحقیق نے ناقابلِ یقین بنا دیا ہے۔ آج کے محقق کو نہ تو ان پر تکیہ کرنا چاہیے اور نہ بعد کی کڑیوں کو نظرانداز کرکے حال کے محقق کو سند کا درجہ دینا چاہیے۔ کیا درمیانی محققین کو نظرانداز کرنا ان کی کاوشوں کو تسلیم نہ کرنے کے مترادف نہیں ہے۔ فی زمانہ مقالہ نگاروں کا رویہ یہ ہے کہ محققین کی کڑیوں میں سے کسی ایک کو پکڑ لیتے ہیں کبھی اوّلین محقق کو جن کی بعض باتیں غلط ثابت ہوچکی ہیں، سند بنا لیتے ہیں۔ کبھی سلسلۂ تحقیق کی آخری کڑی پر انحصار کر بیٹھتے ہیں۔ اسی ضمن میں یہ نشان دہی نامناسب نہیں ہوگی کہ سراج اورنگ آبادی کا قیاسی سال ولادت ۱۱۲۸ھ لکھا جاتا رہا ہے۔ جس کی تائید میں کسی نے سند پیش نہیں کی ہے لیکن مستند مخطوطے کے حوالے سے خود ان کے اعتراف کے باوجود وہ ۱۱۲۴ھ

میں پیدا ہوئے، آج کل پروفیسر سروری کے قیاس پر تکیہ کیا جاتا ہے اور عاصی صاحب نے بھی (ص۲۸۳) یہی کیا ہے اگر یہی حال رہا تو اردو ادب کی تاریخ کس طرح مستند اور مکمل ہو سکے گی۔

اسی باب میں اردو کے نمایاں شعرا کا ذکر ملتا ہے جن کے کلام میں حمد یا نعت کے اشعار ملتے ہیں۔ اس حصے کا انداز روایتی تذکرہ نگاری کا ہے جو اب پسند خاطر اربابِ علم وفن نہیں ہے۔ شاعروں کے تذکروں کے ساتھ ان کے بارے میں مفید اور مکمل معلومات کی کمی ہے اور سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ شامل شعرا کے بارے میں فاضل مقالہ نگار کی آرا کا فقدان ہے۔ آرا ہیں لیکن ان کی اپنی نہیں ہیں۔ ہر ایک شاعر کے ضمن میں کسی نہ کسی مستند یا غیر مستند مبصر کی رائے نتھی کی ہوئی ہے۔ اس سے یہ تو معلوم ہو جاتا ہے کہ کس نے کس کے بارے میں کیا کہا لیکن یہ معلوم کرنے سے قاصر رہتے ہیں، ان شعرا کے بارے میں خود مقالہ نگار کی کیا رائے ہے؟

مقالے کے اس حصے میں زیادہ حد تک وہی معلومات ہیں جو ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق اور ڈاکٹر ریاض مجید کے مقالوں میں ہیں۔ اضافہ بہت کم ہے حد یہ ہے کہ مقالہ نگار سمیت متذکرہ ڈاکٹر صاحبان یہ بتلانے میں کامیاب نہیں ہوئے کہ اردو میں پہلا ''حمدیہ دیوان'' کس کا ہے؟ کیا ''دیوانِ حمد ایزدی'' اور اس کا مصنف غلام سرور لاہوری واقعی نظر انداز کیے جانے کے قابل ہیں؟ اسی طرح مضطر خیرآبادی کو بھی صاحبِ حمدیہ دیوان ہونے کے باوجود قابلِ ذکر نہیں سمجھا گیا۔

باب کے اس حصے میں جو ''حمد و نعت گو شعرا'' کا تذکرہ مترتب کیا گیا ہے اس میں کسی کے کلام میں عربی یا فارسی شعری روایات کی نشان دہی نہیں کی گئی اور جو اشعار نقل کیے گئے ہیں ان میں تلاش سے بھی یہ اثرات نظر نہیں آتے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اس معاملے میں مقالہ نگار انصاف کرنے میں کامیاب نہیں ہوا ہے۔

دورِ جدید کے شعرا میں جہاں مستند حمد گو یا نعت گو شاعروں کو شامل کیا گیا ہے وہاں ایسے نام بھی نظر آئے کہ وہ مختلف جہات میں قابلِ تعظیم ہیں۔ لیکن زیرِ بحث موضوعات سے ان کا برائے نام تعلق ہے حمد یا نعت ان کی پہچان کبھی نہیں رہی۔ اسے احباب پرستی کہیں یا استاد کے ساتھ رعایت سمجھیں۔ اس حصے میں مقالہ نگار نے خود کو بھی شامل کیا اور بجا طور پر شامل کیا ہے۔ یہ اصناف ان کی پہچان ہیں۔ کیا خوب ہوتا کہ اپنی اُفتادِ فکر اور نظریے کی وضاحت کر دیتے۔ ان کے پرستاروں کو ان کو اور ان کے کلام کو سمجھنے میں مدد ملتی لیکن انھوں نے اپنی توصیف میں عبدالمجید

سالک، ماہرالقادری، حفیظ تائب، ریاض مجید اور فرمان فتح پوری کی آرا کا سہارا لیا جن میں چند اس صنف کی رموز سے واقف اور چند ناواقف ہیں۔

زیرِ بحث مقالہ ہمارے سامنے مطبوعہ صورت میں ہے۔ اس کے آخری دو حصوں کی شمولیت زائد از ضرورت ہے۔ ایک میں متعدد خطوط ہیں۔ انھیں کیوں شامل کیا گیا، عاصی صاحب نے اس کی وضاحت ضروری نہیں سمجھی۔ دوسرے حصے میں چند شعرا کا تذکرہ ہے جن کو صحیح مقام پر شامل کیا جاسکتا تھا لیکن اس کی عدم شمولیت کا جواز بھی پیش کر دیتے تو کیا برا تھا۔ اس حصے کو تذکرۂ شعرا بھی نہیں کہا جاسکتا۔ یہ صرف ''اسم شماری'' کا حامل ہے۔

ناانصافی اور ناقدری ہوگی اگر یہاں جناب ڈاکٹر پروفیسر عاصی کرنالی کی محنت کی داد نہ دی جائے انھوں نے وقت کے تقاضے کے مطابق ایک موضوع کو چھیڑا ہے اس سے نعت گوئی کی تاریخ اور اوصاف پر ہی روشنی نہیں پڑی ہے بلکہ ان کی ترویج و مقبولیت میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ میں نے بعض امور پر اپنی رائے دی ہے۔ اس سے تنقید کا حق ادا ہوا ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ تحقیق کا سلسلہ جاری رہے۔ آئندہ کے محقق ان باتوں کو پیشِ نظر رکھیں جن سے تاحال صرفِ نظر کیا جاتا رہا ہے۔ یہ تنقید جنابِ عاصی سے مخاصمت میں نہیں، تائید میں ہے۔ جائز تنقید ان پر کی جاتی ہے جن کو دوست سمجھا جاتا ہے ورنہ ہم تو خرافات کے دور میں جی رہے ہیں اور خرافاتِ ادبی کا وہ حال ہے کہ سانس لینا مشکل ہے۔ لیکن زبان اور قلم خاموش ہیں کہ ان سے اُلجھ کر کون اپنے دامن کو گندہ کرے۔ اس تعارف و تبصرہ میں میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ میری اپنی رائے اپنی سمجھ کے مطابق ہے۔ مجھے اصرار نہیں ہے کہ جنابِ عاصی ان سب کو بارغبت یا بالاکرہ تسلیم کریں۔

D:NaatRang-15
File:Shafqat-1
Final

ڈاکٹر سیّد شمیم احمد گوہر۔ بھارت

دیارِ نعت... ایک مطالعہ

ماہنامہ ''نعت'' لاہور کا خصوصی شمارہ (دسمبر۲۰۰۲ء) ''دیارِ نعت'' (مجموعۂ نعت از راجا رشید محمود) کے مطالعے کی سعادت نصیب ہوئی۔ استادِ سخن میرتقی میر کی ۵۳ زمینوں کو اپنے نعتیہ کلام کے سانچے میں ڈھال کر راجا صاحب نے تازہ کارنامہ انجام دیا۔ راجا صاحب تعارف کے محتاج نہیں۔ وہ نعت گوئی کا ایک لمبا سفر طے کرتے اور بے دریغ ادبی خدمات انجام دیتے ہوئے اب تک تقریباً پچیس مجموعے پیش کر چکے ہیں۔ متعدد مجموعوں کے مطالعے کا مجھے بھی موقع ملتا رہا ہے۔ ''دیارِ نعت'' بھی ان کے جوشِ عقیدت، خوش بوئے محبت اور تخیلی طہارتوں کا خوب صورت مجموعہ ہے۔ اس مجموعے میں ایسے بہت سے اشعار موجود ہیں جن کے مطالعے سے اگر ایک طرف سینے میں عشقِ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے چراغ جلنے لگتے ہیں تو دوسری طرف نعتیہ شعری رفتار کے ذریعے فریضے اور ان کی ایمانی کارکردگی کا اندازہ بھی ہوتا ہے کہ راجا صاحب عشقِ رسالت کے متعلق بعض مسائل و پیچیدگی اور عیوب و نقائص کو دیکھتے ہوئے حیرت بھی ہوئی کہ موصوف چراغ جلاتے رہنے میں کس انہماک کے ساتھ مصروف رہتے ہیں مگر ان حقائق کے باوجود ''دیارِ نعت'' کی پختہ کاری اور کہنہ مشقی کی رفتار کو اچانک یہ ہوا کہ وصف بیانی اور مدح آرائی کے علاوہ تنقیدی نظریات و انکشافات اور فنی و فکری عیوب و اغلاط کو بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔

زودگوئی اور کثیر نویسی کوئی اعتراض کی چیز نہیں جو جس صلاحیت کا مالک ہوگا اس کا اظہار کرے گا ہی، مگر نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور وصف حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی رعایت سے عیوب و اغلاط سے ہر شعر کو پاکیزہ و طاہر رکھنا ضروری ہے اور یہی نعت گوئی کی شان

D:NaatRang-15
File: Shamim-1
Final

ہے۔ یوں بھی فکری ندرتوں، فنی بلاغتوں اور تخئیلی وسعتوں کو ہر شعر سے وابستہ نہیں کیا جاسکتا۔ ہر شعر انفرادی رنگ کی چھاپ چھوڑ جائے ایسا بہت کم ہوتا ہے۔ ''دیارِ نعت'' میں راجا صاحب نے احتیاط و اجتناب اور فنی قباحتوں کو متعدد مقامات پر بے لگام چھوڑ دیا جن سے مطلع کرنا ضروری ہے جب کہ وہ خود کہتے ہیں:

''نعت میں فنی محاسن کا بڑا درجہ ہے۔''

ع　کون ہے وہ سوائے آقا ''سوائے آقا'' ہونا چاہیے یا پھر ''سوا آقا کے''۔ اس کی تصدیق ایک جگہ وہ خود اپنے مصرعے میں کرتے ہیں:

سوا محمود مدحِ مصطفےٰ کے

اس نوعیت کی غلطیاں کئی مقامات پر ہیں:

وہ خدا ہیں نہ ہم سے بندے ہیں
راستا　درمیان　سے　نکلا

قافیے کی رعایت سے تو الف ہوسکتا تھا مگر یہاں پر راستہ کی بجائے راستا لکھنا نہ مروّج ہے نہ مستعمل۔

دیکھ لو انتہائیں کیا کیا ہیں

انتہا کی جمع انتہائیں کہیں مستعمل نہیں ہے اور نہ ہی یہ اجتہادی عمل قابلِ قبول۔

پہلے پہل نگاہیں چکاچوند آگئیں

آنکھوں کا چکاچوند ہونا محاورہ تو جانتا ہوں ''چکاچوند آگئیں'' کی مجھے کوئی خبر نہیں۔

میں ان کی بارگاہ میں ہوں التجا کناں

التجا کناں تو جمع ہے یہاں پر التجا کن ہونا چاہیے تھا۔

توڑے گا طائر روح کا جب حجلۂ قفس

نئی نویلی دلہن کے حجرے کو حجلہ کہا جاتا ہے جو یہاں پر کسی طرح مناسب نہیں۔ حجلۂ قفس کی ترکیب بھی درست نہیں اس کے علاوہ طائر کی ''ر'' گرنے کے سبب مصرع خارج از بحر۔

یادِ رسولِ پاک میں راتیں ہماریاں

ہماریاں یا بھاریاں وغیرہ اب یہ زبان نہ صرف غیر مستعمل بلکہ متروک بھی قرار دی جاچکی ہیں۔ زبانِ میرؔ کی تقلید کی اب کوئی ضرورت نہیں۔ اس غزل کے ایک مصرعے میں خود میرؔ بھی

چکما کھا گئے۔ فرماتے ہیں ''مشہور ہیں دلوں کے ترے بے قراریاں'' پہلی بار پتا چلا کہ میر کے پاس ایک نہیں بلکہ کئی دل ہیں۔

انھی سے آس اور ارماں کی جب نسبت ہوئی قائم

انھیں کے حق میں تحریف ناجائز و غلط ہے انھی کی بجائے انھیں ہونا چاہیے یہی رائج ہے۔

ہاتھ تو باندھے ہوئے ہوں گر کرم درکار ہو

''ہاتھ تو باندھے ہوا ہوں'' ہونا چاہیے تھا۔

حاضری کی کوئی نہ کوئی تو صورت چاہیے

مصرع خارج از بحر۔

جب کوئی دانندۂ اسرارِ حکمت چاہیے

داند سے دانندہ تو ہوسکتا ہے مگر ایسے موقعے پر عموماً دانا ہی استعمال ہوتا ہے۔ دانندہ فصاحت و بلاغت کے خلاف ہے اور نہ ہی کسی استاذِ سخن کی شاعری میں پڑھنے کا اتفاق ہوا۔

دیکھ لے سرکار کے روضے کو جی بھر کے رشید
اس کو عزرائیل صاحب اتنی مہلت چاہیے

عزرائیل صاحب لکھنا بولنا غیر مروّج، غلط بلکہ قربِ توہین ہے۔ مہلت دینا ربّ تعالیٰ کے اختیار میں ہے عزرائیل علیہ السلام کے اختیار میں نہیں۔

اسرارِ کائنات پھر کیا ان پر وانہیں

مصرع خارج از بحر، ''کیا'' کی مداخلت خلل انداز ہے۔

محمود شکوہ رب سے تو کرتے رہے ہیں سب
لیکن کسی کو اس کے نبی سے گلہ نہیں

نعوذ باللہ یہ تو عام مشاہدہ ہے کہ لوگ بات بات پر اللہ سے شکوہ کرنے لگتے ہیں جو نہیں کرنا چاہیے مگر رسول سے کوئی شکوہ نہ کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ رسول کی عظمت، خدائے برتر سے بڑھ جائے۔ اس شعر سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ عشق و محبت کی بنیاد پر لوگ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تو کوئی شکوہ نہیں کرتے مگر اللہ سے کر بیٹھتے ہیں۔ شکیل بدایونی نے ایک جگہ خود کہا ہے:

حالی نے زباں سے اُف بھی نہ کی اقبال شکایت کر بیٹھے

اگر شعر کا اشارہ اسی مفہوم کی طرف ہے تو راجا صاحب کو مفتیٔ شہر سے ضرور رجوع کرنا چاہیے اس لیے کہ انھوں نے یہ بات ''سب'' کے تعلق سے کہہ دی۔

میں چند دن جو آقا کے شہر میں رہوں ہوں
کچھ ماہ تک تو مجھ پر اس کا اثر رہے ہے

اوّلاً زبانِ متروک کو بار بار استعمال کرنا درست نہیں۔ دوم یہ ظاہر کرنا کہ چند روز شہرِ مدینہ میں رہنے کے سبب چند ماہ تک اس کا اثر ہوتا ہے۔ گویا اس کے بعد پھر اس کا اثر ختم ہوجاتا ہے جب کہ مفہوم یہ ہونا چاہیے کہ وہاں کا ایک لحہ بھی تمام زندگی پر بھاری ہے۔ اس مفہوم کا اظہار اگرچہ ان کے دیگر اشعار میں موجود ہیں پھر اس انداز کے شعر کہنے کہ کوئی ضرورت نہ تھی:

پندرہ سو سال ہونے کو آئے ہیں نعت کو

سو کی ''واؤ'' گر گیا مصرع خارج از بحر۔

میں نے جب ان کو استلام کیا

فقط استلام نہیں استسلام ہے۔ باب استفعال کے وزن پر جس کا مفہوم سلامتی طلب کرنا، سر جھکانا یا اسلام قبول کرنا، وغیرہ۔

تھے اور بھی رسل گر رب نے حبیب کو

رسول کی ''ل'' گر گیا، مصرع خارج از بحر۔

لطفِ حضور حال پر میرے اگر نہ ہو

پر کی ''ر'' گر گیا ''پہ'' ہوتا تو مصرع صحیح ہوجاتا۔ ''لطفِ حضور حال پہ میرے اگر نہ ہو''

دل گرا میرا گویا کٹ کٹ کر
آ گئیں گھڑیاں جب جدائی کی

نعتیہ شاعری، صداقت و محبت اور حقائقِ خیر کی تابع ہے اس کا لحاظ و رعایت رکھنا قدم قدم پر فرض ہے۔ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حقیقت کی خبر تو ہے ہی کہ جدائی کے وقت دل کٹ کٹ کر گرا، یا نہیں۔ اس نوعیت کی غلو نوازی سے نعتیہ شاعری مجروح ہوتی ہے۔

چاہت رہی ہمیشہ مجھے اس لغات کی

جب لغات جمع ہے تو اس کی جگہ ''ان'' ہونا چاہیے تھا۔

مدحِ نبی ہے ارتقائی انتہائی بات

مصرع خارج از بحر۔

رسولِ پاک نے محمود خواب میں آکر

مرا سلام لیا اور بہ ابتسام لیا

اگر یہ حقیقت ہے تو جناب راجا صاحب کی قسمت پر فخر کرنا چاہیے ورنہ رعایت شعری کے تحت جوشِ عقیدت مندی میں ایسا غلو نہ ہو کہ ایسی خیال آفرینی دائرۂ کذب میں داخل ہوجائے۔ عرفی نے اسی لیے کہا ہے کہ نعت گوئی تلوار کی دھار پر چلنے کی مانند ہے۔

کفر کا مرتکب ہوا محمود

جس نے ان کو خدا پہ قیاس کیا

مصرع خارج از بحر۔ قیاس کی ''ی'' گر گئی۔

سدرہ کی منزل پر رُکنے کی اَہَمِیّت سمجھو

''اہمیت'' تو ایک آسان اور عام لفظ ہے جیسے ''حے ثیت''، ''اص لیت''، ''فوقیت''، ''فرضیت''۔ اسی طرح ''اہ میت'' مگر مصرعے میں ''اَہم میّت'' (اَہَمِیّت) استعمال کیا گیا جو غلط اور لغو ہے۔ مصرع خارج از بحر بھی۔

رب نے حبیب کی کریں دلداریاں بہت

''کریں'' متروک و غیر مستعمل ہے ''کیں'' ہونا چاہیے تھا۔

پیچھے پڑی ہیں آج کل تک بیماریاں بہت

مصرع خارج از بحر۔ کل کی ''ل'' گر گیا۔ محض ۵۳ غزلوں کے مابین اتنے اغلاط و نقائص کو میں بہت سمجھتا ہوں جب کہ چند اشعار کی بابت صرفِ نظر سے کام لیا گیا۔

نعت گوئی کا مزاج بن جانے یا نعتیہ فکری معمولات کے ہموار رہنے کا یہ مطلب نہیں کہ شاعر کسی بھی لمحے نقائص و عیوب پر گہری نظریں رکھنے کے فریضے سے بے خبر رہ جائے۔ بعض اوقات ایسی بھی لفظی و فنی غلطیاں شامل ہوجاتی ہیں کہ شعر یا مصرع تو متاثر ہوجاتا ہے مگر فکری عوامل پر کوئی فرق نہیں پڑتا، مثلاً:

مدینے رسا لازماً ہوگے تم

بڑھاؤ قدم رہ گزر کے لیے

اس شعر میں ''مدینے رسا'' کے تحت فنی غلطی تو ضرور ہوگئی مگر مفہوم پر کوئی ضرب نہیں آیا جب

کہ ''مدینے رسا'' کی جگہ ''مدینہ رسا'' ہونا چاہیے تھا۔ اس کے برعکس:

عاصی تو ہوں مگر نہ ڈرا حشر سے مجھے
ہوں گے نبی وہاں تو سزا کا یقیں نہیں

اس شعر میں کوئی فنی خرابی تو نہیں مگر نزاکتِ نعت کے تحت فکری قباحت ضرور شامل ہوگئی۔ عاصی ہونے کے باوجود جب حشر میں ڈر کا کوئی شک نہیں تو پھر اس یقین کا بھی اظہار کرنا چاہیے تھا کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم بروزِ حشر مدد کو یقیناً موجود رہیں گے۔ ''ہوں گے نبی وہاں تو'' کا کیا سوال، بے شک رہیں گے۔ مصرعے کو یوں ہونا چاہیے تھا:

آقا کے سامنے تو سزا کا یقیں نہیں

حاصلِ مطالعہ

تبصرہ نگار: عزیز احسن

مثال/ منیر سیفی

منیر سیفی غزل کے اچھے شاعر ہیں۔ نئی تراکیب اور جدید تشبیہات سے وہ شعری خواب بنتے ہیں۔ نعت میں بھی انھوں نے اپنا شعری معیار برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے۔ اس لیے ان کی نعت بھی تازہ فکری رو اور اسلوب کی انفرادی جھلک کے ساتھ اپنا تشخص منواتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ جدت کی لہر میں کہیں کہیں ان کا قدم فکری اعتدال کی شاہراہ سے ذرا سا ہٹ بھی گیا ہے جو ظاہر ہے شعوری بے اعتدالی کے زمرے میں نہیں آتا، تاہم احتیاط لازم ہے، مثلاً:

کبھی جو دیر سے لوٹوں تو میری ماں کی طرح
وہ میرے رزق کا حصہ نکال رکھتا ہے

(اس شعر کو آیۂ قرآنی ''لیس کمثلہ شیٔ'' سورۂ شوریٰ کی روشنی میں پڑھیں تو قابل اصلاح ٹھہرتا ہے)۔

عجیب شخص ہوں میں، ڈھونڈتا پھروں ہر جا
فضائے خلد میں بھی سایۂ خیام رسول ﷺ

(اس شعر میں ''عجیب شخص'' کی ترکیب محل نظر ہے)

اب تو روگ لگا بیٹھا ہوں آپ پہ مرنے والوں کا
جیتے جی اب جائے یہ آزار، نہایت مشکل ہے

(روگ اور آزار دونوں الفاظ عشق نبوی ﷺ کے شایان شان نہیں ہیں۔ پھر اس عشق کے نہ

D:NaatRang-15
File: Hasil-e-Mutalah
Final

جانے کا ذکر لفظ مشکل کے ساتھ، اچھے پہلو کے بجائے اکتاہٹ کا تاثر دے رہا ہے)۔
نظرثانی کے لائق اور اشعار بھی ہیں، لیکن یہاں اشارہ کافی ہے۔

احتیاطِ کلام کی ضرورت اپنی جگہ لیکن جہاں منیر سیفی نے احتیاط کا دامن تھام کے
بات کی ہے (اور اکثر احتیاط کا دامن تھامے رکھا ہے)وہاں بے پناہ شعر کہے ہیں مثلاً:

حضورﷺ !آپ تو سینے کی دھڑکنوں میں ملے
میں سوچتا تھا کہ ملنا محال آپ کا ہے

☆

قیودِغیر کو خاطر میں لائے گا سیفی؟　　　خدا کا بندۂ آزاد ہے، غلام رسولﷺ

☆

میری تنہائی سمندر جیسی　　　آپ کی یاد سفینہ آقاﷺ

☆

تصور میں وہ صورت کیا بسی ہے　　　جہاں تک دیکھتا ہوں روشنی ہے

☆

باتیں کاہکشاں سی، لفظ ستاروں جیسے　　　کھولیں گے وہ پھول سے لب تو روشنی ہوگی

یہ اور اس طرح کے بہت سے ستاروں سے ''مثال'' کا شعری افق روشن ہے۔ اس کتاب میں کچھ سلام، ایک منقبت اور چند قطعات اور ثلاثی بھی ہیں۔ یہ مجلد کتاب خوب صورت گرد پوش کے ساتھ سلیقے سے چھاپی گئی ہے۔ معروف شاعر شہزاد احمد نے فلیپ لکھا ہے۔
دبیز کاغذ پر ۱۵۴ صفحات کی، کتاب کی قیمت ۱۵۰ر روپے مناسب معلوم ہوتی ہے۔ کاغذی پیرہن، ۲۷ر بیڈن روڈ لاہور سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

ماہ حرا / کلیم عثمانی

غزل گو کا قبلہ درست ہوجائے تو وہ حمد و نعت کے گلستانوں کی سیر کرنے لگتا ہے پھر تو اکثر اس کے دامن پر سبدگل کا گمان ہوتا ہے۔ یہی حال کلیم عثمانی کے کلام کا ہے، وہ ایک منجھے ہوئے غزل گو تھے اور جب نعت کی وادی میں آئے تو انھوں نے موضوع کی تفہیم اور اظہار کی سچائیوں کو اپنے تخلیقی جوہر سے ہم آمیز کرکے، مدحت کے پھول کھلانے شروع کر

دیے۔ ''ماہِ حرا'' کلیم عثمانی کے نعتیہ کلام کا مرقع ہے۔ یہ صحیفۂ حبِ نبوی، گدازِ قلب کا آئینہ اور معراجِ فن کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ کلیم عثمانی کے شعری لوازمے پر مختصراً رائے دینے والوں میں احمد ندیم قاسمی، امجد اسلام امجد اور سعود عثمانی ہیں، جب کہ معروف نعت گو شاعر جناب حفیظ تائب نے ''پیشوائی'' کے زیرِ عنوان تقدیم لکھی ہے۔ کلیم عثمانی کے کلام میں عقیدے اور عقیدت کا جو توازن ہے وہ نعت گو شعرا کی اکثریت میں کم کم دیکھنے میں آتا ہے۔ کلیم عثمانی کے کلام سے کلاسیکی مزاج کی پختگی اور مشقِ سخن کی بھرپور ریاضت جھلک رہی ہے۔ ''ماہ حرا'' میں شامل تمام شعری مرقعے یا تو غزل کی فارم میں ہیں یا اسی ہیئت میں نظم کے اشعار ہیں۔ گویا تمام کلام اوزان و بحور کی پابندی کا عکاس ہے۔ دو ایک شعر ملاحظہ فرمائیے:

وہ خاتمِ دوراں کا ہیں تابندہ نگینہ ہیں تا بہ ابد سارے جہانوں کے وہ رہبر

☆

دراقدس سے لوٹ آئے تو یہ عقدہ کھلا ہم پر
بچھڑ کر ان سے جینا بھی قیامت ہی قیامت ہے

☆

آخرت میں نجات ہے ان کی ہوگئے ان سے جو بھی وابستہ
باقی جو ہے منجملۂ خار و خس و خاشاک اک تیری محبت ہے زمانے کی حقیقت

اس کلام میں بیشتر نمونے سہل ممتنع کے ہیں جو زبان و بیان پر قدرت کے بغیر جز و ہنر نہیں بنتا۔

۱۶۰ صفحات کی یہ مجلد کتاب طوبیٰ پبلیشرز، ۸۵، سکندر بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور سے صرف ۱۲۰/ روپے میں حاصل کی جاسکتی ہے۔

عرضانہ/قاضی فراز احمد

قاضی فراز احمد، قطر میں مقیم ہیں اور ابن الحبیب احقر کے بیان کے مطابق قطر میں مقیم اردو شعرا کے سرخیل ہیں۔ عرضانہ میں نعتیہ شاعری کے ساتھ ساتھ دینی حیثیت سے مملو نظمیں بھی ہیں۔ بعض نظموں کا مواد قرآن کریم سے قبل نازل ہونے والے صحف سماوی کے علاوہ ہندو مت اور بدھ مت کی مقدس کتب سے بھی ماخوذ ہے۔ یہ کام فراز صاحب سے قبل

عبدالعزیز خالد نے کیا تھا لیکن ان کی مشکل پسندی اور کثیراللسانی رویئے نے اس کلام کے ابلاغ میں دشواریاں پیدا کر دی تھیں۔ فراز صاحب کی زبان سادہ اور بیان خاصی حد تک سہل ممتنع کا آئینہ دار ہے۔ کتاب کا پیش لفظ ''گفتنی'' شاعر کے باشعور اور علمی طور پر باخبر ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ دیگر زبانوں سے ماخوذ خیالات کی اردو میں ترسیل بیشتر نثری شاعری کا نمونہ ہے۔ پابند شاعری میں کہیں کہیں اشعار کی بحریں بدلی ہوئی لگتی ہیں اور قوافی میں بھی لفظوں کے مسلمہ تلفظ کی پابندی نہیں کی گئی ہے۔ بدلی ہوئی بحروں کی مثالیں کتاب میں خاصی تعداد میں ہیں میں صرف ایک مثال پیش کروں گا۔ ایک نظم ہے ''ذی شان نبی ﷺ'' اس نظم کے گیارہ اشعار کی بحر ایک ہے:

بتا دوں تجھ کو یہ فکرو عمل کی زندگی ہوگی
اگر ایمان لے آئے تو صبح راستی ہوگی

لیکن اسی نظم کا ایک شعر یہ ہے:

یہاں ایمان و دل کی برکتیں ہیں رحمتیں ہیں اور نوازش ہے
یہاں رحم و کرم کی راحتیں ہیں عظمتیں ہیں اور ستائش ہے

اسی طرح ایک نظم نرغہ Fundamentalist میں ''ذہن'' کا قافیہ ''دہن'' کو بنایا ہے جو با اعتبار تلفظ الگ الگ قوافی ہیں۔ ایک نظم میں شہید کی جمع ''شہدا'' (ہائے ہوز متحرک یعنی بالفتح) ہے جب کہ شاعر موصوف نے ''شہدا'' فٹ کیا ہے جس سے ذم پیدا ہوگیا ہے کیوں کہ ''شہدا'' اردو میں برے آدمی کو کہا جاتا ہے۔

اسقام کی نشان دہی اس لیے کی گئی ہے کہ شاعر موصوف کتاب کی اگلی اشاعتوں میں اس طرف خصوصی توجہ دے سکیں۔

کتاب میں علامہ اقبال کے کلام کی تضمین بھی ہے جس کا ایک بند پیش خدمت ہے:

ہے عقل و فہم کو سجدے جنوں سے غم خواری
وفا، خلوص و مروت بنام عیاری
ضمیر و ذہن میں مکر و فریب غداری
خرد ہوئی ہے زمان و مکاں کی زناری
نہ ہے زماں نہ مکاں، لا الہ الا اللہ!

ایک قطعہ بھی ملاحظہ ہو:

در حضور پہ ادنیٰ غلام حاضر ہے
خموش لب ہیں یہ دل کا کلام حاضر ہے

☆

بصد خلوص بصد احترام و عجز و نیاز
غریب شہر کا پہلا سلام حاضر ہے

تراجم اور ترجمانی کا کام محنت اور متن کے استناد کے ساتھ کیا گیا ہے۔ کتاب غیرمجلد ہے لیکن گیٹ اپ اچھا ہے۔ کاغذ دبیز ہے۔ چھپائی معیاری ہے۔ ابن الحبیب احقر، عبدالخالق مونس اور حسن عبدالکریم چوگلے، نے تقاریظ لکھی ہیں۔ ٹائٹل بیک پر افتخار امام صدیقی کی رائے ہے۔

۱۶۰ صفحات کی یہ کتاب ۲۹۹۔ ای بوٹا والا نیوچال، پہلا منزلہ، روم نمبر ۳۲، رام بھاؤ بھوگلے مارگ، ممبئ ۴۰۰۰۱۰ سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

ثنا کا موسم/ شہزاد مجددی

ظلمت جاں کو اجالوں کا امیں کر ڈالا قلب کو اُن کی تجلی نے حسیں کر ڈالا
مجھ تہی دست کو مدحت کا قرینہ دے کر دشت افکار کو پھولوں کی زمیں کر ڈالا

یہ اشعار شاعر کی قلبی کیفیت اور سلیقۂ اظہار کے آئینہ دار ہیں اس لیے اگر صرف انھی اشعار کی بنا پر شاعر کے فنی خلوص اور ذات رسالت مآبﷺ سے نسبت کے گہرے احساس کا تاثر قبول کر لیا جائے تو مبالغہ نہیں ہوگا۔ تاہم ثنا کا موسم کا مطالعہ مزید آگے بڑھایا جاتا ہے، کیوں کہ اکا دکا اشعار تو کوئی بھی اچھے کہہ سکتا ہے۔ ایک جگہ شاعر نے حضرت احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ بریلوی کے مصرعے پر شعر کہتے ہوئے اس بات کا اعلان کیا ہے کہ انھیں روح رضا سے فیض پہنچا ہے۔ وہ نعت ملاحظہ کرتے ہوئے دل ان کے دعوے کی تصدیق کرنے لگتا ہے۔

D:NaatRang-15
File: Hasil-e-Mutalah
Final

حضرت رضا فرماتے ہیں:

تاب مرأت سحر، گرد بیا بان عرب غازۂ روئے قمر، دود چراغان عرب

اور شہزاد مجددی کہتے ہیں:

رونق بزم جہاں شمع شبستان عرب		ثانی باغ جناں حسن گلستان عرب
مجھ کو شہزاد کمک روح رضا سے پہنچی		ورنہ ہوتی نہ رقم مدحت سلطان عرب

چھوٹی بحر میں روح دین سمیٹنے کی ایک کوشش ملاحظہ ہو:

آپ کی پیروی کا نام ہے دیں		آپ کی ذات سے وفا ایمان

ایسے اچھے اشعار جس مجموعے میں ہوں اس کی تعریف مبصر کے قلم سے کیا اچھی لگے گی۔ پروفیسر فیضان دانش کی تحریر سے متبادر ہوا کہ شہزاد مجددی نو عمر ہیں۔ کلام سے ظاہر ہوا کہ قادرالکلام ہیں۔ تحقیقی اور تصنیفی سرگرمیوں کی فہرست دیکھ کر گمان گزرا کہ مجددی صاحب عربی فارسی کے غواص بھی ہیں اور بزرگان سلف کے سرمائے کے امین بھی۔ اتنی خوبیاں کم عمری میں انھیں حاصل ہوگئیں کہ رشک آنے لگا۔ اللہ انھیں نظر بد سے بچائے (آمین)۔ کتاب پر رائے دینے والوں میں جناب حفیظ تائب، پروفیسر فیضان دانش اور جناب احمد جاوید شامل ہیں۔

۲۷۲ صفحات پر مشتمل یہ خوب صورت کتاب صرف ۱۶۰/ روپے میں، دارالاخلاص ۴۹۔ ریلوے روڈ، لاہور سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

حضوری چاہتی ہوں/ پروین جاوید

پروین جاوید ایک اچھی شاعرہ ہیں۔ نثر بھی لکھتی ہیں اور خوب لکھتی ہیں۔ شاعری میں بھی ان کی طبیعت خوب رواں ہے۔ اپنی غزلوں اور نظموں کا مجموعہ ترتیب دینے بیٹھیں تو نعتیہ مجموعے کی اشاعت میں پہل کرنے کا خیال راسخ ہوگیا، نعتیہ شعری سرمایہ کم تھا لیکن مسلسل محنت اور لگن سے صرف پانچ ماہ کی قلیل مدت میں نعتیہ مجموعے میں شامل کرنے کے لیے کلام کہہ لیا۔ اس طرح ''حضوری چاہتی ہوں'' کی تمنائی شعاع حروف میں ڈھل کر لو دینے لگی۔ میں نے ان کی تمنا کو شعاع اس رعایت سے کہا ہے کہ پروین جاوید نے اپنی غزلوں اور نظموں کے مجموعے کے لیے ''شعلۂ ہنر'' کا نام تجویز کیا تھا۔

پروین کے کلام میں پختگی بھی ہے اور کہیں کہیں تسامحات بھی ہیں۔ مقام شکر کہ

تسامحات کی تعداد محاسن سے کم ہے۔بعض اشعار تو اس خوب صورتی سے تخلیق ہوئے ہیں کہ وجدان جھوم جھوم جاتا ہے، مثلاً:

میرے آقا کی عظمتوں کا سفر ختم معراج پر نہیں ہوتا
کوئی محروم روشنی نہ رہے آج شمس الضحیٰ کی محفل ہے

☆

ان کے روضے کی پیہم زیارت
آنکھ نے مدعا پا لیا ہے

☆

تیری مدحت ہی سبھی کچھ ہے کہ اس راہ کو ہم
راہ دل جانتے ہیں راہ سفر جانتے ہیں
خدا گواہ کہ بس تجھ کو معتبر جانا
صراط جاں پہ کسی کو نہ راہبر جانا
ورد جب درودوں کا ہو زبان پر پروین
روح گنگناتی ہے، دل نہال ہوتا ہے
دل کی دھڑکن سے ملا ہے شہ طیبہ کا پتا
ہم نے رستہ تو کسی سے کبھی پوچھا ہی نہیں

اور پروین کی تمنا کی معراج کس ہنر مندی سے معرضِ اظہار میں آئی ہے، ذرا ملاحظہ ہو:

نگہِ لطف جو سرکار کی مل جائے مجھے
ایک کنکر سے میں یاقوت و گہر بن جاؤں

اب اسقام کی طرف بھی محض اس خیال سے اشارہ کرنا ہے کہ نعت کی کارگاہ شیشہ گری لہجے، معنی اور فنی نقائص سے پاک ہوسکے۔ ایک شعر ہے:

سوالوں سے پرویں کے پہلے کھلے گا
در ''انما ھل اتی'' کہتے کہتے

اس شعر میں انما قرآنی فقرہ ہے جس کے معنی ہیں ''سوائے اس کے نہیں''۔ اسی طرح ''ھل اتی'' کے معنی ہیں ''کیا آئی ہے'' یا ''تحقیق آیا'' اور یہ دونوں فقرے قران میں الگ الگ

وارد ہوئے ہیں۔ ایسی صورت میں درج بالا شعر کا مفہوم سمجھنا مشکل ہوجاتا ہے۔ ایک نعت میں قندیلیں، تسبیحیں، تعبیریں، آنکھیں، تعزیریں، امنگیں، اور امیدیں بطور قوافی آئے ہیں جو اصول قوافی کے منافی ہیں، اس لیے کہ قندیل، تسبیح، تعبیر، آنکھ، تعزیز اور امنگ اپنی اصل شکل میں قوافی نہیں بن سکتے۔ یہ ہائیکو بھی نظرثانی کی متقاضی ہے:

عرش پہ بلوایا
اپنے سامنے پا کر
خود خالق شرمایا

اس میں خالق کے شرمانے کے جتنے بھی معنی برآمد ہوسکتے ہیں وہ ایمانی تقاضوں کے خلاف ہیں۔

اسی طرح درج ذیل شعر میں کعبۃ اللہ کا استخفاف ہوتا ہے، جو قطعی جائز نہیں:

کعبے کی گلی میں مرا دل اب نہیں لگتا
نظروں میں ہے طیبہ کہ مدینے کی گلی ہے

لیکن جیسا کہ میں پہلے عرض کرچکا ہوں، زیر مطالعہ کتاب میں اچھے اشعار کی تعداد اسقام سے کہیں زیادہ ہے اس لیے شاعرہ لائق مبارکباد ٹھہرتی ہیں۔ تقریظ نگاروں میں جناب تابش دہلوی، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، پروفیسر سحر انصاری، اور پروفیسر ڈاکٹر عاصی کرنالی کے اسمائے گرامی نظر آتے ہیں۔ فلیپ لکھنے والوں میں ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی، جناب سرشار صدیقی اور جناب خالد علیگ شامل ہیں۔

۱۶۸ صفحات پر مشتمل یہ کتاب ارباب ادب (پاکستان)، آر۔ ۵۷، گلشن شمیم، فیز۔ا، یاسین آباد، فیڈرل ''بی'' ایریا، کراچی سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ اتنے اچھے گیٹ اپ کی کتاب کی قیمت ۱۲۵/روپے کچھ زیادہ نہیں لگتی۔

سخن نعت/ مرتبہ: راجا رشید محمود

نعتیہ ادب کی ترویج و اشاعت کا کام مستقل طور پر اپنا وظیفۂ حیات بنالینے والے راجارشید محمود صاحب سیّد ہجویرؒ نعت کونسل کے چیئرمین بھی ہیں۔ نعت کونسل کے تحت ہر ماہ طرحی مشاعروں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ ان مشاعروں میں مہینے کی مناسبت سے ایسے مرحوم

شعرا کے مصرعے بطور طرح منتخب کئے جاتے ہیں جن کا وصال مشاعرے کے انعقاد والے ماہ میں ہوا ہو۔ پیش نظر مجموعے میں سن ۲۰۰۲ جنوری سے نومبر، تک منعقد ہونے والے مشاعروں پڑھا جانے والا کلام زینت قرطاس بنا ہے۔ سیمابؔ اکبر آبادی کا وصال ۳۱/ جنوری ۱۹۵۱ میں ہوا تھا۔ اس مناسبت سے پہلا مشاعرہ سیمابؔ کے مصرعے ''مدینے لا کے، نہ لائے خدا مدینے سے'' کی طرح پر ہوا اور نومبر میں مولانا ظفؔر علی خاں کا مصرع:

ہوا ہے رحمت پروردگار کا اظہار

بطورِ طرح، مشاعرے کا محرک بنا۔ ان طرحی مشاعروں میں ردیف اور قافیہ منتخب کرنے کی آزادی مشاعرے میں شرکت کرنے والے شعرا کو دیدی گئی تھی، مثلاً سیماب اکبر آبادی کے مصرعے میں، خدا، ثنا کے قوافی بھی استعمال کئے گئے اور ''مدینے، جینے'' کے بھی۔ راجا رشید محمود نے ''بلائے، لائے'' کے الفاظ بھی قوافی کے طور پر برتے۔ اسی طرح اس مشاعرے میں جو ردیفیں سامنے آئیں وہ ''مدینے سے''، ''سے'' اور ''خدا مدینے سے'' تھیں۔ اسی طرح تقریباً تمام مشاعروں میں قافیوں اور ردیفوں کا تنوع رنگا رنگ شاعری کی تحریک کا باعث بنا۔ ''سخن نعت'' کے ۲۴۰ صفحات میں گیارہ مشاعروں میں پیش کیا جانے والا کلام محفوظ ہوگیا ہے۔ مرکز معارف اولیا محکمۂ اوقاف پنجاب کی جانب سے شائع کی جانے والی یہ مجلد کتاب ''اعزازی تقسیم کے لیے'' تھی اس لیے اس کی قیمت نہیں رکھی گئی۔ اتنی اچھی پیش کش محض قیمت نہ ہونے کے باعث کتابی ذوق رکھنے والے تربیت یافتہ قاری تک نہیں پہنچ سکی۔ اس نکتے کی طرف بھی محکمہ اوقاف کو توجہ دینی چاہیے۔ کتاب کا پیش لفظ شفیق حسین بخاری، چیف ایڈمنسٹریٹر اوقاف پنجاب، نے لکھا ہے۔ جب کہ حرف محبت کے عنوان سے ڈاکٹر طاہر رضا بخاری، ڈائرکٹر مذہبی امور، اوقاف پنجاب، نے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔ محمد عبدالقیوم خاں، طارق سلطانپوری نے قطعۂ تاریخ کہا ہے اور خوب کہا ہے۔ راجا رشید محمود صاحب نے تقدیم لکھی ہے اور طرحی مشاعروں کے حوالے سے تحقیقی انداز میں کلام فرمایا ہے۔ مرکز معارف اولیا، محکمہ اوقاف پنجاب، لاہور، اس کتاب کی اشاعت اور اس کتاب کا لوازمہ(Matter) فراہم کرنے کے سلسلے میں مبارکباد کا مستحق ہے، کہ باقاعدگی سے طرحی مشاعروں کا اہتمام کر کے نعتیہ ادب تخلیق کروایا اور اس فن شریف کی مطبوعات میں ''سخن نعت'' کا اضافہ بھی کیا۔

خواتین کی حمدیہ شاعری/ ترتیب و تقدیم : غوث میاں

غوث میاں مطبوعات حمد و نعت کی ایک بے مثال لائبریری کے مہتمم ہیں، اس لائبریری کا نام ''حضرت حسانؓ حمد و نعت بک بینک، پاکستان'' ہے۔ غوث میاں نے اپنی محنت اور اپنے ذاتی سرمائے، سے حمد و نعت کے موضوع پر اتنی کتب جمع کرلی ہیں کہ بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ کم از کم پاکستان میں تو کسی نجی لائبریری میں اس موضوع پر اتنی کتب نہیں ہیں۔ راجا رشید محمود کی لائبریری، لاہور میں ہے لیکن چوں کہ ماہنامہ ''نعت'' ایک ادارہ ہے (جس میں بلاشبہ راجا صاحب کا پورا خانوادہ شریک ہے، جو ان کی خوش بختی ہے) اس لیے نجی اور شخصی لائبریری صرف غوث میاں کی ہے۔

اب کچھ عرصے سے غوث میاں نے تالیفی کام کی طرف توجہ کی ہے اور بڑی عرق ریزی سے پیش نظر کتاب مرتب کر کے ''حضرت حسانؓ حمد و نعت بک بینک، پاکستان، کے زیراہتمام شائع کی ہے۔اس کتاب کے مقدمے میں غوث میاں نے خواتین کی حمدیہ شاعری کے ضمن میں تحقیقی مواد پیش کیا ہے۔ خواتین کی شعری سرگرمیوں، اور بالخصوص حمدیہ شاعری کی منزل بہ منزل پیش رفت کا بھی انھوں نے خوبی سے جائزہ لیا ہے۔

عالمی ادب پر آجکل تحریک نسواں (Feminist movement) کا غلبہ ہے اور اردو ادب پر بھی اس تحریک کے اثرات نمایاں ہیں، لیکن افسوس اس تحریک کے زیراثر جو ادب تخلیق کیا جارہا ہے اس میں دین بیزاری کے عناصر غالب ہیں۔ حد یہ ہے کہ دین کے نام پر وجود میں آنے والے اس ملک ''پاکستان'' میں بے دین طبقہ محض خواتین کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے قرآنی احکامات کا بھی مذاق اڑاتا رہتا ہے اور ہمارے ہاں کے ادبا، شعرا اور ادیبائیں اور شاعرات بے دین طبقے کی سازش کو سمجھے بغیر ایسی ایسی باتوں پر تالیاں پیٹنے لگتے ہیں جو واضح طور پر احکامات الٰہیہ سے بغاوت پر مبنی ہوتی ہیں۔ پاکستان میں بیشتر بے دین ادیب اور شاعر، خواتین کو قرآن کے قانون شہادت میں دی گئی اس سہولت کا مذاق اڑاتے نظر آتے ہیں جو کسی نازک موقع پر (جس پر عموماً مرد بھی گواہی دیتے ہوئے جان کا خوف محسوس کرتے ہیں) عورتوں کو گواہی کے سلسلے میں دی گئی ہے کہ ایسے مواقع پر دو عورتوں کو گواہی کے لیے طلب کیا جائے جن کی گواہی ایک مرد کے برابر سمجھی جائے گی۔

Feminism کے نام پر کی جانے والی دین بیزار باتوں کا تذکرہ ہوسکتا ہے اس تبصرے کے حوالے سے غیر متعلق لگے لیکن میں نے اس کتاب پر رائے دیتے ہوئے یہ ضروری جانا کہ Feminism کے ایسے غلبے کے عالم میں اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگ بھی پیدا فرمائے ہیں جو خواتین کی ان تخلیقات کو سراہنے اور محفوظ کرنے میں مصروف نظر آتے ہیں جو دینی جذبوں کی بیداری کا آئینہ ہیں۔ خواتین کی حمدیہ شاعری کی جمع و تدوین کے کام میں راجارشید محمود (مدیر ماہنامہ نعت لاہور)، طاہر سلطانی (مدیر جہان حمد، کراچی) بھی پیش پیش ہیں، تاہم غوث میاں کا کام، انتخاب شاعری، کے حوالے سے ''خواتین کی حمدیہ شاعری'' کا اوّلین انتخاب تصور کیا جائے گا۔

۲۰۰ صفحات پر مشتمل یہ مجلد کتاب خوب صورت گرد پوش کے ساتھ چھپی ہے۔ کاغذ دبیز ہے اور طباعت میں سلیقہ مندی جھلک رہی ہے۔ مدیر ''نعت رنگ'' صبیح رحمانی نے فلیپ لکھا ہے جس میں کتاب کی اشاعت پر مبارک باد کے ساتھ ساتھ غوث میاں کی خدمات کو متعارف کرواتے ہوئے انھیں خراجِ تحسین پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب ''حضرت حسانؓ حمد و نعت بک بینک'' پاکستان، ۱۴۸۴۔۳، شاہ فیصل کالونی نمبر۳، کراچی ۷۵۲۳۰، سے صرف ۱۲۰؍ روپے میں حاصل کی جاسکتی ہے۔

خواتین کی نعتیہ شاعری / ترتیب و تقدیم: غوث میاں

خواتین کے نعتیہ شاعری کے انتخاب اس سے قبل بھی معرض وجود میں آچکے ہیں جن میں راجا رشید محمود اور طاہر سلطانی کی کاوشیں لائق تحسین ہیں۔ لیکن غوث میاں نے جس سلیقے اور تحقیقی بصیرت کا ثبوت دیا ہے، اس کے باعث زیر تبصرہ کتاب پچھلی تمام کاوشوں میں ممتاز رہے گی۔ مجھے خواتین کی شاعری میں کچھ فنی کم زوریاں بھی محسوس ہوئیں لیکن Feminism کے غلبے کے زمانے میں ایسی کتابوں کی اشاعت سے خواتین میں حبِ رسول ﷺ اور اتباع رسول ﷺ کا جذبہ بیدار ہوگا اور وہ حمد و نعت کی طرف سنجیدگی سے متوجہ ہوں گی، ایسی صورت میں ان شاء اللہ وہ اردو ادب سے بے دینی کے رجحانات مٹانے میں بھی کامیاب ہوجائیں گی۔

یہ کتاب غوث میاں کے تحقیقی مقدمے کے ساتھ منظرعام پر آئی ہے۔ صبیح رحمانی نے کتاب کا فلیپ لکھا ہے۔ ضخامت اور طباعت کی سلیقہ مندی کے اعتبار سے یہ کتاب ماضی میں کی جانے والی اس نوعیت کی تمام کاوشوں پر سبقت لے جاتی ہوئی نظر آتی ہے۔

مضبوط جلد، اعلیٰ کاغذ اور خوش نما گردپوش کے ساتھ چھپنے والی یہ کتاب، جس کے صفحات ۵۴۴ ہیں، صرف تین سو روپے میں، ''حضرت حسانؓ حمد و نعت بک بینک'' پاکستان، ۱۴۸۴۔۳، شاہ فیصل کالونی نمبر۳، کراچی ۷۵۲۳۰، سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

میں غوث میاں کو مذکوہ دونوں کتابوں کی اشاعت پر مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

ڈاکٹر سیّد تقی عابدی (کینیڈا)

اردو کا سحبانِ محمد ﷺ

اگر اس کو شاعرانہ تعلّی کہا جائے تو بجا ہے۔ تعلّی شاعر کا ذاتی حق ہے۔ چناں چہ اسی لیے میر مہدی حسین مجروحؔ نے کہا:

مدحت سنج ہے دن رات مجروحؔ
یہ اردو میں ہے سحبانِ محمد ﷺ

اسے زمانہ کی ستم ظریفی نہیں تو کیا کہیں کہ مجروحؔ کی نعت گوئی سے عوام ہی نہیں بلکہ خواص بھی ناآشنا ہیں۔ ہم اس تحریر میں مجروحؔ کے تعارف میں ان کی حیات، شخصیت، فن، تصانیف اور منتخب کلام کو پیش کریں گے۔

میر مہدی مجروحؔ فرزند میر حسین فگار ۱۸۳۳ء کے لگ بھگ دہلی میں پیدا ہوئے اور تقریباً ستر (۷۰) برس اس دارِ فانی میں زندگی بسر کر کے ۱۵؍مئی ۱۹۰۳ء مطابق ۱۷؍صفر ۱۳۲۱ھ دلّی میں درگاہ قدم شریف کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ جناب مالک رام ''تلامذۂ غالبؔ'' میں لکھتے ہیں، ''وفات سے کچھ وقت پہلے چند بار ''اغفرلی الٰہی'' کہا اور اسی حالت میں جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ یہی ''اغفرلی الٰہی'' ان کی تاریخِ وفات ۱۳۲۱ھ ہے۔ چناں چہ نواب احمد سعید خان طالبؔ کا لکھا یہ قطعۂ تاریخ ان کی قبر پر کندہ ہے:

یادگارِ غالبؔ معجز بیاں — میر مہدی سیّد والاتبار
کرد از دنیا چوں آہنگِ سفر — گفت ''اغفرلی الٰہی'' چند بار
(۱۳۲۱ھ)

میر مہدی مجروحؔ غالبؔ کے بہت چہیتے شاگرد تھے۔ غالبؔ کے تقریباً پچاس خطوط جو صرف سات

D:NaatRang-15
File:Muhiban
Final

آٹھ سال کی مدت میں لکھے گئے ہیں اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ شاید ہی کوئی دوسرا شاگرد غالبؔ کے دل و دماغ پر اس طرح رچا بسا ہوگا۔ شاید اسی لیے علامہ اقبالؔ نے داغؔ کی نظم کا مطلع ہی غالبؔ اور مجروحؔ کے ناموں کے ساتھ باندھا۔

عظمتِ غالبؔ ہے اک مدت سے پیوندِ زمیں
مہدیٔ مجروحؔ ہے شہرِ خموشاں کا مکیں

میر مجروحؔ دلّی کے ایک نجیب و شریف سادات خاندان سے تھے۔ محمد ﷺ و آلِ محمد ﷺ کی مدحت سرائی ان کی رگوں میں صدیوں سے دوڑ رہی تھی۔ پردادا فقیر اللہ فقیرؔ شاہ عالم کے دربار کے ممتاز شاعر تھے۔ والد میر حسین نگارؔ دلّی کے مشہور شاعر، چچا میر حسن فارسی کے جید عالم اور آپ کے بڑے بھائی سرفراز حسین مجتہد العصر وائی رام پور کے مصاحب تھے۔ اس کے علاوہ مجروحؔ کو غالبؔ، مومنؔ، ذوقؔ، شیفتہؔ، نیرؔ، عارفؔ، داغؔ، امیرؔ مینائی اور حالیؔ جیسے صاحبوں کی صحبت میں رہنے کا موقع ملا اور انھی بزرگوں کی خوشبو کو وہ بیسویں صدی کے اوائل تک بکھرتے رہے۔ اسی لیے ضیاء الدین نیر کی یاد میں جو دلّی کا یادگار مشاعرہ ہوا اس میں حالیؔ نے کہا تھا:

داغؔ و مجروح کو سن لو کہ پھر اس گلشن میں
نہ سنے گا کوئی بلبل کا ترانہ ہرگز

میر مجروحؔ کا نام اردو ادب کے فراموش شدہ شعرا کی فہرست میں نظر آتا ہے۔ فلکِ کج رفتار نے غدر ۱۸۵۷ء میں ان کا بیشتر شعری اثاثہ لٹا دیا۔ چناں چہ زندگی کے سفر کے اواخر میں دوستوں نے ہمت کر کے کچھ بچا ہوا کلام شائع کروایا جو اب کمیاب اور نایاب ہوتا جا رہا ہے۔ مجروحؔ کی تصانیف میں ان کا دیوان ''مظہر معانی'' مطبوعہ ۱۸۹۸ء کتب خانہ شبلی میں موجود ہے اس میں دیباچۂ مصنف، تقریظیں، قصائد، غزلیات، مخمس، رباعیات کے علاوہ مختلف اہم اشخاص کی وفات کی تاریخیں موجود ہیں۔ یہ دیوان ۲۴۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس دیوان میں ایک نعتیہ قصیدہ اور دو نعتیہ غزلیں ہیں۔ دوسری تصنیف ''ہدیۃ الائمہ'' نعت اور سلاموں کا مجموعہ ہے جو اب بالکل نایاب ہے اس کا ایک نسخہ میرے ذاتی کتب خانہ ٹورنٹو میں موجود ہے۔ یہ نسخہ ۱۱۸ صفحات پر مشتمل ہے جس میں دیباچۂ مصنف، ۱۲ نعتیہ غزلیں، ۸۱ رباعیات، ۳ منقبتیں، ساٹھ سلام اور آٹھ نوحوں کے علاوہ مخمس، دعائیہ غزل اور ایک فارسی کی تضمین بھی شامل ہے۔

تیسری تصنیف ''انوار الاعجاز'' جو معجزاتِ رسولِ اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کی اہلِ بیتؓ

سے متعلق تھی، نایاب ہے اور چوتھی تصنیف ''طلسمِ راز'' جس پر غالبؔ کی فارسی تقریظ ہے، مفقود ہے۔ آشوبِ غدر کی لوٹ مار اور غارت گری کے بعد جو کچھ کلام بچا رہا یا بعد میں تخلیق ہوا وہ اس عظیم شاعر کی فن کارانہ شخصیت کو اُجاگر کرنے کے لیے کافی ہے۔ مجروحؔ اپنے دیوان ''مظہرِ معانی'' کے دیباچہ میں لکھتے ہیں، ''یکایک اس چرخِ کج رفتار و زمانہ ناہنجار نے ایک ایسا فتنہ اٹھایا کہ ہنگامہ رستاخیز کو بھی پرے ہٹایا۔ وہ غدر ۱۸۵۷ء کا تھا جس نے مردوں سے خاک کا پیٹ بھر دیا۔ دہلی کو آدمیوں سے خالی کر دیا۔ کبھی مرگِ احبائے دل شکن، کبھی زمانے کے رنج و محن اس میں کیسی فکر شعر و سخن فراہم ہوئے۔ کوئی غزل کی فرمائش کرتا ہے، کوئی تاریخ کہنے کی خواہش کرتا ہے۔ ہر چند کہا کہ وہ ''دفتر گاہ خورد ہوا'' گھر لٹ گیا۔ وطن چھٹ گیا۔ تصنیف کا ذخیرہ خوانِ یغما ہوگیا۔ بلبل شوریدہ مغز سے ترانہ سرائی کی اُمید غضب ہے مگر کوئی سنتا نہ تھا وہی اصرار باقی رہا۔ ناچار قولِ سعدیؔ پر عمل کرنا پڑا ''کہ آذردن دلِ دوستان جہل است و کفارہ یمن سہل است۔'' جب کوئی فرمائش کرتا تو بجا لانا پڑتا وہ بھی اس بے دلی سے کہ مسودہ تک بھی پاس نہ رکھا جاتا تھا۔

مجروحؔ کے باقی ماندہ نعتیہ کلام میں ایک نعتیہ قصیدہ اور چودہ نعتیہ غزلیں ہیں۔ اس کے علاوہ تیرہ نعتیہ رباعیات بھی ہیں اور اس طرح سے کل اشعار کی تعداد تین سو کے لگ بھگ ہے۔ اگرچہ باقی اشعار کی تعداد کم ہے لیکن تقریباً نعت کے تمام اساسی اور ثانوی موضوعات کی جھلک ان میں نظر آتی ہے۔ غالبؔ کے پچاس خطوط سے یہ واضح ہے کہ اکثر اوقات مجروحؔ، غالبؔ سے استفادہ اور استفسار کرتے تھے اور اپنے کلام کی نوک پلک بناتے تھے۔ جس قدر غالبؔ کے اشعار میں باریکی، پیچیدگی اور شوکتِ الفاظ کی گھن گرج کی آلائش ہے اس کے برخلاف مجروحؔ کے اشعار میں صاف گوئی، سادگی اور نکھری زبان کی نمائش ہے۔

مجروحؔ قادرالکلام شاعر تھے۔ انھیں نثر لکھنے کا سلیقہ بھی استاد ہی سے ملا تھا۔ اسی لیے اردوئے معلّٰی کے علاوہ مختلف کتابوں پر ان کی تقریظیں آج بھی جلوہ نمائی کرتی ہیں۔ کلام میں فصاحت بلاغت روزمرہ کا استعمال، محاورات، کنایات اور مجازِ مرسل کی خوب صورت جھلک نظر آتی ہے۔ اگرچہ صنائع اور بدائع بہت کم ہیں لیکن تلمیحات اور زود فہم تشبیہات، استعارات کی چمک دمک سے کلام منور ہے۔ اس تحریر میں راقم نے مجروحؔ کے نعتیہ اشعار کو موضوعی تقسیم کے تحت پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ چناں چہ محاسنِ شعر اور زبان دانی پر تبصرے کو کسی اور موقع پر موقوف کیا۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ جس طرح رحمت کا احاطہ ممکن نہیں اسی طرح رحمت للعالمین ﷺ کے

D:NaatRang-15
File:Muhiban
Final

مدحت کے موضوعات کا کامل بیان امکان پذیر نہیں لیکن چوں کہ نعت ایک اہم موضوعِ سخن ہے اس کے مسائل کو سمجھنے کے لیے نعت کے علما نے اس کے موضوعات کو مختلف طریقوں میں پیش کیا ہے اور موضوعات کو مختلف خانوں میں رکھنے کی کوشش کی ہے۔ اگرچہ موضوع کی وسعت اور حدوں کی شناخت نے بعض مسائل کو ایک سے زیادہ خانوں میں جگہ دی ہے۔ میری نظر میں نعت کے موضوعات پر ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری کی کاوش جو کچھ عرصے قبل ''نعت رنگ'' میں شائع ہوئی، عمدہ اور جامع فہرست ہے۔ موصوف نے نعت کے موضوعات کو دو بنیادی شقوں میں تقسیم کر کے انھیں اساسی اور ثانوی موضوعات کا نام دیا ہے۔ کیوں کہ اس تقسیم میں اس بات کی گنجائش بھی ہے کہ بعض ثانوی مسائل کو اساسی صف میں شامل کیا جائے اس لیے راقم کچھ تغیرات کے ساتھ اسی تقسیم کے تحت میر مجروحؔ کے نعتیہ اشعار کو پیش کر رہا ہے۔

ا۔ مولود نگاری (میلادنامہ)

یعنی نعت کے وہ اشعار جو حضور ﷺ کی ولادت کے واقعات، برکات اور آپ ﷺ کے فضائل سے متعلق ہیں، مجروحؔ کے دیوان ''ہدیۃ الایمہ'' میں ایک ''غزل مسلسل'' اسی موضوع پر ہے جس میں بیس سے زیادہ اشعار ہیں۔ اس کے علاوہ دوسری غزلوں اور نعتیہ قصیدہ میں بھی اس موضوع پر خوب صورت اور عمدہ اشعار ہیں۔ چند اشعار مولود نگاری کے غزلِ مسلسل سے ملاحظہ ہوں:

یہ روز مولدِ سلطانِ دیں ہے — یہ دن عیدِ سرورِ مومنیں ہے
ہوا پیدا وہ نام آور جہاں میں — نبوت کے جو خاتم کا نگیں ہے
ہوا طالع وہ خورشیدِ جہاں تاب — کہ جس کے نور میں سایہ نہیں ہے
وہ چمکا نور اس ظلمت سرا میں — جو اوجِ قرب کا ماہِ مبیں ہے
بڑھائی پائے اقدس نے یہ عزت — کہ رشکِ عرش مکہ کی زمیں ہے
یہی ہے چار سُو مکہ میں آواز — کہ اب خوبی دوعالم کی یہیں ہے
چلو مجروحؔ اب مولا ﷺ کے در پر — کہ خوبی دین و دنیا کی وہیں ہے

ب۔ نور نگاری

یعنی نعت کے وہ اشعار جو حضور ﷺ کی نورانی صفت کو موضوع بنا کر مختلف پیرائے میں بیان کیے گئے ہیں۔ نعت نگاری میں یہ موضوع بہت ہی تازگی اور دل کشی سے مضمون ہوا

ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی مشہور حدیث "سب سے پہلے میرا نور اللہ نے خلق کیا۔" اس موضوع کی کشش ہے۔ دورِ رسالت ﷺ سے آج تک شاید ہی کوئی نعت گو ایسا ہو جس نے اس موضوع کو نظرانداز کیا ہو۔ مجروحؔ کے پاس تقریباً ہر نعتیہ غزل اور نعتیہ قصیدہ میں اس مضمون پر کئی خوب صورت اشعار نظر آتے ہیں۔ ہم کچھ اشعار بطور نمونہ پیش کرتے ہیں:

اللہ رے نور روئے تجلّی نقاب کا ہر ذرّہ کر دیا ہے نظیر آفتاب کا
لو آؤ نورِ وادیٔ ایمن کو دیکھ لو سرکا ہے روئے پاک سے گوشہ نقاب کا

☆

بشر کا کس کو حضرت ﷺ پر گماں ہے خدا کا نور پردہ سے عیاں ہے
اسی اک نور کا پرتو ہے ہرجا وہ اوّل ہو کہ پایان رسالت
وہ بحرِ نور جس کا حسن طلعت تجلّی زارِ انوارِ خدا ہے
محمد ﷺ نورِ ذات کبریا ہے خدا سے کم ہے اور سب سے سوا ہے

ج۔ معراج نگاری

یعنی نعت کے وہ اشعار جو معراج کے مضمون سے وابستہ ہوں۔ اس میں حضور ﷺ کا فلکی سفر، براق کی رفتار، قاب و قوسین کا تذکرہ قربِ الٰہی اور مشاہدۂ حق کے مسائل کا ذکر ہوتا ہے۔

یہ مضمون مجروحؔ کا دلچسپ موضوع رہا۔ معراج پر نعتیہ قصیدہ کے علاوہ دو مسلسل غزل بھی اسی موضوع پر نظر آتی ہیں۔ شاید ہی مجروحؔ کی کوئی نعتیہ غزل ایسی ہو جس میں یہ مضمون رقم نہ کیا گیا ہو۔ ہم چند اشعار پیش کرتے ہیں:

شبِ معراج شاہِ انس ﷺ و جاں ہے بہت اپنے پہ نازاں آسماں ہے
سواری میں براقِ برق رفتار غضب کچھ گرم خیزی سے رواں ہے
ہوئی ہے روشنی اس شب میں ایسی کہ ظاہر دل کا سب راز نہاں ہے
بچھے ہیں زیرِپا بالِ ملائک اور اوپر نورِ حق کا سائباں ہے
ہوا ثابت یہ معراجِ نبی ﷺ سے کہ واں کوئی نہیں ہے وہ جہاں ہے
ندائے قرب تھی نزدیک آؤ ہمیں قوسین کی دوری گراں ہے

☆

D:NaatRang-15
File:Muhiban
Final

شبِ معراج میں تشریف جولائے احمد ﷺ　　غل فرشتوں میں یہ اُٹھا کہ وہ آئے احمد ﷺ
قاب قوسین سے نزدیک ہو معبودِ جہاں　　ایسی جا کون پہنچتا ہے سوائے احمد ﷺ

☆

تعالیٰ اللہ ہوا قربِ خدا بھی اور اس حد کا　　کہ تھا قوسین سے نزدیک تر زانو محمد ﷺ کا
اس کی کاشف ہے خود شبِ معراج　　فرش ہے آسماں محمد ﷺ کا

☆

محفل قرب کی خبر کس کو　　واں تو اللہ یا محمد ﷺ ہے

☆

شبِ معراج کا نہ پوچھو حال　　طے ہوا کیا یہ مرحلہ جلدی
آسماں پر براقِ برق نسب　　نگہِ تیز سے گیا جلدی
گرم بستر ہی تھا کہ آ پہنچے　　اس سے بس ہوگی اور کیا جلدی

☆

مقامِ قرب ہے قوسین اس کا　　خدا سے گرچہ ظاہر میں جدا ہے

د۔ سراپا نگاری (حلیہ شریف)

نعت کے وہ اشعار جو حضور ﷺ کے نورانی چہرے، عنبر فشاں گیسو، قد و قامت پر لکھے گئے۔ مجروحؔ کی ہر نعتیہ غزل میں حضور ﷺ کی سراپا نگاری پر کچھ اشعار ضرور نظر اتے ہیں۔ چوں کہ یہ مضمون بہت زیادہ نعتوں میں تکرار کیا گیا ہے۔ کئی نعت گو شعرا کے پاس اشعار میں آورد ہے لیکن یہ مجروحؔ کا کمال ہے کہ جمالِ محمد ﷺ کو اس طرح سے نظم کیا کہ شیرینی کے ساتھ ساتھ اشعار میں آب ذلال کی پاکیزگی اور روانی ہے۔

کہوں کیا خوبیٔ شکلِ مبارک　　کہ اُس پر نازِ خلاقِ جہاں ہے
مشرقستاں تجلی ہو سراسر عالم　　رخ پرنور اگر اپنا دکھائے احمد ﷺ
مفسر سورۂ واللیل کی ہے　　وہ زلفِ عنبر افشان محمد ﷺ
ہوش میں پھر نہ کبھی حضرتِ موسیٰ آئیں　　جلوۂ خاص اگر اپنا دکھائے احمد ﷺ

راقم نے اس اساسی موضوعات کی فہرست میں ذکرِ رحمت، ذکرِ باعثِ تخلیقِ کائنات، ذکرِ دیارِ مدینہ ذکرِ محبوبِ الٰہی، ذکرِ خلق مجسم ذکر مسائل تصوف کو بھی اس لیے شامل کیا گیا ہے کہ

اغلب نعت گو شعرا نے ان مضامین کو اساسی اہمیت دی ہے اور وہ اپنے یہ اشعار اپنی نعتیہ تخلیق کا عصارہ گردانتے ہیں اور میر مجروحؔ ان شعرا سے الگ نہیں۔

ھ۔ ذکرِ رحمت للعالمین ﷺ

رحمتِ خدا کی عام بنی شافع انام ﷺ — اللہ رے شوق اس دل پر اضطراب کا
خدا سے دیکھیے نسبتِ نبی ﷺ کی — یہ رحمت ہے وہ ربّ العالمیں ہے
وظیفہ ہے یہی شیطاں کا ہر دم — کہ احمد ﷺ رحمت للعالمیں ﷺ ہے

و۔ ذکرِ بخشش و شفاعت

حاضر ہیں ہم سوال کریں منکر و نکیر — یاں حب احمدی ﷺ ہے خلاصہ جواب کا
یہ کس سے ہو سکے ہے بجز فیضِ مصطفیٰ ﷺ — جو معصیت میں رنگ دکھائے ثواب کا
کرلیں بہت سے جرم اکٹھے کہ حشر میں — ہوگا مقابلہ کرمِ بے حساب کا
چشم کرم دریغ نہ ہو اُس سے یا نبی ﷺ — مہدیؔ کو آسرا ہے تمھاری جناب کا

☆

خطر کیا مہر محشر سے ہے ان کو — جنھیں ان کی ولا کا سائباں ہے
خدا غفار اور احمد ﷺ ہے مختار — ہمیں اب خوف محشر کا نہیں ہے
بھلا میں کون اور کیا میرے عصیاں — مرا مولا شفیع المذنبیں ﷺ ہے

☆

عاصیانِ سقیم کو مژدہ — کہ شفیع الوریٰ محمد ﷺ ہے

☆

دوزخ کا کچھ ہراس نہ کچھ جرم کا خیال — ہم ہو لیے ہیں شافعِ روزِ جزا کے ساتھ

☆

نگاہِ لطف یا مولا کہ مجروحؔ — تمھارے در کا اک ادنیٰ گدا ہے

☆

ہوا گرم اس کا بازار شفاعت — پتا اب جنس عصیاں کا کہاں ہے
اغثنی یارسول ﷺ اللہ اغثنی — بہت رنجوں میں جانِ ناتواں ہے

گنہ گاری سے کیوں ڈرتا ہے مجروحؔ ترا مولا شفیعِ انس و جاں ہے
دیکھ سکتا ہے ہم کو دوزخ میں کب دلِ مہرباں محمد ﷺ کا

ز۔ ذکرِ دیارِ مدینہ

مجروحؔ کے دیوان میں اس مضمون پر دو مسلسل غزلیں اور کئی چیدہ چیدہ اشعار ہیں:

ہے بانگِ دور باش ادب بہرِ فرش عرش روضہ ہے یہ جنابِ رسالت ﷺ مآب کا

☆

تری درگہ میں مجروحؔ حزیں کی یہ عرض اے رہنمائے انس و جاں ہے
مدینہ اس کو پہنچا دے کہ کب سے بھٹکتا یہ غبار ناتواں ہے
درِ فیض شہِ گردوں مکاں ہے گنہ گاروں کا یہ دارِ اماں ہے
قدم رکھا ہے اُس کے در پہ شاید مرے پاؤں کے نیچے آسماں ہے
ہیں اس آرام میں یثرب کے ساکن کہ اُن کو خلد میں جانا گراں ہے
فرشتے کیوں نہ آنکھوں سے لگائیں مدینہ کی یہ گردِ کارواں ہے

☆

سرِ شام اس لیے چھپتا ہے خورشید بنے تا شمعِ ایوانِ محمد ﷺ

☆

درِ خیرالوریٰ پہ جا جلدی باغِ جنت کو دیکھ آ جلدی
پاؤں چلنے میں گر کریں سستی سر سے لے اپنے کار پا جلدی
درِ سرورِ پہ جبہ سائی کی کر رہے ہیں ملائکہ جلدی
مضطرب ہوں بسانِ قبلہ نما مکہ دکھلائے اب خدا جلدی

☆

ہے فلک آستاں محمد ﷺ کا ہے ملک پاسباں محمد ﷺ کا
تختِ شاہی سے کام کیا مجروحؔ میں ہوں اور آستاں محمد ﷺ کا

☆

روضۂ پاک شہ یثرب و بطحا دیکھو خاص جو طور میں تھا یاں اُسے ہر جا دیکھو

رباعی

کہ عزم سُوئے مدینہ جانے کے لیے
موجود ہے خضر راہ بتانے کے لیے
موسیٰ کو عطا ہوا ہے دستِ بیضا
اس راہ میں روشنی دکھانے کے لیے

☆

رفعت یہ مدینہ کی ہوئی خاک کی ہے
کم جس سے کہ قدر عرش و افلاک کی ہے
کیوں کر نہ ہو اس زمیں کا یہ عز و شرف
یاں قبرِ مبارک شہِ لولاک ﷺ کی ہے

ح۔ ذکرِ باعثِ تخلیقِ کائنات

وہ خواہاں جس کا اک عالم ہے خواہاں — وہ طالب جو کہ مطلوبِ جہاں ہے
وہ ہے دنیا کی پیدائش کا باعث — وہ آدمؑ کا چراغ دودماں ہے
تھا بہانہ وجود ہر دوجہاں — اصل میں مدعا محمد ﷺ ہے
وہ اصل مدعا جس کے سبب سے — وجودِ آدمؑ و حوا ہوا ہے

ط۔ ذکرِ مطالبِ عرش

چپ رہو اے مسجانِ فلک — ہو رہا ہے بیاں محمد ﷺ کا
کیا سجدہ ملائک نے اسی کی دیکھ کر عظمت — ودیعت جبہ آدمؑ میں تھا جو نور احمد ﷺ کا
سر پھوڑیں کیوں نہ رشک سے کروبیانِ عرش — انھی جبیں کو عشق ہے اُس نقشِ پا کے ساتھ
اُس میں امینِ وحی کو بیگانگی سی ہے — ہیں خاص نسبتیں جو نبی ﷺ کو خدا کے ساتھ
برائے غسل لایا آبِ جنت — یہ وجہ نازشِ روحؑ الامیں ہے
ترنم ریزی مرغانِ جنت — ندائے خیرمقدم کا نشاں ہے
ہم بھی تو خواجہ تاش میں بگڑے نہ کس طرح — تھاما ہے جبریلؑ نے حلقہ رکاب کا

D:NaatRang-15
File:Muhiban
Final

ی۔ ذکرِ علمِ لدنی و اُمی

اُمی ہوا اگرچہ وہ ظاہر پہ اصل میں کشاف ہے حقائقِ اُم الکتاب کا
وہ ہے علمِ لدنی کا مفسر وہ اسرارِ خدا کا ترجماں ہے
وہ اُمی ہے مگر قلبِ مصفا علومِ لامتناہی کا مکاں ہے
وہ بحرِ فضل ہے اُس کا کہ جس کے ہر ایک قطرے میں اک دریا بھرا ہے
وہ شہرِ اعظمِ علمِ الٰہی کہ در جس کا علیؓ مرتضٰی ہے

ک۔ ذکرِ مہرِ نبوت

کچھ ماجرا نہ مہرِ نبوت کا پوچھیے نقطہ ہے حق کے یہ قلمِ انتخاب کا
کیا مہرِ نبوت نے یہ ثابت کہ ہے اب ختم قرانِ رسالت
ملی تھی اس لیے مہرِ نبوت کہ تا آخر ہو فرمانِ رسالت

ل۔ ذکرِ حضور ﷺ کا سایا نہ ہونا

رباعی

احمد ﷺ کے ہے سب سے بڑھ کے پایا اس کا
ثانی کوئی دہر میں نہ پایا اُس کا
تھا رتبہ جسمِ پاک از بس کہ بلند
آیا نظر اس لیے نہ سایا اُس کا

☆

اُفتادگی کسی کی نہ تھی آپ کو پسند سایا اس لیے نہ پڑا اُس جناب ﷺ کا
ہوا طالع وہ خورشیدِ جہاں تاب کہ جس کے نور میں سایا نہیں ہے
سایا ہو کس طرح قدِ معجز نما کے ساتھ حضرت ﷺ کا کچھ لگاؤ نہ تھا ماسوا کے ساتھ

رباعی

ہر چند گناہ کا بار لایا ہوں میں
پر رحم کا خواست گار آیا ہوں میں

ہو شعلہ فشاں جب آفتابِ محشر
بے سایا کے سائے میں خدایا ہوں میں

م۔ ذکرِ حضور ﷺ کے سر پر ابر کا سایا ہونا

الطافِ حق نے بارشِ رحمت رکھی سدا
سایا ہٹا نہ آپ کے سر سے سحاب کا

ن۔ ذکرِ حبیبِ خدا

حبیبِ خاص کی ہے آمد آمد خدا اس دم نہایت شادماں ہے
اور بھی گو ہوئے خلیل و کلیم پر حبیبِ خدا محمد ﷺ ہے
ثنا گر ہو کے اترائے نہ سحبان خدا خود ہے ثناخوانِ محمد ﷺ

س۔ انبیا سے تقابل

یوں جنگلوں میں خاک اُڑانے سے فائدہ کیوں ہو لیے نہ خضرؑ مرے رہنما کے ساتھ
بچھا تھا رہ میں معجزۂ عیسوی کا فرش جب آپ آئے اُس لبِ معجز نما کے ساتھ

☆

اور بھی گو ہوئے خلیلؑ و کلیمؑ پر حبیب خدا محمد ﷺ ہے

☆

بنے اُس کے طفیلی آدمؑ و نوحؑ نہ ہوتے کیوں کہ مہمانِ رسالت

☆

خدا نے سب سے افضل تر کیا اسلاف کو ترے
خلیل اللہ القاب ہمایوں تھا ترے جد کا

ع۔ ذکرِ سلام اور سلامی

میرے دل کے نگیں پہ اے مجروحؔ نقشِ صلِ علےٰ محمد ﷺ ہے
کسی نے کیا لیا نامِ محمد ﷺ لبِ جبریلؑ پر صلِ علےٰ ہے
ہوئی کس ذات سے ہے اس کو نسبت زہے صلِ علیٰ شانِ رسالت ﷺ

D:NaatRang-15
File:Muhiban
Final

ف۔ نامی گرامی محمد ﷺ کا ذکر

صل علیٰ کا شور جو ہے آسمان تک آیا ہے نام لب پہ مرے کس جناب کا
محمد ﷺ کہتے ہی آتا ہے آرام عجب یہ نام بھی نامِ خدا ہے
مجروحؔ کی دعا ہے کہ ہنگام اختصار یہ جان نکلے نعرۂ یا مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ
بیٹھے ہو کیوں خموش لیے جاؤ نامِ پاک آتا ہے دل کو چین مرے اس صدا کے ساتھ

ص۔ ذکرِ یکتائی

نہیں کیا کچھ خدائی میں خدا کی
مگر ایک آپ ﷺ کا ثانی نہیں ہے

ق۔ زندۂ جاوید

ہو نہ کس طرح زندۂ جاوید
ذاتِ حق میں فنا محمد ﷺ ہے

ر۔ ترکِ دنیاداری

ہوتی نظر زفارفِ دنیائے دوں پہ کیا
تھا آپ ﷺ کا تعلق خاطر خدا کے ساتھ

ش۔ حضور ﷺ کا مختار ہونا

خدا غفار اور احمد ﷺ ہے مختار ہمیں اب خوف محشر کا نہیں ہے
ذرّے کو مہر، خاک کو ذر چاہو سو کرو الحق رضائے حق ہے تمھاری رضا کے ساتھ

ت۔ معجزات

کیا شق اک اشارے سے قمر کو بہت مشکل ہے آسانِ محمد ﷺ

☆

کر دیا مردہ کو اک آن میں زندہ گویا آبِ حیواں ہے لبِ روح فزائے احمد ﷺ

☆

دل میں پتھر کے نقشِ پا دیکھو حشر تک ہے نشاں محمد ﷺ کا

ث۔ قسیم نار و جناں

حق نے قسیمِ نار و جناں آپ ﷺ کو کیا
ہے بخشش و عذاب تمھاری رضا کے ساتھ

خ۔ اسمِ اعظم

اسمِ اعظم کی ہے تلاش تو رکھ
نام وردِ زباں محمد ﷺ کا

ذ۔ نعت میں منقبتی موضوعات کی رسم بھی بہت قدیم ہے۔ عربی، فارسی اور اردو نعت کی ابتدا ہی اس آمیزش کے ساتھ ہوئی۔ اردو کا پہلا صاحبِ دیوان شاعر محمد قلی قطب شاہ کی نعتوں میں اہلِ بیتؓ کرام کی مدح و ثنا مسلسل نظر آتی ہے لیکن ان سب کی نسبت حضور ﷺ گرامی کے وجود سے بتائی جاتی ہے۔ مجروحؔ کی اغلب نعتیہ غزلوں اور نعتیہ قصیدہ میں منقبت کے اشعار ملتے ہیں۔ کچھ اشعار یہ ہیں:

کیسی تعب فشار کی کیسا عذابِ قبر مرقد میں چین سے ہے محبّ بوترابؓ کا
خورشید وار کیوں نہ کرے گوشۂ لحد یہ داغ عشق ہے خلفِ بوترابؓ کا
نشتر شکن صدا ہو غمِ آلِ مصطفیٰ ﷺ کچھ چھیڑ سی رہے دلِ درد آشنا کے ساتھ
دُرِ نایاب ہے ایک ایک معصوم جواہر خیز ہے کانِ رسالت ﷺ
نہ جس گم راہ کو ہو حبِ حیدرؓ وہ مردودِ درِ خیرالوریٰ ہے

ان تمام موضوعات کی تقسیم کے ساتھ ساتھ کچھ ایسے نادر عنوانات اور مضامین ہمیں نظر آتے ہیں جنھیں ایک سے زیادہ شقوں میں رکھا جاسکتا ہے۔ ہم ان ندرت بیاں اشعار کو اس تحریر کے آخر میں پیش کر کے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ مجروحؔ کے استاد غالبؔ نے کہا تھا:

غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم کآں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد ﷺ است

چناں چہ اسی عجز اور انکساری کو شاگرد نے بڑی ہی سادگی میں ادا کیا:

جز خداوندِ ایزد متعال کون ہے رتبہ داں محمد ﷺ کا

☆

کس کو باریک بینیاں آئیں کون سمجھے کہ کیا محمد ﷺ ہے

کچھ اشعار بطورِ نمونہ یہ ہیں، جن میں ندرتِ بیان اور تصوفی خیالات کا رنگ بھی نظر آتا ہے۔

عبیر آگیں ہیں اطباق سماوات کھلا خلدِ بریں کا عطر داں ہے

D:NaatRang-15
File:Muhiban
Final

جلو داری میں خود ناموسِ اکبر	ندائے ترقو سے تر زباں ہے
تجلی زار ہے سر تا بہ سر خاک	ہر اک ذرّے سے مہر و مہ عیاں ہے
نہیں ہے فرق احمد ﷺ اور احد میں	فقط اک میم مظہر درمیاں ہے
یہ ہے نسبت اُسے ذاتِ خدا سے	کہ وہ پنہاں ہے یہ سب میں عیاں ہے
وہ کشافِ حقائق جس کی ہر بات	تسلی بخش اربابِ یقیں ہے
ہمیشہ کحل ما ذاغ البصر سے	مکمل چشمِ اعجاز آفریں ہے
رسالت ذکرِ وحدت میں ہے مدغم	جہاں حق ہے محمد ﷺ بھی وہیں ہے

☆

ہیں خاص نسبتیں جو نبی ﷺ کو خدا کے ساتھ	اس میں امینِ وحی کو بیگانگی سی ہے
اس کا ہے یاں ظہور ولیکن شفا کے ساتھ	اللہ و مصطفیٰ ﷺ سے جدائی نہ جاننا

☆

خدا بھی کہہ نہیں سکتے نہ انسان	نہ پوچھو رازِ پنہانِ محمد ﷺ
بشر اور یہ صفاتِ لاتناہی	تعجب خیز ہے شانِ محمد ﷺ

☆

لوگ کہتے ہیں لامکاں جس کو	ہے وہیں تو مکاں محمد ﷺ کا
جز خداوندِ ایزد متعال	کون ہے رتبہ داں محمد ﷺ کا

رباعی

جیسی کہ جھلک جمالِ سرمد میں ہے
جلوہ اُسی نور کا محمد ﷺ میں ہے
سرچشمۂ الفِ احد ہے بے شک
یہ میم کا حرف جو کہ احمد ﷺ میں ہے

میر مہدی مجروحؔ کے نعتیہ اشعار تقریباً سو سال بعد ان کی سو سالہ برسی کے موقع پر ان کے نایاب دیوان ''ہدیہ الایمہ'' سے پیش کیے گئے۔ یقیناً یہ اشعار روشن چراغ کی طرح عاشقانِ محمدی ﷺ کے پروانوں کو اپنی طرف کھینچتے رہیں گے تا کہ وہ فنا فی الرسول ﷺ ہو کر جاویدانہ زندگی حاصل کر سکیں۔

پروفیسر محمد اقبال جاوید۔ گوجرانوالہ

خالد شفیق اور اُن کی نعت گوئی

پروفیسر رشید احمد صدیقی، پطرس بخاری کے بارے میں اپنے ایک تاثراتی مضمون میں لکھتے ہیں کہ ''وہ اپنی نجی تحریروں میں کبھی کبھی اپنے سے بھی زیادہ دل کش معلوم ہونے لگتے تھے، یہ فن اور شخصیت دونوں کا اعجاز ہے۔'' فن اور شخصیت کی ہم آہنگی فطرت کی دین ہے ورنہ اکثر مشاہیر کی تحریریں پڑھ کر اُن سے ملنے، اُن کے حضور میں دوزانو بیٹھنے، اُن کا قلم چومنے اور اُن سے آٹوگراف لینے کو دل مچلتا ہے مگر جب کبھی اُن کا قرب نصیب ہوجائے یا باہم کوئی معاملہ پیش آجائے تو طبیعت کچھ یوں مکدر ہوجاتی ہے کہ اُن سے مصافحہ کرنے سے بھی اِبا کرتی ہے۔ کیوں کہ جہاں بھی لوگوں کا رنگ دیکھتے ہی دیکھتے بدل جاتا ہو، جہاں ایک چہرے پر کئی چہرے سجے ہوں، جہاں ملنے والے، قدم قدم نئے سانچے میں ڈھلتے جاتے ہوں اور جہاں بھی زبان، دل کی رفیق نہ ہو وہاں لفظی خوش نمائی تو ہوگی مگر عمل کی سیہ دلی اس خوش نمائی سے دل ربائی کا کیف چھین لے گی اور بے ساختہ زبان پکار اُٹھے گی کہ:

ہائے! ہم کس خیال میں گم تھے
دوستی کے لباس میں تم تھے!

دورِ حاضر میں بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ تحریروں ہی کے قریب رہا جائے اور صاحبِ قلم کے تصوراتی ہیولیٰ کو قائم رکھا جائے کہ تصور بہرنوع حسین ہوتا ہے اور تصور کا یہ حسن، خیال کو رعنائی دیتا رہتا ہے مگر کیا کیجیے کہ حکمِ الٰہیہ اکثریت پر لگتا ہے اور صورتِ حال کچھ یوں ہے:

معنی ہیں معدوم، تحریریں بہت — ہے عمل مفقود، تقریریں بہت
بغض دل میں، منہ پہ تعریفیں بہت — کفر دل میں، لب پہ تکبیریں بہت

ایک اہلِ درد ہی ملتا نہیں ورنہ دردِ دل کی تدبیریں بہت

ایسے میں اگر کوئی شخصیت ایسی ہو جس کے دل کی دھڑکنیں نگاہوں کی تمنائیں اور روح کی لرزشیں، قلم قلم، حرف حرف اور لفظ لفظ، لو دے رہی ہوں، جسے پڑھ کر اُسے ملنے اور مل کر اُسے پڑھنے کو طبیعت بے چین رہتی ہو، جس کی سوچ کا رُخ سچ کی طرف راغب ہو اور جو صداقتوں کے لیے صادق ﷺ کے نقوشِ پا کی چاندنی کے لیے ہر لحہ بے قرار ہو، اللہ تعالیٰ نے جس کے فکر کے مجازی رنگ کو حقیقی آہنگ دے دیا ہو، جو ہر دنیاوی شہرت سے بے نیاز اور ہر شخصی تعریف سے بے پروا ہو جو اپنے گلے میں اپنا ہی ڈھول ڈال کر بجانے کے بجائے گوشۂ تنہائی میں اپنے گلے میں اپنی ہی بانہوں کو ڈالے ہوئے ہو اور صرف اس امر کا آرزومند ہو کہ اس کے قلم کا کوئی ایک حرف، اس کے دل کی کوئی ایک دھڑکن اور اس کی پلکوں پر لرزنے والا کوئی ایک آنسو، بارگاہِ ناز میں بار پا جائے اور جس کے لیے یہ باریابی کائنات کی ہر نعمت سے برتر ہو... جس شخصیت سے مل کر، کرم کے فیصلوں اور نصیب کی باتوں پر یقین سا آنے لگ جائے، جس کے لیے دیدہ و نادیدہ دوستوں کی سحر خیزیاں دعا گو رہتی ہوں اور مبدءِ فیض نے جس کی کلکِ ثنا کو نور کی موجوں میں رکھ دیا ہو، اس شخصیت کا ذکر فردوسِ گوش اور اُسکی یاد نشاطِ روح کی حیثیت رکھتی ہے۔

یہ تمہید اس لیے بے ساختہ قلم کی نوک پر آ گئی کہ جناب صبیح رحمانی نے فون پر بتایا کہ وہ ''نعت رنگ'' میں ماہنامہ ''شام و سحر'' (مدیر جناب خالد شفیق) کے ضخیم نعت نمبروں کے تذکرے کے لیے ایک گوشہ وقت کر رہے ہیں اور ایک تعارفی، تحقیقی اور ادبی جائزہ مرتب بھی ہو چکا ہے، میں نے عرض کیا کہ یہ سعادت تو میں لینے کا آرزومند تھا کہ خالد شفیق نعت کے اوّلین خدمت گزاروں میں سے ہیں اور ''شام و سحر'' نے نعت نمبروں کی اشاعت کا آغاز تب کیا تھا جب وقت کی ترقی پسندیاں، نعت گوئی کو رجعت پسندی قرار دیتی تھیں اور بطورِ صنفِ سخن نعت کو کوئی مقام حاصل نہ تھا، آج بفضلہٖ ہر مدیر اپنے رسالے کو نعت کا رنگ دینے کے لیے بے قرار اور ہر قلم، نعت کہنے کے لیے بے چین ہے۔ بہرکیف صبیح رحمانی مستحقِ تبریک ہیں کہ انھیں خالد شفیق ایسے گوشہ نشین کی نعت شناسی کا اعتراف کرنے کی توفیق ملی ہے۔ گو یہ اعتراف انتہائی تعویق سے ہوا ہے مگر یہ اعتراف، خود معترف کی فکری صالحیت اور نگہی سلامتی کی دلیل ہے کہ سورج کو سورج کہنا، سورج پر کوئی احسان نہیں ہوا کرتا، بلکہ:

مادحِ خورشید، مداح خود است

سچی بات یہ ہے کہ کام کی نوعیت دیر یا سویر خود کو منوا لیتی ہے بشرطے کہ اس کے مزاج میں خلوص کا

امتزاج ہو:

یہ صداقت کی روایت ہے ازل سے تا ابد		گلشنِ فن میں کبھی بادِ فنا آتی نہیں
پھول اگر مرجھا بھی جائے، ٹوٹ بھی جائے اگر		نام کی اور کام کی خوش بو کبھی جاتی نہیں

میں یہ چند سطور لکھ کر، خود کو اِس عظیم ثناخوانِ رسول ﷺ کے ثناخوانوں میں شامل کرنا چاہتا ہوں، اس یقین کے ساتھ کہ یہ شمولیت میرے لیے اُخروی سرخ روئی کا سبب بنے گی اور روزِ حشر، احقر کی دنیاوی بے کیفیاں، خوش بوؤں کے دائروں، عکس لے کر (ان شاء اللہ) رنگوں کے ساحل پر کھڑی ہوں گی، جس طرح اہلِ دل کے نزدیک حضور ﷺ کے غلاموں کی غلامی وجہِ فخر و ناز رہی ہے، اسی طرح میرے لیے ثناخوانِ رسالت ﷺ کی ثناخوانی وجہِ مباہات ہے۔ بسا اوقات مجھے نعت گو احباب کی قسمت کی برنائیوں، فکر کی رعنائیوں اور قلم کی زیبائیوں پر رشک سا آتا ہے، میں نے ''مخزنِ نعت'' (میں نے یہ انتخاب نعت جناب شفیق بریلوی (ارمغانِ نعت)، جناب فرمان فتح پوری (اردو کی نعتیہ شاعری) اور جناب ممتاز حسن (خیرالبشر ﷺ کے حضور میں) کے فوراً بعد ترتیب دیا تھا اور درج بالا تینوں تالیفات سے مختلف نعتیں یک جا کرنے کی سعی کی تھی! نیز قدیم و جدید شعرا کے گل ہائے نعت کو قرآنی، علمی اور تاریخی اشارات سے مربوط بھی کیا تھا اور انھی تعلیقات کی بنا پر رائٹرز گلڈ نے اسے ایک تخلیقی کاوش قرار دیتے ہوئے انعام کا مستحق قرار دیا تھا) کی ابتدا بھی اسی رشک سے کی تھی کہ:

> اگر میں شاعر ہوتا تو نعت کہتا مگر یہ وہ عطیۂ ربانی ہے جو عطا ہوتا ہے، لیا نہیں جاتا، پھر سوچا کہ اگر میں نعت کہہ نہیں سکتا تو کم از کم وہ قلم تو چوم سکتا ہوں جنھیں فطرت نے نعت گوئی کی توفیق بخشی ہے کہ شاید عقیدت کے یہی بوسے میرے لیے توشۂ آخرت ہو جائیں:
>
> سجا کر لختِ دل سے کشتیٔ چشمِ تمنا کو
> چلا ہوں بارگاہِ حسن میں لے کر یہ نذرانہ''

جناب خالد شفیق کے نعتیہ رجحانات پر، دورِ حاضر کے رجحان ساز، جہت نما اور منزل نشاں، نعت گو یوں تبصرہ کرتے ہیں:

> خالد شفیق نعت کی تخلیق میں گزشتہ پندرہ سال سے مستعد ہیں۔ ان کی نعت وابستگی کی عمدہ مثال ہے جو قال تک محدود نہیں رہی بلکہ ان کے

حال میں ڈھل گئی ہے۔ (حفیظ تائب)

محبوب سے جب محبت کی جاتی ہے تو اس کی اداؤں، اس کی زندگی کے اصولوں کو مدِنظر رکھا جاتا ہے، ہر لمحے اس کی رضا کے حصول کے لیے انسان کوشاں رہتا ہے۔ برادرِ محترم خالد شفیق نے جنابِ رسالت مآب ﷺ کی سیرتِ مطہرہ کو شعر ہی میں بیان نہیں کیا بلکہ اپنی زندگی کو اس معیار پر ڈھالنے کی کوشش بھی کی ہے۔ اسی لیے ان کی شاعری میں اخلاصِ باطن، سچائی کا عنصر زیادہ نظر آتا ہے اور یہ سعادتِ عظمیٰ کسی کسی کو نصیب ہوتی ہے۔ (حافظ لدھیانوی)

راقم الحروف کی دانست میں رسالے کا ضخیم نعت نمبر نکالنے کی طرح جناب خالد شفیق نے ڈالی تھی... انھوں نے ''شام و سحر'' کے مسلسل چھ نعت نمبر شائع کیے، جن پر مستزاد ایک سیرت نمبر بھی تھا۔ یہ سلسلۂ ذہب ۱۹۸۱ء سے ۱۹۸۷ء تک کم و بیش تین ہزار صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ نعت کے فروغ کے لیے جناب خالد شفیق کی یہ ایک عظیم خدمت تھی جس میں انھوں نے مسلسل سات سال تک اپنی تمام ذہنی صلاحیتیں صرف کیں، اس گراں بہا خدمت سے اُن کی نعت سے دل بستگی اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ والہانہ خودسپردگی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، ان مبارک سات برسوں کے ''شام و سحر'' خالد شفیق کے سحر و شام کی عبادتوں کا نورانی دور ہے، جس کی جزا کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔

(علیم ناصری)

...خالد شفیق کے ہاں آخرِ شب کے آنسوؤں کی نمی لفظوں میں ڈھل کر ان کے لیے توشۂ آخرت بن گئی ہے، ان کی نعت کا ہر لفظ انھی آنسوؤں سے وضو کر کے نوکِ قلم پر سجدۂ شکر بجا لاتا ہے۔

(ریاض حسین چودھری)

احقر نے اپنی تالیف ''بیسویں صدی کے رسول ﷺ نمبر'' میں ''شام و سحر'' کے نعت نمبروں کو یوں خراجِ محبت پیش کیا تھا:

''شام و سحر'' لاہور کے چھ ضخیم نعت نمبروں کو جناب خالد شفیق نے انتہائی

عقیدت اور محنت کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ خالد شفیق کو اللہ تعالیٰ نے علمی
رسوخ اور نعت گوئی کے ساتھ ساتھ فکر ونظر کی جو پاکیزگی عطا کر رکھی ہے
وہ ہر صاحبِ قلم کا سرمایۂ حیات نہیں ہوا کرتی۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں توفیق
عطا کی اور انھوں نے سیرتِ رسول ﷺ اور نعتِ رسول ﷺ کے موضوع
پر ''شام و سحر'' سے وہ کام لیا ہے جس کی تابندگی، سنگینیٔ گردشِ ایام پر
خندہ زن رہے گی۔

وطنِ عزیز میں ''نعت نمبروں'' کی روایت قائم کرنے اور اس روایت کو ایک جذبہ اور تحریک بنانے میں خالد شفیق کے مقام کو نہ اہلِ نظر، نظرانداز کر سکتے ہیں نہ تماشائی۔ ''شام وسحر'' نے جہاں ثقہ قلم کاروں کو فنِ نعت گوئی پر لکھنے پر آمادہ کیا، وہاں بہت سے نئے ادیبوں اور شاعروں کی یوں حوصلہ افزائی کی کہ آج نعت کے سلسلے میں وہ خود ایک معتبر حوالہ بن گئے ہیں۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ خالد شفیق میں کسی قسم کی کوئی ''مدیرانہ رعونت'' نہیں ہے۔ وہ تب بھی اور اب بھی عجز و انکسار ہی کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ہیں۔ انھوں نے ''شام وسحر'' (اب حمایتِ اسلام) کو ذاتی تشہیر اور شخصی نمائش کا ذریعہ کبھی نہیں بنایا، جب کہ ''شام وسحر'' ایسے وقیع رسالے کا مدیر ہونا، اُس کے بہت سے سیرت نمبر اور نعت نمبر مرتب کر دینا اور اُن شماروں کا معیار کے اعتبار سے اعتباری، ضخامت کے لحاظ سے منفرد اور زمانی نقطۂ نظر سے اوّلیت کا حامل ہونا، کچھ کم اعزاز نہیں ہے۔ اس کے باوجود جلوت کی ہوس سے دُور رہنا اور خود کو اجاگر کرنے کی کوئی سی کوشش بھی نہ کرنا، اُن کی فطری سعادتوں اور نسبی نجابتوں کی دلیل ہے۔ اُن کے عاجزانہ اسلوبِ حیات ہی نے انھیں اہلِ دل کی نگاہوں میں بلند و بالا کر رکھا ہے۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ کبریائی اور بڑائی اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کو زیب دیتی ہے۔ انسان کے لیے فخر کا ہر دعویٰ، غرور کا ہر زاویہ اور تکبر کا ہر رُخ دلیلِ رسوائی اور انکسار کا ہر انداز وجہِ رعنائی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کی ہر صلاحیت، عطا ہے اور اس کو منوانے کی ہر کوشش خطا ہے۔ انھی کے حمدیہ اشعار ہیں:

زمانے بھر کے سب علم و ہنر تیرے عطا کردہ　　مرا حسنِ نظر، ذوقِ نظر، تیرے عطا کردہ
مرے جذبوں کو ساری وسعتیں تو نے عطا کی ہیں　　مرے احساس کے شام وسحر، تیرے عطا کردہ
ہمیں دیتا ہے تو ہی حوصلہ منزل کو پانے کا　　طلب منزل کی اور عزمِ سفر تیرے عطا کردہ
مرے دامن میں تھیں محرومیاں یکسر، بگراب ہیں　　متاعِ نعت کے لعل و گہر تیرے عطا کردہ

مدینے کی طرف اُڑتا چلا جاتا ہوں ہر لحظہ　　مرا ذوقِ سفر، زادِ سفر، تیرے عطا کردہ
یہ لفظوں کے گہر، یہ آرزوؤں کے حسیں خاکے　　دعاؤں میں جو آتے ہیں نظر، تیرے عطا کردہ

وہ ذات بلند و برتر جس کا کام ہی عطا کرنا ہے، وہ کسی کو محروم نہیں رکھتی۔ ہر جمال اپنا اظہار اور ہر کمال اپنی نمود چاہتا ہے۔ نہ پھول کی خوش بو اس میں مقید رہ سکتی ہے، نہ آفتاب کے انوار اور نہ معطی کی عنایات۔ دنیا کے مخیّر لوگوں سے بار بار مانگا جائے تو وہ اُکتا جاتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ ایسے رحیم و کریم ہیں کہ ان سے نہ مانگا جائے تو وہ ناراض ہوجاتے ہیں۔ اُن کے خزانے بھی لامحدود ہیں اور ظرف بھی، بس مانگنے کا ڈھب آنا چاہیے:

منگتے کا ہاتھ اُٹھتے ہی داتا کی دین ہے
دُوری قبول و عرض میں بس ہاتھ بھر کی ہے

وہ اس حقیقت سے بخوبی آشنا ہیں کہ ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں۔ وہ اس بارگاہ اور اس کے آداب خوب جانتے ہیں جہاں جبریل بھی ادب کے سانچے میں ڈھل کر اُترتے تھے اور جہاں جنید و بایزید بھی ''نفس گم کردہ'' حاضر ہوتے تھے۔ چناں چہ انھوں نے یہ تحریک بھی چلائی کہ نعت کہتے ہوئے ''تو، تم اور تیرا'' ایسے الفاظ استعمال نہ کیے جائیں اس پر اب تک بحث و تمحیص کا سلسلہ جاری ہے۔ بعض اس نقطۂ نظر کے ہم نوا ہیں اور بعض اس پابندی کے خلاف کہ جہاں بھی کسی ذات کی انفرادیت یا عظمت کی فردیت کا اظہار ہوگا اور یہ ثابت کرنا مقصود ہوگا کہ اس ذات کے مقابل کوئی اور نہ تھا، نہ ہے، نہ ہوگا، تب یہی ضمیریں حق ادا کریں گی اور انھی سے شعری حسن بھی نکھرے گا اور فکری گداز بھی۔

جناب خالد شفیق کا مجموعۂ نعت ''عالم افروز'' کے نام سے ۱۹۹۶ء میں مجلسِ اردو کے طباعتی اہتمام سے منظرِعام پر آیا۔ اُن کی غزل بھی متین و حسین خیالات کا عکس تھی اور نعتوں میں بھی اُن کی گفتار کا دھیما پن اور ان کے مزاج کے لطافت نمایاں ہے۔ عجز و انکسار اُن کے ذوقِ نعت کا افتخار ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ اُن کی گوشہ گیری اور کم آمیزی نے اُن میں تصوف کی خوبو پیدا کر دی ہے:

عجب انداز از خود رفتگی ہے
بھری محفل میں سب کے درمیاں گم

اور یہی صوفیانہ گھلاوٹ، اُن کی نعتوں میں بھی جلوہ گر ہے۔ جس طرح نعت کہہ کر ان کی قلبی

بے قراریوں کو ایک آسودگی نصیب ہوتی ہے بعینہٖ قارئین کو بھی ایک نوع کی روحانی طمانیت کا احساس ہوتا ہے۔ ان کے ہاں نہ بھاری بھرکم الفاظ ہیں، نہ پرشکوہ تراکیب کی مشکل پسندیاں۔ تصنع اور بناوٹ کا کوئی سا شائبہ بھی نظر نہیں آتا، بلیغانہ سلاست کا ایک رواں دواں پیرایہ ہے۔ اور یوں لگتا ہے کہ دل کی چاہتیں اور ذہن کی سوچیں بے ساختہ شعر کے خوب صورت پیکر میں ڈھلی چلی جا رہی ہوں۔ اُن کی نعت میں آورد نہیں بلکہ آمد کی ایک بے پناہ کیفیت ہے۔ ذہنی کاوش اور فکری عمل کا کوئی خاص دخل نظر نہیں آتا۔ صرف جذبے کا حسن جا بہ جا اپنی موجودگی کا احساس دلاتا ہے اور ردیف وقوافی کی پابندیاں، جذبے کی طغیانیوں میں بہتی دکھائی دیتی ہیں۔

خالد شفیق کی شاعرانہ اُٹھان، بطورِ غزل گو شاعر کے تھی۔ غزل ایک جانب دار صنفِ سخن ہے، ایمائیت اس کی خصوصیت ہے۔ یہ حیات و کائنات کو نوکِ مژہ پر تولنے اور سمندر کو قطرے میں سمیٹنے کا عمل ہے۔ تغزل، شعر کے اُس تاثراتی انداز کو کہتے ہیں جو قاری کے ذہن کو قائل اور دل کو گھائل کرتا چلا جاتا ہے۔ اسی سے بات تیرنم کش بنتی ہے۔ یہ دل اور دماغ دونوں کی ایک ہی ادا میں رضامند کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ نثر ہو یا نظم، غزل ہو یا قصیدہ، تغزل ہی اُسے ادا کا بانکپن اور اسلوب کی کاٹ عطا کرتا ہے۔ فنی اعتبار سے ایک اچھا غزل گو ہی ایک اچھا نعت گو ہوا کرتا ہے۔ کیوں کہ نعت، اُس وجود ذی جودﷺ کی توصیف کا نام ہے جو کائناتِ حسن بھی ہے اور حسنِ کائنات بھی، جس کے طفیل نبضِ ہستی تپش آمادہ اور خیمۂ افلاک ایستادہ ہے۔ جو بہرِ نوع اعتبارِ کائنات بھی ہے اور افتخارِ کائنات بھی جو رُخِ جمالِ الٰہی کا آئینہ ہے جس کی ہر سوچ الہام اور جس کا ہر بول وحی ہے، جس کی نگاہوں سے سورج ضیا پاتا اور جس کے نطق سے غنچے پھول بنتے ہیں۔ جو ذات کے اعتبار سے اکمل، بات کے لحاظ سے احسن اور کردار کے اعتبار سے اجمل ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اُس ذاتِ اقدس کی تعریف کے لیے وہ اسلوب اختیار کرنے کی امکانی سعی کی جائے جو بہرطور ارفع اور دل آویز ہو۔ چوں کہ فنی لحاظ سے شعر کی ہیئت کو رنگ و نور کی کہکشاں غزل ہی عطا کرتی ہے۔ اسی لیے آج نعتیں غزل ہی کے فارم میں لکھی جا رہی ہیں کہ:

غزل سوزِ دروں کی آنچ سے لفظوں میں ڈھلتی ہے
فقط رنگینیٔ حسنِ بیاں سے کچھ نہیں ہوتا

گویا جو سوزِ دل کو سازِ رگِ جاں نہیں بنا سکتا وہ مغنی ناتمام ہے اور اس کا نغمہ خام...
اور خالد شفیق، غزل کی اس نشتریت سے بخوبی آشنا ہیں اور ان کی کوشش ہوتی ہے کہ نعت کا جو شعر

D:NaatRang-15
File: Iqbal Javed
Final

بھی کہا جائے وہ معنوی اور صوری لحاظ سے، ممدوحِ عظیم وجلیل ﷺ کی شان کے شایاں ہو، گو حق تو ادا نہیں ہوسکتا مگر آرزو کا خلوص ضروری ہے اور تائیدِ روح القدس کی طلب بھی لازم، خالد شفیق یوں دست بہ دعا ہیں:

ربِّ علیم، کر مجھے پابندِ اعتدال		مجھ کو شعورِ معنیٔ بین السطور دے
ہوں میرے لفظ دینِ محمد ﷺ کے پاسباں		فن کو مرے حفاظتِ حق کا شعور دے

محترم انور سدید نے اُن کے مجموعۂ نعت کے دیباچے میں لکھا ہے کہ:

> پچھلے دنوں خالد شفیق سے ملاقات ہوئی تو تو میں نے ازراہِ شوق ان سے دریافت کیا، ''آپ نیا سفرِ حج کب اختیار کر رہے ہیں۔'' ایک توقف کے بعد بولے، ''انور سدید! آپ کو یہ سوال کس طرح سوجھا؟'' میں نے بلاتوقف جواب دیا، ''آپ کی نعت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو یہ سعادت کئی مرتبہ نصیب ہوچکی ہے۔ تاہم تمنائے بے تاب اور آرزو باقی ہے۔'' یہ کہہ کر میں نے ان کے چند اشعار پڑھے، ان اشعار میں نہ صرف تشنگیٔ آرزو کے عناصر موجود ہیں بلکہ سیرابی کی کیفیت بھی محسوس ہوتی ہے۔ سیرابی ان کی نعت کے آخری شعر پر محسوس ہوتی ہے، تشنگی کا احساس ان کی نعت کے آغاز پر پیدا ہوجاتا ہے۔ پھر یوں لگتا ہے کہ پہاڑ سے چشمۂ عقیدت پھوٹتا ہے اور ہزاروں میل کا سفر کرکے سمندر میں مل گیا ہے۔

یہ جناب خالد شفیق کی چاہت کا خلوص ہے کہ مولا کریم انھیں دیارِ ناز میں بار بار بلاتے اور نوازتے ہیں، ظاہر ہے کہ جب تک بلاوا نہ آئے لبوں سے ''لبیک'' کا لفظ نکل ہی نہیں سکتا... یہ سفر بھی عجب دھج کا ہوتا ہے کہ یہاں سیرابی اور تشنگی کی کیفیات ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ گویا حصولِ تشنہ لبی ہے، شدید تشنہ لبی۔ انسان بچھڑ کر بھی یادوں کی رہ گزر میں رہتا اور سفر کے بعد بھی حالتِ سفر میں زندگی گزارتا ہے۔ فطرتِ ہستی، شہیدِ آرزو ہے اور انسان قتیلِ آرزو، یوں محسوس ہوتا ہے کہ خالد شفیق کے شام وسحر آرزو اور انتظار ہی کے گرد گھومتے رہتے ہیں۔ اُن کی حیاتِ مستعار میں انتظارِ ساغر بھی ہے اور شربِ مدام کا کیف بھی، گدازِ دل بھی ہے اور حسنِ ادا بھی۔ وہ شعلہ بجاں بھی ہیں اور نغمہ بہ لب بھی۔ ان کی ملتمس نگاہیں، اُسی بارگاہِ بندہ نواز کا طواف کرتی

رہتی ہیں جہاں تمناؤں کی بے قراریوں کو آسودگی نصیب ہوتی ہے، تمنا کی بے قراری ہی کا دوسرا نام انتظار ہے اور انتظار میں جوشِ آرزو تیز تر ہوتا رہتا ہے گویا تمنا کے محور اور انتظار کی قوس کے بغیر چاہت کا کوئی دائرہ بھی مکمل نہیں ہو پاتا، غالبؔ نے کہا تھا:

پھونکا ہے کس نے گوشِ محبت میں اے خدا!
افسونِ انتظار، تمنا کہیں جسے

میں بنیادی طور پر تمنا اور انتظار ہی کو خالد شفیق کی نعت گوئی کا حسن سمجھتا ہوں اور اب تبرکاً ان کے چند وہ نعتیہ اشعار، جن میں انتظار کا کیف اور آرزو کا سوز، جذب و جنوں کی رفعتوں کو چھو رہا ہے گو وہ اشعار بھی کم نہیں جن میں جنوں، شعور سے راہنمائی لیتا، جوش، ہوش کا دامن تھام کر چلتا اور عقیدت، عقیدے کی آنکھوں سے دیکھتی ہے... جہاں ہر لحظہ نیا طور اور نئی برق تجلی ہو، وہاں شوق کے مرحلے کبھی طے نہیں ہوا کرتے...

پھر ارضِ مقدس سے سندیس ہمیں آئے — پھر ہم کو بلائیں وہ، ہم بارِ دگر چاہیں
پھر روضے کے جلووں سے سیراب ہوں یہ آنکھیں — جانا ہو مدینے کو یہ شام و سحر چاہیں
اب زیست کا ہر لمحہ حرمین میں ہی گزرے — ہم لوگ دعاؤں میں اب ایسا اثر چاہیں
حاصل ہو شرف پھر سے دیدارِ مدینہ کا — ہم دل کے تڑپنے کا بس اتنا ثمر چاہیں

☆

یوں مدینے کے چکر لگاتا رہوں — جس طرح چاند کے ساتھ ہالہ رہے
سبز گنبد تصور میں ہو ضو فشاں — اور پلکوں میں اشکوں کی مالا رہے

☆

ہماری راہِ منزل پر ستارے بن کے چمکیں گے
وہ دل میں نقش جو ہم نے ابھارے اُن کی چاہت کے
اُجالے زندگی میں ہر طرف پھیلیں گے اب خالد
لیے پھرتا ہوں پلکوں پر ستارے اُن کی چاہت کے

سب مدینے کا رختِ سفر باندھ لو — گلشنِ جاں میں گر تازگی چاہیے
حاضری کا سندیسہ ملے گا، مگر — عرض اُن ﷺ سے بصد عاجزی چاہیے
جا کے طیبہ میں رو رو پکاروں گا میں — روشنی، روشنی، روشنی چاہیے

ہوک سی دل سے اُٹھی اور میں تڑپ کر رہ گیا
جب کوئی ساتھی چلا شہرِ مدینہ کی طرف

☆

اس شہرِ بے مثال کی یادیں ہیں باکمال
سوچوں میں جب بھی ڈوبا، مدینے پہنچ گیا

☆

جب اُن کے تصور کو بساتا ہوں نظر میں
ہو جاتا ہے کچھ اور اُجالا مرے گھر میں

☆

ہر اک لمحہ، ہر اک لحظہ ٹٹولا میں نے اپنا دل
مجھے تو دامنِ دل میں ملیں، یادیں مدینے کی

☆

اس راہ پہ اشکوں کے حسیں پھول بکھیروں
جس راہ سے رہوار مدینے کی طرف جائے

☆

اے کاش مقدر ہو سفر جانبِ طیبہ
تکتا ہوں میں اب شام و سحر جانبِ طیبہ
خوابوں میں نکلتا ہوں، میں جس وقت بھی گھر سے
ہوجاتا ہوں مائل بہ سفر جانبِ طیبہ

☆

وہ چاہیں تو بے زادِ سفر مجھ کو بلا لیں
تکتے رہیں سب زادِ سفر دیکھنے والے
اک بار کے دیدار سے کیا ہوگی تشفی
منظر تو ہیں وہ بارِ دگر دیکھنے والے

☆

سوتا ہوں رات، دل میں تمنا لیے ہوئے
یارب! کبھی حضور ﷺ کا مکھڑا دکھائی دے

☆

جس بات کے کہنے کا لفظوں کو نہ تھا یارا
وہ بات کہی ہم نے اشکوں کے وسیلے میں

☆

کب ہوگا مرے گھر میں اُجالا شہ والا ﷺ کب میرے مقدر کی سیہ رات کٹے گی

☆

خود پہنچ جائے گا ساحل پر سفینہ دیکھنا رنگ لائے گا مرا عشقِ مدینہ دیکھنا
کاش ہو میرے مقدر میں مدینہ دیکھنا کاش ہو میرے مقدر میں درِ خیرالبشر ﷺ
پھر مری آنکھوں میں ساون کا مہینہ دیکھنا ان کی یادوں کی گھٹاؤں کو اُمڈ آنے تو دو

آخر میں جناب خالد شفیق کا اپنے بارے میں ایک نثری اقتباس:

عشقِ مجازی نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے اس راہ پر ڈال دیا جس پر گھٹا ٹوپ اندھیروں کا راج تھا، اندھیرے ہی اندھیرے... ظلمتیں ہی ظلمتیں... میں ایک مدت تک اس ایک راہ پر بھٹکتا رہا... آنکھوں کو کچھ سجھائی نہیں دیتا تھا... میں ٹھوکریں کھاتا، آگے ہی آگے بڑھتا رہا، دُور تک روشنی تھی نہ کوئی منزل... ایسے میں اچانک کسی نے جیسے میرا ہاتھ تھام لیا ہو، میں ایک سحرزدہ انسان کی طرح اس کے ساتھ تھوڑی دُور چلا... پھر یکایک اندھیرے دھندلکوں میں تبدیل ہونے لگے اور میں ایک بند دروازے کے سامنے تھا... کسی نے میرے کان میں اس در پر دستک دینے کو کہا... میں جھجکا... اور پھر لرزتے ہاتھوں سے اس بند دروازے پر دستک دی... ایک بھینی بھینی خوش بو (جس نے میرا مشامِ جاں معطر کر دیا) کے ساتھ روشنی کا سیلاب سا اُمڈ آیا، تمام ماحول روشنی میں نہا گیا، میری روح اور میرے قلب و نظر میں روشنی ہی روشنی پھیل گئی، اب میرے سامنے ایک خوب صورت اور روح پرور فضا اور دل آویز روشنی میں نہائی ہوئی ایک کشادہ راہ تھی، جس پر چھتنار درخت مستی کے عالم میں جھکے ہوئے تھے اور دُور ایک سبز گنبد روح پرور اور عالم افروز کرنیں بکھیر رہا تھا۔

D:NaatRang-15
File: Iqbal Javed
Final

شان الحق حقی (کناڈا)

قطعہ

منہ کہاں اپنا کہ لکھئے نعت اوصافِ رسول ﷺ
پوچھ مت ہمدم کہ کن احوال میں لکھی گئی
ایک جرأت یہ بھی میرے نطق سے سرزد ہوئی
اک خطا یہ بھی مرے اعمال میں لکھی گئی

نعت

مجھے تو صرف اتنا ہی یقیں ہے
مرا تو بس یہی ایماں و دیں ہے
اگر تم مقصد عالم نہیں ہو
تو پھر کچھ مقصدِ عالم نہیں ہے

نہیں میں واقف سر الٰہی
مگر دل میں یہ نکتہ جا گزیں ہے
جو دل انوار سے ان کے ہے روشن
وہی کعبہ وہی عرشِ بریں ہے

نہ کہیے ان کا سایہ ہی نہیں تھا
کہ ثانی تو کوئی بے شک نہیں ہے
مگر جس پر بھی سایہ پڑ گیا ہے
وہ انساں نازش روئے زمیں ہے

وہ شہر بے حصار ان کا مدینہ
کہ جس کی خاک ارمان جبیں ہے
نہ پوچھو ہے حصار اس کا کہاں تک
یہ المغرب سے تا اقصائے چیں ہے

جھکی جاتی ہے خود سجدے میں گردن
نہ جانے کفر ہے یا کار دیں ہے
کہ دل میں ماسوائے اسمِ احمد ﷺ
نہیں ہے کچھ نہیں ہے کچھ نہیں ہے

D:Sabhi\NaatRang-1
File: Naatain
1st Proof

صہبا اختر (مرحوم)

تصورِ حضور ﷺ

صبح دم جب بزمِ گل میں چہچہاتے ہیں طیور
پو پھٹے جب جھلملاتا ہے فضائے شب میں نور
روشنی جب پردۂ ظلمت سے کرتی ہے ظہور
تب مجھے محسوس ہوتا ہے کہ کیا ہوں گے حضور ﷺ

روشنی کے تار جب بُنتے ہیں تارِ عنکبوت
صورتِ غارِ حرا ہوتا ہے جب شب کا سکوت
اور اُبھرتی ہے اُفق سے اک جبیں صد رشکِ طور
تب مجھے محسوس ہوتا ہے کہ کیا ہوں گے حضور ﷺ

اک ہوائے سرخوشی میں جھومتے ہیں جب نہال
جب اذاں بن کر چمک اُٹھتی ہے آوازِ بلالؓ
دل پہ جب اسمِ محمد ﷺ سے برستا ہے سرور
تب مجھے محسوس ہوتا ہے کہ کیا ہوں گے حضور ﷺ

دولتِ لوح و قلم کا جو امیں تھا وہ امیں ﷺ
صبحِ صادق کی طرح صدیق تھا جو وہ حسیں
جب قلم کی روشنی بنتے ہیں یہ القابِ نور
تب مجھے محسوس ہوتا ہے کہ کیا ہوں گے حضور ﷺ

ضو بداماں صوت میں جب گونجتی ہے برملا
المزمل، المدثر، المبشر کی صدا
اور جب قرآن کی آیات سے اُٹھتا ہے نور
تب مجھے محسوس ہوتا ہے کہ کیا ہوں گے حضور ﷺ

کوزۂ دل میں سما جاتی ہے جب ارضِ بسیط
نیم خوابی، نیم وا آنکھوں پہ ہوتی ہے محیط
اور جب پوری طرح بیدار ہوتا ہے شعور
تب مجھے محسوس ہوتا ہے کہ کیا ہوں گے حضورﷺ

دل کی ہر دھڑکن سے آتی ہے صدائے یارسولﷺ
جب مرے سینے میں کھلتے ہیں ولائے حق کے پھول
جب مری سانسوں کی خوشبو پھیلتی ہے دُور دُور
تب مجھے محسوس ہوتا ہے کہ کیا ہوں گے حضورﷺ

جب مَلک بھی نعت خواں ہوتے ہیں میرے ساتھ ساتھ
جب مرے شانوں پہ ہوتا ہے کسی سورج کا ہاتھ
جب مرا دل ظلمتِ دنیا سے ہوتا ہے نفور
تب مجھے محسوس ہوتا ہے کہ کیا ہوں گے حضورﷺ

آندھیاں جب سنسناتی ہیں مرے آفاق پر
بجلیاں جب ٹوٹتی ہیں خون کے اوراق پر
اُن کے صدقے مطمئن رہتا ہے قلبِ ناصبور
تب مجھے محسوس ہوتا ہے کہ کیا ہوں گے حضورﷺ

اُن کے قدموں کی تجلی میرے صبح و شام پر
وہ ہمہ رحمت ہیں صبّاؔ اور اُن کے نام پر
بخش دیتا ہے خدا جب مجھ سے عاصی کے قصور
تب مجھے محسوس ہوتا ہے کہ کیا ہوں گے حضورﷺ

D:Sabhi\NaatRang-5
File: Naatain
1st Proof

میں بے بساط بشر تجھ پہ کیا نثار کروں
تری ﷺ ادا پہ تو جبریلؑ جان دیتا ہے

کچھ اس لیے بھی میں اب اُس پہ سوچتا ہوں بہت
مجھے یقین کی دولت، گمان دیتا ہے!

مرا سخی ﷺ مرے ہر شعر کے عوض محسنؔ
مجھے بہشتِ بریں میں مکان دیتا ہے

☆

D:Sabhi\NaatRang-5
File: Naatain
1st Proof

محسن نقوی (مرحوم)

سکوتِ حرف کو اِذنِ بیان دیتا ہے!
وہ ﷺ دشتِ فکر میں اب بھی اذان دیتا ہے

سیاہ شب کی ہتھیلی پہ کاڑھ کر جگنو
وہ رہرووٗں کو سحر کا نشان دیتا ہے

کبھی جو مجھ سے اُلجھتا ہے دوپہر کا عذاب
وہ ﷺ میرے سر پہ کرم اپنا تان دیتا ہے

میں پُرشکستہ سہی، اُس کے شہر میں ہوں جہاں
زمیں پہ بھی وہ ﷺ مجھے آسمان دیتا ہے!

اَزل سے دل ہے اُسی مہرباں سخی ﷺ کا اسیر
جو حوصلوں کو اَبد تک اُڑان دیتا ہے!

میں حرف وصوت کی خیرات اُس سے مانگتا ہوں
جو پتھروں کو بھی رزقِ زبان دیتا ہے!!

سکوتِ شب میں اُبھرتے درود کا جھونکا
سماعتوں کو تری ﷺ داستان دیتا ہے!

محسن احسان (پشاور)

آسماں پر ہے غبار کفِ پا تابندہ
حرف تابندہ سے ہے کنج حرا تابندہ

قطرہ اشک میں ہے خاصیتِ آبِ حیات
مرے گریہ سے ہوئی دل کی فضا تابندہ

یہ بھی وابستگی و قرب کا پیرایہ ہے
آپ ﷺ کے نام سے ہے نام خدا تابندہ

کرۂ ارض پہ کیا ایسا کوئی شہر بھی ہے
جس کی شامیں شفقی جس کی ہوا تابندہ

جو ردا آپ ﷺ نے از راہِ شفاعت بخشی
سب رداؤں میں ہے وہ ایک ردا تابندہ

کس سفر کا تھا ارادہ کہ سفر سے پہلے
ہوگئی رہ گزر عرشِ عُلیٰ تابندہ

یہ فقط اسمِ گرامی کا ہے صدقہ محسنؔ
ہم نے جو حرف بھی لکھا وہ لکھا تابندہ

علی محسن صدیقی (کراچی)

دلوں میں حبِ احمدﷺ ضوفشاں ہے
عجب جذبوں کی روشن کہکشاں ہے

مزارِ سرورِ عالمﷺ یہاں ہے
مدینہ کی زمیں، رشکِ جناں ہے

کہاں ہم تر زباں اور نعتِ احمدﷺ
ثناخواں اُن کا ربِّ انس و جاں ہے

ہے اُن کا قول حکمت کا خزینہ
عمل اُن کا، ہدایت کا نشاں ہے

اُنھیں کے خُلق سے ہر شئے منور
اُنھیں کے خلق سے قائم جہاں ہے

وہی ہیں آبروئے عصرِ حاضر
اُنھیں کا دین، اس کا ترجماں ہے

اُنھیں کا دین، اس ''دورِ فتن'' میں
حقیقی داعیٔ امن و اماں ہے

اُنھیں کا دین، اس ''نفرت کدہ'' میں
محبت کا معطر بوستاں ہے

صلوٰۃ اُن پر، سلام اُن پر، ہمیشہ
کہ ذات اُن کی، امامِ رہ براں ہے

☆

D:Sabhi\NaatRang-5
File: Naatain
1st Proof

سیّد محمد طلحہ رضوی برق (بھارت)

جمال صورت و سیرت کی کیسی خوش نمائی ہے
مصور نے ہمیں تصویر خود اپنی دکھائی ہے

خدا کے نور سے وہ اور ان کے نور سے عالم
پڑھو صل علیٰ ہر شے میں نورِ مصطفائی ہے

ذرا سے میں مسِ خام اپنے دل کا ہوگیا کندن
خیال ان سے محبت کا بھی رشکِ کیمیائی ہے

اس آئینہ میں جلوہ بار نورِ اوّل و آخر
فروغ ابتدائی تا بہ اوجِ انتہائی ہے

نگاہِ عشق سے دیکھ اور سمجھ ہر معجزہ ان کا
خرد کی صرف اسباب و علل سے آشنائی ہے

عبارت گرمیٔ عشقِ نبی ﷺ سے ہے دل زندہ
سرود زیست کی تارِ نفس سے خوش نوائی ہے

عدو کو شرک ہے حرفِ ندا بھی یارسول اللہ
تمھاری حاضری و ناظری جب کہ عطائی ہے

قلم ہے نعتِ محبوبِ خدا میں شاخِ طوبیٰ کی
سوادِ چشمِ حورانِ بہشتی روشنائی ہے

اسی اک بارگاہِ قدس کی نسبت پہ ہوں نازاں
یہ طلحہ برقؔ چشتی، قادری و بوالعلائی ہے

سیّد شمیم احمد گوہر (بھارت)

ہر اک نفس پہ احساں ہے سرکار ﷺ آپ کا
ممنون ہے نصیب یہ سو بار آپ کا

کیسے کہوں کہ ہوگی نہ مجھ پر نگاہِ رحم
بھرتا رہے گا دم یہ گنہ گار آپ کا

ہر سمت التجائے کرم میں اُٹھے ہیں ہاتھ
پُر ہے گنہ گاروں سے دربار آپ کا

اک ذرّے پر بھی اپنا نہیں کوئی اختیار
دیوار و در ہیں آپ ﷺ کے گھر بار آپ کا

ہر نقطۂ کتاب میں جلوے ہیں آپ کے
قرآں کو دیکھا گویا ہے دیدار آپ کا

ہر اک قدم پہ چاہیے گوہر کو رہبری
چھایا رہے حیات پہ اُپکار؟؟ آپ کا

D:Sabhi\NaatRang-5
File: Naatain
1st Proof

محمد اکرم رضا (گوجرانوالہ)

چار جانب ضوفگن یوں رحمتِ سرکارﷺ ہے
میں ہوں، نعت مصطفیٰﷺ ہے کلکِ عنبر بار ہے

زندگی کی تلخیاں ہوں، قبر میں یا حشر میں
آپﷺ کی رحمت ہمیں ہر گام پر درکار ہے

آتشِ دوزخ جلا سکتی نہیں اس کو کبھی
آپﷺ کی یادِ حسیں جس قلب میں ضو بار ہے

آپﷺ جو ہوں مہرباں تو زندگی ہے زندگی
آپﷺ سے ہٹ جائیں تو اک سانس بھی دشوار ہے

آپﷺ ہیں فخرِ رسل، جانِ عرب، شانِ عجم
آپﷺ ہی سے وقت کا آتش کدہ گلزار ہے

ہو زیارت گنبدِ خضریٰ کی مجھ کو بھی نصیب
میری یادوں میں تو ہر پل آپﷺ کا دربار ہے

اُمتِ اسلام کی پھر کیجیے چارہ گری
کفر کی قوت پھر اس سے برسرِپیکار ہے

حوصلہ عرض تمنا کا کہاں سے لائے گا
نعت کہنا ہی رضاؔ کے عجز کا اظہار ہے

سیّد ریاض حسین زیدی (ساہیوال)

جمالِ انبیا رشکِ قمر ہے
و لیکن آپ ﷺ کی شانِ دِگر ہے

نگاہِ دل سے دیکھو راہ اُن کی
قسم ہے، یہ خدا کی رہ گزر ہے

نگاہیں آپ ﷺ پر جس کی جمی ہوں
بلال آسا، وہی صاحب نظر ہے

قدم مکہ سے آگے جا رہے ہیں
میری کعبوں کے کعبہ پر نظر ہے

رہِ طیبہ کا ہر ذرّہ ... یقیناً
مہ و خورشید سے بھی خوب تر ہے

مدینے میں اُجالے ہی اُجالے
وگرنہ ہر طرف ظلمت نگر ہے

نہیں جو جانتا رُتبہ نبی ﷺ کا
وہ ناداں ہے، نہایت بے خبر ہے

ہر اک سے خیر خواہی آپ ﷺ نے کی
شعارِ خوب، عفو و درگزر ہے

ریاضؔ نعت میرے کام آیا
مقدر تیرگی کا اب سحر ہے

D:Sabhi\NaatRang-5
File: Naatain
1st Proof

قمر جمالی (کراچی)

رحمتوں کا سلسلہ دیکھا تو اندازہ ہوا
میں درِ اقدس پہ جب پہنچا تو اندازہ ہوا

خود بخود کس طرح ہو جاتی ہیں آساں مشکلیں
جب لبوں پر ان کا نام آیا تو اندازہ ہوا

ان کے در پر کیسے ہوتی ہیں دعائیں مستجاب
ابرِ رحمت جھوم کر آیا تو اندازہ ہوا

کیا بتاؤں راہِ طیبہ میں ہیں کیا کیا راحتیں
خود تمازت بن گئی سایہ تو اندازہ ہوا

آمدِ جانِ چمن کی برکتیں ہیں کس قدر
رشکِ جنت بن گیا صحرا تو اندازہ ہوا

مدحتِ محبوب خالق کا صلہ اور یہ صلہ
اوج پر نامِ قمر چمکا تو اندازہ ہوا

محمد فیروز شاہ (میانوالی)

آپ ﷺ کے در کی گدا ہیں چاندنی، خوشبو، ہوا
اس لیے ہی خوش ادا ہیں چاندنی، خوشبو، ہوا

حمد کرتے، نعت پڑھتے طائرانِ خوش گلو
اور ان کی ہم نوا ہیں چاندنی، خوشبو، ہوا

ایک نسبت ہے انھیں خاکِ مدینہ پاک سے
موسمِ گل کی دعا ہیں چاندنی، خوشبو، ہوا

آپ ﷺ کے رستے پہ چلنا جب سے چھوڑا شہر نے
شہر والوں سے خفا ہیں چاندنی، خوشبو، ہوا

آپ ﷺ کی رحمت کے صدقے میں انھیں رُتبے ملے
رہبری کرتی صدا ہیں چاندنی، خوشبو، ہوا

اک معطر نور کی، فیروزؔ، ہیں یہ برکتیں
خوش نما و دلربا ہیں چاندنی، خوشبو، ہوا

D:Sabhi\NaatRang-5
File: Naatain
1st Proof

سیّد نظیر حسن عابدی (شارجہ)

سیّد الانبیا، عصمتِ مطلقا، مرحبا مرحبا مصطفیٰ ﷺ مرحبا
آپ ہیں شافعِ روزِ حشر و جزا، مرحبا مرحبا مصطفیٰ ﷺ مرحبا

مدعی ہے جہاں مدعا آپ ہیں، خالق و خلق کا رابطہ آپ ہیں
عرش اور فرش میں فاصلہ نہ رہا، مرحبا مرحبا مصطفیٰ ﷺ مرحبا

آپ کی ذات کامل ہے ہر باب میں، کوئی ثانی نہیں آپ کا خلق میں
محفلِ زندگی آپ کا نقشِ پا، مرحبا مرحبا مصطفیٰ ﷺ مرحبا

خود ثناخواں ہے قرآن میں کبریا، ہیں وہ روشن دلیلِ خدا آپ ہی
جس نے آکر جہالت کو رُسوا کیا، مرحبا مرحبا مصطفیٰ ﷺ مرحبا

بجھ گئے سارے آتش کدے دھر میں، جب اتارا گیا فرش پر آپ کو
قصرِ کسریٰ میں بھی زلزلہ سا ہوا، مرحبا مرحبا مصطفیٰ ﷺ مرحبا

خود یہ قرآن میں کہہ رہا ہے خدا، میرے محبوب کی گفتگو اور عمل
ہے مطابق وحی کے جو ہم نے کہا، مرحبا مرحبا مصطفیٰ ﷺ مرحبا

فہمِ انسان حیران ہے آج تک، کیسے معراجِ جسمی کا امکان ہے
جب کہ قوسین سے آرہی تھی صدا، مرحبا مرحبا مصطفیٰ ﷺ مرحبا

اپنے روضہ پہ بلوا لیں یا مصطفیٰ، روز و شب ہے میری التجا آپ سے
ہے نظیر عابدی کے لبوں پہ صدا، مرحبا مرحبا مصطفیٰ ﷺ مرحبا

شمع ظفر مہدی (جدہ)

اذانِ مسجدِ نبوی سے نغمہ بار ہوا
سماعتوں پہ ہے احسانِ کردگار ہوا

شفا ہے اس میں اگر چند روز مل جائے
زہے نصیب مدینے کی خوش گوار ہوا

یہ بے خودی ہے کہ پروانہ وار پھرتی ہے
طواف کرتی ہے روضے کا بار بار ہوا

نجانے کون سی خوشبو تلاش کرتی ہے
بھری بہار میں پھرتی ہے بے قرار ہوا

بہ چشمِ نم جو سدھارے تھے اس جگہ سے حسینؓ
تو آج تک ہے مدینے میں اشک بار ہوا

عرفان بارہ بنکوی (جدہ)

گر نہیں ہیں دل میں آقا ﷺ کی محبت کے نقوش
جانیے بے کار ہیں سارے عبادت کے نقوش

نقشِ پائے سرورِ کونین ﷺ پر چلتے رہو
حشر میں یہ کام آئیں گے شفاعت کے نقوش

کفر و باطل مل کے چاہے جس قدر کاوش کریں
وہ مٹا سکتے نہیں اُن ﷺ کی صداقت کے نقوش

اب رہیں گے رہبرِ انسانیت وہ تا ابد
آپ ﷺ نے دنیا میں جو چھوڑے رسالت کے نقوش

گردشِ ایام بھی ان کو مٹا سکتی نہیں
ثبت ہیں روئے زمیں پر اُن ﷺ کی عظمت کے نقوش

پڑھتے رہیے کلمۂ طیب، درودِ مصطفٰے ﷺ
جمع کرتے جائیے دل پر طہارت کے نقوش

صاحبانِ علم و عرفاں جانتے ہیں خوب یہ
تھے ازل سے عرش پر اُن ﷺ کی نبوت کے نقوش

D:Sabhi\NaatRang-5
File: Naatain
1st Proof

حافظ عبدالغفار حافظ (کراچی)

کوئی کہیں سے چھیڑے افسانہ زندگی کا
ہے اسوۂ محمد ﷺ پیمانہ زندگی کا

حاصل ہوئی ہے جس کو سرکار کی غلامی
ہے لطف اُس کو حاصل شاہانہ زندگی کا

میں سوچتا تھا کیا ہے معراجِ عشقِ احمد ﷺ
آئی ندائے ہاتفِ ”نذرانہ زندگی کا“

جلوے سما گئے ہیں جب سے شہِ اُمم کے
جنت بنا ہوا ہے ویرانہ زندگی کا

شمعِ ولائے احمد ﷺ روشن اگر ہو دل میں
بن جائے اک حقیقت افسانہ زندگی کا

جب حرف آئے کوئی ناموسِ مصطفےٰ ﷺ پر
لازم ہے پیش کر دے نذرانہ زندگی کا

صہبائے عشقِ احمد ﷺ پیتے رہیں گے پیہم
قائم رہے گا جب تک مے خانہ زندگی کا

اے کاش رُوئے احمد ﷺ پیشِ نظر ہو اُس دم
جب ختم ہو رہا ہو افسانہ زندگی کا

گر ہوسکے تو حافظؔ طیبہ کی سمت چلیے
لبریز ہو رہا ہے پیمانہ زندگی کا

☆

جمال نقوی (کراچی)

لیا جو نام تو خوشبو سی جسم و جان میں ہے
بفیضِ شاہِ اُمم زندگی امان میں ہے

خدا ہے ان کا ثناخواں یہ عظمتیں ان کی
کلامِ پاک قصیدہ انھیں کی شان میں ہے

الٰہی نورِ بصیرت عطا ہو ہم سب کو
اندھیرا کفر کا پھیلا ہوا جہان میں ہے

انھیں سے پوچھو سب ان کو ہی ہے خبر اس کی
کہ جو نجوم و قمر میں ہے آسمان میں ہے

عمل سے آپ نے آقا ﷺ دِکھا دیا ہم کو
دلوں کو جیت لے تاثیر وہ زبان میں ہے

دکھا دیا اسے کردارِ مصطفیٰ ﷺ نے ہمیں
خدا کا حکم جو لکھا ہوا قرآن میں ہے

ضیائے سیّدِ کونین ﷺ راہبر ہے جمالؔ
یہ وہ ضیا ہے کہ پھیلی جو دوجہان میں ہے

افضال احمد انور (فیصل آباد)

عام بیداریِ مسلم کا نشاں ہو جائے
آخرِ شب ہے مری نعت اذاں ہو جائے

لب، زباں، آنکھ، جگر، قلب مری ہر اک شے
آپ ﷺ کی جانِ جہاں مدح کناں ہوجائے

سیّد انفس و آفاق سے ہو کر منسوب
ذرّہ پھیلے تو مکاں، لمحہ زماں ہو جائے

اُن کے خدام کے گھوڑوں کے سموں سے اُڑ کر
گردِ رہ غیرت ہر کاہکشاں ہو جائے

ہو اگر اُن ﷺ کی نبوت پہ گواہی مقصود
سنگریزہ یدِ منکر میں زباں ہو جائے

ہم جو تقلیدِ شہِ بدر و اُحد اپنا لیں
گلشنِ کفر میں ہر سمت خزاں ہو جائے

مسکرا دیں جو مجھے دیکھ کے میرے آقا ﷺ
خفگیٔ داورِ محشر سے اماں ہو جائے

ایک یہ بھی ہے مدینے کے سفر کا اعجاز
پاؤں میں خار چبھے، راحتِ جاں ہو جائے

جس جگہ نقشِ کفِ پائے شہِ طیبہ ﷺ ہو
قبلۂ طور بنے، عرش نشاں ہو جائے

گرچہ پہلے بھی مدینے میں بلایا ہے مجھے
یہ کرم بارِ دگر، شاہِ شہاں ﷺ ہو جائے

پھر ہے تہذیب کی انساں کو ضرورت انوؔر
پھر سے تقلیدِ شہِ کون و مکاں ﷺ ہو جائے

D:Sabhi\NaatRang-5
File: Naatain
1st Proof

آفتاب کریمی (کراچی)

ہر وقت تصور میں سرکار کا روضہ ہو اے کاش کہ ایسا ہو
اور ورد رہے جاری جو صل علیٰ کا ہو اے کاش کہ ایسا ہو

مر جاؤں میں طیبہ میں طیبہ ہی میں مدفن ہو اور ایسی جگہ پر ہو
جس جا مرے آقا کا اک نقش کفِ پا ہو اے کاش کہ ایسا ہو

سرکار کی چاہت کا دعویٰ جو کیا میں نے سرکار کی نعتوں میں
دنیا میں رہے سچا محشر میں بھی سچا ہو اے کاش کہ ایسا ہو

پا لیں گے یقیناً ہم اک روز بصیرت بھی دیدار کی نعمت بھی
سرمہ میری آنکھوں کا بس خاکِ مدینہ ہو اے کاش کہ ایسا ہو

دنیا میں نہیں کوئی اک جائے سکوں ایسی سرکار کے روضے سی
سرکار کے قدموں میں اب میرا ٹھکانہ ہو اے کاش کہ ایسا ہو

دیدار کریمی کو آقا نے کرایا ہے شوق اور بڑھایا ہے
اب شوق کی خواہش ہے دیدار ہمیشہ ہو اے کاش کہ ایسا ہو

قیصر نجفی (کراچی)

سخن کا کون سا طے ہم سے مرحلہ نہ ہوا
تری ثنا کا مگر پھر بھی حق ادا نہ ہوا

یہ بات اور کہ انسانوں سے کئی انساں
یہ بات الگ کہ کوئی تجھ سا دوسرا نہ ہوا

ترے حضور ہمیں جب خطائیں یاد آئیں
تو شرمساروں سے اظہارِ مدعا نہ ہوا

خدا شناسی بھی بے فائدہ ہے اس کی، جو
خدا کے بعد محمد ﷺ سے آشنا نہ ہوا

پڑے نہ جسمِ مقدس کا خاک پر سایہ
جہاں میں اس لیے سایہ حضور ﷺ کا نہ ہوا

کوئی ورائے تقابل نہیں، مگر قیصرؔ
وہ بندہ جس سا کوئی بندۂ خدا نہ ہوا

D:Sabhi\NaatRang-5
File: Naatain
1st Proof

مقصود احمد تبسم (شارجہ)

نعلینِ محمد ﷺ

جب عشق ہو وابستۂ نعلینِ محمد ﷺ آنکھوں میں رہے نقشۂ نعلینِ محمد ﷺ

ان ہی کے وسیلے سے جو مانگو گے ملے گا دیتا ہے خدا صدقۂ نعلینِ محمد ﷺ

بن جائیں مری کھال سے پاپوش نبی کے رگ رگ ہو مری تسمۂ نعلینِ محمد ﷺ

دنیائے محبت میں حکومت ہے انھی کی چلتا ہے یہاں سکۂ نعلینِ محمد ﷺ

افکار کے قرطاس پہ ہو ان کی ہی تصویر جب عقل پہ ہو قبضۂ نعلینِ محمد ﷺ

اُن خاک کے ذرّوں کو بھی رشک آیا تو ہوگا جو لیتے رہے بوسۂ نعلینِ محمد ﷺ

اک نعل میں دو تسمے تھے اور اصفر و سبتی دیوانو یہ تھا نقشۂ نعلینِ محمد ﷺ

وہ مُعْقَبة و مُلْسِنَة و مَخْصَرَة صورت کیا خوب تھا وہ حلیۂ نعلینِ محمد ﷺ

لمبائی تھی بالشت سے دو انگلیاں زیادہ اور تسمے تھے گل دستۂ نعلینِ محمد ﷺ

سات انگلیاں چوڑائی تھی پانچ انگلیاں تھا پیٹ منقول ہے ہر گوشۂ نعلینِ محمد ﷺ

نعلینِ نبی بزمِ تصور میں سجا کے کرتا ہوں طلب صدقۂ نعلینِ محمد ﷺ

دُکھ درد میں اور رنج و بلا میں یہ اماں دے ہے فیض نشاں نقشۂ نعلینِ محمد ﷺ

سجدہ کہاں زیبا ہے بتا دیتا ہے احساس دل کیوں نہ ہو گرویدۂ نعلینِ محمد ﷺ

تلووٴں کے پسینے کی تراوٹ ملی ان کو پاوٴ گے نہ ہم پلۂ نعلینِ محمد ﷺ

نعلین کا شیدائی کوئی جب بھی ملے گا کہہ دوں گا سنا قصۂ نعلینِ محمد ﷺ

دیوانوں کی کیا بات ہے ٹھکرا دیں جہاں کو ہاتھ آئے اگر تحفۂ نعلینِ محمد ﷺ

تصلیح علی نے بھی تو فرمائی تھی ان کی اونچا ہے بڑا رُتبۂ نعلینِ محمد ﷺ

ہو خوف مجھے گرمیِ محشر کا بھلا کیوں گر سر پہ رہے سایۂ نعلینِ محمد ﷺ

ایمان مکمل نہیں ہوسکتا کبھی بھی گر دل نہ ہو گرویدۂ نعلینِ محمد ﷺ

اس مدحتِ نعلین کا صدقہ مرے مولا خوابوں میں ملے بوسۂ نعلینِ محمد ﷺ

جو بھی ملے دے دو اُسے جنت کی بشارت — لے جاؤ یہ آئینۂ نعلینِ محمد ﷺ
طائف میں ملے زخم مگر پھر بھی دعا دی — جب خوں سے بھرا کاسۂ نعلینِ محمد ﷺ
اُس عہد کے منھ پر ہے یہ قدرت کا طمانچہ — جس عہد میں ہو سرقۂ نعلینِ محمد ﷺ
اے خادمِ نعلین مبارک یہ سعادت — کیا خوب دیا پہرۂ نعلینِ محمد ﷺ
سرکار کے قدموں نے عطا کی انھیں توقیر — ہو کیسے بیاں رُتبۂ نعلینِ محمد ﷺ
پلکوں سے کروں صاف رکھوں سر پہ ادب سے — طبعاً ہوں میں وارفتۂ نعلینِ محمد ﷺ
نعلین کا دیدار ہو نعلین کے صدقے — مر جاؤں نہ نادیدۂ نعلینِ محمد ﷺ
ہو کاش ملاقات بریلی میں رضا سے — پھر اُن سے سنیں رُتبۂ نعلینِ محمد ﷺ
مستانۂ نعلین ملے گا تو کہوں گا — چل مل کے پڑھیں قصۂ نعلینِ محمد ﷺ
بن صاحب ﷺ نعلینِ شریفین کا عارف — پھر تجھ پہ کھلے عقدۂ نعلینِ محمد ﷺ
قدموں سے لپٹنے کی سعادت ملی ان کو — بے شک ہے بڑا رُتبۂ نعلینِ محمد ﷺ
گر صاحبِ ﷺ نعلین کا ممکن نہیں دیدار — ہو نزع میں پھر جلوۂ نعلینِ محمد ﷺ
جب گورکھدے میری تو یہ ذہن میں رکھنا — ہو قبر مری نقشۂ نعلینِ محمد ﷺ
میّت پہ مری یاد سے تلقین یہ کرنا — رکھ وردِ زباں نغمۂ نعلینِ محمد ﷺ
ہو قبر کی تختی پہ مری بس یہی تحریر — خوابیدہ ہے مستانۂ نعلینِ محمد ﷺ
من ربک ما دینک پوچھیں جو نکیریں — کہہ دوں گا میں دیوانۂ نعلینِ محمد ﷺ
گہری ہو لحد میری کہ خادم ہو رضا کا — اور وضع میں ہو نقشۂ نعلینِ محمد ﷺ
جب قبر میں سرکار مرے سامنے آئیں — ہو لب پہ مرے نغمۂ نعلینِ محمد ﷺ
یہ کون ہیں تم پوچھتے ہو مجھ سے فرشتو — لینے دو مجھے بوسۂ نعلینِ محمد ﷺ
کیا کم ہے کہ ذاکر ہوں میں نعلینِ نبی کا — صد شکر ہوں وابستۂ نعلینِ محمد ﷺ
ہوتا ہے مری روح پہ اک وجد سا طاری — پڑھتا ہوں میں جب نغمۂ نعلینِ محمد ﷺ
مولا مری اس لوحِ عقیدت پہ ہمیشہ — بس نقش رہے نقشۂ نعلینِ محمد ﷺ
مقصود کی اوقات سے بڑھ کر ہے یہ توصیف — جو کچھ بھی لکھا صدقۂ نعلینِ محمد ﷺ

D:Sabhi\NaatRang-5
File: Naatain
1st Proof

زمرد خاں سیفی (جدہ)

منظروں سے بڑھ کے منظر رفعتیں
گنبد و محراب و منبر رفعتیں

جھک گئی جو خاکِ طیبہ پر جبیں
ہیں اُسے حاصل سراسر رفعتیں

مٹ گئیں آلام کی طغیانیاں
منتظر ہیں ساحلوں پر رفعتیں

آپ ﷺ کی سیرت سے پھیلی روشنی
آپ ﷺ ہی سے ہیں منور رفعتیں

جاگتی آنکھوں نے جنت دیکھ لی
دے گئی ہے نعتِ سرور ﷺ رفعتیں

سیرتِ احمد ﷺ کے بن کر پاسباں
پا گئے ہیں ابنِ حیدر رفعتیں

میں مدینے کے سفر پر جب چلا
بن گئیں میرا مقدر رفعتیں

اُن ﷺ کی سیرت سے مجھے سیفیؔ ملیں
آسمانوں کے برابر رفعتیں

شاہد نعیم (جدہ)

کر دیے گُل آ کے صدیوں کی عداوت کے چراغ
اور روشن کر دیے سینوں میں اُلفت کے چراغ

آمدِ فخرِ رُسل ﷺ کا معجزہ تو دیکھیے
جل گئے کسریٰ کے ایوانوں میں ہیبت کے چراغ

نام ان کا آج بھی ہے باعثِ تسکینِ جاں
آج بھی گھر گھر میں روشن ان کی عظمت کے چراغ

مسئلے حل ہوگئے سب کام بگڑے بن گئے
جس نے پلکوں پر کیے روشن ندامت کے چراغ

یہ کرم شاہدؔ پہ ہے اے رحمت للعالمین
کر دیے روشن مرے دل میں محبت کے چراغ

D:Sabhi\NaatRang-5
File: Naatain
1st Proof

صبیح رحمانی (کراچی)

اپنے دربار میں آنے کی اجازت دی ہے
اک گناہ گار کو آقا نے یہ عزت دی ہے

آپ کا ذکر کبھی کم نہیں ہوگا آقا ﷺ
آپ کے ذکر کو اللہ نے رفعت دی ہے

آپ کا نام تو ہر غم کی دوا ہے آقا ﷺ
آپ کے نام نے ہر رنج میں راحت دی ہے

معجزہ ان کی صداقت کا ہوا یوں روشن
دستِ بوجہل میں کنکر نے شہادت دی ہے

تلخ لہجوں کو جو شائستہ بنا دیتی ہے
آپ نے آ کے وہ تعلیمِ محبت دی ہے

میری پلکوں پہ چراغوں نے فروزاں ہو کر
اک نئی نعت کے ہونے کی بشارت دی ہے

مجھ سے بے نام ونشاں کو میرے آقا ﷺ نے صبیح
بخش کے ذوقِ ثنا عزت و شہرت دی ہے

خطوط

شان الحق حقی۔ کینیڈا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات سے کچھ معجزات ان کی حیات میں ظہور میں آئے ہوں یا نہ آئے ہوں، ان کی وفات کے بعد جو درود وسلام، **لا تعدو لا تحصی،** ان کی ذات گرامی پر بھیجے گئے وہ اپنی جگہ ایک معجزے سے کم نہیں۔ یہ میرے نزدیک سب سے بڑا اور سچا معجزہ ہے، جس کا جواب محال ہے۔ نعتوں کا سلسلہ الگ ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ کسی اور برگزیدہ شخصیت کے لیے، اتنے منظومات، سلام، گیت، بھجن یا مدحتیں لکھی گئی ہوں گی۔ حضرت عیسیٰ کی شان میں بہت سے odes, hymns, songs لکھے گئے ہیں، جیسے سپنسر کا Ode to the Nativity of Christ (بر میلاد مسیح) مگر ان کی تعداد اس کا عشر عشیر بھی نہ ہو گی۔ حیرت بالائے حیرت یہ کہ خود غیر مسلموں نے اس میدان میں دل کھول کر طبع آزمائی کی اور بہت کچھ داد سخن آرائی دی، جس کا اعتراف واجب ہے۔ یہ سلسلہ قرون اولیٰ سے جاری ہے، اس کا آغاز جناب رسالت مآب ﷺ کے حین حیات میں ہو گیا تھا، اور برابر فروغ پذیر رہا۔ حتیٰ کہ بیسیوں صدی میں گزشتہ سب زمانوں سے بڑھ گیا۔ ہمارے ہاں تحریک پاکستان سے بھی اس کو تقویت ملی، جس میں ایک نئے اسلامی معاشرے کی تشکیل اور دین کی عظمت مدنظر تھی، جو جناب رسالت مآب کی ذات مکرم سے عبارت ہے، بقول اقبال۔ ع

"بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست"

اس صدی کے آغاز میں بعض خلاف مذہب تحریکات کے ردعمل کے طور پر بھی دنیا بھر کے مذہبی حلقوں میں ایک ہلچل پیدا ہوئی، جس میں سوویت یونین کے خلاف کچھ شعوری تحریک کا

D:NaatRang-15
File: Khutoot
Final

بھی دخل تھا۔ جس کی روحانیت سے عاری نظامِ فکر اور محض مادی تصورِ حیات نے دنیا بھر میں بہت سے انسانوں کے ایمان کو متزلزل کر دیا تھا۔ پاکستان میں جنرل ضیاء الحق کے دور میں ایک طرف روس کے خلاف سرد جنگ زوروں پر تھی اور یہ اس مہم کا آخری مرحلہ تھا جو ستر بہتر برس خصوصاً امریکہ کی طرف سے بہ شدت و بہ ہر حیلہ جاری رہی۔ دوسری طرف جنرل صاحب نے اسلامی نظام رائج کرنے کا سبز باغ دکھایا، جس سے مومنین کے دل میں ایک نئی امنگ پیدا ہوئی اور اس سے اہلِ تخلیق بھی متاثر ہوئے۔ چناں چہ انیس سو اسی (۱۹۸۰ء) کی دہائی میں سب سے زیادہ نعتیں لکھی گئیں اور جو نعتیہ مجموعے جب سے اب تک شائع ہوئے ان کی تعداد تمام ہند اسلامی تاریخ کے نعتیہ مجموعوں سے بڑھ گئی۔

حبِ رسول مسلمان کا جزوِ ایمان ہے، اور اس کا اظہار بصورتِ نعت ایک فطری اور اندرونی تقاضا ہے۔ چناں چہ کوئی بیرونی تحریک یا تقریب بھی تخلیقی ذہن کو اس طرف بآسانی مائل کر سکتی ہے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اب وہ جوش و جذبہ جسے بڑی طاقتیں اپنے مفید مطلب سمجھتی تھیں اور اسے ہوا دینے پر مائل تھیں، انھیں کھٹکنے لگا ہے۔ اب وہ اسے تقویت دینے کی جگہ اسے دبانے پر مائل ہیں۔ مگر بقول مولانا ظفر علی خاں:

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

مذکورہ تاریخی پس منظر سے قطع نظر، ثنائے رسول بھی صلوٰۃ و سلام کی طرح، ہمارا محبوب مشغلہ، بلکہ فریضہ اور ایک مبارک ادبی روایت ہے۔ یہ ہمیشہ سے جاری تھا اور جاری رہے گا۔ ''نعت رنگ'' کے کتابی سلسلے نے اس مقدس روایت کو منظم institutionalized صورت میں جاری رکھا ہے، اور بڑے دل پذیر، رنگا رنگ، روح پرور، ایمان افروز مجموعے شائع کیے ہیں۔ میں آپ کے ذوق اور لگن کا معترف و مداح ہوں۔ جزاھم اللّٰہ خیر الجزاء۔

ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط۔ بھارت

امید کہ آپ بہمہ وجوہ خیر و عافیت سے ہوں گے۔ ''نعت رنگ'' کے تینوں شمارے (۱۲، ۱۳، ۱۴) ''سفیرِ نعت'' کے دو شمارے، ''نعت'' لاہور کے دو شمارے اور دیگر کتابیں دستیاب ہوئیں۔ صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ''نعت رنگ'' کے تیرھویں شمارے کے انتساب میں آپ نے خاکسار کا نام بھی داخل کر دیا۔ اس کے لیے بھی شکر گزار ہوں۔ ''نعت رنگ'' کے

دونوں شماروں کی مشمولات بہت معیاری ہیں۔ راجا رشید محمود کا مضمون نعت میں ذکر میلاد سرکارﷺ ۵۲۲ کتب کے حوالے سے قلم بند کیا گیا ہے۔ یہ عنوان تفصیل میں ایک مکمل کتاب کا متقاضی ہے۔ پھر بھی راجا رشید محمود نے نہایت اجمال سے کام لے کر اس مضمون کا حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہند کی جامعات میں دو جگہ تو ''میلاد ناموں'' پر پی ایچ ڈی کے لیے مقالات لکھے جاچکے ہیں۔ بہرحال! راجا رشید محمود کو میری جانب سے مبارک باد دیجیے۔ ایسا ہی ایک مضمون ''اسم محمدﷺ...نعت کے آئینے میں'' بھی پسند آیا۔ پروفیسر محمد اقبال جاوید نے مضمون تیار کرنے میں عرق ریزی سے کام لیا ہے۔

''نعت کے اشعار اور فنی سقم'' شارق جمال صاحب کا ایک اچھا مضمون ہے۔ اس میں محترم ظہیر غازی پوری کا مکمل اصولی دفاع ہے۔ ایک بات نہایت ادب سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ بزرگوں کی فنی خطاؤں کی نشان دہی کو بزرگوں کی توہین سے تعبیر نہ کیا جائے۔ ظہیر غازی صاحب نے مضمون کیا لکھا کہ برصغیر کے چند اہل قلم ان پر ٹوٹ پڑے۔ ظہیر غازی پوری ایک اچھے ادیب، کہنہ مشق شاعر، ناقد و محقق ہیں۔ نہ وہ نقص نکالتے ہیں نہ نکتہ چینی کرتے ہیں۔ ہاں! فنی اسقام کی نشاندہی کرنا نکتہ چینی کرنا نہیں ہوتا نہ یہ تنقیص کے دائرے میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ امت میں بگاڑ کی ایک وجہ بزرگوں کو غلطیوں سے بالاتر سمجھنا بھی رہی ہے۔ ''خطائے بزرگان گرفتین خطا است'' یہ محاورہ اسی رجحان کا عکاس ہے۔ شارق جمال فی الوقت برصغیر کے چند ماہرین عروض میں گنے جاتے ہیں۔

محترم ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی نے ڈاکٹر محمد صدرالحسن ندوی صدر معلم مدرسہ کاشف العلوم اورنگ آباد کے تحقیقی مقالے کا زبردست جائزہ لیا ہے۔ محترم صدرالحسن ندوی بڑے محنتی استاذ ہیں۔ مطالعہ کا شوق و انہاک قابل رشک ہے۔ ترجمہ نگاری میں انھیں یہ طولیٰ حاصل ہے۔ عربی کی کئی کتابوں کا انھوں نے اردو میں بامحاورہ ترجمہ کیا ہے۔ ڈاکٹر صابر سنبھلی اور ڈاکٹر سیّد طلحہ رضوی برق کے مضامین بھی اچھے ہیں۔

جہاں تک خطوط کا تعلق ہے تو علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی صاحب کا خط سب سے طویل ہے۔ اس میں علامہ نے جہاں اوروں کے متعلق لکھا ہے وہاں خاکسار کی تحریر پر بھی گرفت کی ہے اور لکھا ہے کہ ''(میں نے) اپنی اس تحریر میں کم فہمی کی وجہ سے مولانا فضل حق خیرآبادیؒ پر غلط الزام لگایا ہے۔'' تو اس تعلق سے عرض ہے کہ ''امتناع النظیر خاتم النبیین'' کے مسئلہ کو میں

سیّداسماعیل شہیدؒ کے حوالے سے خوب جانتا ہوں۔ لیکن میں نے اپنے مضمون میں مولانا الطاف حسین حالی کی ''یادگارِ غالب'' علی گڑھ ایڈیشن ص۷۲ تا ۷۴ کے اقتباس ہی کے حوالے سے اس مسئلہ کے متعلق غالب کے موقف کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں نے غالب کے متعلق ''امتناع النظیر'' کے ضمن میں جو باتیں لکھی ہیں حالی نے مجھ سے زیادہ دفاع یادگار غالب میں کیا ہے۔ ''عظمت رسول ﷺ میں توہین الہٰ'' اس وقت اس مسئلہ کو سید اسماعیل شہیدؒ نے سمجھا تھا۔ اس لیے اس کا جواب بھی دیا تھا۔ اب نہ اسماعیل شہیدؒ زندہ ہیں نہ مولانا فضل حق خیر آبادیؒ۔ اس لیے اب اس مسئلے کو الجھانے سے کوئی فائدہ بھی نہیں۔ رہا علمی بحث کا تعلق تو حضرت علامہ سے دست بستہ عرض ہے کہ ان مباحث سے نہ تو امت کو کوئی فائدہ ہوتا ہے نہ ایمانی قوت میں اضافہ۔ آج عالمی سطح پر امت جس پرآشوب حالت سے گزر رہی ہے۔ اس کا مقتضیٰ تو باہمی اتفاق ہے نہ کہ انفصال۔ میں ایک بار پھر عرض کر دوں کہ مولانا فضل حق خیر آبادیؒ اور غالب کے متعلق جو باتیں بھی میرے مضمون میں آئی ہیں یادگار غالب ہی ان کا ماخذ ہے۔

پروفیسر قیصر نجفی نے میرے آزاد منظوم ترجمہ کو تاثر سے عاری قرار دیا ہے۔ یقیناً میرے اس ترجمے میں صرف جیوتابا پھلے کے خیالات ہی کو اصلی حالت میں پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ اس میں شاعرانہ خیال آرائی یا اثرآفرینی کا متعلق خیال نہیں رکھا گیا۔ میں نے مضمون میں اس کی وضاحت کر دی تھی۔ البتہ نجفی صاحب نے میرے مضمون ''عظمتِ رسول ﷺ خطوطِ غالب میں'' کو سراہا ہے اس کے لیے ان کا شکریہ ادا کرنا میں ضروری سمجھتا ہوں۔

''نعت ریسرچ سینٹر'' کا اشتہار مولانا ملک الظفر سہسرامی کو بھجوا دیا گیا اور اسباق (ماہنامہ پونا) اور انشاء (کلکتہ) کو بھی اس کی زیروکس بھجوا چکا ہوں۔ ''معراج نامہ بلاقی'' کا تحقیقی جائزہ جلد ہی روانہ کر دوں گا۔ آپ کے جواب سے مجھے بڑی راحت ملی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ نعت ریسرچ سینٹر کو موصول ہونے والی کتابوں کی فہرست میں میری کتاب کا ذکر نہیں۔ کیا فضلی سنز نے آپ کو یہ کتاب نہیں دی؟

ڈاکٹر طلحہ رضوی برق۔ بھارت

قاصد رسید و نامہ رسید و کتب رسید
در حیرتم کو جاں بکدامی کنم نثار

عطوفت نامہ مورخہ ۱۳/جنوری ۲۰۰۳ء مع تحفۂ بیش بہائے ہفت کتب وسط فروری میں

موصول ہوا۔ گویا دولت ہفت اقلیم ملی، صحیفوں کو چوما اور آنکھوں سے لگایا، روشنی دیدہ و دل میں اضافہ ہوا۔ آپ کی صحت و عافیت و درازی عمر و کامرانی دارین کے لیے دل سے دعائیں نکلتی رہیں۔ اظہار تشکر و امتنان کے لیے الفاظ کہاں سے لاؤں یہ تحفہ ہائے ارجمند میرے لیے سرمۂ نظر ہیں۔ ایک نظر تو سب پر ڈال ہی لی۔ بالاستیعاب مطالعے میں اسفار مسلسل حائل رہے۔ فی الوقت بمبئی کا سفر درپیش ہے۔ وہاں ذکر شہادت کی محفلوں میں شرکت کرنی ہے۔ اور محرم کو ماہنامہ ''اشرفیہ'' کے ضخیم و شان دار ''سیّدین نمبر'' کے جشن اجرا میں حاضر رہنا ہے۔ پھر آخر ماہ میں کچھوچھہ مقدسہ میں جامع اشرف کی سلور جوبلی کی شرکت کے لیے جانا ہے۔ ریٹائرمنٹ کو دو سال گزر چکے مشغولیت و مصروفیت اور بڑھ گئی ہے۔

''نعت رنگ'' شمارہ ۱۳، ۱۴ اردو میں نعت گوئی، نعت اور تنقید نعت، نعت ہی نعت، سفیر نعت اور ارمغان حافظ میں سے اکثر اب ہمسفر رہیں گی۔ ان شاء اللہ تفصیلی تاثرات نیز پروفیسر شفقت رضوی اور حضرت کشفی کی کتابوں پر تبصرے ارسال خدمت کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔

سادہ ڈاک سے ایک شکریہ نامہ بطور رسید کتب روانہ کر دی تھی۔ اللہ جانے پہنچ سکی یا نہیں۔

ان کا جو کام ہے وہ اہلِ سیاست جانیں
میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

میری بیٹی ڈاکٹر قدسیہ فاطمہ سلمہا اور داماد ڈاکٹر راشد ضیا صاحب لندن میں رہتے ہیں۔ انھیں خط لکھ رہا تھا تو اس اندیشے کے پیش نظر کہ میرا خط آپ کو ملا یا نہ ملا۔ یہ خط آپ کے نام ان کے لفافے میں رکھ دیا۔ اس تاکید کے ساتھ کہ آپ کو روانہ کر دیں۔ خدا کرے مل جائے۔

بھائی! آپ بڑے خوش نصیب ہیں کہ نعت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق یہ مثالی اور قابل صد رشک کام آپ کا مقسوم ٹھہرا۔ یہ ''نعت رنگ'' آپ کے لیے نعمت کونین اور رحمت دارین ہے۔ آپ کی ہمت و حوصلے کی داد نہ دینا کفر کے مترادف:

ذرہ را تا نبود ہمت عالی حافظ
طالب چشمۂ خورشید درخشاں نشود

پھر دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت دے۔ صحت و سلامتی کے ساتھ

D:NaatRang-15
File: Khutoot
Final

رکھے اور آپ سے ایسے ایسے کام لے کہ اسے دیکھ کر دوسروں میں زندگی انگڑائیاں لے اُٹھے اور آپ پر یہ شعر صادق آئے:

ہر چند میر خستہ دل و ناتواں شدم
ہر گہ کو یاد روی تو کردم جواں شدم

دیکھیے اس کوچۂ دلداری تک رسائی کب میسر ہوتی ہے۔ آپ لوگوں سے ملاقات کی حسرت ہے اللہ پوری کرے۔ آمین

ڈاکٹر سیّد شمیم احمد گوہر۔ بھارت

یہ آپ کی محبت، التفات خیر اور خلوص بیکراں ہے کہ تازہ مطبوعات سے خاکسار کو نوازتے رہتے ہیں۔ بے حد ممنون و مشکور ہوں۔ اس سلسلۂ خلوص کو جاری رکھیے حتیٰ المقدور استفادہ کر کے بہت محظوظ ہوتا ہوں۔

کیا عرض کروں کافی مصروف رہتا ہوں جس کے سبب اپنی تحریر حقیر سے آپ کی خاطر خواہ خدمت نہیں کر پاتا احساس ہے۔ تاہم دو ہفتے آپ کے لیے وقف کرتے ہوئے دو مضامین، دو نعت شریف ارسال کر رہا ہوں قبول فرمائیں۔

اس بار ''دیار نعت'' کے تعلق سے جناب راجا صاحب نے بہت مایوس کیا۔ اس مایوسی کا اظہار تبصرے میں موجود ہے۔ اگر آپ حضرات کو قابل قبول ہو تو شائع فرما دیں امید ہے کہ دیگر تحریریں بھی پسند آئیں گی۔

''نعت رنگ'' کراچی (شمارہ ۱۳ دسمبر ۲۰۰۲ء) میں جناب شارق جمال صاحب کا مضمون بہ عنوان ''نعت کے اشعار اور فنی سقم'' پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ جس میں حروف علت کے تعلق سے فنی سقم کے بعض گوشوں پر گفتگو کی گئی ہے۔ الف، واو اور یائے معروفہ کے غیر قانونی محل استعمال کو واضح کرتے ہوئے یہ بتایا گیا کہ اس نوعیت کا ناجائز استعمال قانوناً غلط ہے۔ خواہ اساتذۂ سخن ہی کے ہاں یہ عیب کیوں نہ پایا جائے قانون بخشے گا نہیں۔ بطول مثال آتش کا یہ مصرع پیش کیا گیا۔

شہر میں قافیہ پیائی بہت کی آتش

تقطیع کے تحت پیائی کی ''ئی'' کے سبب یائے معروفہ کو زائد مانتے ہوئے اس مصرع کو

خارج از بحر قرار دیا گیا جب کہ بقرینہ صورت و قرأت ءِ ئی ہی کی منزل میں ہے۔ ایسی صوتی نزاکت میں نہ کوئی مضائقہ ہے اور نہ ہی فصاحت و بلاغت کے خلاف۔ بعد کے اس قانونی توضیح نے حروف علت کی بعض اہم کارکردگی کے پیش نظر بعض حرفی و صوتی اتصال و تعلق کا لحاظ نہیں رکھا جو اردو شاعری کا بنیادی خاصہ ہے۔ ضرورت شعری کے تحت بعض اوقات وزن کے ایک حرف کو دو کے برابر تسلیم کر لیا جاتا ہے جو فطری لہجے کے مطابق صوتی وابستگی کے تقاضے پورے کرتے ہیں۔ شاعری تقطیع کی روشنی میں نہیں اوزان کی روشنی میں کی جاتی ہے۔ اگرچہ اوزان، تقطیع ہی کے تابع ہوتے ہیں اور تقطیع، صوتی ہم آہنگی سے الگ نہیں رہ سکتی۔ بہت سے شعرا محض گنگنانے (یعنی لے کاری) ہی کے سہارے بحروں کو اپنی گرفت میں لے کر شاعری کرتے رہتے ہیں۔ نہ وہ بحروں کے اصول سے واقف ہوتے ہیں اور نہ ہی تقطیع کی توضیح سے لے کاری یا ردم کی بنیاد پر بڑی سے بڑی شاعری کے نمونے پیش کر دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں مصرع مذکورہ کے لفظ پیائی کے ہمزۂ مکسور کو ہائے معروفہ کے ساتھ مدغم کر دینے میں کوئی قباحت نہیں۔ مثلاً حالی کا یہ شعر:

وہ شاہ جس کا عدو جیتے جی جہنم میں
عداوت اس کی عذابِ الیم جاں کے لیے

اگر مصرع اولیٰ میں یہ دیکھا جائے کہ ''جیتے'' کی یائے معروفہ زائد ہے تو پھر مصرع ثانی میں یہ بھی غور کرنا پڑے گا کہ ''عداوت اس کی'' کے مابین الف بے تعلق کیوں رہ گیا۔ یہ بے تعلقی قانوناً صوت و قرأت کے سبب ہے تقطیع کی بنیاد پر ہیں۔ چناں چہ ایسے وضع قانون سے جماعت شعرا کبھی متفق نہیں ہو سکتی۔ جس کے زیر اثر اساتذۂ سخن کے سیکڑوں، ہزاروں اشعار فضول مجروح ہو جائیں۔

اے بے کسوں کے آقا اب تیری دہائی ہے

یہ پورا مصرع ہی غلط نقل کیا گیا۔ حیرت اس بات پر ہے کہ اس بے بحر مصرع کا وزن تک بتاتے ہوئے اس کی تقطیع بھی کر دی گئی۔ مفعول مفاعیلن، مفعول مفاعلین حالاں کہ مصرع یوں ہونا چاہیے تھا:

D:NaatRang-15
File: Khutoot
Final

اے بے کسوں کے آقا اب ہے تری دہائی

جس کی بحر مضارع مثمن اخرب کے تحت مفعول فاعلاتن مفعول فاعلاتن ہے اور رول مثمن مشکول کے تحت فعلات فاعلاتن فعلات فاعلاتن ہے۔ ہزج مثمن اخرب یعنی مفعول فعاعیلن مفعول مفعاعیلن کے تحت مصرع کا وزن یہ ہونا چاہیے تھا:

اے جانِ وفا تیرے انداز نرالے ہیں

(گوہر)

اب جہاں تک اجتماع ردیفین کا تعلق ہے پہلے متوم اشعار ملاحظہ فرمالیں:

حضور ایسا کوئی انتظام ہو جائے سلام کے لیے حاضر غلام ہو جائے

حضور آپ جو سن لیں تو بات بن جائے حضور آپ جو کہہ دیں تو کام ہو جائے

یہ چار مصرعے نہ رباعی کے ہیں نہ قطعہ کے، بلکہ غزل کے دو اشعار ہیں جس کی ردیف ''ہو جائے'' ہے۔ تیسرے مصرعے کے آخر میں ''بات بن جائے'' ہے جس کا ردیف سے کوئی تعلق نہیں۔ مضمون نگار نے اس کو ردیف سے تعبیر کرتے ہوئے اجتماع ردیفین کا عیب قرار دے دیا اور اس عیب سے چھٹکارہ دلانے کے لیے الگ سے ایک مصرع بھی کہہ ڈالا:

حضور آپ جو سن لیں تو میری بات بنے

یہاں پر اجتماع ردیفین کی نزاکت ''میری بات بنے'' کی بنیاد پر بات نہیں بنا سکتی یہاں پر صرف حرف یائے معروفہ ہی کے سبب یہ خرابی لازم آرہی ہے۔ یائے معروفہ ہٹ جائے اجتماع ردیفین کا عیب خود بخود ساقط ہو جائے۔ مصرع کو یوں ہونا چاہیے تھا:

حضور بات بنے میری آپ جو سن لیں

''تو ان شاء اللہ ضرور بن جائے گی محض سن لیں'' کے تحت یہ عیب جاتا رہا۔

جناب قمر وارثی ایک مشہور و ممتاز اور صاحب دوا دین شاعر اسلام ہیں۔ ان کے نعتیہ کلام سے برابر محظوظ ہوتا رہتا ہوں۔ انھوں نے ایسے بہت سے روحانی و ایمانی اشعار کہے ہیں جو والہانہ عشق و محبت اور احساس معصیت کے چراغوں سے خوب خوب چمکتے دمکتے رہتے ہیں۔ تازہ مجموعۂ نعت ''کہف الوریٰ'' پر حضرت گرامی جناب ڈاکٹر سیّد شاہ محمد طلحہ رضوی برق دانا پوری بھارت کا تبصرہ پسند آیا۔ محض تبصرے کی بنیاد پر کہف الوریٰ کے اوصاف و محاسن، جذبۂ عشق رسالت اور فکری و فنی توسیعات کی گہری سچائی تک قاری کو پہنچا دینا اور بعض منتخب اشعار کی فنی پختگی پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک مستند پیمانہ سامنے رکھ دینا یہ تبصرہ نگار ہی کا کمال ہوسکتا ہے۔

مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی۔ کراچی

اللّٰہ کریم جل شانہ اپنے حبیبِ کریم ﷺ کے صدقے ہم سب کو مسلکِ حق اہلِ سنّت و جماعت پر استقامت اور دارین میں عفو و مغفرت سے نوازے، آمین

''نعت رنگ'' کا بارھواں شمارہ گزشتہ برس ماہِ صیام کی ابتدا میں شائع ہُوا تھا اور آپ ماہِ ربیع الانوار کے فوراً بعد تیرھویں شمارے کی اشاعت کا ارادہ کیے ہوئے تھے، مجھے خط بھیجنے میں کچھ تاخیر ہوئی تو آپ نے خفگی ظاہر کی، جولائی ۲۰۰۲ء میں جماعتِ اہلِ سنّت، برطانیا کے زیر اہتمام برمنگھم میں چھٹی سالانہ سُنّی کانفرنس منعقد ہوئی، اس میں شرکت کا وعدہ کر چکا تھا، سفر پر روانگی سے قبل آپ کو اپنی تحریر بھجوا دی تھی لیکن وطن واپسی پر معلوم ہُوا کہ آپ کناڈا تشریف لے گئے ہیں اور واپس آ کر ''نعت رنگ'' شائع کریں گے۔ کناڈا سے آنے کے بعد آپ نے فون پر بتایا تھا کہ آپ ایک بار پھر دو شمارے اکٹھے شائع کریں گے کیوں کہ بھارت سے ایک تعطل کے بعد ڈاک کی آمد و رفت بحال ہوگئی تھی اور آپ کو وہاں کے اہلِ قلم کی نگارشات حاصل ہونے پر خوشی تھی اور خاصا مواد جمع ہوگیا تھا۔ آپ نے تیرہ ماہ کے وقفے کے بعد ذی قعدہ ۱۴۲۳ ھ میں ''نعت رنگ'' کے دو شمارے (۱۳۔۱۴) شائع کیے، آپ کی لگن، محنت اور پیش کش لائقِ تحسین بھی ہے اور قابلِ مبارک باد بھی۔ اللّٰہ کریم آپ کی یہ خدمت قبول فرمائے، آمین۔

''نعت رنگ'' کے یہ دونوں شمارے ایک جلد میں شائع ہوتے تو ضخامت بہت زیادہ نہ ہوتی، آپ شمارہ ۶ بھی ضخیم پیش کر چکے ہیں۔ ''نعت رنگ'' کا شمارہ ۱۴ صرف ۲۳۰ صفحات پر مشتمل ہے لیکن اس کی قیمت بھی وہی ہے جو شمارہ ۱۳ کی ہے جب کہ اس کی ضخامت ۳۲۰ صفحات ہے، حالاں کہ ''نعت رنگ'' کا شمارہ ۶ ایک جلد میں ۴۴۸ صفحات کا تھا۔ یوں آپ نے ''نعت رنگ'' کے شائقین اور قارئین پر بیک وقت کچھ زیادہ ''مہربانی'' فرمائی ہے۔ ''نعت رنگ'' کی اہمیت اور افادیت کے لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ ''مہربانی'' گراں نہیں، لیکن ان احباب کا خیال بھی رہے جو اس ''مہربانی'' کے بہ یک وقت متحمل نہیں ہوسکتے۔ آپ کم وقفے سے شمارہ ۱۴ کچھ ضخیم شائع کر دیتے تو زیادہ موزوں ہوتا اور احباب کو بھی آسانی رہتی۔

طباعت دونوں شماروں کی عمدہ ہے، کاغذ بھی کچھ بہتر اور حروف سازی (کمپوزنگ) بھی قدرے جلی پوائنٹ میں ہوئی ہے، البتہ دونوں شماروں میں کمپوزنگ (حروف سازی) کے بعد

پروف ریڈنگ (مسودہ بنی) میں شاید پوری توجہ نہیں ہوسکی، املائی اغلاط کا شمار کچھ زیادہ ہی ہے۔ شمارہ ۱۲ میں تو اعتذار بھی شاملِ اشاعت تھا، اسے دیکھ کر خوشی ہوئی کہ آپ نے اس فقیر کے مشورے کو صائب جانا اور اس کی تعمیل کی۔ اعتذار کی وہ عبارت ہر شمارے میں شامل رکھیں تو بہتر ہوگا۔ مجھے احساس ہے کہ آپ تنہا خاصی محنت کرتے ہیں اور اپنی پیش کش میں عمدگی کی پوری کوشش کرتے ہیں، تاہم ہوسکے تو مسودہ بنی میں مزید توجہ فرمائیں۔ شکریہ

اس فقیر نے عرض کی تھی کہ ''نعت رنگ'' کی ابتدا میں بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم لکھنے کا اہتمام ہوجائے تو بہت اچھا ہوگا۔ جناب احمد صغیر صدیقی اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں: ''انھوں (کوکب نورانی اوکاڑوی) نے رسالے کی ابتدا میں بسم اللّٰہ رکھنے کی بات لکھی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس اہتمام کی ضرورت نہیں۔ ہم سب کو حکم ہے کہ کسی بھی کام کو کرنے سے قبل بسم اللّٰہ پڑھ لیا کریں۔ (ص ۲۹۹، ''نعت رنگ''، شمارہ ۱۳)

جناب احمد صغیر صدیقی نے توجہ نہیں فرمائی، قرآنِ کریم میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس مکتوب کا بیان ہے جو انھوں نے ملکہ سبا (بلقیس) کے نام تحریر فرمایا تھا، اس مکتوب کے الفاظ وہ ملاحظہ فرمائیں: **انه من سلیمان وانه بسم الله الرحمن الرحیم۔ الاتعلوا علی واتونی مسلمین۔** (النمل: ۳۰، ۳۱)

(بے شک وہ سلیمان (علیہ السلام) کی طرف سے ہے اور بے شک وہ اللّٰہ کے نام سے ہے جو نہایت مہربان رحم والا۔ یہ کہ مجھ پر بلندی نہ چاہو اور گردن رکھتے میرے حضور حاضر ہو)

مفسرین فرماتے ہیں کہ اس خط کو ''کتاب کریم'' (عزت والا خط) قرآن میں فرمایا گیا کیوں کہ اس کی ابتدا میں بسم اللّٰہ تھی اور آخر میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی مُہر تھی۔

احمد صغیر صاحب نے لکھا ہے کہ: ''ہم سب کو حکم ہے کہ کسی بھی کام کو کرنے سے قبل بسم اللّٰہ پڑھ لیا کریں۔'' ''کسی بھی کام'' کے الفاظ محلِ نظر ہیں، وہ خود توجہ فرمالیں کہ کیا ایسا ہی حکم ہے؟

اسلامی تعلیمات میں ہر جائز، نیک اور صحیح کام کو بسم اللّٰہ سے شروع کرنے کی تاکید ہے۔ مسند احمد میں ہے: **کل امر ذی بال لم یبدأ بسم الله فهو ابتر** (ص ۲/۳۵۹): ہر اہم کام جس کی ابتدا بسم اللّٰہ سے نہ کی گئی ہو تو وہ ابتر یعنی ناقص ہے۔ برکت ربانی سے خالی

رہے گا۔

اس فقیر نے بسم اللّٰہ کی اہمیت اور برکت کے حوالے سے عرض کی تھی، اس موضوع پر بہت تفصیل پیش کی جاسکتی ہے، نہیں معلوم احمد صغیر صاحب کو بسم اللّٰہ لکھنے کا اہتمام کیوں غیرضروری لگا؟

شمارہ ۱۲ کے مندرجات کے حوالے سے یہ فقیر اپنی تحریر میں جناب احمد صغیر صدیقی کے مکتوب کا ذکر نہ کرسکا تھا، وہ شاید کوئی منفی گمان کرلیں، اس لیے پہلے ان کی خدمت میں جواب پیش کر دوں۔

''نعت رنگ'' شمارہ ۱۲ میں ص ۴۲۸ سے ان کا مکتوب شروع ہُوا اور ص ۴۳۳ پر تمام ہُوا۔ وہ لکھتے ہیں: ''رشید وارثی صاحب نے ''صلعم'' کے استعمال پر بہت اچھا مضمون لکھا ہے، خوب ہے، اچھا لگا۔'' (ص ۴۲۸)

''نعت رنگ'' کے شمارہ ۱۳ میں اپنے مکتوب میں وہ لکھتے ہیں: ''ؐ'' کی علامت پر بہت سی باتیں ہوئی ہیں۔ مگر مَیں کچھ سمجھ نہ سکا۔ اسے دُرود پڑھنے کا اشارہ سمجھ لیا جائے تو کیا مضائقہ ہے؟ پھر حضورِ اکرم ﷺ کے اسمِ مبارک پر اگر دُرودِ ابراہیمی کا اہتمام کیا جائے کیا صورت ہوگی اگر کسی تحریر میں یہ نام بار بار رقم ہُوا ہو؟ ایک سوال یہ بھی ہے کہ جن افراد کے نام حضورِ اکرم ﷺ کے نام پر ہیں انھیں پکارتے وقت کیا کرنا چاہیے؟''

(ص ۲۹۹، ''نعت رنگ'' ۱۳)

جناب احمد صغیر صدیقی کا یہ لکھنا کہ: ''ؐ'' کی علامت پر بہت سی باتیں ہوئی ہیں، مگر مَیں کچھ سمجھ نہ سکا''، یہی واضح کرتا ہے کہ وہ ان بہت سی باتوں پر کوئی توجہ نہیں کرسکے ورنہ ان بہت سی باتوں میں واضح بیان یہی تھا کہ رسولِ کریم ﷺ کے ذکرِ مبارک کے ساتھ صرف یہ علامت لکھ دینا درست نہیں، یہ بیان اگر احمد صغیر صاحب کی سمجھ میں نہیں آیا تو وہ یہ کیوں فرماتے ہیں کہ: ''اسے دُرود پڑھنے کا اشارہ سمجھ لیا جائے تو کیا مضائقہ ہے؟''۔ مضائقے کے حوالے سے انھیں مخاطب کرتے ہوئے دوسروں تک بھی کچھ باتیں پہنچانا ضروری خیال کرتا ہوں، ملاحظہ ہوں:

کتاب کا نام ''سعادۃ الدارین فی الصلوۃ علی سیّدالکونین ﷺ'' ہے، اس کا اُردو ترجمہ شائع ہوچکا ہے۔ دو جلدوں میں اسے مکتبہ حامدیہ، گنج بخش روڈ، لاہور نے پہلی بار ۱۴۰۹ھ میں شائع کیا۔ لاہور میں دارالعلوم حزب الاحناف کے شیخ الحدیث علامہ مفتی محمد عبدالقیوم خاں صاحب

D:NaatRang-15
File: Khutoot
Final

اس کے مترجم ہیں۔ محققین اور قارئین کی معلومات کے لیے اس کتاب کے مصنف کا اور اس کتاب کے مندرجات کے مآخذ کا ذکر بھی کر رہا ہوں۔

سعادۃ الدارین کے مصنف علامہ امام یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللّٰہ علیہ ہیں۔ ۱۲۶۵ ھ میں ان کی ولادت ہوئی اور ۱۳۵۰ ھ میں وہ وصال فرماگئے۔ بیروت کی وزارت قانون و انصاف کے بیس برس تک وزیر با تدبیر بھی رہے۔ ۱۲۸۹ ھ میں جامعہ ازہر، قاہرہ، مصر سے وہاں کے نصابی تمام علوم کی تحصیل سے فارغ ہوئے۔ ساٹھ کتابیں یادگار بنائیں، ان میں اکثر کتب اہلِ علم میں بہت قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ جناب اشرف علی تھانوی نے بھی ان کی کتاب ''جامع کرامات اولیاءؒ'' کا کسی قدر اُردو ترجمہ کیا ہے۔ حمدیہ اور نعتیہ شاعری میں بھی علامہ نبہانی علیہ الرحمہ بلند پایہ ہیں۔

''**المزدوجة الغراء فی الاستغاثة با سماء اللّٰه الحسنیٰ**'' کا اُردو ترجمہ، دہلی کے مشہور عالم حضرت زید ابوالحسن فاروقی مرحوم نے شائع کیا۔ اسمائے حسنیٰ کو علامہ نبہانی نے اپنی علمی صلاحیت سے بطور استغاثہ منظوم کیا۔ عربی شاعری میں ان کی متعدد کاوشیں ہیں: ''**الهمزية الالفيه (طيبة الغراء) فی مدح سیّد الانبیاء ﷺ**''۔ ''**احسن الوسائل فی نظم اسماء النبی الکامل ﷺ**''. **القصيدة الرائية الکبری.** (دیوان) **العقود اللولويه فی المدائح النبويه ﷺ.** علامہ نبہانی علیہ الرحمہ کی مشہور کتابوں ''**شواهد الحق فی الاستغاثة بسیّد الخلق ﷺ** اور **حجة اللّٰه علی العالمين فی معجزات سیّد المرسلين ﷺ** کا اُردو ترجمہ ہو چکا ہے۔ مؤخر الذکر کتاب کا اُردو ترجمہ پروفیسر محمد اعجاز صاحب جن جوعہ نے کیا ہے۔ ۱۳۸۴ صفحات کی یہ کتاب ''نوریہ رضویہ پبلی کیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور سے ۱۴۲۱ ھ میں پہلی مرتبہ طبع ہوئی ہے۔ **المجموعة النبهانيه فی المدائح النبويه (ﷺ)** چار جلدوں میں علامہ نبہانی علیہ الرحمہ کی وہ محنت ہے جس کا مکمل اور صحیح تعارف ''نعت رنگ'' میں ضرور شامل ہونا چاہیے۔

قطبِ مدینہ حضرت مولانا شاہ ضیاء الدین احمد قادری مدنی رحمۃ اللّٰہ علیہ نے مجھے بتایا تھا کہ علامہ نبہانی علیہ الرحمہ مسجد نبوی کے باب السلام پر آتے اور کہتے کہ مَیں مواجہ شریف میں آنے کے لائق نہیں ہوں اور وہیں سے کمال ادب و احترام سے بارگاہِ نبوی ﷺ میں ہدیۂ صلوۃ و سلام پیش فرماتے۔

علامہ نبہانی علیہ الرحمہ کو علمائے اسلام کی ایک جماعت ''مجدّدِ دین'' شمار کرتی ہے۔

اپنی کتاب سعادۃ الدارین میں وہ ان کتابوں کا تذکرہ کرتے ہیں جو ان کے پیشِ نظر رہیں۔ دُرود وسلام کے موضوع پر ان تمام کتابوں سے علامہ نبہانی علیہ الرحمہ نے استفادہ کیا، ان کی مہربانی کہ انھوں نے ان تمام کتب سے اپنے قارئین کو متعارف بھی کروایا۔ کتابوں کے نام ملاحظہ ہوں:

☆ الاعلام بفضل الصلوۃ علی ا لنبی علیہ الصلوۃ والسلام
☆ جلاء الافہام فی فضل الصلوۃ والسلام علی سیّدنا محمد خیر الانام(ﷺ)
☆ الفجر المنیر فی الصلوۃ علی البشیر والنذیر (ﷺ)
☆ فضل التسلیم علی النبی الکریم(ﷺ)
☆ انوار ارلآثار المختصۃ بفضل الصلوۃ علی النبی المختار (ﷺ)
☆ دفع النقمۃ فی الصلوۃ علی نبی الرحمہ (ﷺ)
☆ کتاب الصلوۃ والبشر فی الصلوۃ علی سیّد البشر (ﷺ)
☆ القربۃ الی رب العلمین بالصلوۃعلی محمد سیّد المرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین
☆ کشف الغمہ بالصلوۃ علی نبی الرحمہ(ﷺ)
☆ الفوائد المدنیہ فی الصلوۃ علی خیر البریہ(ﷺ)
☆ دلائل الخیرات
☆ دلائل القرب
☆ رحیق المدام المختوم البکری
☆ القول البدیع فی الصلوۃ علی الحبیب الشفیع(ﷺ)
☆ مسالک الحنفاء الی مشارع الصلوۃ علی النبی المصطفی (ﷺ)
☆ الدر المنضود فی فضل الصلوۃ والسلام علی صاحب المقام المحمود(ﷺ)
☆ اللواء المعلم فی مواطن الصلوۃ علی النبی ﷺ
☆ الملاذ والاعتصام فی کیفیۃ الصلوۃ والسلام علی سیّدنا محمد خیر الانام علیہ افضل الصلوۃ والسلام
☆ تحفۃ الاخیار فی الصلوۃ علی النبی المختار(ﷺ)
☆ مطالع الانوار فی الصلوۃ علی النبی المختار(ﷺ)

☆ **کنوز الاسرار فی الصلوۃ علی النبی المختار(ﷺ)**

☆ **التفکر والاعتبار فی فضل الصلوۃ علی النبی المختار(ﷺ)**

☆ **تنبیہ الانام فی بیان علو مقام نبینا علیہ الصلوۃ والسلام**

☆ **فتح الرسول(ﷺ)**

☆ **مفتاح بابہ للدخول لمن اراد الیہ الوصول**

☆ **صلوات الدر دیر**

علامہ نبہانی علیہ الرحمہ نے سعادۃ الدارین سے قبل ''**افضل الصلوات علیٰ سیّدالسادات**'' (ﷺ) لکھی تھی۔ مولانا حکیم محمد اصغر فاروقی نے اس کا اُردو ترجمہ کیا جسے جناب رانا خلیل احمد نے ترتیبِ نو وحواشی کے ساتھ مقدمہ تحریر کرکے بتعاون علامہ پیر زادہ اقبال احمد فاروقی، مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور سے ۱۹۹۹ء میں شائع کروایا، اس کتاب کا اُردو نام ''فضائلِ دُرود'' ہے۔

سعادۃ الدارین میں علامہ نبہانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''شفاء الاسقام میں ابوعبداللّٰہ محمد بن عبدالرحمٰن الہندی رحمۃ اللّٰہ علیہ کے حوالے سے یہ حکایت نقل کی گئی ہے کہ انھوں نے فرمایا: مَیں نے اپنے والد ماجد سے سنا، فرماتے ہیں، ایک عالم نے المؤطا کا نسخہ لکھا، اس نے یہ جدت کی کہ دُرود وسلام کو حذف کرکے اس کی جگہ صرف حرف ص لکھنا شروع کردیا، پھر وہ اس نسخہ کو لے کر ایک رئیس کی خدمت میں پہنچا جسے ایسی چیزوں کی کافی رغبت تھی، اس رئیس نے اس کی کافی خاطر و مدارت کی اور بہت کچھ اظہارِ مسرت کیا اور اس عالم کو صلہ جزیل دینے کا فیصلہ کرلیا، پھر کسی طرح (وہ) رئیس اس (عالم) کی اس حرکت پر متنبہ ہُوا، پس اس عالم کو اپنے پاس سے نکال دیا، ہر قسم کے انعام و اکرام سے محروم کردیا اور اسے دور دراز مقام پر جلا وطن کردیا، وہ شخص اس طرح در در کی ٹھوکریں کھاتا مرگیا، پس ہم اللّٰہ کی پناہ چاہتے ہیں اس ذلت اور وَس وسۂ شیطان سے۔''

''شفاء الاسقام میں ہی یحییٰ بن مالک یا ابوزکریا العابدی رحمہ اللّٰہ کے حوالے سے یہ حکایت نقل کی گئی ہے، وہ کہتے ہیں، بصرہ میں ہمارا ایک دوست تھا، وہ ہم سے بیان کیا کرتا تھا کہ ایک بصری (شخص) حدیث لکھا کرتا تھا اور جہاں نبی علیہ السلام کا اسمِ گرامی آتا، دانستہ دُرود و سلام چھوڑ دیتا اور یہ بخل وہ کاغذ کی بچت کی خاطر کرتا تھا، کہتے ہیں، مَیں اس کو ایک عرصہ سے

جانتا ہوں، اب اس کے دائیں ہاتھ میں اتنی شدید تکلیف ہے کہ گویا کٹ کٹ کر گر رہا ہے۔''

''شفاء الاسقام ہی میں ایک کاتب کی زبانی یہ حکایت نقل کی گئی ہے کہ وہ جب بھی ﷺ لکھنا چاہتا تو اس کی جگہ لفظ صلعم لکھ دیتا، تو وہ اس وقت تک نہ مرا جب تک اس کا ہاتھ کاٹ نہ دیا گیا، اس کاتب نے یہ بات بھی بتائی کہ ایک کاتب لفظِ صلعم لکھا کرتا تو مرنے سے پہلے اس کی زبان کاٹی گئی، اس کا بیان ہے کہ ایک کاتب جب دُرود و سلام لکھنا چاہتا تو یوں لکھتا ''علیصم'' (علیہ الصلوۃ والسلام) سوہ وہ اس وقت تک نہیں مرا جب تک اس کا آدھا جسم بے کار نہیں ہوگیا، ایک اور کاتب کا طرزِ عمل بھی ایسا ہی تھا، سو وہ ایک آنکھ سے اندھا ہوکر مرا، یہ شخص بازاروں میں بھیک مانگا کرتا تھا۔'' (ص ۳۶۱،۳۶۲- اُردو ترجمہ سعادۃ الدارین)

مزید ملاحظہ ہو:

علامہ نبہانی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: ''ابوالیمن بن عساکر نے ایک ایسے شخص سے بیان کیا جس نے ان سے ابوالعباس ابن عبدالدائم کی طرف سے یہ روایت بیان کی، راوی کا بیان ہے کہ یہ صاحب (ابوالعباس) مختلف فنون کی کتابیں کثرت سے نقل کرتے تھے، ابوالعباس کا بیان ہے کہ جب میں کتبِ حدیث وغیرہ میں نبی علیہ السلام کا ذکر کرتا تو دُردو کا لفظ لکھتا لیکن سلام کا لفظ نہ لکھتا، پس مَیں نے نبی علیہ السلام کو خواب میں دیکھا، آپ مجھ سے فرمانے لگے ''اپنے آپ کو چالیس نیکیوں سے محروم کیوں کرتے ہو؟'' مَیں نے عرض کیا، یارسول اللّٰہ (ﷺ) وہ کیسے؟ فرمایا: ''جب میرا ذکر آئے تو ﷺ لکھا کرو''۔ (وسلم) چار حروف ہیں، ہر حرف کی دس نیکیاں ہیں، کہتے ہیں سرکار (ﷺ) نے میرا ہاتھ پکڑ کر ان کو شمار کیا۔''

''الحسن بن موسٰی الخضری المعروف ابن عجینہ کا بیان ہے کہ مَیں جب حدیث لکھتا تو نبی علیہ السلام پر دُرود و سلام چھوڑ دیتا، میرا مقصد اس سے یہ تھا کہ جلدی جلدی تحریر مکمل ہوجائے مَیں نے نبی علیہ السلام کو خواب میں دیکھا تو آپ نے فرمایا، جب میرا نام لکھتے ہو تو دُرود و سلام کیوں نہیں لکھتے؟ جس طرح مجھ پر ابوعَمرو الطبری دُرود و سلام پڑھتا اور لکھتا ہے، کہتے ہیں، اس پر مَیں بے دار ہوگیا، مجھ پر خوف طاری تھا پس مَیں نے اللّٰہ تعالٰی کو اپنے اوپر گواہ کیا آئندہ جب بھی حدیث میں سرکار (ﷺ) کا اسمِ گرامی آئے گا مَیں پورا دُرود و سلام لکھا کروں گا، ﷺ۔ اس کو ابن بشکوال نے روایت کیا۔'' (ص ۳۵۹،۳۶۰ - اُردو ترجمہ سعادۃ الدارین)

علامہ نبہانی علیہ الرحمہ نے ابوعلی الحسن بن العطار اور حمزہ الکتانی سے بھی ایسی ہی

روایات نقل کی ہیں۔ جناب احمد صغیر صدیقی اور رشید وارثی صاحب مجھے بتائیں کہ ''ؐ'' کے جواز میں جب انھیں کسی روایت یا سند کا کوئی سہارا نہیں اور اکابر امت ہستیاں صدیوں سے پورا دُرود شریف پڑھنے اور لکھنے کی تاکید کررہی ہیں، پھر کیا وجہ ہے کہ آج ''ؐ'' کی علامت کو درست قرار دینے کی کوشش کی جارہی ہے؟ پورا دُرود شریف لکھنے میں کون سا معقول عذر مانع ہے؟ اور اس بارے میں کوئی عذر کیوں کر معقول ہوگا؟ احمد صغیر صاحب فرمائیں کہ ایسے امور میں کیا یہ کہنا رَوا ہوگا؟ کہ ''کیا مضائقہ ہے'' وہ خیال رکھیں کہ ناواقف کو دِینی شرعی امور و مسائل میں اپنی شخصی رائے پیش کرنے کی بجائے استفسار اور تحقیق کو ترجیح دینا ہی مناسب ہوتا ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ جس فعل کا ثواب اور اس کی فضیلت بہت ہو تو اس کا انکار بہت زیادہ مذموم اور اس کا ترک بہت قبیح شمار ہوتا ہے، اسی لیے احادیث میں اس حوالے سے سخت وعیدیں مذکور ہیں۔

احمد صغیر صدیقی صاحب نے دوسرا طویل جملہ دو مرتبہ ''اگر'' کے لفظ کو استعمال کر کے دُرودِ ابراہیمی کے اہتمام کے بارے میں لکھا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ احمد صغیر صاحب نے یہ سوال کیسے کرلیا؟ میری تحریر میں ان لوگوں سے سوال تھا جو درودِ ابراہیمی کے سِوا دیگر دُرود پڑھنے لکھنے پر اعتراض کرتے ہیں۔ احمد صغیر صاحب سے گزارش ہے کہ وہ عبارت فہمی پر مزید توجہ فرمائیں، وہ سوال ضرور کریں لیکن شرارت نہیں اور کچھ تحریر کرنے سے پہلے اپنی فہم بھی ضرور جانچ لیا کریں۔

احمد صغیر صاحب نے ایک سوال یہ لکھا ہے کہ: ''جن افراد کے نام حضور اکرم ﷺ کے نام پر ہیں انھیں پکارتے وقت کیا کرنا چاہیے؟'' اس کا جواب بھی علامہ نبہانی علیہ الرحمہ کی سعادۃ الدارین سے پیش کرتا ہوں، وہ فرماتے ہیں:

''حافظ سخاوی کہتے ہیں، ایک عجیب نکتہ وہ ہے جسے الخطیب نے اپنی جامع میں بہ طریق الغریری عن علی بن حشرم نقل کیا ہے، کہ مَیں نے الفضل بن موسیٰ کو ایک شخص سے پوچھتے سنا، تمھاری کنیت کیا ہے؟ اس نے کہا، ابو محمد ﷺ! الفضل نے کہا، تیرا بُرا ہو، تو نے نبی علیہ السلام کا دُرود غیر محل میں استعمال کر دیا الخ۔

اس کتاب (سعادۃ الدارین) کا جامع، فقیر یوسف نبہانی کہتا ہے کہ اس نیک شخص کے متعلق حسن ظن کا تقاضا ہے کہ یہ توجیہ کی جائے کہ جب اس نے اپنی کنیت میں اپنے بیٹے کا نام محمد ذکر کیا تو اسے نبی ﷺ یاد آگئے پس اس نے سرکار (ﷺ) پر دُرود بھیج دیا، اب ﷺ میں ضمیر مجرور (علیہ) محمد بمعنی نبی علیہ السلام کی طرف راجع ہوگی، پس یہ صنعتِ استخدام کے قبیل

سے ہوگا جس کا مطلب یہ ہے کہ لفظِ صریح سے ایک معنی مراد لیا جائے اور اسی لفظِ صریح کی طرف لوٹنے والی ضمیر سے دوسرا معنی مراد لے لیا جائے، پس اب نبی علیہ السلام پر دُرود و سلام غیر محل میں نہ ہُوا، دراصل اس شخص کا یہ فعل نبی علیہ السلام پر دُرود و سلام کی شدید محبت کی بنا پر تھا، وہ چاہتا تھا کہ جب بھی اسمِ گرامی مذکور ہو، دُرود و سلام پڑھا جائے...'' (ص ۴۰۶، سعادۃ الدارین)

احمد صغیر صاحب خود ہی ملاحظہ فرمائیں کہ حضور اکرم ﷺ کے نام پر ہی کسی کا نام ہو، وہ اصل نام اپنے لفظ و معنی میں تو اس شخص کا نام نہیں ہے بلکہ محبت اور نسبت و برکت کے لیے ہے اور علمائے اسلام کی تحریر و تقریر میں دیکھنے سُننے میں آیا ہے کہ وہ اس مبارک نام والی محترم شخصیات کا ذکر کرتے ہوئے دُرود و سلام کے الفاظ بھی کہتے ہیں اور ساتھ ہی رحمۃ اللّٰہ علیہ بھی کہتے ہیں۔ تاہم یہ مسئلہ بھی یاد رہے کہ اصالۃً دُرود و سلام صرف نبی کریم ﷺ کے لیے ہے البتہ بالتبع، صحیح العقیدہ اہلِ ایمان کے لیے بھی جائز ہوگا۔

احمد صغیر صدیقی صاحب کے خط میں کچھ باتیں ایسی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ وہ دینی علمی امور و معاملات اور تعلیمات کو اپنی فہم کے میزان کے مطابق نہ پائیں تو فوراً کوئی اعتراض کردیتے ہیں، حالاں کہ ایسے مرحلے پر اپنی ناواقفی اور بے خبری دور کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے، ان سے سوال ہے کہ وہ ڈاکٹر یحییٰ نشیط کی گنڈوں اور تعویذوں کی بابت تحریر کو کس بنیاد پر ''بالکل صحیح'' قرار دے رہے ہیں؟ ادلۂ شرعیہ کے مطابق وہ اپنے اس دعوے کو واضح کریں ورنہ ان کا یہ ''بالکل صحیح'' کا فرمان خود انھیں ''بالکل غلط'' ثابت کردے گا۔ وہ اہلِ قلم کو جو مشورے دیتے ہیں خود کو ان سے مستثنیٰ کیوں کرلیتے ہیں؟ انھوں نے میرے خط میں حقائق کے بیان کے بعد بھی معترضہ باتوں کی تائید کرنا تو اہم جانا لیکن تائید کرتے ہوئے کوئی دلیل یا وجہ پیش کرنا غیر ضروری سمجھا۔ احمد صغیر صاحب اگر اپنے لیے یہ فرمادیں کہ ''مستند ہے میرا فرمایا ہُوا'' تو یہ فقیر ان سے کوئی ''دلیل'' نہیں چاہے گا اور کوئی استفسار بھی نہیں کرے گا۔

احمد صغیر صاحب نے ص ۴۳۰، ''نعت رنگ''، شمارہ ۱۲ میں حمد و ثنا کے حوالے سے ڈاکٹر یحییٰ نشیط کی تائید کرتے ہوئے حضرت مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری صاحب کی صرف مخالفت ہی نہیں کی بلکہ ایک ثقہ عالمِ دین کی درست بات کو ضد اور ہٹ دھرمی قرار دینے کی جسارت بھی کی۔ احمد صغیر صاحب سے عرض ہے کہ جید علمائے دین کو عربی زبان پر جو عبور ہوتا ہے

اور الفاظ و معانی پر ان کی نگاہ جس قدر وسعت رکھتی ہے وہ اسی کے مطابق کہتے ہیں۔ اُردو معاشرے میں اگر ''حمد'' کے لفظ کو صرف اللّٰہ تعالیٰ کی تعریف کے لیے مخصوص کرلیا گیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ عربی زبان او رلُغت کے مطابق اس لفظ کا کوئی اور جائز وصحیح استعمال بھی ممنوع قرار دیا جائے۔ ذرا عربی لغات کھولیے اور لفظِ ''حمد'' کے تحت تفصیل ملاحظہ فرمایئے تو اندازہ ہوگا کہ کہاں کہاں کس طرح اس لفظ کا استعمال ہوتا یا ہوسکتا ہے۔ احمد صغیر صاحب اتنا تو جانتے ہوں گے کہ حمد کا لفظ، ذم کے لفظ کی ضد ہے اور انھیں یہ بھی ماننا ہوگا کہ میرے نبی پاک ﷺ کا مبارک نام، محمد (ﷺ) ہے اور اس کا مادہ ہی ''حمد'' ہے۔

کیا وہ خود سے ان لفظوں اور جملوں کا معنی بتاسکیں گے؟ حَمِدَہ۔ حمدًا۔ مَحْمَدًا. مَحْمَدۃ. مَحْمِدًا۔ مَحْمِدَۃ۔ احمد الرجل اذا رضی فعله و مذھبه ولم ینشرہ۔ حمدہ جزاہ وقضی حقه، واحمدہ استبان انه مستحق للحمد۔ عربی کی مشہور لغت ''لسان العرب'' میں تو لفظِ حمد کے تحت یہ جملے بھی موجود ہیں: ویقال، فلان یتحمد الناس بجودہ ای یریھم انه محمود ... اتینا فلانا فاحمد ناہ واذ ممناہ ای وجدناہ محمودًا اَو مذموما۔ (ص ۳/۳۱۵، مطبوعہ بیروت)

''معجم الاغلاط اللغویہ المعاصرہ'' (مطبوعہ بیروت) کے ص ۱۶۷ پر ہے: ''(۴۹۴) حَمِدَ فُلاناً: جزاہ وقَضَی حَقَّه... حَمِدَ الشَیءَ: رَضیَ عَنه واستَراحَ اِلیه..''

حضرت مولانا محمد عبدالحکیم صاحب شرف قادری یا اس فقیر کو ہرگز کوئی ضد نہیں لیکن احمد صغیر صدیقی اور ڈاکٹر یحییٰ نشیط صاحبان یہ تسلیم کریں لفظِ ''حمد'' کے لغوی معنی کے مطابق ہمارا موقف بھی غلط یا ہٹ دھرمی نہیں بلکہ (بفضلہٖ تعالیٰ) بالکل درست ہے۔

جناب احمد صغیر صدیقی نے اپنے مکتوب میں لکھا ہے: ''ظہیر غازی پوری صاحب کا مضمون ''نعتیہ شاعری کے لوازمات'' دلچسپ ہے۔ اس میں درج باتوں سے کوئی بھی معقول آدمی اختلاف نہیں کرسکتا۔'' (ص ۴۲۱، ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۲)

جناب احمد صغیر صدیقی نے ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۲ میں ظہیر غازی پوری کے اسی مضمون کے جواب میں میری تحریر بھی دیکھی ہوگی، مجھے وہ ''معقول آدمی'' شمار نہیں کرتے اسی لیے کچھ ''غیر معقول'' سوال بھی میرے نام ان کے مطبوعہ خطوط میں ''نعت رنگ'' کے قارئین اور اہلِ قلم نے ملاحظہ کیے ہوں گے۔ احمد صغیر صاحب نے ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۴ کے ص ۲۰۴ پر جناب

پروفیسر علی محسن صدیقی کے اختلافی تأثرات بھی ظہیر غازی پوری کی اسی مذکورہ تحریر پر ضرور ملاحظہ فرمائے ہوں گے۔ احمد صغیر صاحب فرمائیں، وہ انھیں بھی ''معقول آدمی'' شمار کرتے ہیں یا نہیں؟

احمد صغیر صاحب سے عرض ہے کہ ''معقولیت'' کا فیصلہ آپ کی فہم کے مطابق نہیں بلکہ تحریر کے مندرجات کی حقیقت پر ہوگا اور یہ واقعہ ہے کہ ظہیر صاحب غازی پوری کی تحریر سے اچھے خاصے معقول آدمی اختلاف کررہے ہیں، یوں احمد صغیر صاحب کا یہ فیصلہ بھی نادرست ثابت ہُوا۔

احمد صغیر صاحب صدیقی نے اجرامِ فلکی کے بارے میں ملک شیر باز کے مضمون سے میری تحریر میں پیش کردہ اقتباسات پر اظہارِ خیال یوں فرمایا ہے: لکھتے ہیں: ''انھوں نے ملک شیر باز کے ایک مضمون سے کچھ اقتباسات دیے ہیں جو اعداد سے متعلق ہیں جس کے ذریعے یہ بتایا گیا ہے کہ اعداد سے ثابت ہوتا ہے کہ اجرامِ فلکی نبی کریم ﷺ پر مسلسل دُرود و سلام پڑھتے رہتے ہیں...اچھا ہوتا کہ مولانا اسے نظر انداز کردیتے۔ اس کی ساری بنیاد چند سائنسی مفروضوں پر ہے کہ سورج اپنے مدار پر کتنے سیکنڈ میں ایک گردش پوری کرتا ہے یا عرش کا قطر کتنے نوری سالوں کے فاصلے پر ہے۔ ذرا سا ان مفروضوں میں رد و بدل ہوجائے تو شیر باز صاحب کی ''تحقیق'' ڈھیر ہوجائے گی۔ رہے سائنسی کلیے تو یہ وقت کے ساتھ بدل رہے ہیں، ہمیں ان کو قرآنِ حکیم پر منطبق کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ مَیں بس اسی قدر کہنا چاہوں گا۔ آگے مولانا جو پسند فرمائیں۔'' (ص ۴۳۰، ۴۳۱، شمارہ ۱۲)

احمد صغیر صاحب نے میری تحریر میں ملک شیر باز کے مضمون سے اقتباسات سے پہلے اور بعد میرے یہ جملے ملاحظہ نہیں فرمائے یا ان جملوں پر توجہ نہیں فرمائی، اپنے وہ جملے ان کی توجہ کے لیے پھر تحریر کررہا ہوں، ملاحظہ ہوں:

اقتباس سے پہلے یہ جملہ ہے: ''ایک محبت والے کی اچھی سوچ کے حوالے سے اس مضمون میں سے کچھ، ''نعت رنگ'' کے قارئین تک پہنچانے کے لیے نقل کررہا ہوں۔'' (شمارہ ۱۱، ص ۳۷۴)

اقتباس کے بعد یہ جملہ ہے: ''مجھے یہ مضمون پڑھ کر محسوس ہُوا کہ اس انداز سے بھی اگر دیکھا جائے تو اسلام کی حقانیت اور نبی کریم ﷺ کی عظمت شان کے بہت سے حیرت انگیز پہلو اجاگر ہوں گے۔'' (شمارہ ۱۱، ص ۳۷۵)

جس قدر تحقیق ہوچکی ہے اس پر اہلِ محبت نے اس طرح بھی اظہار کیا ہے، مجھے

اعتراف ہے کہ سائنسی کلیے تبدیل ہوسکتے ہیں اور ایسے موضوع پر کسی کی کوئی تحقیق بھی ڈھیر ہوسکتی ہے لیکن کائنات کے نظام میں رسولِ کریم ﷺ کی مدح اور عظمت و شان کے جلوے ہر طرح دیکھنے اور سوچنے کا سلسلہ جاری رہے گا۔ علم الاعداد کے بارے میں بھی احمد صغیر صاحب شاید نہیں جانتے کہ اس کے ماہرین کیا کیا کرشمے کر دکھاتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ کوئی ''مات بخیر'' کہتا ہے تو کوئی ''مٹی خراب'' کہتا ہے۔ اعداد دونوں کے یکساں ہیں، فرق سوچ کا ہے یا ''اپروچ'' کا ہے۔ احمد صغیر صدیقی صاحب کو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی زبان میں یوں جواب دینا چاہتا ہوں کہ:

ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے

علاوہ ازیں سائنسی کلیے ہم اسلام اور قرآن کریم پر منطبق نہیں کرتے بلکہ بتاتے ہیں کہ اسلام اور قرآن حکیم کی حقانیت، سائنس سے بھی ثابت ہے اور وہ لوگ جو صرف سائنسی تحقیق یا عقلیات ہی پر انحصار کرتے ہیں وہ بھی جان لیں کہ اسلام سچا دینِ فطرت اور قرآن کریم ہر طرح مکمل ضابطہ حیات ہے۔

احمد صغیر صاحب نے لکھا ہے: ''مبالغے کا لفظ عموماً بیان کے ضمن میں استعمال ہوتا ہے نہ کہ حرکات کے لیے۔ البتہ مَیں نے متعدد علما کی تحریروں میں اسے حرکات کے لیے استعمال ہوتے دیکھا ہے جو میرے خیال میں مناسب نہیں۔'' (ص ۴۳۱، ''نعت رنگ''، شمارہ۔۱۲)

احمد صغیر صاحب ملاحظہ فرمائیں: ''فیروز اللغات، اُردو جامع'' (مطبوعہ فیروز سنز) کے ص ۱۰۴۳ پر مبالغہ کے لفظ کے سامنے یہ بھی درج ہے: ''کسی کام میں سخت کوشش کرنا۔''

''فرہنگ عامرہ'' (مطبوعہ اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، سوئی والان، دہلی) کے ص ۴۴۷ پر ہے:

''مبالغہ (مُبا۔ لَغہ) کسی بات میں انتہائی کوشش، حد سے بڑھ جانا۔''

''مبالغۂ اغراق (مُبالَغَ۔ اِ۔ اِغْ رَاقْ) عقلاً ممکن مگر عادتاً ناممکن مبالغہ۔''

''مبالغۂ تبلیغ (مُبالَغَ۔ اِ۔ تَبْ لِیغْ) عقلاً اور عادتاً ممکن مبالغہ۔''

''مبالغۂ غلو (مُبالَغَ۔ اِ۔ غُلُوْ) عقلاً اور عادتاً ناممکن۔''

''علمی اُردو لُغت (جامع)'' مطبوعہ علمی کتب خانہ، اُردو بازار۔ لاہور کے ص ۱۳۳۶ پر ''مبالغہ'' کے لفظ کے آگے قوسین میں ہے: ''(افعال: کرنا۔ ہونا)''

''مفردات القرآن'' اُردو (مطبوعہ شیخ شمس الحق، اقبال ٹاؤن، لاہور) جلد دوم کے

ص ۷۶۳ پر ہے: ''اَلْغُلُوُّ کے معنی کسی چیز کے حد سے تجاوز کرنے کے ہیں اگر یہ (حد سے تجاوز) اشیا کے نرخ میں ہوتو اسے غَلَاءٌ (گرانی) کہا جاتا ہے اور قدر و منزلت میں ہوتو اسے غُلُوٌّ کہتے ہیں اور اگر تیر اپنی حدود سے تجاوز کر جائے تو غُلُوٌّ مگر ان ہر سہ اشیا کے متعلق فعل غَلَا یَغْلُوْ (ن) ہی استعمال ہوتا ہے ......اور غُلَوَاء کے معنی خودسری میں حد سے تجاوز کرنے کے ہیں ...''

''غیاث اللغات'' فارسی، (مطبوعہ علی بھائی شرف علی اینڈ کمپنی پرائی ویٹ لمیٹڈ، بمبئی ۳) کے ص ۶۲۹ پر ہے: ''مبالغہ بضم میم و فتح لام سخت کوشید گان درکاری و با صطلاح صفات محمودہ یا مذمومہ شخصے بطریقے بیان کردن کہ مستبعد نماید یا محال اگر بعقل و عادت ممکن باشد مبالغہ تبلیغ گویند و اگر بہ عقل ممکن و بعادت ناممکن باشد مبالغہ اغراق خوانند و اگر بعقل و عادت ہر دو محال باشد مبالغہ غلونا مند۔''

علاوہ ازیں، احمد صغیر صدیقی صاحب نے لفظ ''غالی'' کا استعمال بھی پڑھا سنا ہوگا۔ اس مختصر تفصیل کے باوجود کیا وہ (لفظِ حمد کی طرح) لفظِ مبالغہ کو بھی اپنے خیال کے مطابق صرف بیان کے لیے رائج کرنا چاہتے ہیں؟ امید ہے انھیں اتنا احساس ہوگیا ہوگا کہ الفاظ و معانی کے بارے میں ان کے ''ارشادات'' ان کے فہم و خیال کے مطابق ہیں، لغات اور حقائق کے مطابق ہرگز نہیں ہیں۔

احمد صغیر صاحب صدیقی لکھتے ہیں: ''مولانا نے اپنے خط میں صفحہ ۴۰۵ پر لکھا ہے ... ''مذکورہ قرآنی آیات کو ''اکثر'' مفسرین نے منسوخ فرمایا ہے۔'' یعنی مفسرین کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی فہم و فراست کے مطابق قرآنی آیات کو منسوخ فرمادیں؟ اب تک تو ہمارا یہی خیال تھا کہ اپنی آیات کو صرف اللّٰہ تعالیٰ ہی منسوخ کرسکتا ہے مگر اس خط سے ایک نئی بات معلوم ہوئی۔ مولانا کے جملے میں ''اکثر'' کی وجہ سے یہ خیال پیدا ہُوا ہے۔ (ص ۴۳۱، شمارہ ۱۲)

احمد صغیر صدیقی صاحب پہلے تو یہ وضاحت ملاحظہ فرمائیں کہ ''اکثر مفسرین نے منسوخ فرمایا ہے۔'' اس جملے میں ''فرمایا'' کا معنی و مفہوم ''بتایا'' ہے۔ احمد صغیر صاحب کی اس تحریر سے واضح ہے کہ وہ اس باب میں بنیادی باتوں سے بھی آگاہ نہیں، ان سے عرض ہے کہ وہ آگہی چاہتے ہوں تو ناسخ و منسوخ آیات و احکام کے حوالے سے اُردو ہی میں موجود کتب کا مطالعہ فرمالیں۔ ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۲ کے اسی صفحے پر جناب احمد صغیر صدیقی نے اپنے مکتوب میں نام نبی ﷺ چومنے کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے، اس کے جواب میں وہی جملہ دُہراؤں گا جو کئی برس

پہلے حضرت مولانا سیّد محمد مدنی میاں اور ان کے برادرِ عزیز مولانا سیّد محمد ہاشمی میاں کچھوچھوی سے سنا تھا کہ: ''ہم جسے پوجتے ہیں اسے چومتے نہیں اور جسے چومتے ہیں اسے پوجتے نہیں۔''

احمد صغیر صدیقی صاحب نے اپنے مکتوب کے آخر میں صلاح الدین پرویز کے رسالے ''استعارے'' کے بارے میں مجھے توجہ کرنے کو فرمایا ہے۔ میری نظر سے وہ رسالہ نہیں گزرا، احمد صغیر صاحب وہ رسالہ مجھے بھجوادیں، یہ فقیر اس کے مطالعہ کے بعد احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے حوالے سے اِن شاء اللّٰہ کوتاہی نہیں کرے گا۔

''نعت رنگ''، شمارہ ۱۲ میں ماہ نامہ جہانِ رضا، لاہور کے مدیر حضرت علامہ پیر زادہ اقبال احمد فاروقی کا مکتوب بھی شامل ہے، انھوں نے اپنے انداز میں اس فقیر کے مکتوب مشمولہ در ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۱ کے بارے میں جو کلماتِ تحسین فرمائے ہیں، یہ ان کی شفقت و عنایت ہے، کاوشوں کو سراہنے اور حوصلہ افزائی کرنے کا ہنر وہ خوب جانتے ہیں۔

محترم سیّد صبیح رحمانی صاحب! ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۲ میں حضرت پیر زادہ اقبال احمد فاروقی کے مکتوب میں بھی ہے کہ: ''اگر چہ بعض مقامات پر املا کی غلطیاں اور اُردو ترجمے کے اسقام ذوق مطالعہ کو مکدر کرتے ہیں مگر یہ بات تو موجودہ زمانے کی تحریروں کا لازمہ بن گیا ہے۔'' (ص ۴۲۶)

آپ کی توجہ علامہ فاروقی صاحب کی اس بات پر اس لیے بھی چاہتا ہوں کہ آپ کے ''نعت رنگ'' کے کچھ قلم کاروں اور قارئین کو شاید یہ خیال رہتا ہے کہ کوکب نورانی اوکاڑوی کے خطوط میں ان خامیوں کا ذکر زیادہ ہوتا ہے جو ''نعت رنگ'' میں شائع ہونے والی تحریروں میں ہوتی ہیں اور کچھ لوگ میری تحریروں کو مسلکی اختلافات کے تناظر میں دیکھتے ہیں۔ حالاں کہ ''نعت رنگ'' کے لیے اپنی ہر تحریر میں اس فقیر نے یہی کوشش رکھی ہے کہ ہر غلط اور معترضہ بات کا جواب واضح حقائق کے مطابق اور شرعی صحیح دلائل و براہین کے ساتھ پیش کیا جائے۔ میرے عقائد ونظریات خود ساختہ نہیں، اسلامی عقائد کی بنیاد قرآن و حدیث ہیں اور یہ فقیر ادلّہ شرعیہ کے مطابق ہی بات کرتا ہے، اسے مسلکی اختلافات سے تعبیر کرنے والے اگر اپنی دانست میں درست ہیں تو میری تحریر میں حقائق اور ادلّہ شرعیہ کے خلاف کوئی بات پائیں تو اسے حقائق اور ادلّہ شرعیہ ہی کے مطابق واضح کریں ورنہ وہ خود یہ تسلیم کریں کہ وہ اپنے مسلکی تعصب یا ضد کی وجہ سے میری تحریر میں حقائق کو ناپسند کرتے ہیں۔

"نعت رنگ" کے اب تک شائع ہونے والے چودہ شماروں میں وہ تمام تحریریں جو مسلکی اختلافات اور شخصی تعصّبات سے بھرپور ہیں، ان پر کسی کا اعتراض نظر نہیں آیا، البتہ "نعت رنگ" شمارہ ۱۴ میں جناب پروفیسر علی محسن صدیقی نے اپنی تحریر میں پہلی مرتبہ نشان دہی کی ہے۔ حقائق کے بیان یا غلط موقف کے جواب کو معترضہ ٹھہرانا تو دیانت و صداقت نہیں۔ میری تحریروں میں کوئی حوالہ و بیان یا بات واقعے اور حقائق کے خلاف ہے تو اسے دلائل سے واضح کیا جائے، یہ فقیر پھر عرض کرتا ہے کہ اپنی تحریر و تقریر میں کسی فی الواقع غلطی کو غلطی نہ ماننے کی غلطی ہرگز نہیں کرے گا۔ میری تحریر و تقریر یا قول و فعل میں مجھ سے کوئی ایسی بات سرزد ہوئی ہو جو عنداللہ حق نہیں اور فی الواقع غلط ہے، اس سے توبہ و رجوع کرتا ہوں اور پھر یہ بات دُہراؤں گا کہ مجھے اپنے دینِ اسلام، مذہبِ حنفی اور مسلکِ حق اہلِ سنّت و جماعت کے بارے میں بحمدہ تعالیٰ کوئی شک یا تردّد نہیں۔

"نعت رنگ" شمارہ ۱۳ کے ص ۷ سے ۱۳ تک جناب حفیظ الرحمٰن احسن کا منظوم کلام ہے جسے "قصیدہ نما پیرایۂ حمد" لکھا گیا ہے۔ یہ نام "نعت رنگ" میں پہلی مرتبہ نظر آیا ہے۔ ان کے کلام میں کچھ الفاظ پر مجھے رکنا پڑا۔ ص ۱۱ پر یہ شعر ہے:

"جہاں پناہ کی خوئے عطا ہے بے تخصیص
نگاہِ لطف میں یکساں ہیں سب صغیر و کبیر"

اس شعر میں "خوئے عطا ہے بے تخصیص" کے الفاظ اور دوسرا مصرعہ میری معلومات اور میری فہم کے مطابق یوں، اللہ کریم جلّ شانہ کے لیے کہنا درست نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی "عطائے خاص" کے الفاظ تو ہر اہلِ قلم کی تحریر میں نظر آتے ہیں اور بے تخصیص عطا کا اقرار بلاشبہ حقائق اور متعدد قرآنی آیات اور احادیثِ قدسی و احادیثِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا انکار ہے اور یہی حال دوسرے مصرعے کے بیان کا ہے کیوں اس میں بھی "یکساں" کا لفظ خلافِ واقعہ ہے۔ اسی طرح "دیر گیر" کے لفظ بھی ایک مصرع میں اللہ تعالیٰ کے لیے اسی منظوم کلام میں ہیں، ایک مصرع یوں ہے: "یہ بامِ چرخ پہ ہے آج کون جلوہ فروش"۔ ایک مصرع یوں ہے: "وہی ہے خلوت و جلوت کا راز دار و مشیر"۔ جب کہ ایک شعر یوں ہے:

"اگر ہے شکوۂ غم کوئی تو اسی سے ہے
جو راز داں ہے دلوں کا، جو ہے سمیع و بصیر"

اول الذکر مصرع میں اللّٰہ تعالیٰ کو ''راز دار و مشیر'' کہا ہے تو دوسرے شعر میں اسے ''دلوں کا راز داں'' کہا ہے، ''راز داں'' تو سمجھ آیا لیکن ''راز دار'' سمجھ نہیں آیا اور اللّٰہ تعالیٰ سے ''شکوۂ غم'' کے الفاظ کیا درست ہیں؟ ایک شعر یوں ہے:

''حریص فضل ہوں اس کا، اور ان سے ہوں بے زار
کہ جن کا حال ہے لایملکون من قطمیر''

حواشی میں ہے: ''**لایملکون من قطمیر**. سورۂ فاطر، آیت ۱۳، ''بادشاہی اسی کی ہے - اسے چھوڑ کر جن دوسروں کو تم پکارتے ہو وہ ایک پرکاہ کے بھی مالک نہیں ہیں - (قطمیر: کھجور کی گٹھلی کی باریک جھلی)'' (ص ۱۳، ''نعت رنگ'' ۱۳)

جناب حفیظ الرحمٰن احسن نے سورۂ فاطر کی آیت ۱۳ کا از خود ترجمہ تو حاشیے میں لکھا ہے لیکن آیتِ قرآنی کے الفاظ نہیں لکھے۔ قرآنِ کریم کی اس آیت کے الفاظ ہیں: **ذلکم اللّٰه ربکم له الملک والذین تدعون من دونه مایملکون من قطمیر**. حفیظ الرحمٰن صاحب نے **لایملکون من قطمیر** لکھا، وہ **مایملکون من قطمیر** یعنی اصل قرآنی الفاظ ہی لکھتے تو شعر میں وزن کا مسئلہ بھی نہ ہوتا، ہوسکتا ہے کمپوزنگ میں ''ما'' کا لفظ ''لا'' کمپوز ہوگیا ہو۔ اس آیت کا ترجمہ اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی علیہ الرحمہ نے یوں کیا ہے: ''یہ ہے اللّٰہ تمھارا رب اسی کی بادشاہی ہے اور اس کے سوا جنھیں تم پوجتے ہو دانۂ خرما کے چھلکے تک کے مالک نہیں۔''

اس حوالے سے یہ وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ آیت جب نازل ہوئی تو اللّٰہ تعالیٰ کی عطا سے مالک و مختار رسولِ کریم ﷺ اس دنیائے ارضی پر ظاہری طور پر تشریف فرما تھے، اس آیت میں لفظ ''تدعون'' حال ہے، ظاہر سی بات ہے کہ صحابہ کرام رضی اللّٰہ عنہم تو اللّٰہ کے سِوا کسی کو پوجتے نہیں تھے۔

واضح ہُوا کہ یہ آیت کافروں مشرکوں کے بارے میں ہے کہ وہ ''**من دون اللّٰه**'' یعنی بتوں کو پوجتے اور معبود سمجھ کر پکارتے تھے۔ بت نہیں سنتے نہ ہی نفع و نقصان دے سکتے ہیں لیکن اللّٰہ تعالیٰ کی عطا سے انبیا و اولیا سنتے ہیں اور انھیں اختیار عطا ہوئے ہیں۔ اللّٰہ تعالیٰ کے سِوا کسی کو بالذات اور مستقل اور حقیقی مستعان و متصرف ماننا غلط ہے لیکن باذن اللّٰہ متصرف و مستعان ماننا غلط نہیں۔ کافروں اور بتوں کے بارے میں نازل ہونے والی آیات کو مسلمانوں اور نبیوں ولیوں پر چسپاں نہیں کیا جاسکتا۔ بخاری شریف باب قتال الخوارج میں حضرت عبداللّٰہ ابن عمر رضی

اللّٰہ عنہما کا بیان موجود ہے کہ مخلوق میں بدترین لوگ وہ ہیں جو کافروں مشرکوں کے بارے میں اترنے والی آیات اہلِ ایمان پر چسپاں کرتے ہیں۔ اس آیت میں مشرکوں کے ان خود ساختہ خداؤں کا ذکر ہے کہ وہ کھجور کے چھلکے کے بھی مالک نہیں۔ اگر اس آیت کو نبیوں ولیوں اور اہلِ ایمان پر چسپاں کیا جائے تو متعدد ان آیات قرآنی اور احادیثِ شریفہ کے صریح خلاف ہوگا جن میں اللّٰہ کریم جلّ شانہ کے پیاروں کا اللّٰہ تعالیٰ کے فضل و انعام سے مالک و مختار ہونے کا ذکر ہے۔ اپنے حبیبِ کریم ﷺ کو اللّٰہ تعالیٰ نے فرمایا: **انا اعطیناک الکوثر** (الکوثر:۱) قرآنِ کریم ہی میں ہے: **ھٰذا عطاؤنا فامنن او امسک بغیر حساب** (ص: ۳۹)، (یہ ہماری عطا ہے اب تو چاہے تو احسان کر یا روک رکھ تجھ پر کچھ حساب نہیں) احادیث شریفہ میں ہے، رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے ہر شے کی چابی دے دی گئی ہے، مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں دی گئیں۔ (مسند احمد، مجمع الزوائد، کنز العمال، البدایہ، شرح السنۃ، دلائل النبوۃ)

بارگاہِ رسالت میں صحابی حضرت عبداللّٰہ بن اعور مازنی اعشٰی رضی اللّٰہ عنہ حاضر ہوکر عرض کرتے ہیں: **یامالک الناس ویا دیان العرب** (الاصابہ) قرآنِ کریم کی کتنی ہی آیات اور احادیثِ نبوی اس حوالے سے پیش کی جاسکتی ہیں۔ کافروں مشرکوں اور ان کے خود ساختہ معبودوں سے بے زار ہونا اور اللّٰہ تعالیٰ کے محبوبوں کی تعظیم اور اللّٰہ تعالیٰ کی ان پر خاص عطا کا اقرار و یقین کرنا اہلِ ایمان کا خاصہ ہے۔

محترم صبیح رحمانی صاحب! ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۳ کے ص ۱۴ پر ابتدائیہ میں آپ نے لکھا ہے: ''نعت رنگ'' کے لیے نگارشات کی یہ فراہمی ہمارے لیے یقیناً طمانیت کا باعث ہے۔''
میری معلومات کے مطابق صحیح لفظ ''طُمانینت'' ہے۔ اچھا ہوگا کہ ہم غلط تلفظ اور املا کو رواج نہ دیں۔

''نعت رنگ'' شمارہ ۱۳ کے ص ۱۵ سے جناب پروفیسر محمد اقبال جاوید کی تحریر شروع ہوتی ہے۔ اس کا عنوان ہے: ''اسم محمد ﷺ ...نعت کے آئینے میں۔''

پروفیسر اقبال جاوید صاحب کی تحریروں سے مجھے اندازہ ہُوا کہ وہ اپنے فکر و خیال میں جن لفظوں اور ترکیبوں کو ترتیب دیتے ہیں انھیں اپنی تحریر میں شامل کرکے عبارت آرائی کا جتن کرتے ہیں اور بسا اوقات وہ ان لفظوں اور ترکیبوں کو بے محل لگادیتے ہیں۔ علامہ اقبال کے لیے وہ لکھتے ہیں: ''اس نام کی بدولت اس نے غزل ایسی بدنام صنفِ سخن کو نئی جہتیں اور نئے جہان بخش کر کعبہ آثار اور عرفات اساس بنادیا۔'' (ص ۱۶) اس جملے میں ''کعبہ آثار اور عرفات

اساس'' کی یہ خوش نما تراکیب ''غزل ایسی بدنام صنفِ سخن'' کے لیے مجھے موزوں نہیں لگیں۔

اسی صفحے پر ہے: ''حضورﷺ کے لیے محمد، (ﷺ) عبدالمطلب کا مجوزہ نام ہے''۔

پروفیسر محمد اقبال جاوید صاحب نے صرف ایک روایت کے مطابق یہ نام، حضرت سیّدنا عبدالمطلب رضی اللّٰہ عنہ کا مجوزہ، لکھ دیا ہے، ان سے عرض ہے کہ تاریخ مدینۃ دمشق (ابن عساکر) کے ص۸۳/۳، طبقات ابن سعد، ص ۹۸ / ا، الروض الانف، ص ۱۸۰/ا، اعلام النبوۃ، ص ۲۴۷، دلائل النبوۃ بیہقی، ص ۸۲/ ا، سبل الہدیٰ والرشاد، ص ۳۲۸ / ا، خصائص کبریٰ، ص ۸۲/ ا، سیرۃ حلبیہ ص۷۵، ص ۸۰، ص ۹۱ /ا، اور نشر الطیب (مطبوعہ دارالاشاعت دیوبند) کے ص ۱۷ پر ہے کہ: ''آپ (ﷺ) کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ بنت وہب (رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا) سے روایت ہے کہ جب آپ (ﷺ) حمل میں آئے تو ان کو خواب میں بشارت دی گئی کہ تم اس امت کے سردار کے ساتھ حاملہ ہوئی ہو، جب وہ پیدا ہوں تو یوں کہنا: ''اعیذہ بالواحد من شر کل حاسد... اور ان کا نام محمد (ﷺ) رکھنا۔'' تاریخ مدینۃ دمشق ابن عساکر میں حضرت سلمان فارسی رضی اللّٰہ عنہ سے روایت میں یہ الفاظ بھی ملاحظہ ہوں: فقد خلقت اسمک من قبل ان اخلق الخلق بالفی سنۃ... آفرینش خلق سے دو ہزار برس پہلے میرے نبی کریم ﷺ کا اسم مبارک خلق ہو چکا تھا، یہی نہیں بلکہ السنن الکبریٰ بیہقی میں حضرت وہب بن منبہ رضی اللّٰہ عنہ سے روایت ہے کہ: **ان اللّٰہ تعالیٰ اوحی فی الزبور، یا داؤد ! انہ سیاتی بعدک من اسمہ احمد و محمد صادقا نبیا** ...زبور مقدس میں بھی میرے نبی پاک ﷺ کے دونوں نام وحی الٰہی میں مذکور ہوئے۔ ''مواہب لدنیہ'' میں امام قسطلانی رحمۃ اللّٰہ علیہ نے نقل فرمایا کہ اللّٰہ کریم جلّ شانہ سے حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی کہ الٰہی تو نے میری کنیت ابو محمد رکھی ہے، اس کا سبب کیا ہے؟ تو انھیں نورِ مصطفیٰ (ﷺ) دکھایا گیا اور ارشاد ہُوا: ''**ھذا نور نبی من ذریتک اسم فی السماء احمد، وفی الارض محمد**(ﷺ)، **لولاہ ماخلقتک ولا خلقت سماء والارض**۔ اسی کتاب میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے ساقِ عرش اور جنت میں ہر مقام پر نبی پاک ﷺ کا نامِ مبارک اللّٰہ تعالیٰ کے نام مبارک کے ساتھ لکھا ہُوا دیکھا۔ اس حوالے سے مزید متعدد روایات پیش کی جاسکتی ہیں۔

علاوہ ازیں، پروفیسر محمد اقبال جاوید صاحب نے میرے پیارے نبی پاک ﷺ کے دادا جان کو صرف ''عبدالمطلب اور جناب عبدالمطلب'' (رضی اللّٰہ عنہ) لکھا ہے، مجھے شبہ ہوا کہ وہ ان کے ایمان میں کوئی تردد رکھتے ہیں اگر ایسا ہے تو ان سے عرض ہے کہ ضیاء القرآن

پبلی کیشنز، لاہور سے طبع شدہ میری کتاب ''والدینِ رسالت مآب ﷺ'' حاصل کر کے ضرور اس کا مطالعہ فرمالیں۔

پروفیسر محمد اقبال جاوید نے سیّدنا حسان ابن ثابت رضی اللّٰہ عنہ کے مشہور شعر:

وشق له من اسمه ليجله فذو العرش محمود وهذا محمد ﷺ

کا ترجمہ ص ۱۷ پر لکھا ہے اور اس شعر کو ابوطالب کا بتایا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں: ''کہیں بعد میں ابوطالب کو یہ احساس ہُوا ہوگا کہ اللّٰہ تعالیٰ محمود ہیں اور آپ محمد (ﷺ)۔ ان کے ایک نعتیہ شعر کا ترجمہ یوں ہے۔'' (ص ۱۷)

اس کے فوراً بعد وہ لکھتے ہیں: ''ایسے ہی جیسے صدیوں بعد استاد قمر جلالوی کو احساس ہوا کہ:

''کیا ہو اللّٰہ و محمد ﷺ میں تمیز حسن و عشق
کوئی اس کے نام پر نقطہ، نہ ان کے نام پر''
(ص ۱۷)

پروفیسر اقبال جاوید نے دونوں اشعار پر شاید توجہ نہیں کی اور ان شعروں کے حوالے سے ''احساس'' کی ان دو افراد میں مماثلت و مطابقت جانے کیسے بیان کردی؟ یہی نہیں بلکہ وہ قمر جلالوی کا شعر نقل کرنے کے فوراً بعد یہ بھی لکھتے ہیں: ''یہ دونوں غیر منقوط ایک دوسرے سے وابستہ بھی ہیں اور پیوستہ بھی۔ کلمہ طیبہ پر غور کرلیں، اللّٰہ تعالیٰ کو واوٴ عاطفہ کا فاصلہ اور بُعد بھی پسند نہیں ہے۔'' (ص ۱۷)

''یہ دونوں غیر منقوط ایک دوسرے سے وابستہ بھی ہیں اور پیوستہ بھی'' اس جملے میں نام مراد ہیں یا ہستیاں؟ ہر دو صورت میں وابستگی اور پیوستگی کا کیا مفہوم ہے؟ جاننا چاہتا ہوں۔

پروفیسر اقبال جاوید لکھتے ہیں: ''محمد (ﷺ) کا لفظ آل عمران کی آیت ۱۴۴ میں، سورہ احزاب کی آیت ۴۵، سورہ محمد (ﷺ) کی آیت ۲ اور سورہ فتح کی آیت ۲۹ میں حضور ﷺ کی عظمت اور ختم المرسلین کی توثیق کے طور پر آیا ہے تا کہ یہ صداقت، بے غبار، واضح اور روشن رہے۔''

پروفیسر صاحب نے اپنی تحریر میں لفظِ ''حضور'' کے ساتھ تو ''ﷺ'' لکھا ہے لیکن نبی کریم ﷺ کے ذاتی نام محمد، احمد (ﷺ) جابہ جا تحریر کیے اور ان کے ساتھ ''ﷺ'' نہیں لکھا۔ قرآن کریم میں ان مذکورہ چار مقام پر رسولِ کریم ﷺ کا نامِ مبارک بیان ہونے کی وجوہ کو پروفیسر

D:NaatRang-15
File: Khutoot
Final

صاحب نے الگ الگ بیان نہیں کیا، صرف یہ لکھا کہ ''حضورﷺ کی عظمت اور ختم المرسلین کی توثیق کے طور پر آیا ہے۔'' پروفیسر صاحب خود ملاحظہ فرمالیں کہ ان کا یہ جملہ کیا اسی طرح درست ہوگا؟ پروفیسر صاحب لکھتے ہیں: ''گویا معلوم ہُوا کہ آسمان پر یہ نام تھا اور زمین پر یہ نام ہے ... گویا آپ تب بھی نبی تھے جب کوئی نبی آیا نہ تھا۔'' (ص ۱۸) ان دونوں جملوں میں لفظ ''گویا'' زائد ہے۔ پروفیسر صاحب کا ایک جملہ یوں ہے: ''بلکہ قلم بعد میں اٹھتا، زبان بعد میں حرکت کرتی اور منظوری پہلے ہوجایا کرتی ہے۔'' (ص ۱۹)

پروفیسر صاحب نے جو لکھا وہ اگر یوں ہوتا تو (میرے نزدیک) زیادہ صحیح و بلیغ ہوتا۔ ''پہلے کرم ہوتا ہے بعد میں قلم اٹھتا اور زبان حرکت کرتی ہے۔'' مَیں اعتراف کرتا ہوں کہ بغیر کرم کے وہ بات ادا نہیں ہوتی جو ان کی بارگاہ میں قبولیت پاتی ہے۔

پروفیسر محمد اقبال جاوید صاحب رقم طراز ہیں:

''بہر نوع اللّٰہ بھی ایک مکمل لفظ ہے اور محمدﷺ بھی... اور یہ ایک واضح صداقت ہے کہ نقشِ ناتمام، نقاش کی اپنی رسوائی کا سبب اور نقشِ بہترین، نقاش کی اپنی عظمت کا اظہار ہُوا کرتا ہے۔ اللّٰہ تعالیٰ مرکزِ حُسن ہیں، حسن اپنی دل آویزیوں کا نظارہ کرنے کے لیے ایک ایسے شفاف اور بے غبار آئینے کا آرزو مند رہتا ہے جو اس کی جملہ ادائیں سمیٹنے کی صلاحیت رکھتا ہو، اور حسن ایسے آئینے کو بھی بچا بچا کے رکھتا ہے اور اس کی عکس برداری کی خوبیوں کو بھی کہ وہ آئینہ اس کی ذات اور صفات کا مظہر ہوتا ہے۔ حضورﷺ نقاش ازل (کا) ایک ایسا نقش بھی ہیں جو بہر اعتبار اجمل و اکمل ہے اور ایک ایسا آئینہ بھی جو حسن حق کا عکاس ہے۔ اس نقش احسن کو دیکھ کر، نقاش کے جمال کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ گویا اب ذاتِ محمدﷺ ہی، ذاتِ حق کا بہترین تعارف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ''طُور پر تجلیوں کی بارش اسی وقت تک کے لیے تھی، جب تک قدرت کے فن کو اوجِ کمال نہ ملا تھا، یہ فن ذات محمدی ﷺ کی صورت میں ظاہر ہوگیا اور تخلیق کو معراج کمال نصیب ہوگئی، تو اب فن کار کی بے حجابی کی ضرورت باقی نہ رہی، تخلیق بے حجاب ہوگئی اور خالق چھپ گیا کیوں کہ اب تخلیق، خالق کی معرفت کے لیے کافی تھی۔'' (ص ۲۰)

پروفیسر صاحب نے یہ اقتباس جناب سیّد محمد متین خالد کی مرتبہ کتاب ''معرفتِ اسم محمدﷺ'' سے خود پسند اور منتخب کرکے پیش کیا ہے۔ شاید وہ توجہ نہیں کرسکے کہ اس اقتباس میں اللّٰہ تعالیٰ کے لیے جو کچھ کہا گیا ہے وہ تمام درست نہیں ہے۔ خود پروفیسر صاحب اپنی تحریر مشمولہ

''نعت رنگ'' ۱۲ میں اللہ تعالیٰ کے لیے جو لکھ گئے تھے اس معترضہ عبارت سے انھیں آگاہ کیا گیا تو انھوں نے اعتذار لکھا۔ خواہ انھیں آگاہ کرنے اور توجہ دلانے کا ذکر اس اعتذار میں نہیں تاہم اس میں بھی وہ یہ لکھ گئے کہ اللہ کی بارگاہ میں ''عمل سے کہیں زیادہ نیت کی کیفیت دیکھی جاتی ہے۔'' ان سے عرض ہے کہ وہ تحریر و بیان کے بارے میں شرعی احکام سے آگہی حاصل کرلیں اور جان لیں کہ عبارت میں کفر اور توہین و تحقیر کے حوالے سے نیت نہیں دیکھی جاتی۔ ''اکفار الملحدین'' میں جناب محمد انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں: ''**المدار فی الحکم بالکفر علی الظواھر ولانظر للمقصود (للقصود) والنیات ولا نظر لقرائن حالہ۔**'' (ص ۷۳)۔ کفر کے حکم کا دارو مدار ظاہر پر ہے، قصد و نیت اور قرائنِ حال پر نہیں۔ پروفیسر صاحب نے اعتذار لکھا، بہت اچھا کیا لیکن اپنے غلط فعل کی تاویل کرکے اچھا نہیں کیا۔ اور اسم محمد ﷺ کے معارف بیان کرتے ہوئے جس اقتباس کا انتخاب کیا اس میں بھی توجہ نہیں کی، وہ دیکھیں کہ: اللہ تعالیٰ کو مرکزِ حسن قرار دے کر لکھا گیا کہ ''حسن اپنی دل آویزیوں کے نظارے کے لیے شفاف اور بے غبار آئینے کا آرزومند رہتا ہے۔'' پھر لکھا کہ ''طور پر تجلیوں کی بارش اسی وقت تک کے لیے تھی جب تک قدرت کے فن کو اوجِ کمال نہ ملا تھا، یہ فن ذاتِ محمدی ﷺ کی صورت میں ظاہر ہوگیا اور تخلیق کو معراجِ کمال نصیب ہوگئی، تو اب فن کار کی بے حجابی کی ضرورت باقی نہ رہی، تخلیق بے حجاب ہوگئی اور خالق چھپ گیا ...'' یہ الفاظ و انداز کس کے لیے بیان ہوئے ہیں؟ کیا پروفیسر اقبال جاوید صاحب اپنی اس پسندیدگی اور اس انتخاب کی بھی تاویل کریں گے؟ تاویل کے بارے میں ''نعت رنگ'' میں مطبوعہ میری تحریروں کا مطالعہ انھوں نے کیا ہوگا۔ ایک طرف تو پروفیسر اقبال جاوید صاحب خود پسند کرکے یہ اقتباس نقل کررہے ہیں اور دوسری طرف یہ لکھتے ہیں: ''اس نام (محمد ﷺ) کے ایک ایک حرف کو مفہوم مطالب کی ندرتوں اور وسعتوں سے آراستہ کرنے کے بعد فطرت نے اس ذاتِ پاک (ﷺ) کو بھی اسم بامسمّٰی بنادیا۔'' (ص ۲۱)۔ کبھی وہ کہتے ہیں کہ قلم بعد میں اٹھتا اور زبان بعد میں حرکت کرتی ہے اور منظوری پہلے ہوجایا کرتی ہے اور یہاں لکھ رہے ہیں کہ میرے نبی پاک ﷺ کو بھی اسم بامسمّٰی بنادیا۔ یہ تقدیم و تاخیر اور خالق کائنات کے حوالے سے اس طرح بیان کرنا مجھے سمجھ نہیں آیا! وہ خود ملاحظہ فرمائیں کہ کیا اسی طرح درست ہے؟

وہ لکھتے ہیں: ''الغرض اسم محمد ﷺ... ایک ایسی سیرت ہے کہ جس سے ہدایت و بصیرت کے قدیم چراغ بجھ گئے اور جس کا طلوع ہر غروب سے ناآشنا ہے۔'' (ص ۲۱)۔ پروفیسر

صاحب بتائیں کہ ہدایت و بصیرت کے قدیم چراغ کون سے تھے؟ خلقت کے لحاظ سے میرے نبی پاک ﷺ اوّل ہیں اور کائنات انھی کا فیضان ہے۔ ان کے ظہور سے قبل تشریف لانے والے انبیائے کرام علیہم السلام کو ہدایت و بصیرت کے قدیم چراغ اگر کہا بھی گیا ہے تو بجھنے کا لفظ ان کے ساتھ موزوں نہیں، یہ جملہ میرے نزدیک یوں صحیح ہوگا کہ ''اسم محمد ﷺ ایک ایسا آفتاب ہے کہ جس سے ہدایت و بصیرت کے ہر چراغ نے ضیا پائی اور جس کا طلوع ہر غروب سے نا آشنا ہے۔'' اسی صفحے پر ہے: ''(الغرض اسم محمد ﷺ) ایک ایسی سطوت ہے جو شاہوں کو سرپائے استحقار سے ٹھکراتی اور خود اپنے فقر کو فخر سمجھتی رہی۔'' (''الفقر فخری'' اس روایت کی سند کیا ہے؟) ص ۲۲ پر ہے: ''ایک ایسی فصاحت ہے کہ لفظ لفظ صدہا صداقتوں کا صدف اور بات بات، باتوں کی پیغمبر ہے۔'' ص ۲۳ پر ہے: ''ایک ایسی شفاعت ہے کہ حرص کی حد تک گنہ گاہروں (گاروں) کے لیے بے چین اور امت مسلمہ کا واحد اخروی سہارا ہے۔'' ص ۲۳ پر یہ بھی ہے: : ''ایک ایسی رسالت ہے جس کا تسلسل ایک تاریخی حقیقت بن کے رہا اور جس کے بعد ہر دعوے دار نبوت غبار معصیت بن کر اڑ گیا۔''

''شاہوں کو سرپائے استحقار سے ٹھکراتی، باتوں کی پیغمبر، حرص کی حد تک گناہ گاروں کے لیے بے چین'' ان الفاظ میں جو کچھ مجھے کھٹک رہا ہے وہ الفاظ کا غلط استعمال اور صرف وہ منفی تأثر ہے جو پروفیسر صاحب کی سوچ کے بھی شاید منافی ہے اور عبارت آرائی میں در آیا ہے، اس کے متبادل عمدہ لفظ پروفیسر صاحب کے تخیل کو زیادہ نمایاں کرتے۔ مجھے اندازہ ہُوا کہ پروفیسر اقبال جاوید صاحب لفظوں کو چننے اور اپنی تحریر کے جملوں میں سجانے کے لیے تو خاصی محنت کرتے ہیں لیکن توجہ نہیں کر پاتے کہ کبھی معنی و مفہوم، منفی و غلط یا ہلکا پڑ جاتا ہے، وہ اس بے بضاعت کی یہ گزارش قبول فرمائیں کہ صرف الفاظ ہی پر ساری محنت اور توجہ نہ رکھیں بلکہ معنی و مفہوم اور محل بھی دیکھیں تاکہ کسی منفی و غلط یا ہلکے تأثر کی گنجائش نہ رہے۔

''نعت رنگ''، شمارہ ۱۳ کے ص ۲۴ پر پروفیسر اقبال جاوید صاحب لکھتے ہیں: ''یہ اھی (انھی) کا محبت بھرا تذکرہ ہے جس نے قرآن کو کتابِ نعت بنا رکھا ہے۔ اللّٰہ تعالیٰ نے جن پانچ مقامات پر حضور ﷺ کو نام لے کر پکارا ہے، وہ حقائق نبوت کی تفہیم سے متعلق ہیں۔ باقی ہر مقام پر، تخاطب کے لے (لیے) حضور ﷺ کی اداؤں ہی کو پیشِ نظر رکھا گیا کہ آپ تو تھے ہی ہر لحہ، ان کی نگاہوں میں ••• یاد رہے کہ تخاطب کے پس منظر میں روابط کے غرور اور تعلقات کے فخر ہُوا

کرتے ہیں۔ اللہ واقعات کے تسلسل کو سمجھانے کے لیے، ان وادیوں اور راستوں کی قسم کھاتے ہیں جہاں محبوب کا خرامِ ناز، چاند ابھارتا، ستارے بکھیرتا اور پھول برساتا رہا ہے۔ وہ تو اپنا کلام بھی زبانِ محبوب ہی سے سُننے کے شائق ہیں...''

اس اقتباس میں یہ الفاظ اور جملے محل نظر ہیں: ''کتابِ نعت بنا رکھا ہے... اللہ تعالیٰ نے جن پانچ مقامات پر حضور ﷺ کو نام لے کر پکارا ہے... حضور ﷺ کی اداؤں ہی کو پیشِ نظر رکھا گیا... یاد رہے کہ تخاطب کے پس منظر میں روابط کے غرور اور تعلقات کے فخر ہُوا کرتے ہیں... اللہ واقعات کے تسلسل کو سمجھانے کے لیے... زبان محبوب ہی سے سننے کے شائق ہیں۔''

قرآنِ کریم بلاشُبہ نعتِ مصطفیٰ (ﷺ) ہے، کتابِ نعت بنا رکھا ہے کہ الفاظ موزوں نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے ذاتی ناموں (محمد، احمد ﷺ) سے انھیں پورے قرآنِ کریم میں کہیں نہیں پکارا، ہاں پانچ مقامات پر ان کے یہ نام بیان ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لیے پیشِ نظر رکھنے اور شائق کے الفاظ میری فہم سے بالا ہیں۔ تخاطب کے پس منظر میں روابط کے غرور اور تعلقات کا فخر، یہ جملہ اللہ کریم کے بارے میں بیان کرنا کیوں کر صحیح ہوگا؟ پروفیسر صاحب! کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ یوں سارے گلاب، مٹی ہوجاتے ہیں!

ص ۳۵ پر وہ لکھتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ سے ہماری محبت کو شدید ترین ہوکر، مبالغ کی حدوں کو چھونا چاہیے اور ان کے ذکر کو بھی بہرنوع باوقار ہونا چاہیے کہ یہی فرمانِ قرآنی ہے مگر ''طغیانِ ناز'' کا انداز دیکھیے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے گھر میں ہر ''دیوانہ'' منظور ہے، چیخ پکار کی ہر بلندی مطلوب ہے...''

''مبالغ کی حدوں کو چھونا چاہیے۔'' پروفیسر صاحب ان الفاظ کی وضاحت فرمائیں تاکہ معلوم ہو وہ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ انھوں نے ''طغیانِ ناز'' کے لفظ کیا اللہ تعالیٰ ہی کے لیے لکھے ہیں؟ چیخ پکار کی ہر بلندی مطلوب ہے'' اللہ تعالیٰ کے لیے یہ بیان کس قول یا روایت کے حوالے سے ہے؟ جاننا چاہتا ہوں۔ پروفیسر صاحب لکھتے ہیں: ''المیہ یہ ہے کہ ہم آئینہ رو بہ رو رکھ کر، سنّتِ رسول ﷺ کو اپنے ہاتھوں ذبح کرنے کے بعد، اس رُوئے رسول اکرم ﷺ کی مدحت کرتے ہیں جو فی الواقع رخ جمال الٰہی کا آئینہ تھا۔ اور جس کی کیفیت کے اظہار کے لیے کوئی سی تشبیہ بھی کام نہیں دیتی کہ مشبہ بہ کا مشبہ سے برتر ہونا ضرور ہے۔ مگر یہاں ہر مشبہ بہ فروتر ہے بلکہ خود وقارِ جمال کا آرزومند ہے۔'' (ص ۲۶)

(مشبّہ: مشابہ کیا ہُوا۔ مشبہ بہ: جس سے مشابہ کیا جائے)

مشبہ بہ کا برتر ہونا پروفیسر صاحب نے ضروری بتایا اور پھر لکھا کہ ''مگر یہاں ہر مشبہ بہ فروتر ہے بلکہ خود وقارِ جمال کا آرزو مند ہے۔'' بہتر ہے وہ خود واضح کردیں کہ کیا لکھا ہے؟ اور کس کو مشبّہ اور کسے مشبہ بہ قرار دیا ہے؟ ''جس کی کیفیت کے اظہار کے لیے کوئی سی تشبیہ بھی کام نہیں دیتی'' یہ رخ جمال الٰہی کے لیے ہے یا آئینہ کے لیے؟ وہ ''رُخ جمال الٰہی'' لکھ رہے ہیں، جمال رخ الٰہی نہیں لکھ رہے ہیں، رُخ کا لفظ اللّٰہ تعالیٰ کے لیے درست نہیں، اگر وہ رخ جمال الٰہی لکھ کر اس کی کیفیت کے اظہار میں کسی تشبیہ کا کام نہ دینا بیان کررہے ہیں تو ''اس کی کیفیت'' کے لفظ بھی معترضہ ہوں گے۔ ''مشبہ بہ'' پھر کون ہے؟ اور یہاں ہر مشبہ بہ کے فروتر ہونے کا معنی کیا ہوگا؟ پروفیسر صاحب کیا کہہ رہے ہیں؟ مَیں ان کا مفہوم نہیں پاسکا۔ ان جملوں کی نحوی ترکیب کچھ اور ہی معنی دیتی ہے، کیا درست ہے؟ وہ خود ہی بتائیں۔ پروفیسر اقبال جاوید صاحب کی تحریر میں جانے کتنے لفظ اور جملے ایسے ہیں کہ انھیں لفاظی تو بلا مبالغہ و بلا مغالطہ کہا جاسکتا ہے لیکن اکثر مقامات پر اس لفاظی کا حاصل کوئی علمی یا تحقیقی بات نہیں، صرف بیانیہ ہے۔

وہ لکھتے ہیں: ''جہاں تکمیل حسن، ذات پاک سرور کائنات ﷺ پر ہوئی وہاں تکمیل عشق کا مرتبہ صحابہ کرام رضوان اللّٰہ علیہم اجمعین کی ذات بابرکت کو نصیب ہُوا:

تو انتہائے حسن ہے یہ انتہائے عشق دیکھے تجھے کہ ان کا تماشا کرے کوئی''

(ص ۲۷)

تکمیل عشق کا مرتبہ کیا ہوتا ہے؟ وہ بتائیں۔ اور کیا یہ نعتیہ شعر ہے؟ اور یہ شعر کیا یہاں واقعی موزوں ہے؟

ص ۲۸ پر وہ لکھتے ہیں: ''کاش! ہم جناب سیّد محمد ابوالخیر کشفی کی طرح ''اسم محمد ﷺ'' رقم کرنے سے قبل اس توفیق کے آرزو مند ہوں کہ: (اس کے بعد اشعار ہیں، کچھ ملاحظہ ہوں)

حضرت سیّدِ اکبرؓ کی وفا کا نغمہ
آج دنیا کو سنالوں تو ترا نام لکھوں
صاحب عدل کہ فاروقؓ بنایا حق نے
ان کو الفاظ میں ڈھالوں تو ترا نام لکھوں
جامع حرفِ الٰہی پہ دُرود اور سلام
اپنے آنسو کو سنبھالوں تو ترا نام لکھوں

خواجۂ وسعتِ افلاک و زمین تجھ پہ سلام
تیری لو دل میں بڑھا لوں تو ترا نام لکھوں"

کیا یہ واقعی، کشفی صاحب ہی کے کہے ہوئے اشعار ہیں؟ ان اشعار کو پڑھ کر نہ صرف کشفی صاحب کے بارے میں سوچتا رہ گیا بلکہ پروفیسر اقبال جاوید کے انتخاب کی "داد" دیے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ واقعی کشفی صاحب کے "عقیدت مند" ہیں۔

ص ۳۳ پر پروفیسر اقبال جاوید صاحب نے جناب احمد ندیم قاسمی کے اشعار نقل کیے ہیں، ملاحظہ ہو:

"لفظ محمد ﷺ اصل میں ہے نطق کا جمال
لحن خدا نے خود ہی سنوارا ہے ان کا نام
قرآن پاک ان پہ اتارا گیا ندیمؔ
اور مَیں نے اپنے دل میں اتارا ہے ان کا نام"

دوسرے شعر میں جو تشبیہ ہے وہ تقابل میں ہے اور محل نظر ہے۔ پہلے شعر میں نطق کا جمال، لحنِ خدا کے مقابل اور حوالے سے بیان ہُوا ہے، کیا یہ درست ہے؟

ایک مصرع اسی صفحے پر قاسمی صاحب کا نقل کیا گیا ہے:

"ہے اسی نام کی تسبیح، فرشتوں کا شعار"

تسبیح کا لفظ (شاید) وِرد کے معنی و مفہوم میں بیان ہُوا ہے، فرشتے کیا واقعی ان کے نام کا وِرد کرتے ہیں؟

یہ شعر بھی مجھے محل نظر لگا۔

"مَیں اپنی رُوح میں پہلے انھیں تصویر کرتا ہوں
پھر اس کے بعد، ان کے نام کو تحریر کرتا ہوں"
(ص ۲۳)

"زبان صدق اظہار" کی ترکیب کیا ہے؟ (ص ۵۴)

پروفیسر صاحب لکھتے ہیں: "آخر میں ان شخصیات کے چند اقتباس دیکھیے جو خاصانِ بارگاہ میں سے تھیں اور جنھیں اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و کرم سے ممدوح عظیم و جلیل ﷺ کی ذات وصفات کا سچا عرفان بھی نصیب تھا..." (ص ۵۵)

پروفیسر صاحب نے شاید یہ حدیث شریف نہیں پڑھی سُنی: **یا ابابکر والذی بعثنی بالحق لم یعرفنی حقیقة غیر ربی**" (اے ابوبکر مجھے قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا میری حقیقت کو میرے رب کے سوا کوئی جانتا پہچانتا ہی نہیں)

پروفیسر صاحب نے از خود جنھیں "خاصانِ بارگاہ" قرار دیا اور جو نام لکھے ان کے اقتباسات کا کوئی حوالہ نہیں لکھا، ان لوگوں کی جن تحریروں سے یہ عبارات نقل کی گئیں ان کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔ وہ لکھتے ہیں: "محمد ﷺ ہی ایک ایسا لفظ ہے جس کے فیض نے اللّٰہ، ملائکہ اور بندوں کو ہم زبان کر رکھا ہے کہ تینوں اس مبارک نام پر دُرود و سلام بھیجنے میں پیہم مصروف ہیں، ورنہ تینوں کے اپنے اپنے مقام اور اپنے اپنے مدارج ہیں، گویا یہی وہ حسن مجسم ہے جس کے انوار پر:

ہے شمع بھی پروانہ، پروانے کو کیا کہیے

اسم محمد (ﷺ) پر دُرود کا حکم، تعظیم و تکریم کی انتہا بھی ہے اور نقاش ازل کے نقش بہترین کی داد بھی...فن کار کا فن جب کمال کو پہنچ جاتا ہے تو دل سے قیمت وصول کرنے کی طلب مٹ جاتی ہے، اس وقت وہ داد چاہتا ہے، داد مل جائے تو وہ سمجھتا ہے کہ قیمت وصول ہوگئی۔ داد نہ ملے تو قیمت پانے کے بعد بھی ذوق کی سیرابی نہیں ہوتی، ذوق سیرابی صرف داد کرسکتی ہے اور اسی سے تسکین ملتی ہے، صحیح داد دینے والا مل جائے تو مصور یہ کہہ کر تصویر پیش کر دیتا ہے کہ آپ کو پسند ہے تو آپ کی نذر ہے۔ بسا اوقات جہاں لعل و جواہر کام نہیں دیتے، وہاں داد کام دے جاتی ہے۔ مصور کے فن کی قیمت ادا کرنے کی استطاعت نہ ہو تو داد کا فن سیکھنا چاہیے۔ داد دینے کی صلاحیت پیدا ہوجائے تو شاہ کار جھولی میں آکر رہتا ہے..." (ص ۵۷)

پروفیسر اقبال جاوید صاحب ادبی روا روی اور عبارت آرائی کے شوق میں خیال نہیں کرتے کہ کیا لکھ رکھ رہے ہیں، وہ کچھ توجہ کریں کہ نبی پاک ﷺ کے نام کا فیض وہ اللّٰہ تعالیٰ کے لیے بھی بتا رہے ہیں اور ملائکہ اور بندوں کے ساتھ اللّٰہ تعالیٰ کو "ہم زبان" لکھ رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لیے "مصروف" کا لفظ بھی لکھ رہے ہیں۔ اور جو مصرع لکھ رہے ہیں اس میں "شمع" کا لفظ کس کے لیے ثابت ہورہا ہے؟ اس پر بھی انھوں نے توجہ نہیں کی۔ اس کے بعد وہ فن کار اور فن کی قیمت، فن کار کا فن، کمال پر پہنچنا، داد چاہنا، ذوق سیرابی، تسکین وغیرہ کی جو لفاظی کر گئے ہیں، وہ خود ملاحظہ فرمائیں کہ وہ کسے فن کار قرار دے کر یہ سب لکھ گئے ہیں؟ وہ ایسے "گلاب"

کیوں چنتے ہیں جنھیں وہ خود مٹی کردیتے ہیں؟ ایسی عبارت آرائی تو خوف ناک اور لغو کھیل شمار ہوگی۔ کچھ انھی کے لہجے اور الفاظ و انداز میں کہوں کہ:

''ناواقفی و بے احتیاطی کے ساتھ دینی تحریر لکھنا، اپنے دین وایمان سے ایک خوف ناک تلعب ہے، سوچتا ہوں نادہندگان کو بھی خاصان بارگاہ میں شمار کرنا اور شرعی تعلیمات کے خلاف لکھنا تمازتِ آفتاب سے کیسے بچاسکے گا کیوں کہ آرائشِ تحریر سے کہیں زیادہ صحتِ ایمان وتقوی اور ادب و احتیاط ضروری ہے۔''

شروع تحریر میں انھوں نے لکھا کہ نبی پاک ﷺ کا نام حضرت عبدالمطلب کا مجوزہ ہے اور تحریر کے آخر میں جناب مناظر احسن گیلانی کے حوالے سے خود لکھتے ہیں: ''پہلے پل (پہل) یہ نام حضرت سلیمان (علیہ السلام) کی تسبیحات میں آیا ہے جنھوں نے آپ ﷺ کی آمد کی خبر دیتے ہوئے فرمایا ''خلومحمد یم زہ دودی زہ رعی۔'' وہ ٹھیک محمد ﷺ ہیں وہ میرے محبوب اور میری جان ہیں...'' (شمارہ ۱۳، ص ۵۶)

ص ۲۰ پر وہ لکھ گئے ہیں کہ: ''اس نام (محمد ﷺ) کے ایک ایک حرف کو مفہوم مطالب کی ندرتوں اور وسعتوں سے آراستہ کرنے کے بعد فطرت نے اس ذات پاک (ﷺ) کو بھی اسم با مسمٰی بنادیا۔''

پروفیسر اقبال جاوید صاحب اپنی تحریر کے یہ تضاد خود ملاحظہ فرمالیں اور مجھے بتائیں کہ میرے اعتراض مسلکی اجارہ داری ہیں یا حقائق کا بیان ہیں؟ جناب سیّد ابوالخیر کشفی سے پی ٹی وی کے ایک پروگرام ''تفہیمِ دین'' میں ٹی وی اسٹوڈیو میں برسوں پہلے ملاقات ہوئی تھی لیکن کوئی باہمی گفتگو نہیں ہوئی تھی۔ جناب احمد صغیر صدیقی، جناب رشید وارثی، جناب اقبال جاوید سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی، ان لوگوں کی مسلکی وابستگی کی بھی مجھے تحقیق نہیں، مجھے ان سے کوئی ذاتی اختلاف بھی نہیں، ''نعت رنگ'' میں مطبوعہ ان کی تحریروں میں پائے جانے والے معترضہ جملوں کا تعاقب بھی صرف احقاقِ حق اور ابطال باطل کے لیے کرتا ہوں اور اس حسنِ نیت اور صدقِ اخلاص کے ساتھ کہ یہ حضرات بھی حقائق سے آگاہ ہوجائیں اور نعت نگاروں اور ناقدوں کو ان موضوعات پر تحقیق جمع مل جائے اور غلطیوں کا اعادہ نہ ہو۔ کچھ احباب نے مجھے کہا کہ مَیں اتنی باریک بینی سے ان لوگوں کی تحریروں پر وقت کیوں ضائع کررہا ہوں، جو دینی و عربی علوم و معارف کے حوالے سے کوئی اعتبار نہیں رکھتے۔ جواباً یہی عرض کی کہ مَیں وقت ضائع نہیں کر رہا

D:NaatRang-15
File: Khutoot
Final

بلکہ ممدوحِ کائنات نبی کریم ﷺ کے بیان میں ہر کلمہ گو پر یہی واضح کرنا چاہتا ہوں کہ ہمیں بہت زیادہ احتیاط ملحوظ رکھنی چاہیے۔ کسی مضمون نگار کی ایسی کسی بات سے چشم پوشی تو خود میرے لیے مسئلہ ہوجائے گی۔ ''کس نے لکھا ہے؟'' یہ میرے پیشِ نظر نہیں ہے بلکہ یہ پیشِ نظر ہے کہ کس کے بارے میں لکھا ہے؟ اور کیا اور کیسے لکھا ہے؟ میری یہ تنقید و تحقیق ان مضمون نگاروں کو شاید گراں گزرے لیکن وہ میری یہ وضاحت فراموش نہ کریں کہ میرا مقصود صرف ناموسِ رسالت مآب ﷺ کی پاس بانی اور پاس داری ہے کسی کی دل آزاری نہیں، اور نبی پاک ﷺ کے بیان میں ہم آزاد نہیں بلکہ پابند ہیں۔

پروفیسر اقبال جاوید صاحب کے الفاظ میں یوں کہوں کہ: ''غلطی لازمۂ بشریت ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ غلطی تسلیم کرلینا، غلطی کی اصلاح کرنا ہے اور غلطی کی تاویل کرنا، غلطی پر قائم رہنا ہے۔'' (ص ۵۸)

اس فقیر بے توقیر سے تحریر و تقریر میں کوئی غلطی کہیں ہوئی ہو، اللّٰہ کریم جلّ شانہ سے طالبِ عفو و مغفرت ہوں۔ اپنے مرشد کریم حضرت گنجِ کرم پیر سیّد محمد اسمٰعیل شاہ صاحب بخاری المعروف بہ حضرت کرماں والے رحمۃ اللّٰہ علیہ کے فرزند و جانشین حضرت باباجی پیر سیّد محمد علی شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللّٰہ علیہ سے سُنا ہُوا یہ دعائیہ پنجابی شعر پھر دُہراتا ہوں:

کرم ترے تے آس کریما ہور غرور نہ کوئی
بحرمت نبی پیارے بخشیں کُل تقصیر جو ہوئی

محترم سیّد صبیح رحمانی صاحب! ''نعت رنگ'' کا کتابی سلسلہ کیا اس لیے ہے کہ اس کے متعدد صفحات کو بغیر کسی تقابل یا تجزیہ و تنقید کے اشعار کی کثرت سے بھر دیا جائے؟ کسی ایک موضوع پر متعدد اشعار جمع کرنا بے سود یا غیر اہم نہیں، خاصی محنت کا کام ہے لیکن ''نعت رنگ'' کے کتابی سلسلے میں صرف اشعار کا درج کردینا مجھے سمجھ نہیں آیا، پروفیسر اقبال جاوید صاحب نے مختلف شعرا کے اشعار میں نبی کریم ﷺ کا اسمِ مبارک مذکور ہونا نقل کیا تو جناب راجا رشید محمود نے میلاد شریف کے ذکرِ مبارک والے اشعار سے سو صفحے بھر دیے۔ راجا صاحب نے حواشی کا اضافہ کیا جو زیادہ مفید رہا لیکن پروفیسر اقبال صاحب نے تو حواشی بھی نہیں بیان کیے بلکہ آپ کا کچھ کلام بھی دوسروں کے نام سے درج کردیا اور حیرت ہے کہ آپ نے بھی توجہ نہیں کی۔ راجا صاحب اپنی یہ محنت اپنے ماہ نامہ نعت کے ایک شمارے کی زینت بناتے تو وہ شمارہ منفرد ہوتا اور

(اس موضوع پر) حوالے کا کام دیتا کیوں کہ ان کے ماہ نامہ نعت کے اکثر شمارے اب صرف ان کے اپنے کلام ہی پر مشتمل ہوتے ہیں۔ پروفیسر صاحب اور راجا صاحب ان اشعار کو تقابل یا مضمون آفرینی اور دیگر محاسن وغیرہ کے تجزیہ وتنقید کے ساتھ پیش کرتے تو ''نعت رنگ'' کے کتابی سلسلے میں ان اشعار کی اشاعت زیادہ کارآمد ہوتی۔ میری اس بات سے یہ دونوں حضرات کہیں ناراض نہ ہوجائیں، مَیں ان کی محنت کو اس مقصد کی اہمیت کے مطابق چاہنے کی بات کر رہا ہوں جو ''نعت رنگ'' کے کتابی سلسلے کی بنیاد ہے۔ تاہم آپ نے اتنے صفحات صرف ان اشعار کی نذر کیے ہیں تو ان لوگوں کی رعایت سے نہیں کیے ہوں گے ضرور ان کا تذکرہ اہم جانا ہوگا...

راجا صاحب نے ''نعت رنگ'' کے ص ۵۹ پر جو حدیث شریف نقل کی ہے، حواشی میں اس کے ماخذ کی وضاحت تو کی ہے مگر الفاظِ حدیث کہاں سے نقل کیے ہیں؟ یہ انھوں نے نہیں لکھا۔ مجھے ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث یاد ہے: **انا من نور اللّٰہ والخلق کلھم من نوری** (مدارج النبوۃ) اور مطالع المسرات میں یوں ہے: **اول ما خلق اللّٰہ نوری ومن نوری خلق کل شئی۔**

ص ۶۱ پر وہ لکھتے ہیں: ''وہاں جو معجزات برپا ہوتے رہے۔'' کیا بہتر نہ ہوتا کہ ''برپا'' کی بجائے ''رُونما'' لکھا جاتا۔

ص ۶۷ پر وہ لکھتے ہیں: ''اہلِ ایمان شعرائے کرام نے تو حضور محبوب کبریا علیہ الصلوٰۃ والثنا کی آمد آمد کے تذکرے سے مزا لیا ہے۔'' اس جملے میں ''مزا لیا ہے'' مجھے موزوں نہیں لگا۔

ص ۱۳۹ پر راجا صاحب لکھتے ہیں: ''ان کا فرض ہے کہ اپنے سرکار (ﷺ) پر دُرود و سلام کے ڈونگرے نچھاور کریں۔'' یہاں ''ڈونگرے'' کا لفظ درست نہیں۔

''نعت رنگ'' شمارہ ۱۳ میں جناب شارق جمال بھارتی نے ''نعت کے اشعار اور فنی سقم'' کے عنوان سے جو تحریر پیش کی ہے اس میں انھوں نے سیّد صبیح رحمانی کے اشعار کو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللّٰہ علیہ کے اشعار بتا کر مشقِ ستم کی۔ مجھے ان سے صرف یہ پوچھنا ہے کہ کوئی ایسا فنی سقم اگر کسی کے شعر میں ہو جسے گنتی کے چند افراد بھی اختلاف سے شمار کریں، اس سے نعت شریف کیا عیب دار قرار پائے گی؟

D:NaatRang-15
File: Khutoot
Final

''نعت رنگ'' شمارہ ۱۳ کے ص ۱۶۹ سے بھارت کے ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی کی تحریر شروع ہوتی ہے، اس کا عنوان ہے: ''ہندوستان میں عربی نعت گوئی! تحلیل و تجزیے کا ایک جائزہ''

وہ لکھتے ہیں: ''مختلف احادیث سے پتا چلتا ہے کہ آں حضور ﷺ ہند اور اہلِ ہند سے بخوبی واقف تھے۔ بعثت رسول سے قبل ہندوستانی تجارت کی بڑی بڑی منڈیاں سرزمین عرب پر موجود تھیں۔ اسی تجارتی سلسلے کی بنیاد پر اسلام ہندوستان تک آیا۔''

ابو سفیان اصلاحی صاحب نے بہت ''مہربانی'' فرمائی کہ میرے نبی پاک ﷺ کی ہند اور اہلِ ہند سے بخوبی واقفیت، احادیث کے بارے میں اپنی معلومات کے حوالے سے تحریر فرما دی۔ ان سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ وہ میرے نبی پاک ﷺ کو ''عالمین'' کا رسول مانتے ہیں یا نہیں؟ عالمین کے لیے ان کا رحمت ہونا جہتِ رسالت سے ہے، وہ تمام کائنات کے رسول ہیں اور اپنے معبودِ کریم جلّ شانہ کی عطا سے کائنات میں سے سب زیادہ اعلم ہیں۔ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے اسے جانتے اور پہچانتے ہیں، یہ بات کیا حدیث شریف میں مذکور نہیں؟ اہلِ سنّت و جماعت کے ایک مقتدر عالم دِین حضرت مولانا سردار احمد صاحب رحمۃ اللّٰہ علیہ کراچی شہر میں فیصل آباد سے آئے تو ایک کتب خانے میں تشریف لے گئے۔ کتب خانے کے مالک نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور حضرت مولانا سے کہا: کیا رسول اللّٰہ ﷺ کو اس تنکے کی خبر ہے؟ حضرت مولانا نے اسے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک سُنایا کہ ہر شے جانتی ہے کہ مَیں اللّٰہ تعالیٰ کا رسول ہوں (ﷺ)، اب تم بتاؤ اس تنکے کو رسول ﷺ کی خبر ہے یا نہیں؟ کتب خانے کا مالک سر جھکائے ایک طرف ہوگیا۔ ''فضائل دُرود شریف'' کتاب میں جناب محمد زکریا کاندھلوی نے یہ حدیث شریف نقل کی ہے کہ: ''**عن عمار بن یاسر قال قال رسول اللّٰہ ﷺ ان اللّٰہ وکل بقبری ملکا اعطاہ اسماع الخلائق فلا یصلی علیّ احد الی یوم القیمۃ الا ابلغنی باسمہ واسم ابیہ ھذا فلان بن فلان قد صلی علیک** (حضرت عمار بن یاسر نے حضور کا ارشاد نقل کیا ہے کہ اللّٰہ جلّ شانہ نے ایک فرشتہ میری قبر پر مقرر کر رکھا ہے جس کو ساری مخلوق کی باتیں سننے کی قدرت عطا فرما رکھی ہے پس جو شخص بھی مجھ پر قیامت تک دُرود بھیجتا رہے گا وہ فرشتہ مجھ کو اس کا اور اس کے باپ کا نام لے کر دُرود پہنچاتا ہے کہ فلاں شخص جو فلاں کا بیٹا ہے اس نے آپ پر دُرود بھیجا ہے۔'' (ص ۱۸، فضائلِ دُرود شریف)

دنیا میں کوئی مسلمان بھی دُرود و سلام کا ہدیہ پیش کرنے سے پہلے اپنا اور اپنے والد کا نام نہیں لیتا لیکن وہ فرشتہ جانتا ہے، جب اس بارگاہ بے کس پناہ کے ایک دربان و غلام کو اللّٰہ تعالیٰ نے یہ کمال عطا فرمایا ہے، تو اپنے حبیبِ کریم ﷺ کو کتنا نوازا ہے، اس سے اندازہ کیا جائے۔

ڈاکٹر ابوسفیان صاحب توجہ فرمائیں کہ یہ جملہ کیا اسی طرح درست ہوگا؟ ''اسی تجارتی سلسلے کی بنیاد پر اسلام ہندوستان تک آیا۔''

ڈاکٹر صاحب نے عربی اشعار کے اُردو تراجم میں اپنی عربی دانی کا جو ''کمال'' دکھایا ہے اس سے قطع نظر ایک مرتبہ پھر یہ کہوں گا کہ نثر میں یہ حقائق بیان کیے جائیں تو معترضہ ٹھہرائے جاتے ہیں لیکن منظوم کلام میں خود معترضین بھی یہی حقائق بیان کرتے ہیں۔

''نعت رنگ'' شمارہ ٦ میں جناب سعید بدر نے بالکل درست لکھا تھا کہ نعت گوئی کرنے والا بریلویوں ہی کی تائید کرتا ہے۔

ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی نے ایک ہزار اکتالیس صفحات پر مشتمل جس غیر مطبوعہ عربی مقالے سے ''نعت رنگ'' کے قارئین کو متعارف کروایا ہے، وہ مقالہ طباعت سے آراستہ ہوگا تو اس کے مندرجات کی حقیقت معلوم ہوگی، کیا ہی اچھا ہو کہ علی گڑھ یونی ورسٹی والے یہ مقالہ کمپیوٹر ہی میں محفوظ کردیں تاکہ انٹرنیٹ کے ذریعے یہ لوگوں تک پہنچ جائے۔

اصلاحی صاحب اس مقالے کے تیسرے باب کا تعارف کرواتے ہیں: ''تیسرے باب میں عربی نعت گوئی کے عناصر کو پیش کیا گیا ہے۔ ایک تو یہ کہ نعت گو سیرتِ رسول ﷺ سے پوری طرح واقف ہو، دوسرے یہ کہ سرورِ کائنات ﷺ کا جو مرتبہ ہے اس کا پاس و لحاظ ہو، انھیں ان مقامات سے ہرگز وابستہ نہ کیا جائے جن کا سلسلہ شرک سے جا ملتا ہے۔'' (ص۔۱۷۱)

اس اقتباس میں میرے پیشِ نظر تین باتیں ہیں۔ (۱) نعت گو کا سیرتِ رسول ﷺ سے پوری طرح واقف ہونا۔ (۲) رسولِ کریم ﷺ کے مرتبہ و مقام کا پاس و لحاظ ہونا۔ (۳) رسولِ کریم ﷺ کو ان مقامات سے وابستہ نہ کیا جانا جن کا سلسلہ شرک سے جاملتا ہے۔ اس اقتباس میں یہ تینوں باتیں، نعت گوئی کے عناصر بتائی گئی ہیں۔

ان باتوں کے حوالے سے یہ کہوں گا کہ نعت گوئی کے لیے نعت گو کا سیرتِ رسولِ کریم ﷺ سے پوری طرح واقف ہونا، بلاشُبہ بہت اچھی اور اہم شرط ہے لیکن ''پوری طرح واقفیت'' تو کیا، بنیادی ضروری واقفیت میں بھی ''کچھ'' ہی شمار ہوں گے۔

اُردو دان طبقے میں وہ نعت گو کتنے ہیں جنھوں نے سیرتِ رسولِ کریم ﷺ پر اُردو میں لکھی گئی کتابوں ہی کا مطالعہ کیا ہے؟ مجھے شُبہ ہے کہ عربی لفظ ''سیرت'' کے متعدد معانی و مفہوم سے بھی وہ سب آگاہ ہیں! قرآنِ کریم کی سورۂ طٰہٰ کی اکیس ویں آیت میں سیرت کا لفظ بیان ہوا

D:NaatRang-15
File: Khutoot
Final

ہے (سنعیدھا سیر تھاالاولی). یہ واضح ہے کہ ''سیرت'' منانے کے لیے نہیں اپنانے کے لیے ہوتی ہے۔ اُردو میں سیرت کی عربی تمام کتابوں کے تراجم بھی شاید ہی ہوں۔ جناب شبلی نعمانی اور سلیمان ندوی نے ''سیرۃ النبی'' (ﷺ) کے نام سے جو کتاب لکھی، انھی کے مسلک کے جناب اشرف علی تھانوی نے اس پر سخت اعتراض کیے۔ اُردو میں عام سیرت نگاروں نے خود جو کتابیں لکھی ہیں ان میں نعت گوئی کے مذکورہ ان تینوں عناصر کے حوالے سے بے احتیاطی پائی اور بتائی جاتی ہے۔

قرآنِ کریم کی آیت: ''قل انما انا بشر مثلکم'' (فصلت: ۶) پڑھنے والا اگر احادیثِ نبوی میں ''ایکم مثلی'' اور ''لست مثلکم'' اور ''لست کھیئتکم'' کے بیان سے آگاہ نہیں تو وہ میرے بے مثل نبی پاک ﷺ کو کیا جانے گا؟ رسولِ کریم ﷺ کی حقیقت کو ان کے معبودِ کریم جلّ شانہ کے سِوا کوئی جانتا ہی نہیں اور ان کی شان کی کوئی حد ہی نہیں اور کماحقہٗ ان کی مدح و ثنا کسی انسان سے ممکن ہی نہیں۔ قرآن فہمی، حدیث فہمی ہی نہ ہوگی تو سیرت سے پوری واقفیت کیسے ہوگی؟ ''نعت رنگ'' کے ذریعے نظم و نثر میں نعت نگاروں کو احتیاط کا پابند بننے کی جو ترغیب اب تک دی گئی ہے، اللہ کرے وہ بارآور ثابت ہو۔

نظم و نثر میں نعت کہنے والوں کو ضرور چاہیے کہ وہ سیرتِ رسولِ کریم ﷺ پر لکھی گئی مستند کتابوں کا توجہ سے مطالعہ کریں اور خود اپنی فہم کی تائید و تصدیق بھی جب تک حقائق و براہین سے نہ پائیں، اسے بیان نہ کریں۔ اقتباس میں ہے کہ: ''سرورِ کائنات ﷺ کا جو مرتبہ ہے اس کا پاس و لحاظ ہو۔'' اس جملے کو یوں لکھا جانا چاہیے تھا کہ: ''سرورِ کائنات ﷺ کے مرتبے کا پاس و لحاظ ہو۔'' کیوں کہ ''جو مرتبہ ہے'' کے الفاظ تو مرتبہ دان کے لیے ہوسکتے ہیں اور میرے نبی پاک ﷺ کا مرتبہ دان صرف میرا ربّ کریم جلّ شانہ ہے۔ یہ بات تو غالبؔ کا فارسی مشہور شعر پڑھ کر وہ بھی سناتے ہیں جو اس بات کا ''پاس و لحاظ'' نہیں کرتے۔ ہر مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ رسولِ کریم ﷺ کی معمولی سی بے ادبی یا ان کے کسی بے ادب کا پاس و لحاظ بھی نہایت سنگین اور شدید جرم ہے اور اس کا مرتکب دارین میں ہر خیر سے محروم ہوجاتا ہے۔ اس کائنات میں وہ مقدس ہستی میرے پیارے نبی پاک ﷺ کے سوا کوئی اور نہیں جس کی بارگاہ کے آداب بھی خود میرے معبودِ کریم جلّ شانہ نے تعلیم فرمائے ہیں۔ جس مکرم و مطہر رسول کریم ﷺ کی اتباع (پیروی) بندۂ مومن کو محبوبِ الٰہی بنادے، اس رحمۃ للعالمین نبی پاک ﷺ کی عظمتِ شان کو پوری

طرح کون جان سکتا ہے؟ میرے نبی پاک ﷺ کا ادب اور پاس و لحاظ کرنے کی کوشش کرنے والے ہی فضیلتوں، سعادتوں اور برکتوں کے مستحق ہوئے، وہ فاروقِ اعظم، امامِ اعظم اور غوثِ اعظم کہلائے (رضی اللّٰہ عنہم)۔ امام مالک رضی اللّٰہ عنہ، شہرِ رسول، مدینہ منورہ کا کتنا ادب کرتے ہیں، اس کا ذکر ہی رُوح کو بالیدگی اور ایمان کو جلا بخشتا ہے۔ میرے نبی پاک ﷺ کی نسبتوں کا پاس و لحاظ کرنے والوں کا بھی پاس و لحاظ کیا جاتا ہے۔ مرتبے کے پاس ولحاظ کے لیے مرتبے کی آ گہی ضروری ہے اور جب یہ حال ہو کہ مرتبے کی کماحقہ آ گہی ممکن ہی نہ ہو تو اعترافِ عجز ضروری ہے۔ میرے نبی پاک ﷺ کے بیان میں کوئی ایسا لفظ بھی نہیں ہونا چاہیے جو کوئی غلط و منفی معنی بھی رکھتا ہو۔ آدابِ نعت گوئی تو ہمیں قرآن کریم تعلیم فرماتا ہے۔ اصحابِ نبوی کے معمولات سے اس راہ کی ہمیں بہت کچھ معلومات ہوتی ہیں۔

اقتباس میں کہا گیا کہ رسولِ کریم ﷺ کو ان مقامات سے ہرگز وابستہ نہ کیا جائے جن کا سلسلہ شرک سے جا ملتا ہے۔

اس بارے میں عرض ہے کہ نعت نگار ہو یا سیرت نگار، انھیں ''شرک'' کی صحیح تعریف اور اس کی بنیادی باتوں سے آ گہی ہونی چاہیے اور یہ آ گہی حقائق اور ادلّہ شرعیہ کے مطابق ہو۔ علمائے حق اہلِ سنّت و جماعت نے عقائد و نظریات پر جو کتابیں یادگار بنائی ہیں ان کا مطالعہ ضرور کیا جائے۔

فارسی میں اس موضوع پر ''معتمد فی المعتقد'' اور ''تکمیل الایمان'' عمدہ کتب ہیں۔ اوّل الذکر کتاب کو ''تورپشتی'' بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے مصنف امام ابوعبداللّٰہ فضل اللّٰہ التور پشتی علیہ الرحمہ ہیں۔ ثانی الذکر کتاب کے مصنف شیخ محقق حضرت شاہ عبدالحق بن سیف الدین الترک الدہلوی البخاری علیہ الرحمہ ہیں۔ اس کتاب کے اُردو تراجم بھی دست یاب ہیں۔ مکتبہ نبویہ لاہور کے حضرت پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی نے اس کی عمدہ اشاعت کی ہے۔

گزشتہ دو صدیوں میں غیروں کی ایما و امداد سے متعدد ایسی تحریریں منظرِ عام پر آئیں جن میں ملتِ اسلامیہ کو منتشر کرنے کے لیے حقائق کو مسخ کرکے بہت الجھایا گیا۔ جس کے نتیجے میں اس مذموم کھیل کے کچھ کھلاڑی بھی وہی ہوگئے جن کے خلاف یہ کھیل شروع ہُوا تھا۔ اس کھیل نے ضد و تعصب اور بغض و عناد کی وہ آگ بھڑکائی کہ جانے کتنے فرقے اور فتنے رُونما ہوئے۔ اسلامی عقائد و نظریات کے بارے میں وہ باتیں خود کو مسلمان کہلانے والوں نے کہیں جو

D:NaatRang-15
File: Khutoot
Final

کسی غیر مسلم کو کہنے کی جرأت نہیں ہوئی... یہ سازشیں صرف اس لیے کی گئیں کہ اہلِ ایمان کی وحدت و جمعیت پارہ پارہ ہوجائے، وہ آپس ہی میں اتنے الجھ جائیں کہ انھیں علمی عملی کارہائے نمایاں انجام دینے اور دنیا کو زیرنگیں رکھنے کا دماغ ہی نہ رہے۔ تعیش، مراعات اور لہو ولعب کے سرابوں نے حقیقتوں کو اوجھل کردیا، فکر وشعور پر دُھند گہری ہوگئی، تاریکیوں سے ایسا مانوس کر دیا گیا کہ اجالے کھٹکنے لگے۔ دِین و مذہب سے آگہی اور وابستگی کو غیر اہم بتایا گیا... اس مسلسل یلغار نے غفلتوں اور ظلمتوں سے ایسا آشنا کیا کہ علم وعمل صرف تذکروں میں رہ گیا۔ آج ان مسلمانوں کی تعداد کتنی ہے جسے چھ کلمے بھی صحیح اِعراب اور تلفّظ کے ساتھ یاد ہوں ! ایسے میں وہ کتنے ہیں جو صحیح الفاظ میں شرک کی صحیح تعریف بتاسکیں؟ اس ناواقفی اور جہالت سے فائدہ اٹھاکر ظالم سازشیوں نے جھوٹ اتنا پھیلایا کہ اُسے سچ گمان کیا جانے لگا۔ آج کے ''مسلم معاشرے'' میں سچ کہنا اور سُننا کیوں پسند نہیں کیا جاتا؟ ''الحق مرّ''۔ سچ قبول کرنا اس دَور میں سب سے مشکل کام کیوں ہوگیا ہے؟ آج قول وفعل اور فکر وعمل کا تضاد، سچ کو قبول نہ کرنے کے باعث ہی ہے۔

''نعت رنگ'' نے یہی صدا بلند کی ہے کہ وہ بات نظم ونثر میں ہرگز نہ کہی جائے جو میرے معظم ومکرم، مقدس ومطہر، اجمل واکمل اور بے مثل وبے مثال رسول کریم ﷺ کی عظمتِ شان کے منافی ہو۔ مصرعہ کے ظاہری ڈھانچے میں کسی کے نزدیک اگر الف یا ی گرتا ہے تو یہ فکر و نظر اسی کو مبارک، خیال تو یہ رہے کہ الفاظ و انداز اور لہجہ و بیان میں کوئی ایسا جھول یا سقم بھی نہ آنے پائے جو ایمان ہی گرادے۔ مشک وگلاب سے ہزار بار وضو کرکے بھی اس پاک رسول ﷺ کی پاکی کا کماحقہ بیان کون کرسکتا ہے؟ اس عظیم المرتبت اور رفیع الدرجت رسولِ کریم ﷺ کے محامد ومحاسن اور اوصاف وکمالات کے کسی بیان کو ''شرک'' کہنے یا بتانے سے پہلے اسے میزانِ حقائق پر رکھنا ہوگا، فی الواقع شرک کو، ایمان ثابت کرنے کی کوشش اور ادلّہ شرعیہ کے مطابق درست بات کو، شرک ثابت کرنے کا شغل، بلاشبہ مذموم ہوگا، ہر دو کا نتیجہ ایک ہی ہوگا یعنی اس کا مرتکب، خود ایمان سے محروم ہوجائے گا۔ اللّٰہ کریم جلّ شانہ اپنے فضل وکرم سے ہمارا ایمان سلامت رکھے اور ہمیں ہر بے ادبی اور ہر بے ادب سے بچائے، آمین۔

ابوسفیان صاحب لکھتے ہیں: ''مقالے کی ضخامت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے یہ بات تو ممکن ہے کہ ایک لفظ دو چار پانچ بار آجائے لیکن اس سے زیادہ آنے پر قاری کو گرانی محسوس ہونے لگتی ہے اور رعنائی وحسن متاثر ہونے لگتی ہے۔'' (ص ۲۰۵، ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۴)

اصلاحی صاحب نے اس مقالے کی ضخامت کے باوجود ایک لفظ کا پانچ بار سے زیادہ آنا معترضہ بتایا جب کہ خود ان کی چند صفحات پر مشتمل تحریر میں بھی یہ بات ہے، ہوسکتا ہے کوئی لفظ اصلاحی صاحب کے ذوق یا مزاج کے ناموافق اس مقالے میں زیادہ مرتبہ آگیا ہو۔ خود ابوسفیان صاحب نے جناب حمید الدین فراہی کا تذکرہ تکرار سے کیوں کیا ہے؟ اپنی اسی تحریر میں وہ ایک طرف تو یہ لکھتے ہیں: ''ایک تو یہ کہ موضوع کو سامنے رکھتے ہوئے یہاں پر سیرتِ مبارکہ کے ذکر کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی۔ دوسرے سیرتِ پاک سے متعلقہ نثری تصنیف کا ذکر بھی بے جوڑ سا نظر آتا ہے۔ اسی طرح چھٹے باب کی بہت سی چیزوں مثلاً ہندوستان میں اسلام کی اشاعت، ہندوستانی مصنفین کی تصنیف اور شاعری کے باب میں اسلام کا نقطۂ نظر کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔'' (ص ۲۰۴) اور دوسری طرف تکرار سے اپنے فراہی صاحب کی اس موضوع سے غیر متعلق (بزعم خویش) ''غیر معمولی خدمات'' کا ذکر بھی اس مقالے میں نہ ہونے کا شکوہ کرتے ہیں۔

محترم سیّد صبیح رحمانی صاحب! آپ نے ''نعت رنگ'' کے دو شمارے اکٹھے شائع کیے ہیں، صرف ایک شمارے کے کچھ مندرجات کے حوالے سے اتنا لکھ گیا ہوں۔ اس مرتبہ مَیں نے بلاتاخیر لکھا ہے، عید الاضحیٰ کی تعطیلات ہی میں تااِیں سطر لکھ گیا۔ اس لیے بھی کہ جامع مسجد گلزارِ حبیب (ﷺ) کا سو سالہ جشنِ تعمیر ماہ مئی ۲۰۰۳ء میں منایا جارہا ہے اس موقع پر ''الخطیب'' یادگاری مجلّے کا پہلا شمارہ شائع کیا جائے گا، اسے مَیں نے ''عالمی سُنّی ڈائرکٹری'' بنانے کا ارادہ کیا ہے، اس حوالے سے مجھے خاصی محنت کرنی ہے اور ماہِ محرم سے مصروفیات میں بہت اضافہ ہوجائے گا۔ یوں مجھے ان دنوں شاید اتنی مہلت نہ ملے کہ دل جمعی سے لکھ سکوں۔

شمارہ ۱۳ کے آخر میں خطوط ہیں، ان سے پہلے شمارہ ۱۴ کے بارے میں کچھ عرض کردوں۔

''نعت رنگ'' کا شمارہ ۱۴ ضخامت میں تو کم ہے لیکن اس میں شمارہ ۱۳ کی تحریروں سے تفوق نمایاں ہے۔ ص ۷ پر محترم جناب حفیظ تائب کی کہی ہوئی حمد باری تعالیٰ ہے اس کا آخری مصرع ہے:

''دل میں ہے ترا قیام یا عزیز یا سلام''

مجھے لفظ ''قیام'' اللہ کریم جلّ شانہ کے بارے میں محلِ نظر لگا۔ ص ۸ پر جناب امین راحت چغتائی کی کہی ہوئی حمد باری تعالیٰ ہے، یہ شعر ملاحظہ ہو:

''قفس والوں کو بھی یارب عطا ہو شرف انسانی
کہ بے توقیر و بے ایقاں ہوئی ہے قوت ایماں''

قوت کی اضافت، ایمان کے ساتھ ہے۔ ''قوتِ ایمانی'' کیا واقعی بے توقیر و بے ایقاں ہوسکتی ہے؟

محترم صبیح رحمانی صاحب! ''نعت رنگ'' کے ابتدائی صفحات میں کیا آپ نے نعت شریف شامل نہ کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے؟ متقدمین میں سے کسی ایک کی کہی ہوئی منتخب نعت شریف آپ حمد باری تعالیٰ کے بعد ضرور شامل کیا کریں۔ ابتدائیہ میں آپ نے لکھا ہے: ''نعت رنگ'' تاخیر کا شکار ہوتا ہے اور قارئینِ ''نعت رنگ'' کوفت کا۔'' (ص ۱۰)۔ یہ جملہ قابلِ اصلاح ہے۔ ''نعت رنگ'' کے لیے شکار کا لفظ درست نہیں اور ''قارئین'' کے ساتھ کوفت کے بعد ''کا'' کا لفظ درست نہیں۔

ص ۱۱ سے ڈاکٹر سیّد وحید اشرف کچھوچھوی صاحب کی تحریر شروع ہوتی ہے، عنوان ہے: ''اُردو زبان میں نعت گوئی کا فن''۔ ڈاکٹر وحید اشرف صاحب کا نام بھی ''نعت رنگ'' میں پہلی مرتبہ دیکھا ہے۔ ان کی تحریر میں زبان و بیان کی کچھ ان باتوں کا جواب بھی ہے جو ''نعت رنگ'' کے گزشتہ شماروں میں اہلِ قلم نے موضوعِ بحث بنائیں اور کچھ باتیں باندازِ دگر بیان ہوئیں، مجموعی طور پر ان کی تحریر عمدہ ہے اور کچھ باتیں بہت خوب ہیں، تاہم ص ۱۲ پر لکھتے ہیں: ''بارگاہِ نبوت میں ذرا بھی بے ادبی آدمی کے سارے اعمال کو بے کار کرسکتی ہے۔'' اس جملے میں ''کرسکتی'' کے لفظ (شاید) توبہ کی گنجائش کے سبب سے ہیں لیکن بیان تو بے ادبی کے نتیجے کا ہے۔ اس لیے مجھے یہ لفظ محلِ نظر لگے۔ انھوں نے یہ مصرع یوں لکھا ہے: ''نفس گم گشتہ می آید جنید و بایزید ایں جا''

اصل شعر میں ''گم کردہ'' ہے یا ''گم گشتہ''؟

وہ لکھتے ہیں: ''اس لیے ہم یہ تصور نہیں کرسکتے کہ کوئی مسلمان دانستہ بارگاہِ نبوت میں کسی بے ادبی کا مرتکب ہوسکتا ہے۔'' (ص ۱۲)۔ مزید لکھتے ہیں: ''اور کوئی مسلمان ہرگز کوئی بات ایسی کہنا گوارا نہیں کرے گا جس سے سیّدِ عالم ﷺ کی شان میں گستاخی ہوتی ہو۔'' (ص ۱۳)۔ وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ: ''نثر میں ایسی لغزش کم از کم میرے لیے ناقابلِ تصور ہے لیکن شعر میں لغزش کا امکان رہتا ہے۔'' (ص ۱۲)۔ وہ یہ بھی فرماتے ہیں: ''یہ اصول ہے کہ جو چیز نثر میں جائز نہیں وہ شعر میں جائز ہوسکتی ہے۔'' (ص ۲۰، شمارہ ۱۴)

ڈاکٹر وحید اشرف صاحب کا نام بتارہا ہے کہ وہ حضرت مخدوم سیّد اشرف جہاں گیر

سمنانی علیہ الرحمہ کے اخلاف میں سے ہیں اور ان کی تحریر سے عیاں ہے کہ وہ علوم وفنون سے خاصی وابستگی رکھتے ہیں۔ یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ اُردو ادب کی بھی نمائندہ بیش تر شخصیات، دینی مدارس اور خانقاہوں ہی سے وابستہ ہیں، نظم ونثر کے حوالے سے زیادہ تر نمایاں نام انھی کے ہیں۔

ڈاکٹر سیّد وحید اشرف لکھتے ہیں: ''ہم یہ تصور نہیں کرسکتے کہ کوئی مسلمان دانستہ بارگاہِ نبوت میں کسی بے ادبی کا مرتکب ہوسکتا ہے۔''

اس جملے کو واضح کرنا ضروری سمجھتا ہوں، وہ یوں کہ اگر ''مسلمان'' کہلانے والے مراد ہیں تو ڈاکٹر صاحب یہ تصور ہی نہیں، یقین کریں کہ دانستہ بے ادبی کے مجرم پہلے بھی ہوئے اور اب بھی ہیں۔ یہاں پر یہ ضرور کہنا چاہتا ہوں کہ ہر مسلمان کہلانے والا اپنے ایمانی دعوے میں سچا نہیں۔ دِین کی کسی ضروری قطعی ایک بات کا انکار بھی ''کافر'' بنادیتا ہے اور واضح رہے کہ تعظیمِ رسول بلاشبہ ضروریاتِ دِین میں سے ہے۔ ڈاکٹر سیّد وحید اشرف صاحب نے ''مسلمان'' سے مراد اگر فی الواقع اور ہر طرح صحیح العقیدہ شخص لیا ہے، تو ان کی بات درست ہے۔

یہاں یہ بھی عرض کردوں کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کے نزدیک واضح بے ادبی بھی بے ادبی شمار نہیں ہوتی، وہ لفظِ صریح میں بھی تاویل کرنا پسند کرتے اور شخصی لحاظ کو شرعی لحاظ سے اہم جانتے ہیں۔ الفاظ، عرف ومحاورہ میں صریح توہین آمیز ہوں تو ان کی کوئی تاویل قابلِ قبول نہیں ہوگی اور صراحت کے باوجود کوئی تاویل کی جائے گی تو وہ تاویل فاسد ہوگی اور پہلے ہی تحریر کرچکا ہوں کہ اس باب میں نیت کا عذر بھی قبول نہیں ہوتا۔

ڈاکٹر سیّد وحید اشرف صاحب لکھتے ہیں: ''اور کوئی مسلمان ہرگز کوئی بات ایسی کہنا گوارا نہیں کرے گا جس سے سیّد عالم ﷺ کو شان میں گستاخی ہوتی ہو۔'' (ص ۱۲)۔ ڈاکٹر صاحب سے کیا کہوں! گستاخی گوارا نہ کرنا تو کجا، لوگ تو گستاخی کو رواج دینے میں مشغول ہیں اور وہ خود کو نہ صرف ''مسلمان'' کہلاتے ہیں بلکہ خود ہی کو صحیح اور اپنے سوا، دوسروں کو غلط جانتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے: ''نعت میں ایسی فاحش اغلاط کو دیکھ کر جس میں ذم کا پہلو نمایاں ہے خاموش رہنا خود جرم کا مرتکب ہونا ہے۔ اس لیے یہاں ''ٹوک دو گر غلط کہے کوئی'' پر عمل کرنا اپنا فرض بن جاتا ہے۔'' (ص ۳۱) ڈاکٹر صاحب سے عرض ہے کہ ان کا فرمان بالکل بجا ہے مگر منظوم ومنثور نعت میں جہاں کہیں ذم کا پہلو ہو، یا نامناسب الفاظ و انداز اور منفی لہجہ و بیان ہو، یا گستاخی و بے ادبی ہو، یا گستاخ و بے ادب کے لیے مدح وتوقیر ہو، تو اعتراض کرنا آپ تو

فرض بتا رہے ہیں لیکن کچھ لوگ اسے دل آزاری اور مسلکی اجارہ داری قرار دیتے ہیں، ایسے لوگوں کو ایسے موقع پر رواداری اور عفو و درگزر کی خوبیاں بیان کرنا تو آتا ہے لیکن وہ کیوں نہیں دیکھتے کہ وہ مجرم کی حمایت ہی کا نہیں، اس طرح دین میں مداخلت کا جرم بھی کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو اپنے خانگی و معاشرتی امور و احوال میں قطع رحمی اور حق تلفی کرتے ہوئے رواداری وغیرہ کے سبق یاد نہیں رہتے۔ غلطی کی نشان دہی کو غلطی اور جرم سمجھا جائے اور اصلاح پر تشکر کی بجائے تنفر پسند کیا جائے تو دانش وری نہیں، نفس پروری ہوگی۔

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں: ''نثر میں ایسی لغزش کم از کم میرے لیے ناقابلِ تصور ہے لیکن شعر میں لغزش کا امکان رہتا ہے۔'' (ص۱۲)

ڈاکٹر صاحب کے اس جملے میں ''میرے لیے'' کے لفظ کس مفہوم میں لکھے گئے ہیں؟ یہ دو طرح سمجھے جاسکتے ہیں۔ ڈاکٹر سیّد وحید اشرف صاحب یا تو یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ: ''کم از کم ان کی نثر میں لغزش ناقابلِ تصور ہے۔'' یا وہ یہ فرما رہے ہیں کہ: ''کم از کم ان کے نزدیک نثر میں ایسی لغزش ناقابلِ تصور ہے۔'' ڈاکٹر صاحب سے عرض ہے کہ متعدد ایسی نثری تحریریں نہ صرف موجود ہیں بلکہ ان کے قائل اور قابل (ماننے اور قبول کرنے والے) بھی ہیں اور انھیں درست ثابت کرنے ہی کا وظیفہ اپنائے ہوئے ہیں۔ جہاں تک لغزش کے ''امکان'' کی بات ہے وہ شعر میں زیادہ ہوتا ہے تاہم نثر میں بھی ایسی لغزش ناقابلِ تصور نہیں۔

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں: ''یہ اصول ہے کہ جو چیز نثر میں جائز نہیں وہ شعر میں جائز ہوسکتی ہے۔'' (ص۲۰)

ڈاکٹر سیّد وحید اشرف صاحب نے اس جملے میں جو کچھ فرمایا ہے وہ محلِ نظر ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ یہ کوئی شرعی اصول نہیں اور نہ ہی اسے شرعی بات کہا جاسکتا ہے۔ مزید یہ کہ اگر یہ زبان و بیان کا بھی کوئی اصول ہے تو اس کی سند کیا ہے؟ ''جو چیز'' کے الفاظ کے ساتھ زبان و بیان میں بھی اس جملے کو کوئی اصول کہنا درست نہیں۔ مجھے اعتراف ہے کہ کچھ باتیں جس انداز سے اشعار میں کہہ دی جاتی ہیں انھیں نثر میں گوارا نہیں کیا جاتا، لیکن غلط بات یا ناجائز چیز کو جائز اور صحیح کہنا کیسے جائز ہوگا؟ علاوہ ازیں کیا اس طرح یہ تأثر نہیں ہوگا کہ ''منظوم کلام'' میں ''سب جائز'' ہونا، ضروری نہیں؟ جب کہ دین و ایمان کے باب میں نظم و نثر کی رعایت کیسی؟

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں: ''کم علموں سے لغزشوں کی مثالیں پیش کرنا بے سود ہے،

کیوں کہ ان سے لغزشیں ہونا یقینی ہی ہے۔'' (ص ۱۳)

کم علم سے لغزشیں ہونا یقینی ہے اور ثقہ و جید علما سے لغزش ہوجانا خالی از امکان نہیں، لکلّ جوادٍ کبوۃٌ (ہر مشاق گھوڑا بھی ٹھوکر کھا جاتا ہے) تاہم کچھ لوگ وہ بھی ہوتے ہیں جن کی حفاظت ہوتی ہے یعنی وہ معصوم تو نہیں مگر محفوظ ہوتے ہیں، کم علم کی لغزش ہی سے اہلِ علم بھی مزید احتیاط سیکھتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے نثر و نظم میں جائز و ناجائز کا بیان کرتے ہوئے حضرت امیر خسرو علیہ الرحمہ کے مشہور فارسی شعر پر تبصرہ و تنقید میں یہ بھی لکھا کہ: ''یہ کہنا کہ مَیں نے دنیا میں چھان مارا اور بہت جستجو کی کہ آپ (ﷺ) جیسا کہیں مل جائے مگر کہیں نہ ملا۔ ایک مسلمان کے ایمان کے خلاف بات ہے۔ کیوں کہ ہر مسلمان کا یہ ایمان ہے کہ سیّدِ عالم ﷺ جیسا کوئی بھی صفاتِ حسنہ میں نہیں ہوسکتا... مسلمان کا جب یہ ایمان پہلے ہی سے ہے تو اب آپ کے کسی ہم سَر کی تلاش میں کوچہ کوچہ پھرنا اس ایمان میں شک کے مترادف ہے۔'' (ص ۱۴)

ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں عرض ہے کہ اپنے یہ الفاظ وہ توجہ سے ملاحظہ فرمائیں اور مجھے بتائیں کہ یہ الفاظ بعینہ اور بلفظہ کس نے کہے ہیں؟ یہ کہنا کہ ''مَیں نے دنیا میں چھان مارا اور بہت جستجو کی کہ آپ (ﷺ) جیسا کہیں مل جائے مگر کہیں نہ ملا۔'' ڈاکٹر صاحب نے حضرت امیر خسرو علیہ الرحمہ کے فارسی شعر کے علاوہ ایک صاحب کا اُردو شعر نقل فرمایا ہے۔ مجھے دونوں شعروں میں جو بات نظر آئی وہ اس سے مختلف ہے، جو کہ ڈاکٹر صاحب نے فرمائی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے لکھا کہ: ''بہت جستجو کی کہ آپ جیسا کہیں مل جائے۔'' وہ بتائیں یہ بہت جستجو کس نے کی کہ آپ ﷺ سا کہیں مل جائے اور ان کے ہم سر کی تلاش ہی میں کوچہ کوچہ کون پھرا؟

اس باب میں اصحابِ نبوی رضوان اللّٰہ علیہم اجمعین میں سے جن ہستیوں کے ارشادات ہمیں پڑھنے سُننے کو ملے ہیں، ان میں بھی یہی ہے کہ نبی کریم ﷺ سا (ان کی مثل) ان سے پہلے اور ان کے بعد کوئی نہیں دیکھا گیا۔ ان اصحابِ نبوی (رضی اللّٰہ عنہم) نے از اوّل تا آخر، سب کو نہیں دیکھا تھا لیکن نبی کریم ﷺ کے احسن و اجمل اور بے مثل و بے مثال ہونے کے بیان میں یہ روایات بھی پیش کی جاتی ہیں۔ یہ روایات، شاعرانہ تخیل نہیں ہیں، ڈاکٹر صاحب فرمائیں کہ کیا انھیں بھی وہ مبالغہ یا ''خلافِ واقعہ'' فرمائیں گے؟ ان روایات کے نتیجے کو کوئی بھی خلافِ واقعہ نہیں کہہ سکتا، اس صورت میں یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ ''خلافِ واقعہ'' بات سے ایمان

D:NaatRang-15
File: Khutoot
Final

اور ''سچ'' کیسے ثابت کیا جارہا ہے؟

ڈاکٹر سیّد وحید اشرف صاحب کی توجہ اس روایت کی طرف بھی چاہوں گا:

طبرانی، دلائل النبوۃ بیھقی، ص ۱۷۶/۱، ''خصائص کبریٰ''، ص ۳۸/۱، ''ذخائر العقبیٰ''، ص۱۴، ''کنزالعمال'' ۳۱۹۱۰، ص ۱۸۴/۱۱، ''سبل الہدیٰ والرشاد''، ص ۲۳۶/۱، ''رسائل تسع سیوطی''، ص۳۴ میں ہے:

''اُم المومنین حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللّٰہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے جبریلِ امین (علیہ السلام) نے عرض کی کہ مَیں نے زمین کے مشرق و مغرب کھنگال ڈالے مگر کوئی شخص، حضرت سیّدنا محمد ﷺ کے مثل اور ان سے افضل نہ پایا، نہ کوئی خاندان بنی ہاشم سے بہتر پایا''... جناب اشرف علی تھانوی اپنی کتاب ''نشر الطیب'' کے ص ۱۰ پر یہی روایت نقل کر کے لکھتے ہیں: ''شیخ الاسلام حافظ ابنِ حجر کہتے ہیں کہ آثار صحت کے اس متن کے صفحات پر نمایاں ہیں (کذافی المواہب)۔ ف، حضرت جبریل علیہ السلام کے اس قول کا اس شعر میں گویا ترجمہ کیا گیا ہے:

آفاق ہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیز دیگری''

اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی علیہ الرحمہ نے اس روایت کی یوں ترجمانی فرمائی:

یہی بولے سدرہ والے چمنِ جہاں کے تھالے
سبھی میں نے چھان ڈالے ترے پائے کا نہ پایا
تجھے یک نے یک بنایا

حضور نبی کریم ﷺ کے ہم سَر یا ان کے مثل کی تلاش اور جستجو میں نہ تو حضرت امیر خسرو پھرے نہ کوئی اور مسلمان شاعر و ادیب، البتہ مذکورہ بالا روایت میں حضرت جبریل علیہ السلام کا ارشاد قابلِ توجہ ہے۔ ڈاکٹر سیّد وحید اشرف صاحب فرمائیں کہ کیا حضرت جبریل امین کو کوئی شک تھا؟

''نعت رنگ'' کے قارئین و ناقدین کو کسی منفی خیال و گمان سے بچانے کے لیے اس کا جواب ایک روایت سے پیش کرتا ہوں۔

''کنز العمال'' ۳۴۰۹۶، ص ۳۹/۱، ''سبل الہدیٰ والرشاد''، ص ۲۳۶/۱۔ ''سیرۃ حلبیہ''،

ص۴۳/۱ میں ہے:

"رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا کہ جبریلِ امین (علیہ السلام) نے حاضر ہوکر کہا کہ اللّٰہ تعالیٰ عزوجل نے مجھے بھیجا، مَیں زمین کے مشرق ومغرب، نرم وسخت (وادیوں اور پہاڑوں) ہر حصے میں پھرا، کوئی گروہ عرب سے بہتر نہ پایا پھر اس نے مجھے حکم دیا تو مَیں نے تمام عرب کا دَورہ کیا تو کوئی قبیلہ مضر سے بہتر نہ پایا، پھر حکم فرمایا، مَیں نے مضر کی تفتیش کی تو ان میں کنانہ سے بہتر نہ پایا پھر حکم دیا، مَیں نے کنانہ میں گشت کیا تو کوئی قبیلہ قریش سے بہتر نہ پایا، پھر حکم دیا، مَیں قریش میں پھرا، کوئی خاندان بنی ہاشم سے بہتر نہ پایا، پھر حکم دیا، مَیں سب سے بہتر جان تلاش کروں تو کوئی جان حضور نبی کریم ﷺ سے بہتر نہ پائی۔ (رواہ الامام الحکیم، دیلمی عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہ)

اس روایت سے واضح ہُوا کہ حضرت جبریلِ امین علیہ السلام نے اللّٰہ کریم جل شانہ کے حکم سے یہ تلاش کی۔ اللّٰہ تعالیٰ نے یہ حکم کیوں فرمایا؟ اس سے کیسے پوچھا جائے۔ قرآنِ کریم میں ہے: **لایسئل عما یفعل وھم یسئلون** (الانبیاء: ۲۳)، (اُس (اللّٰہ) سے نہیں پوچھا جاتا جو وہ کرے اور ان سب (لوگوں) سے سوال ہوگا)

کوئی انسان تو دنیا کو کیا چھانتا اور کھنگالتا، فرشتوں کے سردار حضرت جبریلِ امین علیہ السلام نے بحکم الٰہی یہ کام کیا تاکہ بنی نوع انسان جان لے کہ مخلوقات میں میرے پیارے نبی کریم ﷺ کے مثل کوئی ہے ہی نہیں اور ہوسکتا بھی نہیں اور یہ گواہی اس ہستی کی ہے جس کے بارے میں شک وشبہ نہیں ہوسکتا۔

ڈاکٹر صاحب سے سوال یہ ہے کہ: اگر کوئی یہ بیان کرتا ہے کہ وہ دنیا میں خوب گھوما پھرا اور نبی پاک ﷺ سا کوئی نہیں دیکھا تو اسے خلافِ واقعہ کیسے کہا جائے؟ گزشتہ ہزاریے (ملے نیم) کے حوالے سے انٹرنیٹ میں بھی میرے نبی کریم ﷺ کو سب سے بہترین شخصیت اور ہستی مانا گیا ہے۔ مائک ہارٹ کی کتاب (سو عظیم شخصیات) میں بھی سرفہرست ہستی میرے نبی پاک ﷺ کی تسلیم کی گئی۔ ان لوگوں کی یہ گواہی بھی بتاتی ہے کہ اس مقدس ومطہر رسولِ کریم ﷺ کا تذکرہ ہی جب اتنا جمیل ہے تو خود اس ہستی کے حُسن و جمال اور فضل وکمال کی شان کا اندازہ کیا جائے۔

دنیا گھومنے پھرنے والوں نے یہ کب اور کہاں کہا ہے کہ انھوں نے کسی ہم سر کی تلاش میں بہت جستجو کی؟ علاوہ ازیں یقین کے درجات اور اطمینانِ قلب کے حوالے سے جو کہا

پوچھا جاتا ہے، کیا وہ بھی کسی ''شک'' کے باعث ہوتا ہے؟

ڈاکٹر صاحب ہرگز یہ گمان نہ کریں کہ مَیں کسی خلافِ واقعہ بات کو نعت شریف میں راہ دینے کی حمایت کررہا ہوں۔ اس مختصر وضاحت کے باوجود ڈاکٹر سیّد وحید اشرف صاحب سے یہی عرض ہے کہ مَیں کہیں غلطی کررہا ہوں تو وہ ضرور اصلاح فرمادیں۔

پروفیسر اقبال جاوید صاحب سے عرض ہے کہ وہ ڈاکٹر سیّد وحید اشرف صاحب کے یہ جملے ملاحظہ فرمائیں: ''مثل اور مثال میں فرق ہے۔ مثل قرار دینے میں مشبہ بہ کا رتبہ مشبہ سے افضل ہوگا۔'' (ص ۱۳)

''تو، تم، تیرا'' کے حوالے سے ڈاکٹر سیّد وحید اشرف صاحب نے جو وضاحت تحریر کی ہے، اس سے اتفاق یا اختلاف، ہر دو صورت میں ماہرینِ لسانیات بھی ضرور لکھیں تا کہ ''نعت رنگ'' میں یہ مسئلہ حل ہوجائے۔

ڈاکٹر صاحب نے علی احمد جلیلی کے حوالے سے لکھا ہے: ''کہ انھوں نے کہا کہ نعت پر ہندی زبان کا اثر بھی بہت رہا ہے۔'' اس جملے میں ''نعت پر'' کے الفاظ مجھے محلِ نظر لگتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب آیات و احادیث کا ترجمہ ''یعنی'' کے لفظ سے شروع کرتے ہیں، شاید یہ ان کی عادت ہو۔

وہ لکھتے ہیں: ''اور اصول تو ہمارے محاورہ کی بنا پر بنتے ہیں۔'' (ص ۱۵) ڈاکٹر صاحب نے ''زبان'' کے اصول وقواعد کے بارے میں یہ بات لکھی ہے، ص ۳۲ پر وہ لکھتے ہیں: ''کیوں کہ زبان و بیان کے اصول ہمارے پابند نہیں بلکہ ہم ان اصولوں کے پابند ہیں...'' ص ۱۵ پر انھوں نے فرمایا: ''ہماری زبان کی ساخت و پرداخت انھیں اصولوں پر ہوئی ہے۔ اور زبان بن جانے کے بعد یہ اصول مرتب ہورہے ہیں۔''۔ ڈاکٹر صاحب کی ان باتوں میں کچھ تفاوت ہے اور مجھے بلفظہ انھیں ماننے میں کچھ تامل ہے۔

ص ۲۰ پر انھوں نے لکھا: ''ذوقؔ کے قصائد پر بھی راقم متعدد مضامین لکھ چکے ہیں۔'' اس جملے میں ''راقم'' کی بجائے ''ہم'' کا لفظ ہوتا تو جملہ درست ہوتا۔

ص ۲۶ پر لکھتے ہیں: ''حدیث میں آیا ہے کہ رسولِ کریم ﷺ کے نام پر دُرود نہ پڑھنے والے پر لعنت ہے۔'' انھی الفاظ میں اگر کوئی حدیث ہے؟ تو ڈاکٹر صاحب نے اُس حدیث کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔

ڈاکٹر سیّد وحید اشرف صاحب لکھتے ہیں: ''زبان کے استعمال میں ہمارے لیے سند قدما اور بزرگ شعرا ہیں لیکن اللّٰہ تعالیٰ کے لیے آپ اور تم کا استعمال کسی طرح جائز نہیں۔'' (ص ۲۰)

ص ۲۵ پر ڈاکٹر صاحب پھر لکھتے ہیں: ''خدا کے لیے آپ یا تم کا استعمال کرنا کسی طرح جائز نہیں کیوں کہ یہ دونوں ضمیریں فعل جمع چاہتی ہیں۔ بندہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ خدا کو واحد کے صیغے میں خطاب کرے۔''

اس سے پہلے وہ اپنی اسی تحریر میں ص ۱۷ پر یہ لکھ چکے ہیں: ''اُردو شاعری میں ہمارے قدما سے لے کر آج تک سب ہی شعرا بشمول صوفی شعرا نے بھی اللّٰہ تعالیٰ کے لیے تو، تیرا، تیرے، استعمال کیا ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ اللّٰہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں فرد ہے۔ اس فردیت کا اظہار بہ کثرت رائج ہے۔ اس لیے مثالوں کی ضرورت نہیں۔''

اس کے فوراً بعد یہ پیراگراف ہے: ''اس کے لیے قدما اور بزرگ شعراء سے بھی مثالیں نہیں پیش کی جاسکتیں۔ موجودہ دَور میں اگر کوئی بزرگ شخصیت بھی اس اصول کے خلاف روش اختیار کرے تو اسے سند کے طور پر نہیں پیش کیا جاسکتا۔''

''نعت رنگ'' شمارہ ۱۴ کے ص ۱۷ پر اوپر تلے درج (مذکورہ بالا) یہ دونوں پیراگراف بغور دیکھیے تو دوسرے پیراگراف نے الجھادیا اور مَیں نہیں سمجھ سکا کہ اس پیراگراف میں ''اس کے لیے'' سے کیا مراد ہے؟ علاوہ ازیں کہیں لفظی اور کہیں معنوی تضاد کیوں ہیں؟

ڈاکٹر صاحب کے یہ مشورے نعت نگاروں کے لیے نہایت مفید ہیں: ''نعت لکھنے میں ہر وقت اپنے حدود کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔'' (ص ۲۷)

''لیکن نعت لکھتے وقت ہر فرد کو اپنی حدود کا احساس کرلینا چاہیے اگر ہر شاعر اس بات کا لحاظ رکھے اور اپنی حد سے تجاوز نہ کرے تو اس محتاط رویے کی بنا پر نعت لکھنے میں یقیناً اس سے غلطیوں کا امکان کم سے کم ہوجائے گا۔ اور کم از کم وہ معنوی غلطیوں سے تو بچ سکے گا۔'' (ص ۲۸)

''نعت لکھنے کا جب تک سلیقہ نہ ہو اور زبان وقلم پر جب تک قدرت نہ ہو اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ شاعر اپنے حدود پر اگر خود نظر نہ رکھ سکے تو اس کو اس کی جرأت نہ کرنا چاہیے۔ جدیدیت پسند شاعروں سے بھی گزارش ہے کہ وہ نعت اور مذہبی موضوعات پر اس کو نہ آزمائیں، شاعری کا بڑا میدان سامنے ہے۔ دوسرے موضوعات پر جو چاہیں لکھیں... نعت لکھنے

سے پہلے کم از کم قرآن سے سورۂ حجرات کا ترجمہ پڑھ لیں تاکہ معلوم ہوجائے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے محبوب کے ادب کی کیا تعلیم دی ہے...'' (ص ۳۹)

''شاعر دوسروں کو زبان عطا کرتا ہے یعنی غیر شاعر کے دل کی بات کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ مَیں نے جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے۔ مسلمان کے لیے رسول سے محبت فرض ہے۔ کتنا ہی بے عمل انسان ہو لیکن اپنے آقا و مولیٰ رؤف الرحیم کے نام کو سنتے ہی اس کا دل تعظیم سے جھک جاتا ہے۔ اس کے اندر بھی محبت کا جذبہ کبھی نہ کبھی ضرور پیدا ہوتا ہے۔ لیکن وہ اسے اپنے الفاظ میں ادا نہیں کرسکتا۔ ایسی حالت میں یہ صورت بہت اچھی ہے کہ وہ دوسرے اچھے شاعروں کے نعتیہ اشعار پڑھ کر اور سن کر اپنے جذبے کی تسکین کا سامان فراہم کرلے۔ ورنہ بزعم خود اگر اُسے دعوائے شاعری ہو اور نعت کے آداب سے بے خبر ہو یا زبان و بیان کے محاسن و معائب پر نظر نہ رکھتا ہو اور فصاحت و بلاغت کے معانی سے بے خبر ہو تو اس پر علامہ جلال الدین دوّانی کا یہ شعر صادق آئے گا:

آں کس کہ نداند و بداند کہ بداند
در جہل مرکب ابدالدہر بماند''
(شمارہ۱۴،ص۳۹،۴۰)

''نعت رنگ'' شمارہ ۱۴ کے ص ۴۱ سے جناب ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتح پوری کی تحریر شروع ہوتی ہے، عنوان ہے: ''نعت کا ادبی مقام'' وہ بھی لکھتے ہیں: ''نعت گوئی ایک مشکل فریضہ ہے، جس سے عہدہ برآ ہونا بغیر علمی لیاقت اور بغیر منبع نعت سے والہانہ عقیدت اور پرخلوص عشق کے ناممکن ہے، جس شخص کے سویدائے قلب میں رسولِ اکرم ﷺ کا سچا عشق اور سچی وارفتگی نہ ہو اور جس کی معلومات دِینی کا دائرہ وسیع نہ ہو اس کو نعت گوئی کے بحرِ ناپیدا کنار میں شناوری کا کوئی حق نہیں ہے۔ یہ بحر ناپیدا کنار بہت پُر خطر ہے جس کو صحیح و سالم عبور کرنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں ہے۔'' (شمارہ،۱۴،ص۴۴)

پروفیسر اقبال جاوید صاحب یہ بھی ملاحظہ فرمائیں، ڈاکٹر آزاد لکھتے ہیں: ''نبی مصطفیٰ ﷺ کا مرتبہ اتنا عظیم اور اس قدر رفیع و جلیل ہے کہ اس کائنات کی کوئی شے اس قابل نہیں ہے کہ وہ آپ ﷺ کے لیے مشبہ بہ یا مستعار منہ بن سکے۔'' (ص ۴۵)

ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد لکھتے ہیں: ''اللّٰہ پاک کو آپ ﷺ کے مرتبہ کی عظمت و فخامت کا

اس قدر پاس ہے کہ جب کبھی کسی نے آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس کی بابت کوئی نازیبا بات کی ہے تو اللّٰہ پاک نے اس سے زبردست انتقام لیا ہے۔ ابولہب کی بابت ایک پوری سورہ، سورۂ لہب کے نام سے نازل ہوئی جس میں ابولہب اور اس کی بیوی اُمِ جمیل کی ہلاکت کی بات سخت الفاظ میں کئی گئی ہے۔ ولید بن مغیرہ نے نبی اُمی ﷺ کا مذاق اُڑایا تو اللّٰہ پاک نے سورۂ القلم میں اس کی نو برائیاں گنوائیں جن میں ایک یہ بھی ہے کہ وہ حرام زادہ ہے۔"

(شمارہ ۱۴، ص ۴۵)

ص ۴۶ پر لکھتے ہیں: "نبی اکرم ﷺ کی اہانت کرنے والا لائق گردن زدنی ہے۔ تاریخ عالم گواہ ہے کہ جس نے بھی محبوب ربّ العالمین کے لیے نازیبا الفاظ استعمال کیے وہ اسی دنیا میں ہلاک ہوکر عبرت ناک انجام کو پہنچا۔"

سورہ القلم میں ولید بن مغیرہ کی دس برائیوں کا ذکر کیا ہے۔ چناں چہ جناب اشرف علی تھانوی اپنی کتاب "زاد السعید" (مطبوعہ مطبع انتظامی، کان پور، ۱۳۲۲ھ) کے ص ۱۱ پر لکھتے ہیں:

"... چناں چہ ولید بن مغیرہ کے حق میں اللہ تعالیٰ نے بہ سرائے استہزا یہ دس کلمات ارشاد فرمائے۔"

ڈاکٹر آزاد صاحب نے ص ۴۷ پر حضرت حسان ابن ثابت رضی اللّٰہ عنہ کے دو اشعار نقل کیے ہیں:

تعا لیت رب الناس عن قول من دعا

سواک الھا انت اعلی و امجد

لک الخلق والنعماء والامر کله

فایاک نستھدی و ایاک نعبد

ڈاکٹر صاحب نے ان اشعار کا ترجمہ کرتے ہوئے واضح کردیا کہ وہ کتنے عربی داں ہیں۔ چناں چہ ملاحظہ ہو:

"ترجمہ: سارے عالم کے رب! تیری شان اس شخص کے قول سے بڑی ہے جو تیرے علاوہ کو پکارتا ہے۔ تو بہت بلند اور عظمت و رفعت والا ہے۔ حیات آفرینی نفع رسانی اور حکمرانی صرف تیرے لیے ہے۔ ہم تجھ سے مدد چاہتے ہیں اور تیری ہی عبادت کرنے والے ہیں۔" (شمارہ ۱۴، ص ۴۸)

D:NaatRang-15
File: Khutoot
Final

اپنے ترجمے کے فوراً بعد ڈاکٹر صاحب رقم طراز ہیں: "اشعار مرقومہ سے یہ بات منکشف ہوتی ہے کہ رتبۂ نبی کے اوپر رتبۂ اللّٰہ ہے۔ دونوں کو ایک کردینا شرک فی الصفت ہے جو

قطعی طور پر ناروا ہے۔ ایسی نعتیہ کاوش شرعی نگاہ میں قابلِ گرفت ہے جس میں نبی اُمی ﷺ کی ذاتِ گرامی ''قاب قوسین او ادنیٰ'' کی حد بندی توڑ کر الوہیت میں مدغم ہوجائے۔

ڈاکٹر آزاد صاحب نے لکھا کہ: ''دونوں کو ایک کردینا شرک فی الصفت ہے۔'' ڈاکٹر صاحب بتائیں کہ ''دونوں کو ایک'' کس نے اور کہاں کیا ہے؟ اور کس نے اسے روا جانا ہے؟

''شرک فی الصفت'' کی ''تعریف'' بھی ڈاکٹر صاحب ضرور بتائیں اور تعریف لکھتے ہوئے اپنی بیان کی ہوئی بات نہ بھولیں: ''جامعیت و مانعیت تعریف کے لازمی اجزا ہیں۔'' (ص۴۳)

ڈاکٹر صاحب ''شرک فی الصفت'' کی تعریف اگر یہ کرتے ہیں کہ ''دو ذاتوں کو ایک صفت میں شریک سمجھنا'' تو وہ ملاحظہ فرمائیں:

''اللّٰہ کا وجود ہے اور انسان کا بھی وجود ہے۔ یعنی (ہونے میں) دونوں کو شریک کہنا پڑے گا۔ اللّٰہ سبحانہ سنتا ہے، انسان بھی سنتا ہے۔ اللّٰہ سبحانہ دیکھتا ہے انسان بھی دیکھتا ہے۔ اللّٰہ سبحانہ علم والا ہے اور انسان بھی عالم ہوتے ہیں۔ اللّٰہ مختار ہے اور انسان بھی اپنے ارادہ و اختیار سے کام کرتا ہے۔ اللّٰہ تعالیٰ پاک ہے اور انسان خود کو، کپڑوں کو، غذاؤں، برتنوں اور جگہ کو پاک کہتا ہے، ایسی کتنی ہی مثالیں ہیں۔ اگر ان کے نزدیک دو ذاتوں کا محض ایک صفت یا معاملے میں شریک ہونا ہی ہے تو پھر ان کو چاہیے کہ اپنا وجود، تیغِ عدم سے نیست و نابود کردیں۔ اپنے کانوں میں اُبلتا ہُوا تارکول ڈال کر شرکِ سماعت سے آزاد ہوجائیں۔ اپنی آنکھوں میں تپتی ہوئی سلاخیں پھیر کر اللّٰہ کی صفتِ بصیر کے اشتراک سے باہر نکلیں۔ دماغ پر ہتھوڑا مار کر مادۂ شعور کو زائل کرکے جاہل بن جائیں۔ خود کو غلاظت و خباثت اور ہر نجاست سے آراستہ و پیراستہ کرکے ہر پاکی سے دور ہوں...

ہم اہلِ سنّت و جماعت کا قرآن و سنّت کے مطابق یہ پکا اور پختہ عقیدہ ہے کہ وجودِ حقیقی دراصل اللّٰہ سبحانہ کی شان ہے۔ سننا، دیکھنا، علم و اختیار، ذاتی اور حقیقی طور پر اللّٰہ سبحانہ کی صفات ہیں۔ اللّٰہ سبحانہ ہی ہر شے کا حقیقی خالق و مالک ہے اور اس نے اپنی کچھ صفات اپنی بعض مخلوق کو بھی عطا فرمائی ہیں۔ اگر اللّٰہ سبحانہ اپنی کچھ خاص مخلوق، انبیا و اولیا کو، عام مخلوق کی نسبت اپنی کچھ صفات بدرجۂ کمال عطا فرمادے، تو اس کا انکار کیوں کر کیا جاسکتا ہے؟ اللّٰہ سبحانہ نے اپنی کچھ صفات کا اپنی مخلوق کو مظہر بنایا ہے اور اپنی بارگاہ کے مقبول بندوں اور اپنے پیاروں کو عام

مخلوق کی نسبت، ان صفات کے کمال سے جس قدر زیادہ نوازا ہے، اس کا کسی قدر صحیح اندازہ بھی وہی کرسکتا ہے جس پر اللّٰہ کی خاص نوازش ہوئی ہو، ورنہ عام مخلوق تو اپنی بساط کے مطابق ہی خیال کرے گی کہ جس قدر میرے پاس ہے، اسی قدر خاصانِ خدا کے پاس ہوگا، حالاں کہ ایسا نہیں ہے، بلکہ مقبولانِ الٰہی پر قدرت کی بے پناہ خصوصی نوازشات، قرآن وسنّت سے ثابت ہیں اور حضورِ اکرم ﷺ، تو اللّٰہ سبحانہ کی ذات وصفات کے مظہرِ کامل، فخرِ موجودات، اصلِ کائنات اور اللّٰہ کے محبوبِ اعلیٰ ہیں، ان کی شان کی عظمت ورفعت کا کیا ٹھکانہ!

حدیثِ قدسی ہے، اللّٰہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''میرا بندہ نوافل کی کثرت سے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ مَیں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں، پھر اس کی سمع مَیں بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی بصر مَیں ہوجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کے ہاتھ مَیں بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے، اس کے پاؤں مَیں ہوجاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے، اس کی زبان مَیں ہوجاتا ہوں جس سے وہ کلام کرتا ہے، اگر وہ مجھ سے مانگے تو مَیں ضرور اسے عطا کرتا ہوں۔'' (بخاری شریف)

اس حدیثِ قدسی کی شرح میں امام رازی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ وہ بندہ جو محبوبِ الٰہی بن جاتا ہے، پھر اس کی شان کا یہ احوال ہوتا ہے کہ وہ دُور ونزدیک، دیکھتا سنتا اور تصرف کرتا ہے۔ کیوں کہ فرمانِ الٰہی کے مطابق اس بندے کی صفات میں اللّٰہ کی خاص قوت کارفرما ہوجاتی ہے، یعنی وہ بندہ اللّٰہ تعالیٰ کی ان صفات کا خصوصی مظہر ہوجاتا ہے۔ چناں چہ اس فرمانِ الٰہی پر یقین وایمان رکھتے ہوئے ہم اہلِ سنّت وجماعت یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللّٰہ کے انبیا و اولیاء، بلاشبہ اللّٰہ سبحانہ کی عطا سے رُوحانی قوتوں اور خصوصی طاقتوں والے ہوتے ہیں اور اللّٰہ کی دی ہوئی قوتوں اور اختیارات سے مخلوق کی مدد کرتے ہیں۔

ڈاکٹر آزاد صاحب شاید جانتے ہوں کہ اگر حقیقی معنی مراد نہ لیے جائیں تو صرف لفظوں کے اطلاق سے برابری لازم نہیں آتی۔ یہ بھی یاد رہے کہ وہ شعرا و ادبا جو دینی علوم و معارف سے بہرہ ور نہیں ہیں انھیں عقائد و ایمانیات کے باب میں محض اپنی فہم کی بنیاد پر لب کشائی یا خامہ فرسائی نہیں کرنی چاہیے۔ بخاری شریف، کتاب المغازی میں حدیث شریف ہے کہ رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اپنی امت سے شرک کا خوف نہیں، ہاں اس بات کا اندیشہ ہے کہ وہ دنیا کی زیادہ رغبت رکھنے لگ جائے گی۔ اس ارشادِ نبوی کے برعکس آج ''شرک'' کے

D:NaatRang-15
File: Khutoot
Final

فتوے یوں برسائے جاتے ہیں جیسے ہر طرف شرک ہی کا دور دورہ ہو۔

ڈاکٹر آزاد لکھتے ہیں: ''حالی اپنی اصلاحی کاوشوں کی پتوار کے ساتھ نعت کے سفینہ کے لیے ناخدا بن کر وارد ہوئے۔ اور انھوں نے تصنع، مبالغہ آرائی اور افراط وتفریط کی دلدل میں پھنسی کشتی کو نکال کر اسے صحیح راستہ پر لگادیا۔ انھوں نے لفظ سے زیادہ معنی پر زور دیا چوں کہ عام و خاص سبھی مخاطب تھے اس لیے ماضی الضمیر کا اظہار صاف، سادہ اور عام فہم زبان میں کیا گیا اور غیر معتدل و غیر متوازن مضامین، بے جا رسوم، غلط معتقدات و مرعوبات یک قلم ترک کر دیے گئے۔ (شمارہ ۱۴، ص ۶۲)

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں: ''متقدمین و متوسطین شعرائے نعت نے اس صنف میں بہت سے مصائب و نقائص شامل کردیے تھے جو منبع نعت کے منشا کے خلاف تھے۔ انھوں نے پیغمبر اسلام کے لیے عاشقانہ الفاظ استعمال کیے۔ معانی سے زیادہ الفاظ پر زور دیا۔ معجزات کے بیان میں مستند اور غیر مستند کے فرق کو ملحوظ خاطر نہیں رکھا اور بہت سے ایسے معجزات نظم کردیے جو فرضی اور موضوع تھے۔ انھوں نے صحیح واقعات اور مستند روایات کی صورت بھی مسخ کر ڈالی اور حضور ﷺ کی سیرت اور آپ کے پیغامات کے مقابلے میں سارا زور آپ کی مقدس و منور صورت اور آپ کے سراپا کو موضوع سخن بنانے میں صرف کردیا۔ یہ بات درست ہے کہ آپ ﷺ کا سراپا بیان کرنا بھی نعت کا اچھا موضوع ہے۔ سرورِ عالم ﷺ کے جمال مبارک کو کماحقہ تعبیر کرنا ناممکن ہے نورِ مجسم کی تصویرکشی قابو سے باہر ہے علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ کا پورا جمال ظاہر نہیں کیا گیا ورنہ آدمی حضور کو دیکھنے کی تاب نہ رکھتے۔ نامراد محبّ جب اپنے محبوب کے دیدار سے محروم ہوتا ہے تو محبوب کے باہر کے خدوخال یاد کرکے اپنے کو تسلی دیا کرتا ہے اور عادات و حالات سے دل بہلاتا ہے لیکن یہ بھی ایک مصدقہ ہے کہ قرآن شریف میں آپ کے جسمانی محاسن کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ آپ ﷺ کے عادات و اخلاق آپ ﷺ کی عبادت و ریاضت، آپ کے ترحم و تشفق اور آپ کے پیغامات نیز بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لیے آپ کی کاوشوں کا ذکر خیر بکثرت ہے۔ اس لیے شعرائے نعت کو بھی آپ کے ان پیغامات کا تذکرہ زیادہ کرنا چاہیے جن کی اشاعت کے لیے آپ اس عالم آب وگل میں مبعوث فرمائے گئے۔

حالی نے مسدس کے ذریعہ ایسا صور پھونکا کہ اُردو نعت ماسبق کے تمام اسقام و مصائب سے پاک ہوکر مدعا نگار بن گئی۔'' (شمارہ ۱۴، ص ۶۲ / ۶۳)

ڈاکٹر آزاد صاحب نے پہلے الطاف حسین حالی کو اپنا ''قبلہ و کعبہ'' ٹھہرا کر ''شرک فی الصفت'' کا فتویٰ جاری فرمایا اور مذکورہ بالا عبارات میں انھوں نے حالی کو سفینۂ نعت کا ناخدا، رہ نما، مقتدا ہی نہیں قرار دیا بلکہ ان کی مسدس کو ''صور اسرافیل'' کی طرح ثابت کرنے کی کوشش کی اور یہ تک لکھ دیا کہ حالی نے اُردو نعت کو ماسبق کے تمام اسقام و معائب یعنی پہلے گزر جانے والی تمام خرابیوں اور برائیوں سے پاک کردیا۔ آزاد صاحب نے بغیر کسی جائزے، دلیل، مثال اور حوالے کے تمام متقدمین اور متوسطین شعرائے نعت کو نعت میں معائب و نقائص شامل کر دینے کا مجرم ٹھہرایا، پیغمبر اسلام کے لیے عاشقانہ الفاظ کے استعمال کرنے، معانی سے زیادہ الفاظ پر زور دینے اور صحیح واقعات اور مستند روایات کی صورت مسخ کرڈالنے کا شعرائے نعت پر سنگین الزام لگایا، ڈاکٹر صاحب نے اسے بھی منفی اور کم تر جانا کہ متقدمین و متوسطین شعرائے نعت نے رسولِ کریم ﷺ کی سیرت اور ان کے پیغامات کے مقابلے میں سارا زور حضور ﷺ کی مقدس و منور صورت اور ان کے سراپا کو موضوعِ سخن بنانے میں صرف کردیا۔ ڈاکٹر صاحب بڑے دعوے سے یہ بھی لکھ گئے کہ قرآن شریف میں نبی پاک ﷺ کے جسمانی محاسن کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔ واضح سی بات ہے کہ ڈاکٹر آزاد صاحب نہیں چاہتے کہ میرے نبی پاک ﷺ کے فضائل و خصائص، حسن و جمال اور محامد و محاسن کا بیان زیادہ ہو۔ بغیر کسی دلیل، مثال، تجزیہ و تحقیق اور حوالے کے یہ دعوے دار بیان ''مسلکی اجارہ داری'' کیوں شمار نہیں کیا جاتا؟ دلائل و براہین کے ساتھ حقائق کے میرے بیان کو مسلکی اجارہ داری یا دل آزاری قرار دینے والے مجھے بتائیں کہ ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد صاحب کی ان عبارات کے جملے کیا حقائق کے مطابق ہیں؟ الطاف حسین حالی سے پہلے گزر جانے والے تمام شعرائے نعت میں کیا واقعی ان الزامات و جرائم کا تحقق ثابت کیا جاسکتا ہے؟ مَیں یہ بھی جاننا چاہوں گا کہ حالی کی مسدس کو قرآن و حدیث کی کیا واقعی صحیح ترجمانی اور شرعی حجت مانا جاتا ہے؟ حقائق کے منافی بیان کو شرعی دلیل کی طرح پیش کرنا یا معیار ٹھہرانا کیا شمار ہوگا؟ دیوبندی وہابی عقائد کا بیان تو معترضہ نہ مانا جائے اور حقائق کے مطابق اس بیان کا جواب ''مسلکی اجارہ داری'' قرار دیا جائے، کیا یہ بددیانتی نہیں؟

ڈاکٹر آزاد صاحب نے ان ''بے جا رسوم اور غلط معتقدات'' کا بھی کوئی ذکر نہیں کیا جنھیں حالی نے ''یک قلم ترک کردیا۔''

ڈاکٹر صاحب نے علامہ قرطبی کے حوالے سے جمالِ رسول (ﷺ) کے بارے میں جو

D:NaatRang-15
File: Khutoot
Final

جملہ نقل کیا ہے اس کا بھی ماخذ نہیں لکھا۔ اگر یہ ان کی لکھی ہوئی تفسیر سے نقل کیا گیا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ بیان کسی آیتِ قرآنی کے تحت ہی ہوا ہے۔

ڈاکٹر آزاد صاحب لکھتے ہیں: ''نعت ایک سد (سدا) بہار پودا ہے۔ علمیت کی کمی اور مذہب سے کماحقہ ناواقفیت نے نعتیہ قصائد میں کساد بازاری پیدا کردی۔ لیکن نعت، غزل، نظم، گیت، ترانہ، ماہیہ، طراے، ہائیکو، نظم، جدید، نثری نظم، شہر آشوب اور نظم معریٰ وغیرہ کی مروّجہ ساختوں میں اپنے کو ڈھال کر اس طرح جلوہ گر ہوئی کہ اس کی بازار میں آج بھی ہماہمی نظر آتی ہے اور مستقبل میں بھی اس کا وجود زبان و ادب کی بقا کے ساتھ منسلک نظر آتا ہے۔ زبان و ادب نے صدہا کروٹیں لیں لیکن ہر کروٹ میں نعت رعنائی، شادابی اور تروتازگی کے ساتھ درخشاں و تاباں نظر آتی ہے۔ نعت میں یہی مطابقت پذیری کی بہترین صلاحیت ہے وہ اپنے آپ کو ہر ہیئت اور ہر سانچے میں ڈھال لیتی ہے وہ مسائل حیات سے زبردست وابستگی رکھتی ہے اور زندگی کی تاریک سے تاریک موڑ پر مشعل راہ بن کر رہ نمائی کرتی ہے اسی لیے اس کا مستقبل بہت تاب ناک ہے۔ (شمارہ ۱۴، ص ۶۵)

اس پیراگراف میں یہ جملے محلِ نظر ہیں: ''نعت... مروّجہ ساختوں میں اپنے کو ڈھال کر اس طرح جلوہ گر ہوئی... مستقبل میں بھی اس کا وجود زبان و ادب کی بقا کے ساتھ منسلک نظر آتا ہے... نعت میں یہی مطابقت پذیری کی بہترین صلاحیت ہے وہ اپنے کو ہر ہیئت اور ہر سانچے میں ڈھال لیتی ہے۔''

ڈاکٹر آزاد صاحب نے ''نعت'' اور ''فن نعت گوئی'' کے فرق کو ملحوظ نہیں رکھا۔ ''نعت'' نے خود کو کسی سانچے یا ہیئت میں نہیں ڈالا۔ مَیں تو یہ کہوں گا کہ یہ فیضانِ نعت ہے کہ اس سے یہ سانچے بھی مشرف ہوئے، ان مروّجہ ساختوں اور سانچوں میں نعت کہہ کے انھیں نوازا گیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب ص ۵۱ پر خود لکھ چکے ہیں: ''نعت میں ہیئت کی کوئی قید نہیں ہے، وہ غزل، قصیدہ، مثنوی، قطعہ، رباعی، نظم، نظم جدید، مسدس، مخمس ترکیب بند، ترجیع بند، سانیٹ، ہائیکو، طراے غرض یہ کہ شعر و شاعری کی جملہ اقسام میں کہی جاسکتی ہے اور کہی گئی ہے۔ اس طرح نعت میں ساخت اور موضوع دونوں اعتبار سے بہت وسعت ہے۔''

''نعت عالمی ادب کی سب سے مفید اور کارآمد صنف سخن ہے۔ اگر کوئی شخص صرف ایک صنف سے شعر و شاعری کے تمام اشکال و ہیئات سے آگاہی چاہتا ہے تو اس کو یہ آگاہی اسی

صنف نعت سے حاصل ہوسکتی ہے۔ نعت کا یہ ایسا امتیازی وصف ہے جس میں کوئی دوسری صنف اس کی سہیم و شریک نہیں ہے۔'' (شمارہ ۱۴، ص ۵۱)

''نعت'' کا مستقبل زبان و ادب کی بقا سے منسلک کرنا اور دیکھنا، مجھے سمجھ میں نہیں آیا۔

ڈاکٹر صاحب غور فرمائیں، وہ ص ۵۳ پر لکھتے ہیں: ''جامی نے نعت کو معراجِ کمال تک پہنچا دیا۔''

''نعت'' کو معراجِ کمال تک پہنچانے کی بات کیسی؟ یوں کہا جائے کہ مولانا جامی نے ایسی نعت گوئی کی کہ اس کی برکات سے خود مولانا جامی علیہ الرحمہ نے خوب عزت و مرتبت پائی۔

ص ۵۴ پر ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں: ''پورے قرآن پاک میں چار مقامات پر بہ تقاضائے ضرورت آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے اسمِ گرامی سے مخاطب کیا گیا ہے۔'' اس عبارت میں ''بتقاضائے ضرورت'' اور ''مخاطب'' کے الفاظ محلِ نظر ہیں۔

''نعت رنگ'' شمارہ ۱۴ کے ص ۶۸ سے جناب عزیز احسن کی تحریر شروع ہوتی ہے، عنوان ہے:

''معجزۂ فن کی ہے خون جگر سے نمود''

عزیز احسن صاحب نے ''''نعت رنگ'''' کو اپنی متعدد نگارشات سے بہت سجایا ہے۔ علامہ اقبال مرحوم کے اس مصرع کے تحت ان کی یہ تحریر مجموعی طور پر بہت پُر اثر اور عمدہ ہے، مَیں نے اسے دوبار پڑھا اور جی چاہا کہ انھیں عرض کروں کہ اسے کسی اخبار میں بھی شائع کروائیں تاکہ لوگوں کی بڑی تعداد تک یہ پہنچے۔ اس تحریر میں وہ جملے جو مجھے قابلِ اصلاح محسوس ہوئے ان کو نقل کرنے سے پہلے انھی کی تحریر دل پذیر سے یہ عبارات پیش کرنا چاہتا ہوں:

''لیکن اصابت رائے اور دیانت ذوق اتنی سستی چیزیں نہیں ہیں جنھیں دوستیوں پر قربان کردیا جائے۔'' (ص ۶۹)

''تو ہم پر بھی یہ لازم ہے کہ ہم حضور ﷺ سے محبت کرنے والوں کی نیتوں کو ٹٹولنے کے بجائے ظاہر پر حکم لگائیں اور یہ سمجھ کر لگائیں کہ صرف اور صرف آقائے نام دار ﷺ کی ذات، بعد از خدا بڑی ہے، اس بارگاہ میں لب کشائی کرنے والے کسی بھی بڑے سے بڑے بزرگ کا مرتبہ یہ نہیں کہ وہ قرآن و سنّت سے متصادم کوئی بات حضور ﷺ کی محبت میں بھی منہ سے نکالیں۔'' (شمارہ ۱۴، ص ۷۲)

D:NaatRang-15
File: Khutoot
Final

''اگر کسی کے کلام میں زباں و بیان کی بے احتیاطیاں کسی کو نظر آئیں گی تو ان کی نشان دہی کرنا بھی کارِثواب ہوگا۔ یہ اگر معیوب بات ہے تو نقادانِ فن کی مجبوری ہے، وہ اس سے باز نہیں آسکتے۔ نعت گو شعرا یا تو اپنی اصلاح کرلیں یا دلائل سے زبان کے لیے اصول بنائیں یا پھر یہ کوچہ ہی خالی کردیں۔'' (ص۷۲/۷۳)

''جس کو ہو جان و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں

یہاں اس کی ضمیر کو ان سے بدل کر ذرا آقائے مدینہ ﷺ کا تصور کیجئے اور یہ سوچیے کہ اگر آپ کو اپنی انا اتنی ہی عزیز ہے کہ آپ ہر میدان میں صرف اپنے آپ ہی کو قابل سمجھتے ہیں تو اس کوچے میں داخل ہونے ہی سے گریز فرمائیں، کیوں کہ یہاں تو جان کی بھی قربانی بڑی چھوٹی سمجھی جاتی ہے آپ انا کی قربانی بھی نہیں دے سکتے۔ ہر کوچے کا قاعدہ کلیہ تو آپ کو اپنانا ہی ہوگا!'' (ص۷۳)

جناب عزیز احسن کی یہ عبارات پیش کرنا یوں ضروری خیال کیا کہ ان فقروں میں وہ ہم سب کو مصلحت و مفاہمت کی بجائے صداقت و دیانت کے لیے ہمت و جرأت سکھا رہے ہیں اور کام یابی کے لیے رہ نمائی کر رہے ہیں۔

جناب عزیز احسن کی تحریر میں قابلِ اصلاح جملے ملاحظہ ہوں:

ان کی تحریر کے عنوان میں ''معجزۂ فن'' کے لفظ ہیں۔ ''معجزہ'' کا لفظ کیا غیر نبی یا کسی چیز کے ساتھ بولنا روا ہوگا؟ جب مدحِ رسولِ کریم ﷺ کے سوا ''نعت'' کے لفظ کا کوئی اور استعمال روا نہیں تو ''معجزہ'' کا لفظ بھی اُردو دان معاشرے میں اللّٰہ کریم جل شانہ کے اس فعل کے لیے خاص ہے جو نبی سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس بارے میں بھی ہمیں خود کو پابند کرنا چاہیے۔

خوش الحانی کو ''لحنِ داؤدی'' کہنا لکھنا عام ہے لیکن ہرگز درست نہیں۔ جناب اشرف علی تھانوی نے اپنی کتاب ''التکشف عن مہمات التصوف'' (مطبوعہ سجاد پبلشرز، حسین منزل، پیسہ اخبار، لاہور، جولائی ۱۹۶۰ء) کے ص ۶۰۸ میں اور ''افاضاتِ یومیہ، حصہ ہفتم، ص ۲۲۳ (مطبوعہ تھانہ بھون) اور ''کمالاتِ اشرفیہ'' ص ۴۰ (مطبوعہ مکتبہ تھانوی، کراچی) میں یہ حدیث نقل کی۔ یہ حدیث شریف، بخاری، مسلم اور ترمذی نے روایت کی۔

رسولِ کریم ﷺ نے اپنے صحابی حضرت ابوموسی اشعری رضی اللّٰہ عنہ کا ایک رات تہجد میں قرآن پڑھنا، سنا۔ وہ بہت دل کش آواز و انداز میں تلاوت کررہے تھے۔ صبح وہ بارگاہِ

نبوی(ﷺ) میں آئے تو رسولِ کریم ﷺ نے ان کی خوش الحانی کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ بلاشبہ تمھیں حضرت داؤد علیہ السلام کے الحانوں میں سے ایک الحان (یعنی لحن داؤدی سے حصہ) ملا ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللّٰہ عنہ نے کہا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ سُن رہے ہیں تو آپ کی خاطر مَیں اور زیادہ بنا سنوار کر پڑھتا۔ نبی پاک ﷺ نے یہ سن کر انکار نہیں فرمایا۔

تھانوی صاحب نے التکشف اور افاضاتِ یومیہ میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے جو لکھا ہے وہ ڈاکٹر محمد اسمعیل آزاد صاحب ضرور ملاحظہ فرمائیں کیوں کہ وہ تو ''شرک فی الصفت'' قرار دینے ہی میں ''دلیر'' ہو رہے تھے، یہاں وہ کہیں ''شرک فی العبادت'' کا فتویٰ نہ صادر فرما دیں۔ (اپنی کتاب ''حقائق'' میں یہ روایات مَیں نے نقل کی ہیں)

اس حدیث کے الفاظ نے یہ بات واضح کردی کہ خود رسولِ کریم ﷺ نے اپنے صحابی سے ہرگز یہ نہیں فرمایا کہ تمھیں ''لحنِ داؤدی'' ملا ہے بلکہ یہی فرمایا کہ بلاشبہ تمھیں حضرت داؤد علیہ السلام کی خوش الحانی سے حصہ ملا ہے۔ دوسری بات اس حدیث میں یہ بھی واضح ہوئی کہ اللّٰہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہوئے اس کے پیاروں کی خوش نودی چاہنا بھی عبادت ہے اور نبی کریم ﷺ کو راضی کرنا درحقیقت اللّٰہ تعالیٰ ہی کو راضی کرنا ہے، ان کا معاملہ، اللّٰہ تعالیٰ ہی کا معاملہ ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللّٰہ عنہا کا ارشاد ہے: **یارسول اللّٰہ تبت الی اللّٰہ ورسولہ.** اے اللّٰہ کے رسول (ﷺ) مَیں اللّٰہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف توبہ کرتی ہوں۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللّٰہ عنہ عرض کرتے ہیں: **مالی صدقہ الی اللّٰہ ورسولہ.** اللّٰہ تعالیٰ اور رسول اللّٰہ ﷺ کی طرف (کے نام پر) اپنا مال صدقہ کردوں۔ ڈاکٹر آزاد صاحب فرمائیں کہ یہاں کیا وہ اصحابِ نبوی رضی اللّٰہ عنہم کو ''شرک فی العبادت'' کا الزام دیں گے؟ (معاذ اللّٰہ)

ڈاکٹر صاحب ملاحظہ فرمائیں کہ تھانوی صاحب کیا کہتے ہیں: ''اور (اس) حدیث میں زیادہ غور کرنے سے مقبولان الٰہی کی بڑی فضیلت معلوم ہوتی ہے کہ ان کی طلب رضا مثل طلب رضائے حق تعالیٰ کے ہے جب کہ دونوں میں تعارض نہ ہو اور راز اس میں یہی ہے کہ ان کی رضا کو رضائے حق کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے پس مطلوب بالذات طلب رضائے حق ہی ہے **لان السعی فی الطریق فی الوصول الی المقصود.**''

جناب عزیز احسن لکھتے ہیں: ''اور وہ (صحابہ کرام رضوان اللّٰہ علیہم اجمعین) صاحبانِ

D:NaatRang-15
File: Khutoot
Final

فضیلت ہوئے ہی اس لیے تھے کہ ان کے دلوں میں حضور رسالت مآب ﷺ کی محبت، اپنی جان، اپنی آبرو، اپنے ماں باپ اور اولاد سے زیادہ تھی۔" (ص ۷۱)

جناب عزیز احسن نے شاید توجہ نہیں فرمائی کہ "صحابی" کسے کہتے ہیں ! صحابی اس شخص کو کہتے ہیں جس نے ایمان کے ساتھ اپنی دنیوی زندگی میں رسولِ کریم ﷺ کی زیارت و ملاقات کا شرف حاصل کیا ہو اور اس شخص کی وفات بھی ایمان پر ہوئی ہو۔ صحابیت وہ شرف ہے کہ جس کی وجہ سے صحابی کے درجے کو کوئی غیر صحابی ہرگز نہیں پہنچ سکتا۔ ہمیں جاننا چاہیے کہ صحابیت کا شرف کسی ریاضت سے نہیں بلکہ حبیبِ ربّ العالمین ﷺ کی زیارت سے ملتا ہے۔ جس ہستی کی صرف زیارت سے اتنا درجہ اور اتنی فضیلت ملے کہ کوئی غیر صحابی وہ فضیلت نہ پاسکے، تو خود اس مقدس و مطہر ہستی رسولِ کریم ﷺ کی عظمت و رفعتِ شان کا اندازہ کیا جائے !

عزیز احسن صاحب نے قرآنِ کریم میں واقعہ پڑھا ہوگا کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مقابلے کے لیے جادوگر جمع کیے تھے۔ ان جادوگروں نے جادو کا علم رکھنے کی وجہ سے جادو اور معجزے کے فرق کو جان لیا اور سجدے میں گر گئے اور ایمان سے مشرف ہوئے۔ فرعون نے انھیں سزا دی۔ وہ جادوگر جو کافر اور بدعمل تھے چشم زدن میں مومن اور نبی کے صحابی ہوگئے اور شہادت کا درجہ بھی پایا۔ انھیں کسی اور نیک عمل کا موقع ہی نہیں ملا۔ حدیث و سیرت کی کتابیں پڑھنے والے جانتے ہیں کہ رسولِ کریم ﷺ پر ایسے کتنے لوگ ایمان لائے، صحابی ہوئے اور انھیں عبادات و اعمال کا بھی کوئی موقعہ نہیں ملا کہ وہ شہید ہوگئے، ان کو بھی مرتبۂ صحابیت سے جو فضیلت ملی وہ کسی غیر صحابی کا حصہ نہیں۔ عزیز احسن صاحب کا یہ بیان یوں بالکل درست ہوگا کہ اصحابِ نبوی رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حبِ رسولِ کریم (ﷺ) میں خود کو مثالی اور یادگار بنایا اور اطاعت و اتباعِ رسول میں بھی وہ یہ شان رکھتے ہیں کہ بھلائی کے ساتھ ان کی پیروی میں رضائے الٰہی کا مژدہ، قرآنِ کریم میں بیان ہُوا اور صحابی کے ایمان کو قرآن میں "معیار" فرمایا گیا۔

جناب عزیز احسن کا ایک جملہ یوں ہے: "اور اسی معیار کے حوالے سے (اللہ تعالیٰ نے) اپنے انعامات کی تقسیم کا نظام بھی برپا فرمادیا۔" (ص ۷۵)

اس جملے میں اللہ تعالیٰ کے لیے "برپا فرمایا" کے الفاظ محلِ نظر ہیں۔ علاوہ ازیں اس جملے سے قبل انھوں نے لکھا ہے کہ نقاش ازل اللہ تعالیٰ نے اپنے نقش اولین حبیب کریم ﷺ کو معیار بنایا۔

یہ فقیر ان الفاظ میں جناب عزیز احسن کے بیان کردہ مفہوم کو نہیں پا سکا۔ وہ یہ تو واضح کہہ رہے ہیں کہ سبھی کوشش کریں کہ وہ رسولِ کریم ﷺ کے مطابق خود کو عمدگی کا پیکر بنائیں اور اس اولین و بہترین نقش کے اسوۂ حسنہ میں خود کو ڈھالیں لیکن یہ کہنا کہ: ''اور اسی معیار کے حوالے سے اپنے انعامات کی تقسیم کا نظام بھی برپا فرمایا۔'' اس جملے میں کون سے انعامات کی تقسیم مراد ہے؟ اور کس نظام کو قائم فرمایا گیا ہے؟ یہ واضح نہیں ہُوا۔ شاید وہ یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ جو کوئی جس قدر خود کو رسولِ کریم ﷺ کا فرماں بردار اور پیروکار بنائے گا اسی قدر اسے بارگاہِ الٰہی سے نوازا جائے گا! میرے پیشِ نظر وہ قرآنی آیات بھی ہیں جن میں اللّٰہ کریم جلّ شانہ نے اپنے انعامات کا ذکر فرمایا ہے۔ عزیز احسن صاحب کے جملے میں ''انعامات کی تقسیم کا نظام'' میں سمجھنا چاہتا ہوں۔

''نعت رنگ'' شمارہ ۱۴ کے ص ۵۷ ہی میں عزیز احسن صاحب لکھتے ہیں: ''اور پھر اس نقش کے ملفوظی اظہار (قرآنِ کریم) میں اپنی خلاقیت کا بھرپور اور کامل و اکمل نقش بنا دیا ہے۔''

عزیز احسن صاحب اتنا ضرور جانتے ہوں گے کہ قرآنِ کریم کلامُ اللّٰہ ہے اور غیر مخلوق ہے۔ اس عقیدہ و حقیقت کے مطابق وہ اپنے اس جملے کو خود توجہ سے ملاحظہ فرمالیں اور اس کی اصلاح کر دیں۔

ص ۷۲ پر جناب عزیز احسن لکھتے ہیں: ''کچھ ایسا ہی معاملہ زبان کا ہے کہ یہ کسی معاشرے کا اجتماعی ورثہ ہے اور اس کے اصول اجتماعی شعور میں پیوست ہیں۔ اللّٰہ نے انسان کو خلق کرنے کے بعد خود ہی اس کو بیان سکھایا ہے، اس کے لیے کسی نبی کو بھی مقرر نہیں فرمایا کہ آ کر کسی قوم کو زبان سکھائے۔ اس لیے زبان کے اصولوں میں ردو بدل کرنے کا حق بھی صرف ان لوگوں کو مل سکتا ہے جو زبان کی ترویج و اشاعت میں خصوصی درک رکھتے ہوں زبان کے معاملے میں تو مذہب کی بھی قید نہیں لگائی جاتی۔ قرآن فہمی کے لیے عہدِ جاہلیت کے لسانی معیارات سے بھی مدد لی جاسکتی ہے۔ ایسی صورت میں کسی بزرگ کی بزرگی کا لحاظ کر کے اجتماعی لسانی کینڈے کو نہیں بدلا جاسکتا۔'' (شمارہ ۱۴)

اس عبارت میں مجھے جناب عزیز احسن سے ان کا قلم کچھ بے قابو محسوس ہُوا ہے۔ وہ اپنے ان جملوں کی تحقیق فراہم کریں ورنہ ان کا یہ بیان ''مستند یا تحقیقی'' شمار نہیں ہوگا۔ وہ لکھتے ہیں: ''اس کے لیے کسی نبی کو بھی مقرر نہیں فرمایا کہ آ کر کسی قوم کو زبان سکھائے... اس لیے زبان

D:NaatRang-15
File: Khutoot
Final

کے اصولوں میں ردوّبدل کرنے کا حق بھی صرف ان لوگوں کو مل سکتا ہے جو زبان کی ترویج و اشاعت میں خصوصی ورک رکھتے ہوں... زبان کے معاملے میں تو مذہب کی بھی قید نہیں لگائی جاتی۔"

کوئی نبی صرف اس لیے تو مبعوث نہیں فرمایا گیا کہ کسی قوم کو زبان سکھائے لیکن کسی نبی اللّٰہ کے ہوتے ہوئے اس سے بڑھ کر تو کجا، اس کی مثل بھی کوئی عالم و فاضل نہیں ہوسکتا، یوں عزیز احسن صاحب ملاحظہ فرمائیں کہ وہ اپنے جملوں میں نبی اللّٰہ کے بارے میں کچھ منفی تأثر دے گئے ہیں۔ وہ ہر زبان کے بارے میں اگر اتنی معلومات رکھتے ہیں کہ کون سی زبان کہاں اور کب شروع ہوئی اور کس نے شروع کی اور ان میں رد وبدل کب کب اور کیسے آیا تو وہ ضرور اس باب میں میری رہ نمائی فرمائیں۔ تفسیر رُوح البیان میں حضرت آدم علیہ السلام کے بیان میں اتنا ضرور پڑھا ہے کہ وہ سات لاکھ زبانیں جانتے تھے، اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے تذکرے میں بھی پڑھا تھا کہ وہ متعدد زبانیں جانتے تھے۔ قرآن میں گواہی ہے کہ: **وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه ليبيّن لهم** (ابراہیم: ۴)، (اور ہم نے ہر رسول اس کی قوم ہی کی زبان میں بھیجا کہ وہ انھیں صاف بتائے)، اور میرے نبی پاک ﷺ کائنات کے رسول ہیں اور اللّٰہ تعالیٰ کی عطا سے وہ سب کی سب زبانیں جانتے ہیں۔ "تفسیرِ مظہری" میں ہے کہ ہر وحی جبرئیلؑ کو عربی میں ہوئی اور وہ انبیائے کرام علیہ السلام کے پاس ان کی قوم کی زبان میں وحی لاتے یا انبیائے کرام قوم کی زبان میں ترجمہ کرتے۔

عزیز احسن صاحب لکھتے ہیں: "ایسی صورت میں کسی بزرگ کی بزرگی کا لحاظ کر کے اجتماعی لسانی کینڈے کو نہیں بدلا جاسکتا۔ چناں چہ لسانی اسقام بھی تنقیدی سان پر چڑھا کر دیکھنے ہوں گے۔" (ص۴۷)

اس جملے میں "کسی بزرگ" میں کوئی تخصیص یا تعیم کی شرط بھی نہیں، "بزرگی کا لحاظ" بھی معلوم نہیں کہ "عمر، علم یا مرتبہ وعظمت" کس مفہوم میں ہے؟ "اجتماعی لسانی کینڈے" کی متفقہ ومسلّمہ تعریف کیا ہے؟ ڈاکٹر وحید اشرف صاحب نے لکھا ہے کہ زبان کے اصول تو ہمارے محاورے کی بنیاد پر بنتے ہیں۔

وہ قدیم زمانہ جو اپنے وقت میں جدید تھا اور یہ جدید زمانہ جو آئندہ وقتوں میں قدیم شمار ہوگا، اس میں زبان کے تغیرات کا "اجتماعی قاعدہ وقانون" کیا رہا ہے اور کیا رہے گا؟

کہتے ہیں کہ کوئی زبان جب کسی ذہن کی تخلیقی فکری پیاس بجھانے میں تعاون سے قاصر رہ جاتی ہے تو کسی دوسری زبان کے لفظ اور اثرات قبول کرلیے جاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ تہذیب و ثقافت (کلچر) میں مذہب، زبان اور جغرافیا بھی اہم شمار ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں ''لحاظ'' کرکے جانے کیا کیا بدل دیا جاتا ہے۔ یہ ریختہ اور اردوئے معلّی کی باتیں کیوں ہوتی ہیں؟ کوئی کسی لفظ کے املائی، لغوی و معنوی یا عرفی استعمال میں اعتراض کرے تو کسی بزرگ یا محض ایک ہستی کا حوالہ دے کر سند کیوں پیش کی جاتی ہے؟ لفظوں کے معنی متعین کرنے میں اختلاف کیوں رہتا ہے؟ کسی لفظ کو متروک قرار دینے کی بنیاد یا قانون کیا ہے؟ صحیح لکھے جانے والے لفظوں کے غلط تلفظ کیوں قبول ہیں اور غلط بولے جانے والے لفظوں کے صحیح املائی تلفظ کیوں قبول نہیں کیے جاتے؟

یہ ''اجتماعی لسانی کینڈا'' کہاں پایا جاتا ہے؟ یہ تنقیدی سان کہاں نصب ہیں؟ یہ ''اجتماعی لسانی کینڈا'' اور ''تنقیدی سان'' ان لوگوں کی تسلی کیوں نہیں کررہا جو ''نعت رنگ'' میں ''تو، تم، تیرا'' کے استعمال پر پریشان ہیں؟ عزیز احسن صاحب کی طرح شاید میرا قلم بھی اس بیان میں بے قابو ہورہا ہے۔ جو کچھ فروگزاشت ہوئی اس کے لیے معذرت خواہ ہوں۔

شمارہ ۱۴ کے ص ۷۷ پر جناب ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی نے آیتِ دُرود و سلام نقل کرکے اگر ترجمہ لکھا ہے تو اسے ترجمہ نہیں کہا جاسکتا، وہ اپنی تفسیر و تشریح میں لکھتے ہیں: ''اللّٰہ اور اس کے فرشتے نبی امی ﷺ پر دُرود بھیجتے ہیں یعنی اس کی رفعتِ شان کا اہتمام کرتے ہیں اور ایمان والوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ اس نبی مکرم ﷺ پر دُرود بھی بھیجیں یعنی اس کی رفعتِ شان کا اہتمام بھی کریں اور اس کی عظمت کو سلام بھی کریں یعنی اس سے ایسی سلامتی کا عہد لیں کہ زبان وقلم او (اور) قلب و جوارح کسی طرح سے بھی اسے کوئی صدمہ نہیں پہنچائیں گے۔ اس کی شان میں گستاخی کا وہم و خیال بھی نہیں لائیں گے۔''

اس پیراگراف میں ''رفعتِ شان کا اہتمام بھی کریں''...اور یہ کہ ''فرشتے رفعتِ شان کا اہتمام کرتے ہیں''...اور یہ کہ ''اس کی عظمت کو سلام بھی کریں یعنی اس سے ایسی سلامتی کا عہد لیں...'' یہ جملے قابلِ اصلاح ہیں۔

ص ۷۸ پر لکھتے ہیں: ''اے اللّٰہ تو ہی ہمارے آقا محمدِ عربی ﷺ پر یا ہمارے نبی پر... وغیرہ دُرود وسلام بھیج۔'' اس جملے میں ''وغیرہ'' کا لفظ نقطوں کے بعد درج ہے، یہ کمپوزنگ کی غلطی

D:NaatRang-15
File: Khutoot
Final

ہے یا مضمون نگار نے ایسا ہی لکھا ہے؟

اسی صفحے پر ہے: ''نعت وسیلۂ الٰہی کے بغیر ممکن نہیں۔'' اس جملے میں وسیلہ کا لفظ کس مفہوم میں ہے؟

ص ۸۴ پر ہے: ''امام احمد رضا کے دلِ دیوانہ و مستانہ...'' اس جملے میں ان کے دل کو ''دیوانہ و مستانہ'' کس معنی و مفہوم میں کہا گیا ہے؟

ص ۱۰۹ پر لاہور کی شہناز کوثر صاحبہ نے خواجہ حسن نظامی کی تحریر سے اقتباس نقل کیا ہے، اس کے یہ الفاظ مجھے محلِ نظر لگے: ''جب خدا نے دیکھا کہ...''

ص ۱۳۴ پر جناب رشید احمد صدیقی کی تحریر میں ہے: ''نعت گویوں کو سراہنے والے بہت مل جاتے ہیں یہ نعت کی بدنصیبی ہے۔'' اس جملے میں نعت کے ساتھ ''بدنصیبی'' کے الفاظ کسی طرح درست نہیں۔

ص ۱۵۵ پر جناب ظہیر غازی پوری لکھتے ہیں: ''خدا جو صرف غفور الرحیم تھا، اسے قہر و عذاب نازل کر کے سرکشوں کو نیست و نابود کرنا پڑا، انبیائے کرام کو ہدایت کے لیے بھیجنا پڑا اور ضابطہ حیات کے طور پر کتابیں بھی نازل کرنی پڑیں اور اپنی آخری کتاب قرآن پاک میں بار بار دانش ور، سلیم الطبع اور بالغ ذہن انسانوں کے لیے یہ کہنا پڑا کہ **افلا تعقلون**...''

ظہیر غاری پوری صاحب کا ''خدا'' کون ''تھا'' ؟ اور کیا وہ واقعی اسے ''خدا'' مانتے تھے کہ جس کے بارے میں وہ ایسا لکھ رہے ہیں؟

ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد صاحب ''فتح پوری'' ہیں اور ظہیر صاحب ''غازی پوری''، دونوں بتائیں کیا صحیح ہے اور کیا نہیں؟ مزید ملاحظہ فرمائیں: ''...تو نہ صرف خدا اور کائنات کی بے کرانی اس کی نظر میں ہوگی...'' خدا اور کائنات کا ذکر ''بے کرانی'' کے حوالے سے یک جا ہُوا ہے اور یکساں بھی۔

ص ۱۵۶ پر ہے: ''ہر مجاہد قیامت تک زندہ رہتا ہے۔''

ص ۱۵۷ پر ہے: ''ہر دین اور مذہب کے ماننے والے اُردو شعر نے نعت نبی کریم ﷺ لکھی اور یوں لکھی کہ حقِ نسبت و خلوص ادا کر دیا۔''

ص ۱۶۶ پر لکھتے ہیں: ''انھوں نے نعت مقدس کی مشہور زمانہ صنف کو اپنی پاکیزہ خیالی سے تاب و تب اور فکری توانائی بخشی۔''

مذکورہ بالا جملوں میں قابلِ اصلاح الفاظ و انداز وہ خود ہی توجہ سے ملاحظہ فرمالیں۔

ص ۱۶۲ پر جناب ظہیر غازی پوری نے اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی علیہ الرحمہ کے کہے ہوئے ایک شعر کو علامہ ارشد القادری کا شعر بتایا ہے۔

پروفیسر واصل عثمانی صاحب کی تحریر شمارہ ۱۴ کے ص ۱۶۷ سے شروع ہوتی ہے، انھوں نے جناب سیّد ابوالخیر کشفی کے ''نعت رنگ'' میں مطبوعہ مقالات پر مشتمل کتاب ''نعت اور تنقید نعت'' کا جائزہ پیش کیا ہے۔ اس تحریر کا پہلا جملہ ہے: ''چند برسوں سے نعت گوئی نے جس تیز رفتاری سے اُردو ادب کے اشاعتی افق پر اپنا تسلط قائم کر رکھا ہے...'' (ص ۱۶۷) اس جملے میں ''اپنا تسلط قائم کر رکھا ہے'' کے الفاظ قابلِ اصلاح ہیں۔

واصل عثمانی صاحب کا یہ جملہ بھی ملاحظہ ہو: ''اس کاوش میں انھوں نے بہتوں کے عبادت فن کا قبلہ درست کرنے کی بھی سعیِ مشکور کی ہے۔'' (ص ۱۶۹) عبادت کے ساتھ ''فن'' کا لفظ محلِ نظر ہے۔

وہ لکھتے ہیں: ''معنی و مطالب کا یہ جامہ ایک ایسی ہی شخصیت کے لیے مناسب و موزوں ہے جو حدِ ادراک سے بھی پرے ہے کیوں کہ یہی ایک ایسی ذاتِ گرامی ہے جس کی تعریف و توصیف جن و بشر کے علاوہ قادر مطلق کے کلام میں بھی پائی جاتی ہے۔'' (ص ۱۷۱)

ص ۱۷۷ پر ان کی تحریر میں ہے: ''مثلا شافع روز حشر کو اگر مالک روز حشر نظم کر دیا جائے تو یہ حدود خداوندی میں داخل ہوجانے کے مترادف ہوگا۔''

واصل عثمانی صاحب نے بھی پروفیسر اقبال جاوید صاحب کی طرح اپنی تحریر میں کشادہ دلی سے کشفی صاحب کی تعریف کرتے ہوئے جانے کیوں یہ لازم کرلیا کہ نعت نگاری کے لیے انھیں ہی ہر طرح مسلمہ و متفقہ رہ نما و مقتدا ٹھہرالیا جائے؟ کشفی صاحب کی تحریر کی کچھ خوبیاں قابلِ ستائش ہیں تو ان کی تحریر کی فی الواقع کچھ ''خامیاں'' قابلِ گرفت بھی ہیں۔ واصل عثمانی صاحب نے ''نعت رنگ'' کے تمام شمارے اگر ملاحظہ فرمائے ہیں تو انھیں کشفی صاحب کی تحریر میں ان خامیوں پر اعتراضات سے آگہی کے بعد ان اعتراضات کا جواب دیئے بغیر ان معترضہ عبارات کو پھر تحریر نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ایک طرف تو خود پروفیسر واصل عثمانی صاحب لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی شخصیت ''حدِ ادراک سے بھی پرے'' ہے، وہ خود اس ہستی کے لیے معنی و مطالب کا مناسب و موزوں ''جامہ'' کے لفظ بھی لکھتے ہیں اور پھر خود ہی یہ بھی لکھتے ہیں کہ: ''ان کی

D:NaatRang-15
File: Khutoot
Final

تعریف و توصیف'' جن و بشر کے علاوہ ''قادر مطلق کے کلام میں بھی ''پائی جاتی'' ہے۔'' اپنے انداز و الفاظ کا قرینہ اور معنی و مطالب کا ''جامہ'' وہ خود بھی ملاحظہ فرمالیں۔

واصل عثمانی صاحب کا یہ اعتراف بجا ہے، وہ لکھتے ہیں: ''ہم نعت میں جو لفظ بھی ادا کرتے ہیں ان سے نبی کریم ﷺ اور نبوت و رسالت کے بارے میں ہماری فکر اور دائرۂ تفہیم کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔'' (ص۱۷۸)

یہ انتباہ بھی خود انھوں نے لکھا ہے کہ: ''ذکر رسول کو اتنا آسان نہ تصور کریں کہ ادب اور شریعت کے تمام حدود ختم کردیں۔ اور اپنے قلم کی جنبش کو فیل بے زنجیر کی طرح آزاد چھوڑ دیں۔'' (ص ۱۸۱)

واصل عثمانی صاحب لکھتے ہیں: ''جس نے اپنی امت سے وعدہ کیا ہے کہ مَیں ہر اس شخص کے سلام کا جواب دوں گا جو میرے روضے پر آکر سلام بھیجے گا۔'' (ص ۱۷۹) یہ عبارت جناب ابوالخیر کشفی کی ہے یا واصل عثمانی صاحب کی؟ ان سے عرض ہے کہ رسول کریم ﷺ کا یہ ''وعدہ'' بلفظہ اگر ہے تو وہ بتائیں کہ اس کا حوالہ کیا ہے؟ یعنی یہ ارشاد کہاں درج ہے؟

پروفیسر واصل عثمانی صاحب نے ص ۱۷۷ پر کشفی صاحب کی تحریر کے حوالے سے کچھ الفاظ کا نعت میں استعمال نا روا بتایا ہے، انھوں نے ان الفاظ کا غلط استعمال نہیں بلکہ ان الفاظ کا استعمال ہی نامناسب قرار دیا ہے، اس بارے میں انھیں واضح کرنا چاہیے کہ کون سا لفظ ان میں ایسا ہے جس میں تحقیر یا گستاخی کا ایہام ہے؟ اگر کشفی صاحب اور واصل عثمانی صاحب کو کوئی لفظ یا ترکیب پسند نہیں مگر وہ لفظ یا ترکیب، موہم تحقیر حضور سرور کائنات ﷺ نہ ہو، تو اسے ناروا کہنے کی بنیاد کیا ہوگی؟

پروفیسر واصل عثمانی پر واضح ہو کہ یہ فقیر پُر تقصیر ہرگز کسی نامناسب لفظ و ترکیب کی تائید کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا، میرا مقصود صرف یہ ہے کہ عرف اور محاورے میں کوئی بھی لفظ یا ترکیب منفی معنی و مفہوم میں ہے تو اسے واضح کیا جانا ضروری ہے۔

وہ لکھتے ہیں: ''نعت کی حدود کو بلا وجہ وسیع کرنے کی کوشش...'' (ص ۱۷۷)

اور ص ۱۷۰ پر وہ خود لکھ گئے ہیں کہ: ''... نعت کی لا محدود و منور فضا میں...'' اپنے جملوں میں ''تضاد'' وہ خود ملاحظہ فرمالیں۔

ص ۱۷۰ پر ان کی تحریر میں ہے: ''غزل ساغر و مینا کے اشعاروں کے سہارے مشاہدہ

حق کی گفتگو کا نام ہے۔'' لفظ '' 'اشعاروں' '' سے قطع نظر ''ساغر و مینا کے سہارے مشاہدۂ حق کی گفتگو' قابلِ توجہ ہے۔

ص ۱۷۵ کی آخری سطر کے آخر سے ص ۱۷۶ کی پہلی سطر کے شروع تک عبارت میں یہ الفاظ ہیں: ''اس مقالے کی حیثیت اور نوعیت ایک ایسے صحیفے کی ہے...''

پروفیسر واصل عثمانی صاحب خود فرمائیں کہ لفظ ''صحیفے'' کا یہاں استعمال کیا درست ہُوا ہے؟ یا تو کچھ لفظوں کے خاص استعمال کی بات نہ کی جائے ورنہ خاص لفظوں کا یوں استعمال نہ کیا جائے۔

ص ۱۷۷ پر حاشیہ بھی ہے، پروفیسر واصل عثمانی صاحب نے از خود لکھا ہے کہ: ''یہ اور بات ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنے ممدوحین میں سے حسرت موہانی اور حسن (محسن) کاکوروی کے ان محولہ اشعار جو ان کے اصول اور معیارِ نعت سے فروتر اور ان کے مزاج سے مختلف ہیں کوئی گرفت نہیں کی جن میں مولائے یثرب سے مدد مانگی گئی اور زلف و گیسو کا تذکرہ ہے۔''

پروفیسر واصل عثمانی صاحب نے جناب ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی کے اصول و مزاج سے فروتر اور مختلف اشعار کو از خود کیسے شناخت کرلیا؟ یہ تو وہی جانیں تاہم دو باتیں اس عبارت کے حوالے سے عرض کرتا ہوں:

مدینہ منورہ کا پرانا نام ''یثرب'' تھا، اس پرانے نام کو پکارنے اور یاد کرنے سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمادیا ہے۔ چناں چہ ''**سبل الهدى والرشاد فى سيرة خير العباد**'' (مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول، ۱۴۱۴ھ) کے ص ۲۹۶ / ۳ میں ہے: ''حضرت ابن عباس رضی اللّٰہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا: **لاتدعوها يثرب فانها طيبة**(ابن مردویہ)۔ اس شہر کو یثرب نہ پکارا کرو کیوں کہ یہ طیبہ ہے۔ **ومن قال يثرب فليستغفر الله ثلاث مرات، هى طيبة، هى طيبة، هى طيبة.** اور جو کوئی یثرب کہے وہ تین مرتبہ اللّٰہ سے استغفار کرے۔ یہ تو طیبہ ہے، یہ تو طیبہ ہے، یہ تو طیبہ ہے۔

حضرت بربن عازب رضی اللّٰہ عنہ فرماتے ہیں: ''**قال رسول الله ﷺ من سمى المدينة بيثرب فليستغفر الله هى طابه هى طابه هى طابه.** (رواہ امام احمد و ابن ابی حاتم و ابن مردویہ)۔ رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص مدینہ کو یثرب کہے اسے چاہیے کہ وہ (اپنی اس غلطی پر) اللّٰہ تعالیٰ سے مغفرت کا طالب ہو۔ یہ (مدینہ) طابہ (پاکیزہ) ہے، یہ پاکیزہ ہے، یہ

طابہ ہے۔ اور علامہ عیسیٰ بن دینار جو اپنے عہد میں اندلس کے مشہور مالکی فقیہ تھے، فرماتے ہیں: جو کوئی مدینہ طیبہ کا پرانا نام لے اس پر خطا لکھی جائے گی۔ اور مصری فقہائے شافعی میں مشہور علامہ محمد بن موسیٰ بن عیسی بن علی ابوالبقا کمال الدین الدمیری کا یہ شعر بھی اسی صفحے پر درج ہے:

ومن دعاها یثربا یستغفر فقوله خطیئتة لتنظر

کتاب کے مؤلف لکھتے ہیں کہ: ''پرانا نام پکارنے کی کراہت یوں ہے کہ اس لفظ کے معنی ومفہوم اچھے نہیں اور نبی کریم ﷺ اچھے ناموں کو پسند فرماتے تھے اسی لیے آپ ﷺ نے اس شہر کا نام طابہ اور طیبہ رکھا جیسا کہ بیان ہو چکا۔ اور قرآن میں جو پرانا نام بیان ہُوا ہے تو وہ منافقین کے قول کی حکایت ہے اور دیگر روایات میں بھی جو پرانا نام مذکور ہے وہ روایات اس نام کو پکارنے کی ممانعت سے پہلے کی ہیں۔''

معلوم ہُوا کہ مدینہ طیبہ کا پرانا نام بلا عذر اب اہلِ ایمان نہیں پکار سکتے۔ تفسیر نورالعرفان میں حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ کسی بزرگ نے شاعری یا نثری تحریر میں بلاعذر پُرانا نام اگر کہا ہے تو یہی گمان کیا جاسکتا ہے کہ اسے اُس پُرانے نام کی کراہت وممانعت معلوم نہیں ہوگی لیکن اس کی تحریر وکلام میں بھی پُرانا نام نہیں پکارا جائے گا۔

علمائے اسلام نے تعلیم فرمایا ہے کہ کوئی شخص بلاعذر اگر پُرانا نام کہہ بیٹھے تو اُسے چاہیے کہ وہ استغفار کرے اور دس مرتبہ مدینہ طیبہ کہے۔

امام محمد بن یوسف صالحی شامی نے مدینہ منورہ کے متعدد نام لکھے ہیں: ''ارض اللّٰہ، ارض الھجرہ، اکالۃ البلدان، اکالۃ القری، الایمان، البارّہ، البرّہ، البحرۃ، البحیرۃ، البلاط، البلد، بلد رسول اللّٰہ (ﷺ)، بیت رسول اللّٰہ (ﷺ)، تندد، تندر، الجابرۃ، جبَار، الجبارۃ، جزیرۃالعرب، الجُنۃ الحصینۃ، الحبیبہ، حرم رسول اللّٰہ(ﷺ)، حسنہ، الخیرہ، الخِیرۃ، الدار، دار الابرار، دارالمختار، دارالایمان، دارالسنّۃ، دارالسلامۃ، دارالفتح، الداع الحصینہ، ذات الحُجَر، ذات الحِرار، ذات النخل، السِّلقہ، الشافیہ، طابۃ، طَیْبۃ، طیِّبۃ، طائب، طبابا، العاصمۃ، العذراء، العراء، العَروض، الغرّاء، غَلَبۃ، الفاضحیۃ، القاصمۃ، قبۃ الاسلام، قریۃ الانصار، قریۃ رسول اللّٰہ(ﷺ)، قلب الایمان، المؤمنۃ، المبارکۃ، مبوأ الحلال والحرام، مبیّن الحلال والحرام، المجبورۃ، المحبۃ، المحبوبۃ، المحبورۃ، المحرّمۃ، المحروسۃ،

المحفوفة، المفوظة، المختارة، مُدخل صدق، المدینة، مدینة رسول اللّٰہ(ﷺ)، المرحومة، المرزوقة، المسکینة، المسلمة، مضجع رسول اللّٰہ(ﷺ)، المطیّبة، المقدسة، المقرّ، المکّتان، المکینة، مہاجر رسول اللّٰہ(ﷺ)، الموفیة، الناجیة، نَبلاء، النّحر، الھذراء، یَندد، یَندر...''

انھوں نے ہر نام کے سامنے وجہ تسمیہ بھی بیان کی ہے اور متعدد روایات نقل کی ہیں جن سے اس مقدس شہر کے فضائل واضح ہوتے ہیں۔

یہ تفصیل اس لیے تحریر کی ہے کہ نعت گو، نعت خوان، اور اہلِ قلم حضرات احتیاط رکھیں اور مدینہ طیبہ کے پُرانے نام کو بلا عذر لکھنے اور پکارنے کی خطا نہ کریں۔

پروفیسر واصل عثمانی اگر یہ گمان کرتے ہیں کہ تاج دارِ مدینہ نبی کریم ﷺ سے مدد مانگنی غلط ہے تو وہ ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۳ میں میرا خط توجہ سے ملاحظہ فرمالیں۔ ''استعانت'' کے حوالے سے یہ فقیر اپنی تحریر میں متعدد احادیث اور تفصیل پیش کرچکا ہے۔ رہی بات ''زلف و گیسوٗ'' کی تو ان لفظوں کا ادب و احترام سے نعت میں بیان ہرگز معترضہ نہیں ہوگا البتہ کسی نے یہ الفاظ نامناسب لہجے و انداز میں نظم کیے ہوں تو وہ لہجہ و انداز ضرور معترضہ قرار پائے گا۔

جناب واصل عثمانی لکھتے ہیں: ''...جن میں نعت کے موضوعات اور گھسے پٹے خیالات اور انداز کو دُہرانے والے شعرا کو مخاطب کرکے یہ فرمایا گیا ہے....'' (ص ۱۷۷)

واصل عثمانی صاحب نے کشفی صاحب کی تحریر کی تعریف کرتے ہوئے یہ خیال نہیں کیا کہ وہ ''گھسے پٹے خیالات'' کے نامناسب لفظ کس حوالے سے لکھ گئے ہیں! یہاں وہ خود بھی اپنے قلم کی جنبش کو آزاد چھوڑ گئے!

وہ لکھتے ہیں: ''ڈاکٹر کشفی مجھے اس قسم کے ایک مذہبی تنقیح نگار نظر آئے جنھوں نے اپنا مزاج نعت رسول کی سرحدوں کی حفاظت کے لیے بنا رکھا ہے اور اربابِ قلم کو متنبہ (متنبہ) کرنا اپنا فریضہ تصور کیا ہے مگر کسی کی سرزنش کے لیے اپنے دست حق پرست میں تنبیہ الغافلین کا عصا نہیں اٹھا رکھا۔'' (ص ۱۸۱)

اس عبارت میں عثمانی صاحب نے کشفی صاحب کو ''مذہبی تنقیح نگار بھی کہا ہے، ''نعت رسول (ﷺ) کی سرحدوں کا محافظ'' بھی بتایا، ''اربابِ قلم کو متنبہ کرنے والا'' بھی بتایا، اس کے بعد آخری جملہ وہ جانے کس غرض سے لکھ گئے؟ وہ ہاتھ جسے انھوں نے ''دست حق پرست'' لکھا ہے

D:NaatRang-15
File: Khutoot
Final

اس میں جو ''قلم'' ہے، جس قلم سے وہ ''تنقیح'' کررہے ہیں اور نعت رسول (ﷺ) کی سرحدوں کی حفاظت چاہتے ہیں اور ارباب قلم کو ''متنبہ'' کرنا انھوں نے اپنا فریضہ تصور کیا ہُوا ہے، ان کا وہ ''قلم'' غافلوں کے لیے عصائے سرزنش ثابت ہورہا ہے یا نہیں؟

عثمانی صاحب ''تنبیہ'' اور ''سرزنش'' میں فرق کرتے ہوں گے اور وہ چاہیں تو کشفی صاحب کی تحریروں میں انھیں ملاحظہ کرلیں اور اپنے اس طنزیہ جملے سے ''قندِ مکرر'' کا لطف پائیں۔

واصل عثمانی صاحب لکھتے ہیں: ''... یہاں ان اصحاب کے اسمائے گرامی نقل کیے جارہے ہیں جن کا کسی نہ کسی حوالے سے (کشفی صاحب کی) اس تصنیف میں سرسری سا تذکرہ موجود ہے۔ ہوسکتا ہے کہ میرا یہ فعل کسی کو عبث و بے کار معلوم ہو مگر میری نیت یہ ہے کو (کہ) کچھ عجب نہیں کہ نبی رحمت کے اس تذکار میں اس شخص پر بھی قدرت خداوندی اپنی بارش کرم کردے جس کا صرف نام لیا گیا ہے کیوں کہ وہ تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں اور:

جو تیری گلی سے گزر گیا وہ برا بھی ہو تو برا نہیں'' (ص۱۸۲)

عثمانی صاحب نے سو سے زیادہ ناموں کی فہرست درج کی ہے اور اس میں مشرکوں، کافروں اور بدمذہبوں کے نام بھی شامل کیے ہیں۔

کشفی صاحب نے جامعہ کراچی میں اک عمر گزاری ہے، وہ شعبہ اُردو کے سربراہ رہے ہیں، زبان و بیان وغیرہ کے حوالے سے انھوں نے اپنی تحریر میں کسی مشرک و کافر اور بدمذہب کا بھی سرسری تذکرہ کہیں کردیا تو اسے نعتِ رسول (ﷺ) اور نبی رحمتﷺ کے تذکار میں شمار کرنا اور قرآن و حدیث کی واضح تعلیمات و احکام کو فراموش کرکے ان مشرکوں، کافروں، بدمذہبوں کے لیے ایسی خوش عقیدگی کا مظاہرہ کیا درست فعل ہے؟

قرآنِ کریم، کلامُ اللّٰہ ہے۔ عثمانی صاحب اگر اسے ''نعتِ رسول (ﷺ)'' نہ بھی مانیں تو یہ تو لامحالہ ماننا ہوگا کہ اس میں نبی رحمت ﷺ کے تذکار ہیں۔ اور اسی قرآنِ کریم میں کتنے نام مشرکوں کافروں کے بھی بیان ہوئے ہیں۔ نبی رحمت ﷺ کے تذکار میں ان شخصوں کے لیے عثمانی صاحب کیا کہتے ہیں؟

اپنے قلم کی جنبش کو فیلِ بے زنجیر کی طرح آزاد چھوڑ دینے پر تنبیہ خود انھوں نے ہی لکھی ہے وہ خود ملاحظہ فرمائیں کہ خود ان سے کیا یہی فعل تو سرزد نہیں ہوگیا؟

محترم صبیح رحمانی صاحب! مجھے لکھتے ہوئے احساس ہی نہیں ہُوا کہ میرا یہ خط خاصا

طویل ہوگیا ہے۔ آپ تو ''نعت رنگ'' کے دو شمارے اکٹھے شائع کر کے مطمئن ہوگئے کہ تاخیر کا تدارک ہوگیا لیکن میرے لیے تو کام بڑھ گیا۔ آپ کو شاید اندازہ نہ ہو کہ مجھے کتنی محنت کرنی پڑتی ہے اور میرے مشاغل کی کثرت میرے لیے اوقات کی تقسیم میں مسئلہ رہتی ہے۔ یہ بات پھر دُہراؤں گا کہ میرا کام یا مقصد ہرگز عیب جوئی نہیں بلکہ خیر خواہی کی نیت سے یہ محنت صرف اس لیے کرتا ہوں کہ ''نعت'' کے بیان میں ہم سب احتیاط کے پابند رہیں اور سرزد ہوجانے والی کوتاہیوں سے توبہ و رجوع کرتے ہوئے آئندہ انھیں نہ دُہرائیں۔

''نعت رنگ'' کے دونوں شماروں ۱۳، ۱۴ کی بیش تر تحریروں کے حوالے سے اپنی اس تحریر کے آخر میں وعدے کے مطابق شمارہ ۱۳ میں مطبوعہ کچھ خطوط سے چند ضروری باتیں پیش کر رہا ہوں۔

''نعت رنگ'' شمارہ ۱۳ کے ص ۲۴۲ پر پہلا مکتوب، محترم سحر انصاری صاحب کا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''نعت کے حوالے سے تمھارے پرچے (''نعت رنگ'') کے لیے یہی کہنا پڑتا ہے:

آں چہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری''

پروفیسر سحر انصاری صاحب نے تو نعت شریف کے اس مصرع کو نعت شریف کے پرچے کے لیے لکھا ہے جب کہ جناب اشرف علی تھانوی نے کتاب ''ارواح ثلاثہ'' کے ص ۳۹۸ پر حاجی امداد اللّٰہ صاحب مہاجر مکی کے لیے یہ مصرع اور مفتی عزیز الرحمٰن نے اپنی کتاب ''تذکرہ مشائخ دیوبند'' کے ص ۱۳۹ پر جناب رشید احمد گنگوہی کے لیے یہ پورا شعر لکھا ہے:

''حسن یوسف، دم عیسٰی، ید بیضاداری
آں چہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری''

سیّد کشفی صاحب تو وہ شعر بھی نعت میں شمار کروانا چاہتے ہیں جو کہنے والوں نے نعت کی نیت سے نہیں کہے اور یہاں واضح نعتیہ شعر اور مصرع کو بالقصد دوسروں کے لیے کہا لکھا جا رہا ہے، یوں وہ ساری محنت جو ''''نعت رنگ'''' کا نصب العین ہے، وہ ''نعت رنگ'' ہی میں (بقول احمد صغیر صدیقی) ''ڈھیر'' ہوجاتی ہے۔ اگر ہر جگہ لفظی ولغوی معنی و مفہوم میں گنجائش کی راہ ہی نکالنی اور تاویل ہی اپنانی ہے یا شرعی لحاظ کی بجائے شخصی رعایت ہی رکھنی ہے تو پھر ''نعت رنگ'' کے چودہ شماروں کا حاصل کیا رہے گا؟

D:NaatRang-15
File: Khutoot
Final

جناب ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری کے مکتوب میں لکھا ہے: ''محسن کا کوروی نے

مروّجہ شاعری کی ہر صنف میں نعت کے فن کو برتا ہے۔'' (ص ۲۴۴، شمارہ ۱۳)

اس جملے کو انھوں نے بطور اقتباس نقل کیا ہے لیکن محلِ نظر بات کو توجہ یا اہمیت نہیں دی۔ ''نعت کے فن'' کے الفاظ درست نہیں، ''نعت گوئی کے فن'' کے الفاظ لکھے جاتے۔

جناب احمد صغیر صدیقی ہی کے مکتوب کا حوالہ میری اس تحریر کے شروع میں تھا، تحریر کا اختتام بھی انھی کے مکتوب کے جواب پر کرتا ہوں:

جناب احمد صغیر صدیقی سے عرض ہے کہ وہ اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی علیہ الرحمہ کے اشعار میں عربی الفاظ کے تلفظ اور معنی کے حوالے سے اعتراض کرنے سے پہلے کوئی لُغت ہی دیکھ لیتے، جب انھیں زبان و بیان سے اتنی وابستگی نہیں تو انھیں اپنی تضحیک کا سامان نہیں کرنا چاہیے۔

وہ میرے مطبوعہ خط کے بارے میں لکھتے ہیں: ''اس میں دُرّے (کوڑے کے معنی میں) صحیح لفظ انھوں نے ''دُرّے'' لکھا ہے، میرے پاس جو لغت ہے اس میں درے لکھا ہے۔ اب بتایئے ہم کیا بولیں؟ دِرّے کہا تو لوگ سنیں (ہنسیں) گے اور اگر دُرّے کہا تو ہم خود روئیں گے۔'' (ص ۲۹۸، شمارہ ۱۳)

جناب احمد صغیر سے عرض ہے کہ وہ لوگوں کے ہنسنے کا اہتمام اپنے اس رونے سے خود ہی کر گئے ہیں، وہ ملاحظہ فرمائیں۔

فارسی ''غیاث اللغات'' مطبوعہ بمبئی کے ص ۲۹۲ پر ہے: ''درہ بالکسر وراءمہملہ مشدّد و دال چرمی کہ محتسب بدان حد زند از منتخب و سرورے وصراح و مؤید و کشف و کنز و درہ بالفتح بتشدید و تخفیف در فارسی بمعنی راہے کہ در کوہ باشد و بہمین حرکات بمعنے شکنبہ کہ معدۂ بہائم باشد و بالضم و تشدید را در عربی بمعنی مروارید بزرگ از رشیدی وصراح و کشف و برہان و منتخب۔''

اور ص ۲۸۹ پر ہے لفظ ''در'' کے سامنے درج ہے: ''بالضم مروارید بزرگ از منتخب وصراح و در بہار عجم نوشتہ کہ در بالضم و تشدید را و تخفیف آں فارسیان مطلق مروارید را گویند و در لغت عرب درہ بروزن حرہ مروارید کلاں را گویند۔'' (احمد صغیر صدیقی صاحب سے عرض ہے کہ ''منتخب، سروری، صراح، مؤید، کشف، برھان اور کنز'' یہ کتبِ لغات کے نام ہیں، وہ انھیں ''دُرّوں یا دِرّوں'' کے نام نہ سمجھ لیں)

''فرہنگِ عامرہ'' مطبوعہ دہلی کے ص ۲۲۳ پر ہے: ''درہ (دُرّ۔ رَہْ) بڑا موتی جمع دُرَرْ تو تا، مینا (دِر۔ رَہ) دودھ، چمڑے کا کوڑا (دَرَہْ، دَرْ۔ رَہ) پہاڑی راستہ، اوجھڑی''

A Dictionary of Urdu, Classical Hindi, and English by John T.Platts (London) کے صفحے ۵۱۴ پر بھی دونوں تلفظ درج ہیں: ''درہ durra, dirra

''معجم الاغلاط اللغویہ المعاصرۃ'' (مطبوعہ مکتبہ لبنان، بیروت، طبع اول، ۱۹۸۶ء) کے ص ۲۲۰ میں ہے:

(٦٣٥) ضَرَبَهُ بِالدِّرَّةِ، اَلدُّرَّةُ فی اللغة الفارسية هی السّوط يُضرَبُ به، كما يقول مَدُّ القاموس، ولكنّها عندما عُرِّبَتْ كُسِرت دالُها فصارت دِرَّةً. ويُخطئُ كيثرون فيلفظون دالَها مضمومةً (دُرّة)، والصواب كسرُها (دِرّة)، كما تقول جميع المعاجم وكتب الادب، وقد اشتهر عمر بنُ الخطّاب رضی الله عنه بِدِرَّتِه.

ويقول التاج اِنّ الدِّرَّة عربية معروفة، والجمع: دِرَرٌ.

ومن معانی الدِّرّة: اللبن او كثرتُه... اما الدَّرّةُ، فمعنا ها اللبن اوِالكثير منه، وَالدُّرّة هی: اللؤلؤة العظيمة، البَبْغاء الصغيرة.

''فیروز اللغات'' عربی اُردو (مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۹ء) کے ص ۱۸۶ پر ہے: ''دُرَّۃ ج دُرَرْ و دُرّات۔ ایک موتی۔ طوطے کی مادہ۔

دِرّۃ ج دِرَرْ۔ دودھ، دودھ کی کثرت، دودھ کا بہاؤ، خون، کوڑا، بادلوں کا چلنا، (منڈی کا) چالو ہونا۔''

''المنجد'' عربی اُردو، مطبوعہ دارالاشاعت، کراچی، کے ص ۳۱۶ پر ہے: ''الدِرَّۃُ دودھ، دودھ کی زیادتی، دودھ کا بہاؤ، خون، کوڑا۔''

ابھی متعدد لُغات اور بھی ہیں مگر اتنے حوالوں پر اکتفا کرتے ہوئے میں یہی چاہتا ہوں کہ احمد صغیر صاحب روتے روتے خود ہی ہنس پڑیں۔

یہاں نعت خوانوں اور قارئین کے لیے یہ بھی واضح کروں کہ کچھ لوگ دال کے زبر کے ساتھ ''دَرُوْدْ'' کہتے ہیں جب کہ صحیح تلفظ دال کے پیش کے ساتھ ''دُرُوْدْ'' ہے۔ (غیاث اللغات، ص ۲۸۹)

احمد صغیر صدیقی صاحب لکھتے ہیں کہ: ''افسوس کہ خط لکھتے ہوئے وہ حوالے دینے میں اس قدر غرق ہوتے ہیں کہ پھر جو کچھ انھوں نے ان پر لکھا وہ اس قدر گنجلک ہوگیا ہے کہ مَیں سمجھنے سے قاصر رہا... وہ اگر ہر بات کا حوالہ دینے کے بعد اپنی رائے علاحدہ کرکے وضاحت سے

D:NaatRang-15
File: Khutoot
Final

لکھتے تو کیا اچھا ہوتا۔'' (ص ۲۹۸)

جناب احمد صغیر صدیقی اسی شہر کراچی ہی میں مقیم ہیں۔ میری تحریر میں جہاں کہیں ان کی فہم رسا نہیں ہوتی وہ بالمشافہ یا فون پر گفتگو فرمالیں، اگر وہ چاہیں تو ''نعت رنگ'' کے کسی فہمیدہ قاری سے میری تحریر سمجھ لیا کریں۔ مجھے حیرت ہے کہ ان کے لیے میری تحریر گنجلک ثابت ہوئی۔

وہ لکھتے ہیں: ''صفحہ ۴۴۰ پر کچھ باتیں عرش کے مستقر خداوندی ہونے کی بابت ہیں، مولانا کوکب نورانی نے اس پر اپنی رائے نہیں دی کہ درست بات کیا ہے؟ مستقر علی العرش سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ عرش، ثم استوی خداوندی ہے۔ حضور کا نوری پیکر ہونے کا بھی اس میں ذکر ہے۔ پھر ''انا بشر'' والی بات کیا معنی رکھتی ہے کو (کہ) بشر تو مٹی سے بنا ہے؟'' (ص ۲۹۸، ۲۹۹)

محترم احمد صغیر صدیقی صاحب سے مختصراً عرض ہے کہ قرآن کریم میں تین طرح کی آیات ہیں۔ مقطعات، متشابہات اور محکمات۔ محکمات کے سوا پہلی دو طرح کی آیات کے حوالے سے وہ تفسیروں میں ہدایات دیکھیں۔

علاوہ ازیں اہلِ ایمان کا عقیدہ ہے کہ اللّٰہ تعالیٰ جسم، جسمانیات، مکان، مکانیات، زمان زمانیات، سمتوں جہتوں، کم زوریوں، حاجتوں... سے پاک ہے اور بے مثل و بے مثال ہے۔ استوی علی العرش کے معنی ہم یہی کرتے ہیں کہ اللّٰہ تعالیٰ نے عرش پر اپنی شان کے مطابق استوی فرمایا۔

عام لغت کے مطابق ''استویٰ'' کے لفظی معنی ہم اللّٰہ تعالیٰ کے لیے نہیں کرسکتے۔

دوسری بات کا مختصراً جواب یہ ہے کہ ہم اپنے نبی کریم ﷺ کو بلاشبہ ''بشر'' مانتے ہیں لیکن انھیں محض بشر یا عام بشر یا اپنے جیسا بشر ماننا سخت بے ادبی بلکہ کفر تک جانتے ہیں۔ اللّٰہ تعالیٰ نے انھیں ساری کائنات بنانے سے پہلے اپنے ذاتی نور سے تخلیق فرمایا۔ قرآنی آیات اور احادیثِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام میں ان کے نور ہونے کا واضح بیان ہے۔ قرآن کریم میں انھیں اللّٰہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کہہ دیجیے کہ مَیں ظاہر صورت بشری میں تو تم جیسا ہوں، اس کا مطلب یہی ہے کہ انھیں جو فضل و کمال حاصل ہے اسے دیکھ سن کر کوئی انھیں خدا نہ کہہ دے، بلاشبہ وہ مجسم ہوکر لباس بشری میں تشریف لائے مگر وہ بے مثل و بے مثال بشر ہیں اور ان کی بشریت حضرت جبریل امین علیہ السلام کی نورانیت سے بھی افضل و اعلیٰ ہے۔ وہ بشر بھی ہیں وہ نور بھی ہیں یوں ہم انھیں نوری بشر اور نوری پیکر کہتے ہیں۔

جناب احمد صغیر صدیقی کہتے ہیں کہ بشر تو مٹی سے بنا ہے۔ وہ شاید یہ جاننا چاہتے ہیں کہ خاک اور نور کیسے جمع ہو سکتے ہیں؟ ان کی توجہ کے لیے عرض کروں کہ ''جگنو'' چھوٹا سا کیڑا ہے اور مٹی ہی سے بنا ہے، اس میں بھی نور ہے۔ اور یہ بھی ملاحظہ ہو: حضرت جبریل امین علیہ السلام فرشتوں کے سردار ہیں، ان کے ''نوری'' ہونے میں تو کچھ شبہ نہیں، وہ حضرت مریم علیہ السلام کے پاس تشریف لائے تو قرآن کے الفاظ ہیں: ''فتمثل لھا بشرا سویا (مریم: ۱۷)، (وہ اس کے سامنے ایک تندرست آدمی کے روپ میں ظاہر ہُوا)، حضرت جبریل امین کیا اس وقت نور نہیں تھے؟ شکل بشری میں آنا ''نور'' ہونے کی نفی نہیں کرتا۔ اس موضوع پر احمد صغیر صاحب صدیقی میرے والد گرامی حضرت مجدد مسلک اہلِ سنت خطیب اعظم مولانا محمد شفیع اوکاڑوی رحمۃ اللّٰہ علیہ کی کتاب ''الذکر الحسین فی سیرۃ النبی الامین ﷺ'' اور دیگر علمائے اہلِ سنت کی کتابوں کا مطالعہ فرما لیں۔

مجھ گناہ گار سے اس تحریر میں کوئی غلطی و کوتاہی ہوئی ہو تو اللّٰہ تعالیٰ سے توبہ و رجوع کرتا ہوں اور طالبِ عفو و مغفرت ہوں۔ کسی کی ذاتی دل آزاری ہوئی ہو تو معافی چاہتا ہوں۔ اللّٰہ بس باقی ہوس۔

محسن احسان۔ پشاور

آپ نیپا تشریف لائے۔ میں اوپر کمرے میں تھا۔ شہزاد نے بعد میں بتایا کہ آپ پوچھ رہے تھے اور ''نعت رنگ'' میرے لیے چھوڑ گئے۔ مجھے بے حد افسوس رہا کہ ملاقات نہ ہو سکی اگر کسی کو بھجوا کر بلوا لیتے تو کوئی مشکل بات نہ تھی۔ آپ نے زحمت بھی کی اور ملاقات بھی نہ ہوئی۔ اس طرح مبین مرزا صاحب سے نہ مل کر افسوس ہوا۔ چلیے ...ایں ہم اندر عاشقی!

زیر ترتیب شمارے کے لیے دو نعتیں ارسال کر رہا ہوں۔

''نعت رنگ'' اپنی تمام دل کشیوں اور رعنائیوں کے ساتھ دیکھ کر بے حد مسرت ہوئی ہے۔ مضامین، حمد اور نعتیں سبھی معیاری اور فکر کو مہمیز دینے والی ہیں۔ آپ کی کاوشیں اچھے اور عمدہ ادب کی ضامن ہیں۔ میری طرف سے آپ کو اور سبھی دوستوں کو مبارک باد۔

حسبِ وعدہ دو نعتیں زیر ترتیب شمارے کے لیے ارسال ہیں۔

خدا کرے آپ بخیریت ہوں۔

حفیظ الرحمٰن احسن۔ لاہور

آپ کے مرسلہ ارمغان بہ تفصیل ذیل موصول ہوئے:

۱۔ ''نعت رنگ'' شمارہ نمبر۱۲۔۱۳

۲۔ ''سفیر نعت'' (تیسری کتاب)

۳۔ نعت اور تنقید نعت

۴۔ اردو میں نعت گوئی

آپ کے ساتھ ان سے سب کرم فرماؤں کا بے حد ممنون ہوں، جنھوں نے یہ قیمتی تحفے عنایت کیے۔ (وصولی کی رسید تاخیر سے دے رہا ہوں اس کے لیے معذرت)

ان کی اور دیگر رفقا کار کی خدمت میں میرا سلام مسنون کہیے۔ جزاہم اللہ

پیرایہ حمد کی اشاعت کے لیے شکریہ قبول فرمایے۔ چھوٹے موٹے تسامحات ہیں۔ البتہ ایک جگہ خبز سمین کو جز سمین لکھا گیا ہے۔ ہو سکے تو آئندہ شمارے میں وضاحت شائع کر دیجیے گا۔

وہ بے نیاز ہے، دیتا ہے جس کو جو چاہے
کسی کو خبز سمین اور کسی کو نان شعیر

(کسی کو بھی کس لکھا گیا ہے)

اسی طرح اس شعر کے دوسرے مصرع میں ''ہے'' کا لفظ زائد ہے۔ اصل شعر اس طرح ہے۔

وہ تلخیاں ہوں کہ شیرینیاں، اسی کا ظہور
عسل بھی اس کا سم اس کا اسی کے حنظل و شیر

اچھا اب اجازت۔ امید ہے مزاج بخیر ہوں گے۔

پروفیسر محمد اکرم رضا۔ گوجرانوالہ

''نعت رنگ'' کے دو شمارے (۱۴۔۱۳) ایک ساتھ موصول ہوئے۔ آپ فروغِ نعت اور اشاعت توصیفِ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حوالے سے جس تسلسل اور ایمان آفریں عزمِ مصمم کے ساتھ اس روحانی پیغام کو لے کر آگے بڑھ رہے ہیں۔ اس کی حقیقی جزا تو ربّ کریم ہی دیں گے کیوں کہ آپ اس ہستی والا صفات کی مدحت نگاری کی خوش بو سے زمانہ بھر کو مہکانے کا

عزم کیے ہوئے ہیں جو خدائے کریم کو سب سے زیادہ عزیز اور محبوب ہے اور جس کی محبت میں فنا ہونے والے کو ہی وہ اپنا محبِّ صادق قرار دیتا ہے۔ نیک کام کا آغاز بھی بڑی بات ہے اور پھر اس تواتر سے کیے جائے تو کارِ عظیم ٹھہرا۔ یہ کارِ عظیم چند لفظوں کے خراج تک محدود نہیں بلکہ اس پر آنے والے ادوار کے مؤرّخین اور ناقدینِ نعت بہت کچھ لکھیں گے۔ ''نعت رنگ'' کے شمارہ اوّل سے لے کر چودھویں شمارے تک آپ کو کئی بار مستقبل سے ملنا پڑا ہوگا۔ اور اسی ''مستقبل (کہ جو اب ماضی میں ڈھل چکا ہے) کی صدائے بازگشت ''نعت رنگ'' کے حوالے سے کئی شماروں اور کئی دوسرے رسائل میں بھی جلوہ گر نظر آتی ہے۔ اگر آپ کسی پر احسان نہیں کر رہے تو ''نعت رنگ'' کی مساعیٔ جلیلہ اور ہمہ رنگی پر قلم اٹھا کر کوئی اور بھی آپ پر احسان نہیں کر رہا۔ یہاں تو سبھی ثناخوانی حضور میں الجھ کر سلجھ رہے ہیں۔ سب اپنے اپنے فکر و نظر کے پھول لے کر آپ تک پہنچ رہے ہیں۔ اور آپ ان پھولوں کو چن کر اس حسنِ ترتیب سے گل دستے کی تزئین کرتے ہیں کہ اس کے ظاہری حسن، معنوی جاذبیت اور فکری لطافت میں کہیں بھی کمی کا نہیں بلکہ ہر لحاظ سے بہارِ صد رنگ کا احساس ہوتا ہے۔ اوّل تو کمی کا گمان بھی نہیں ہونے پائے کیوں کہ ''نعت رنگ'' کے حسن کی جلوہ گری سب کے افکار و اذہان کو اپنی دلآویزی و جامعیت میں گم کر دیتی ہے۔ اور اگر کہیں کمی کا احساس ہو بھی تو آپ نے ناقدینِ فکر و فن کو دعوتِ عام دے رکھی ہے۔ معاملہ اپنی اپنی سوچ اور اپنے شہپرِ تخئیل کی بلندی کا ہے۔ آپ کا کمال ہے کہ آپ کسی کو ٹوکتے نہیں۔ روکتے نہیں۔ یہی تو آپ کا کمال اور کشادہ ظرفی ہے کہ تنقیدِ نعت کو اتنا پھیلا دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خوب صورت تنقید کے بعض شہ پارے کے بجائے خود نعتیہ مضامین نظر آتے ہیں۔

ان شماروں میں حسبِ سابق نعت گوئی کے ادبی مقام کے حوالے سے مضامین نظر آئے... ''اردو میں نعت گوئی کا فن (ڈاکٹر سیّد وحید اشرف کچھوچھوی) ''نعت کا ادبی مقام'' (ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتح پوری) ''معجزۂ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود'' (عزیز احسن)، ''نعت اور تنقیدِ نعت ایک جائزہ'' (پروفیسر واصل عثمانی) ان مضامین میں نقد و نظر کے حوالے سے قابلِ قدر مواد پیش کیا گیا ہے۔ فکر و نظر کی نئی نئی جہتیں سامنے آئی ہیں۔ مقالہ نگاروں کی فکری ریاضت نعت کے حوالے سے لکھنے والوں کو نیا مواد فراہم کرتی ہے۔

امام احمد رضا خاں محدث بریلویؒ کاروانِ نعت کے عظیم حُدی خواں ہیں۔ آپ کے چاہنے والے ہوں یا آپ کے مخالفین سبھی آپ کی نعت گوئی کے معترف اور آپ کو امامِ نعت

D:NaatRang-15
File: Khutoot
Final

گویاں تسلیم کرتے ہیں۔ یوں تو رضا بریلوی کا تذکرہ کئی اور مضامین میں بھی ہے مگر ''نعت رنگ'' کے ان شماروں میں دو مضامین بطورِ خاص آپ کے نعتیہ افکار کے حوالے سے پڑھنے کو ملے۔ میری مراد ''امام احمد رضا کا تصورِ نعت'' (ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی) اور ''حضرت رضا بریلوی کی نعت گوئی میں مضمون آفرینی'' (ڈاکٹر صابر سنبھلی) سے ہے۔ ان مقالہ نگاروں نے فاضل بریلوی کی نعت نگاری کے حوالے سے نئے حوالے تراشے ہیں۔ بات تو تحقیق اور نئے پن کی ہے ورنہ ''حدائق بخشش'' تو وہی ہے جو مدتوں سے اہلِ نظر کے لیے وظیفۂ ایمان بنا ہوا ہے۔ ان مضامین کے مطالعے سے احساس ہوتا ہے کہ فاضل مقالہ نگاروں نے اپنی اپنی جگہ موضوعات کو خوب صورتی سے نبھانے کی کوشش کی ہے۔ ورنہ یہ تو ایک سلسلۂ طولانی ہے جسے چھیڑ دیں تو پھر نہ تو سلسلہ ختم ہونے میں آتے ہیں اور نہ ہی قلم کو خاتمہ کا یارا رہے۔

''اسم محمد ﷺ نعت کے آئینے میں'' (پروفیسر محمد اقبال جاوید) بلاشبہ فکر ونظر کو روشنی عطا کرنے والا مضمون ہے۔ پروفیسر محمد اقبال جاوید نے قرآن و احادیث کے تناظر میں گفتگو کر کے مضمون کو اشعار کے انتخاب تک بڑھایا ہے۔ مضمون سجتا بھی اسی صورت میں کہ عنوان پر سیر حاصل علمی بحث کی جائے اور پھر شعرا کا انتخاب پیش کیا جائے۔ پروفیسر محمد اقبال جاوید صاحبِ طرز نثر نگار ہیں۔ ان کے جملوں میں شعریت ہے اور ان کی نثر پر تغزل کا گمان ہوتا ہے۔ جب بھی لکھتے ہیں خوب لکھتے ہیں۔ تحقیق، تنقید کو نثر معریٰ کے ساتھ آگے بڑھانا بھی ایک صنعتِ خاص ہے۔ جواب خال خال ہی نظر آتی ہے۔

اسی طرح ''نعت میں ذکرِ میلادِ سرکار'' (راجا رشید محمود) بھی ایک طویل اور نعت کے حوالے سے دلآویز مضمون ہے۔ یہ ایک مربوط اور مبسوط مقالہ ہے۔ راجا رشید محمود نعت کے حوالے سے خود حوالہ ہیں بلکہ روایاتِ نعت کی عملی تفسیر ہیں۔ کتب و رسائل نعت کے حوالے سے ایک جہاں نعت آباد کیے ہوئے ہیں۔ بہت تیزی اور روانی سے لکھنے والے ہیں خطیبِ سیرت ہیں۔ اس لیے ان سے بجا طور پر توقع رکھتا تھا کہ وہ میلادِ سرکار ﷺ کے حوالے سے تمہیداً خوب لکھتے اور پھر شعرا تک آتے۔ ان کے علمی مقام کے پیشِ نظر میں۔ یہ ضرور کہوں گا کہ اگر وہ ایسا کرتے تو انھیں زیبا تھا۔ ان کے دبستانِ نعت کی وسعت کا اندازہ ان کے اٹھارہ صفحات پر مشتمل حواشی سے ہی ہو جاتا ہے۔

''ہندوستان میں عربی نعت گوئی'' کے عنوان سے ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی کا طویل مقالہ

قاری کے لیے مطالعۂ نعت کا نیا انداز لیے ہوئے ہے۔ ''نعت رنگ'' کی خوش بختی ہے کہ اس قدر گہرائی میں جا کر سیر حاصل بحث کرنے والے گلستانِ نعت کے مستند اور معتبر خوشہ چین اس ادبی و علمی مرقع کا اعزاز بنے ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر عاصی کرنالی نعت کے حوالے سے معروف محقق، نقاد ہونے کے علاوہ بلند پایہ نعت گو شاعر ہیں۔ انھوں نے جنوبی ''پنجاب میں اردو نعت گوئی کا پچاس سالہ جائزہ'' پیش کیا ہے۔ یہ مقالہ مختصر لگا۔ جنوبی پنجاب کے صاحبِ دیوان متعدد شعرا ان کی تحریر کی زینت نہ بن سکے۔ ایک اچھا اور بلند فکر ناقد تحریر کے لیے محض نعتیہ کتب کا محتاج نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر عاصی کرنالی تو بہت آگے جا کر لکھنے والے ہیں۔

''علامہ ارشد القادری'' کی نعت پر ظہیر غازی پوری کا مضمون بہت معلوماتی اور دل کش ہے۔ علامہ ارشد القادری بہت اچھے نثر نگار تھے۔ ان کے نثری مضامین کی ادبی معنویت، جامعیت اور حسنِ کلام کو اپنے اور پرائے سب مانتے ہیں۔ اس مضمون سے معلوم ہوا کہ وہ نثر نگاری میں جس شان سے لفظوں کے گلاب کھلاتے تھے نعت میں بھی اتنی ہی فکری دلآویزی اور عقیدتِ رسول کی دنیا آباد کیے ہوئے تھے۔ ربّ کریم اپنے محبوب ﷺ کے طفیل ان کے درجاتِ اخروی کو سربلندیاں عطا فرمائے۔

پروفیسر شفقت رضوی کی دو نئی کتابوں پر احمد صغیر صدیقی کا تجزیاتی مضمون پڑھا۔ پروفیسر شفقت رضوی بلاشبہ تنقید و تحقیق اور خاص طور سے نعتیہ تحقیق کے حوالے سے قابلِ قدر مقام رکھتے ہیں۔ ان کی تحریریں ''نعت رنگ'' کی وساطت سے نظروں سے گزرتی رہتی ہیں۔ انھیں جب بھی پڑھا ذہن و فکر کو مزید بالیدگی عطا ہوئی۔ ان کی کتب تک ابھی تک رسائی نہیں ہوئی۔ موقع میسر آیا تو پروفیسر صاحب پر لکھوں۔ کیوں کہ ایسے باہمت تنقید نگار بلاشبہ اردو نعتیہ ادب کا سرمایہ ہیں۔

میں نے پہلے بھی عرض کیا ہے کہ ''نعت رنگ'' بلاشبہ نعتیہ مضامین کا نہایت دل کش، معنبر و معطر گل دستہ ہے جس کے ہر گل کی خوشبو لازوال ہے۔ مگر اس کا ایک امتیاز نقد و نظر کی دنیا بسانا ہے۔ نقد و نظر کے گوشے میں کئی نام ذہن میں ابھرتے ہیں۔ تسلسل سے محوِ تنقید رہنے والے علامہ ڈاکٹر کوکب نورانی کا تذکرہ کیے بغیر بات مکمل نہیں ہوتی۔ علامہ کوکب نورانی خطیب اعظم حضرت علامہ محمد شفیع اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزندِ ارجمند ہیں۔ خطیبِ مشرق سے ایک زمانہ آگاہ تھا۔ میں بھی اس زمانے کا حصہ ہوں۔ انھیں صرف تین چار مرتبہ سنا۔ اور جب بھی سنا یہی

D:NaatRang-15
File: Khutoot
Final

احساس ہوا کہ ''ایک بار سنا ہے دوسری بار سننے کی ہوس ہے۔'' انھیں کے صاحب زادے علامہ کوکب نورانی کو فقط ٹیلی وژن پر دیکھا اور ''نعت رنگ'' میں تنقید کے شعبے میں بار بار پڑھا۔ ٹیلی وژن پر جتنے دھیمے، مدھم، دل کش اور مدھر سروں میں بولتے ہیں، تنقیدی خطوط میں اس کے بالکل برعکس ہوتے ہیں۔ کھرا کھرا لہجہ، بے نیاز و بے پروا۔ بات بات پر بال کی کھال اُتارنے والے (حالاں کہ یہ محض ایک محاورہ ہے) ''نعت رنگ'' کے مضامین کو اتنی عرق ریزی، باریک بینی اور عبادت کی حد تک ڈوب کر پڑھتے ہیں کہ شاید اس طرح جناب صبیح رحمانی بھی نہ پڑھتے ہوں گے۔ اپنے مؤقف پر ڈٹے رہنے والے دوسرے کے دلائل کی ہر صورت کاٹ کرنے والے، شاعر نہ ہو کر بھی (کیا خبر کہ شاعر ہوں، کیوں کہ ممدوحِ دوعالم ﷺ کے اکثر سیرت نگاروں کے دامانِ ادب سے نعتیں ٹپک ہی پڑتی ہیں) نعت پر اس قدر سیر حاصل گفتگو کرنے والے، دلائل و براہین کے انبار لگا دینے والے، ان کے تبصروں کی شدتِ خلوص پڑھنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ انھوں نے اتنے طویل تبصرے لکھے ہیں کہ ان کے لیے یہ مشورہ دیتے ہوئے روحانی اطمینان کا احساس ہوتا ہے کہ وہ باقاعدہ مضمون نگاری فرمائیں۔ اگرچہ یہ تبصرے بھی مضمون نگاری ہی کا ایک حصہ ہیں۔ مگر اس میں ان کی توجہ ''نعت رنگ'' اور قلم کارانِ ''نعت رنگ'' تک محدود رہتی ہے۔ مجھے امید ہے کہ اگر یہ مشورہ میرے ممدوح خطیبِ پاکستان کے جانشین کے فکر و ذہن کے لیے معمولی حد تک بھی قابلِ قبول ٹھہرا تو اردو نعت کے ناقدین اور مستقل مضمون نگاروں کی فہرست میں ایک بڑے نام کا اضافہ ہوگا۔

احمد صغیر صدیقی۔ کراچی

دسمبر ۲۰۰۲ میں ایک ساتھ دو شمارے شائع کر کے آپ نے تاخیر کا ازالہ کر دیا۔ میرا خیال ہے یہ تاخیر والی بات ہونی ہی نہیں چاہیے۔ ہر تیسرے مہینے پابندی سے کتاب آنی چاہیے۔ اور اس کی ضخامت کو ۲۷۵ صفحات تک محدود کر دیں۔ اس طرح آپ کو بھی متعدد آسانیاں ہو جائیں گی اور خریداروں کو بھی رسالہ بلاتاخیر ملنے لگے گا۔

اس بار میں نے دونوں شماروں میں پروف خوانی کی طرف سے قدرے لاپروائی محسوس کی۔ خود میرے مضمون اور میرے خط میں بہت سی غلطیاں چھوڑ دی گئی تھیں۔ پڑھنے والے تو کسی نہ کسی طرح پڑھ ہی لیتے ہیں مگر بعض اوقات ان اغلاط کی وجہ سے بات بدل کر رہ جاتی ہے۔ اور کم سے کم مجھے بڑی کوفت ہوئی ہے۔ جب میں اپنی تحریر کو مسخ شدہ دیکھتا ہوں۔ بہرحال یہ سب

کچھ طباعتی کاموں میں ہوتا ہی رہتا ہے۔

اب ذرا شمارہ ۱۳ پر ایک نظر

پروفیسر محمد اقبال جاوید کا مضمون ''اسم محمد ﷺ نعت کے آئینے میں'' بہت طویل ہے مگر اس کا بہت بڑا حصہ شعرا کے اشعار پر مشتمل ہے۔ راجا رشید محمود کے مضمون ''نعت میں ذکرِ میلادؐ'' میں بھی یہی صورت نظر آئی۔ اس کی طوالت کا اندازہ اسی سے ہوتا ہے کہ خود حواشی کی فہرست ۱۸ صفحات پر محیط ہے۔ بہرحال دونوں کی محنت قابل داد ہے۔ شارق جمال صاحب عروض داں ہیں اور ان کے مضمون ''نعت کے اشعار اور فنی سقم'' میں شعرا کے لیے رہنمائی موجود ہے۔ مگر ان پر سختی سے عمل پیرا ہونا ممکن نہیں۔ مثلاً حروف علت کا دبانا یا گرانا اب عام ہو چکا ہے۔ اور شعری حسن برقرار رکھنے کے لیے اگر اسے جائز قرار دے دیا جائے تو کچھ ہرج نہیں۔ یہی صورت اجتماع ردیفین کے عیب کی ہے۔ اگر یہ ابھر نہ رہا ہو تو روا ہوسکتا ہے۔ ابوسفیان اصلاحی صاحب کا مضمون تحقیقی ہونے کی وجہ سے اہمیت کا حامل ہے۔

کتابوں کے جائزے کے حصے میں ڈاکٹر طلحہ برق کا مضمون مختصر ہونے کے باوجود عمدہ ہے۔ اس کے آگے نعتیں ہیں۔ شاہ محمد قائم قتیل، کی نعت بہت روایتی سی ہے۔ سرشار صدیقی صاحب کی نعت بھی پر اثر نہیں محسوس ہوئی، علی محسن صدیقی، سیّد افتخار حیدر، عبدالرحمٰن عبد، ظہیر غازی پوری، وغیرہم کی نعتیں عام سی ہیں۔ البتہ جناب عاصی کرنالی، تسلیم الٰہی زلفی، صابر وسیم، قیصر نجفی کی نعتیں بہتر محسوس ہوئیں۔

خطوط میں مولانا کوکب نورانی نے نہایت طویل خط لکھا ہے۔ بقول ان کے اس پر دوبارہ نظر ڈالنے کی ان کے پاس فرصت نہ تھی۔ اچھا ہوتا کہ وہ دیکھ لیتے۔ بہرحال یہ خاصہ معلوماتی ہے۔ مگر اس میں بھی مجھے وہی کچھ نظر آیا جو ہمارے مذہب سے متعلق دوسری تحریروں میں ہوتا ہے۔ ہر طرف نزاع نظر آتا ہے۔ میں تو خوف زدہ ہو کر اب مذہب کو پڑھ ہی نہیں رہا ہوں بس جتنا پڑھ لیا اسی نے دماغ خراب کر دیا ہے۔ میں اب اپنے مذہب کی چند موٹی موٹی باتوں تک محدود رہتا ہوں۔ نماز، روزہ، حج تک محدود رہنا ہی اچھا ہے۔ حتیٰ المقدور حقوق العباد پر توجہ رکھی جائے اور بس۔ اب بتائیے یہ جان کر مجھے کیا حاصل ہوگا کہ رسول پاک کے اندر چار سو مردوں کے برابر طاقت تھی (اس کا علم مجھے ''نعت رنگ'' ہی میں شامل کسی مضمون سے ہوا)۔ قیصر نجفی کا خط بھی بہت اچھا ہے۔ انھوں نے میرے ہائیکو پسند کیے اور چند غلطیوں کی نشان دہی بھی

D:NaatRang-15
File: Khutoot
Final

کی ہے۔ مثلاً نام کی خوشبو سے حرف کیسے چمک سکتا ہے۔ دراصل شاعری یہی ہے۔ اگر نام کی خوشبو ہوسکتی ہے تو پھر اس خوشبو سے حرف چمک بھی سکتے ہیں۔ منطقی پیمانے پر بہرحال ان کی گرفت درست ہے۔ خدا خوش رکھے انھوں نے سمت نمائی کی ہے۔

اب شمارہ ۱۴

پروف خوانی سے عدم توجہی پہلی ہی حمد میں نمایاں ہے۔

ڈاکٹر سیّد وحید اشرف... کا مضمون برا نہیں ہے مگر انھوں نے اس میں جا بجا خود اپنی تحریر کردہ نعتوں کے مجموعے ''تجلیات'' سے مثالیں پیش کر کے اسے کم زور کر دیا ہے۔

فرماتے ہیں... ''اردو میں لفظوں کی تکرار سے کس طرح موسیقی اور غنائیت پیدا ہوتی ہے۔ اس کے لیے راقم اپنی ہی کتاب ''تجلیات'' سے مثالیں پیش کرتا ہے۔

یاد نبی کی جوت سے جو دل جگمگ جگمگ جگمگ ہے

اس کے سر پر رحمت باری پگ پگ پگ پگ پگ پگ ہے

اسی شعر سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ کلام کس پائے کا ہوگا اور یہ ''پگ پگ پگ پگ'' کی آواز کدھر کی مترنم کہی جا سکتی ہے۔ بس محض یہ نعرہ ہی لگایا جا سکتا ہے ''اللہ غنی''

اس مضمون میں متعدد حدیثیں بھی لکھی ہیں۔ مثلاً یہ حدیث ''اپنی حاجت سوائے خدا کے کسی سے طلب نہ کرو۔'' اس کا مطلب ڈاکٹر صاحب نے کیا لیا ہے۔ اس کے لیے ان کی دی مثال سے رجوع کریں۔

''اس کے بعد حضرت ثعبان گھوڑے پر سوار ہوتے اور اگر کوڑا نیچے گر جاتا تو کسی سے اٹھانے کو نہ کہتے تھے خود اتر کر اٹھا لیتے تھے۔''

انھوں نے ''حضرت'' اور اعلاحضرت کے مسئلہ پر بھی خامہ فرسائی کی ہے۔ فرماتے ہیں:

اعلا حضرت کا مطلب کسی ایسی ہستی کی طرف اشارہ کرنا ہے جو بعض پر فضیلت رکھتی ہے۔ اس لیے رسول اکرم کے لیے اس کا استعمال جائز نہیں کیوں کہ آپ افضل خلائق ہیں''۔

اللہ اللہ... ماشاء اللہ نہایت زور دار بات ہے۔ یعنی حضرت لکھنا تو جائز ہے اعلاحضرت لکھنا جائز نہیں۔ حالاں کہ یہ Superlative Degree ہے اور کچھ نہیں۔

مجموعی طور پر ڈاکٹر صاحب کا مضمون ٹھیک ٹھاک ہے گو کہ اس میں درج باتوں کی

نشان دہی پہلے بھی ''نعت رنگ'' میں ہو چکی ہے۔

ڈاکٹر اسماعیل آزاد اور عزیز احسن صاحب کے مضامین میں بہت سی باتیں قدر مشترک تھیں۔ ڈاکٹر عزیزی کا مضمون امام احمد رضا کی لکھی نعتوں کی خصوصیات پر مبنی ہے مگر جا بہ جا ان کی دی ہوئی مثالیں شعریت کی صفت کو اجاگر کرنے والی نہیں بلکہ مجروح کرنے والی تھیں۔ دیکھ لیں:

تیری انگلی اٹھی مہ کا کلیجہ چر گیا

☆

بھائیوں کے لیے ترک پستان کریں

☆

محو و اثبات کے دفتر پر کروڑا تیرا

☆

دو قمر دو پنجہ خود دو ستارے دس ہلال

ان کے تلوے، پنجے ناخن پائے اطہر ایڑیاں

اس شمارے میں کتابوں کے ایک دو طویل جائزے بھی ہیں جو یک طرفہ لیے گئے ہیں۔ یعنی تعریفی اور توصیفی ہیں۔ نعتوں میں جناب عاصی کرنالی، محمد علی اثر، عقیل عباس جعفری اور عمران نقوی کی نعتیں اچھی لگیں۔

پروفیسر قیصر نجفی۔ کراچی

اس کے باوصف کہ ''عیاں را چہ بیاں'' ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ آپ کے خلوصِ نیت، اَن تھک محنت اور سچی لگن نے ''نعت رنگ'' کو اس قدر مقتدر کر دیا ہے کہ آنے والے ادوار میں بھی اقلیمِ نعتیہ ادب ''نعت رنگ'' کی قلم رو سے نہیں جائے گی۔

آج ہمارے پیشِ نظر ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۳ اور ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۴ ہیں۔ ان دونوں شماروں کا ایک مطالعاتی جائزہ آپ کی نذر ہے۔

حفیظ الرحمٰن احسن کی حمد (قصیدہ نما) ان کی قادر الکلامی کی مظہر ہے۔ شوکت لفظی، شکوہ بیاں اور اسلوب کی بلند آہنگی کے سبب بلاشبہ یہ ایک قصیدہ نما حمد ہے۔ غیر مانوس مفرس و معرب الفاظ کی کثرت کے باوجود نظم میں بلا کی روانی ہے۔ شاید مانوس موضوع کے طفیل

پیرایۂ اظہار میں اجنبیت کا احساس نہیں ہوا ہے۔ استفہامیہ طرزِ سخن نے نظم کی جاذبیت کو دو چند کر دیا ہے۔ اس حمد میں بیک وقت قصیدے، استغاثے اور آشوب نگاری کا اسلوب ملتا ہے۔

ذکر ''مدینۃ العلم'' کا ہو، اعتقادات بھی راسخ ہوں، فکر میں بھی اخلاص ہو اور قلم کار بھی پروفیسر محمد اقبال جاوید جیسا فاضل ہو، تو علم و معرفت کے در وا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ مقالہ ''اسمِ محمد ﷺ... نعت کے آئینے میں'' ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۴ میں خاصے کی چیز ہے۔ موضوع میں جتنی وسعت ہے، مقالہ بھی اتنا ہی ہمہ گیر اور معنی آفرین ہے۔ اسمِ محمد ﷺ کی معنویت، قوت، رفعت، وحدت، برکت، افادیت، تاریخیت، کاملیت اور سب سے بڑھ کر علم و عمل میں اس کی ناگزیریت و اہمیت پر پروفیسر صاحب نے جس طرح روشنی ڈالی ہے، وہ ان کے تبحرِ علمی کے ساتھ ساتھ فکری و فنی ریاضت و مجاہدہ کی بھی دلالت کرتی ہے۔ اردو نعت میں اسمِ محمد ﷺ کے لغوی، معنوی، استعاراتی، علامتی اور اعتقادی استعمال کا انھوں نے جس مہارت سے احاطہ کیا ہے، وہ انھیں بیک وقت ایک اعلیٰ پائے کا مضمون نگار، ناقد اور محقق ثابت کرتی ہے۔ ان کے قلم کی یہ ہمہ جہتی قابلِ رشک ہے۔

یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ سرکارِ رسالت ﷺ کی ولادت باسعادت کا واقعہ کائنات میں رونما ہونے والے تمام تر نیک و سعد واقعات میں سے سب سے زیادہ مبارک اور مسعود ہے۔ میلادِ سیّدِ کونین ﷺ صرف جن و ملک یا انسان و حیوان ہی کے لیے نہیں بلکہ جملہ موجوداتِ عالم کے لیے باعثِ مسرت و افتخار ہے۔ عیدالفطر اور عیدِ قرباں کی طرح عید میلادالنبی ﷺ بھی شعائرِ اسلام میں شامل ہے۔ ہمارے نزدیک فرائض و عبادات کی طرح اہم ہے۔ بنابریں تاریخِ ولادت میں اختلافِ رائے کے باوجود مسلم اُمہ نے میلاد کی خوشی منانے میں کبھی کوتاہی نہیں کی ہے۔ حتیٰ کہ ربیع الاوّل کے پورے مہینے کو ماہِ مسرت و انبساط قرار دیا ہے۔ تذکروں میں جہاں عید میلادالنبی کے پُرمسرت موقع پر بپا ہونے والی محافلِ مولود و مجالسِ میلاد کی روداد مرقوم ہے، وہاں میلادیہ منظوم تخلیقات کے عہد بہ عہد ارتقائی سفر کا احوال بھی مندرج ہے۔ راجا رشید محمود کا مضمون ''نعت میں ذکرِ میلادِ سرکار ﷺ'' بھی تذکرے کی ذیل میں آتا ہے۔ جس میں حضور ختمی مرتبت ﷺ کی ولادت پاک کے ذکر سے معمور میلادناموں، مولود ناموں، میلادیہ قصیدوں، میلادیہ نظموں (ہر فارم اور ہیئت کی) اور میلادیہ اشعار کا تفصیلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ ہمارے خیال میں یہ جائزہ میلادیہ ادب کا زمانی ترتیب سے احاطہ کرتا تو زیادہ دلچسپ اور مفید

ہوتا۔ راجا صاحب نے بعض باتوں کو بعض جگہوں پر جوں کا توں دہرا دیا ہے۔ نتیجتاً تذکرہ غیرضروری طور پر طویل ہوگیا ہے اور دلچسپی میں بھی خاصی کمی ہوئی ہے۔ اٹھارہ صفحات پر مشتمل حواشی کو پڑھنا بھی ایک اُکتا دینے والا عمل ہے۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ چند لوگوں نے میر تقی میر سے شعر سنانے کی فرمائش کی۔ میر صاحب نے کہا، ''آپ لوگ کیا شعر سنیں گے، اگر میں آپ کو یہ شعر سناؤں:

عشق برے ہی خیال پڑا ہے چین گیا آرام گیا
دل کا جانا ٹھہر گیا ہے صبح گیا یا شام گیا

تو آپ کہیں گے اس شعر میں تو فنی سقم ہے، یعنی ''خیال'' کی ''ی'' گر رہی ہے۔ مگر کیا کیا جائے محاورہ یہی ہے۔ یہ روایت ہمیں شارق جمال (بھارت) کا مضمون ''نعت کے اشعار اور فنی سقم'' پڑھ کر یاد آئی ہے۔ درحقیقت انھی صفحات پر حضرت احمد رضا بریلویؒ کے چند اشعار کے حوالے سے ظہیر غازی پوری اور ڈاکٹر صابر سنبھلی کے درمیان ایک نہایت پُرمغز، معلومات افزا اور دلچسپ بحث چل چکی ہے اور ہمارے خیال میں دونوں فاضل قلم کاروں نے اپنے اپنے مؤقف کا عالمانہ انداز میں دفاع کیا ہے۔ اس بحث کو بار دیگر چھیڑنا کسی ایک کے مؤقف کی تائید اور دوسرے کے مؤقف کی تردید کا ایک ایسا عمل ہوگا، جو نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوگا۔ اجتماعِ ردیفین کے حوالے سے ممتاز نعت خواں و نعت گو اور ''نعت رنگ'' کے مرتب صبیح رحمانی کے اشعار کو حضرت فاضل بریلویؒ سے منسوب کر کے تنقید کا نشانہ بنانا یہ ظاہر کرتا ہے کہ مضمون نگار احمد رضا بریلویؒ کے اشعار کو ہدف بنانے پر اس حد تک کمربستہ ہیں کہ کسی کا بھی فنی سقم کا حامل شعر انھیں حضرت فاضل بریلویؒ کا شعر لگتا ہے۔ البتہ جہاں تک نعت کے شعر یا کسی بھی صنفِ سخن کے شعر میں فنی سقم کا تعلق ہے تو شارق جمال کے خیالات سے ہم بھی متفق ہیں۔

ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی (بھارت) کا مضمون ایک ایسے دقیقہ رس محقق سے متعارف کراتا ہے، جس کا تحقیقی مقالہ نوادراتِ ادب میں شمار کرنے کے قابل ہے۔ ''ہندوستان میں عربی نعت گوئی''... عنوان ہی مقالہ نگار کی اولوالعزمی، دقیقہ رسی اور تبحرِ علمی کا غماز ہے۔ ڈاکٹر محمد صدرالحسن ندوی کو اس منفرد کارنامے کی جتنی داد دی جائے کم ہے۔ اصلاحی صاحب نے ارتکازِ فکر اور تعمقِ نظر سے مقالے کا مطالعہ کیا ہے اور اس کی علمی، ادبی اور تحقیقی جہات کا مؤثر انداز میں تجزیہ پیش کیا ہے۔

اردو نعت گو شعرا میں حضرت احمد رضا فاضل بریلویؒ جس طرح ممتاز و ممیز ہیں، اس کی مثالیں کم کم ملتی ہیں۔ دراصل وہ ایک نیکوکار اور ایک عابد شب زندہ دار تھے۔ اصول و فروغِ دین پر کاربند رہنے کے ساتھ ساتھ شارع دین متین کی مدح و ثنا کو بھی عبادت کا درجہ دیتے تھے۔ حضرت فاضل بریلوی کی نعت گوئی معرفتِ رسولِ خدا ﷺ کا ایک دستاویزی ثبوت ہے۔ یہ معرفت انھیں محبوبِ حق کے عشق میں فنا ہوجانے کے بعد نصیب ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نعتوں میں ایمان و عقیدہ کی للک کے ساتھ ساتھ عشقِ محمد ﷺ کا سوز اور کسک بھی ہے۔ ڈاکٹر صابر سنبھلی (بھارت) حضرت رضا بریلویؒ کے فن و شخصیت کے عارف ہیں۔ انھوں نے حضرت بریلویؒ کی نعت میں مضمون آفرینی کے متنوع ابعاد کی نشان دہی کی ہے۔ البتہ ان کی تمہیدی سطور میں ایسی گفتگو کا اعادہ کیا گیا ہے، جسے سامعین سن سن کر اور قارئین پڑھ پڑھ کر اُکتا چکے ہیں۔

قمر وارثی ایک مشاق شاعر ہیں اور فنِ شعر کی باریکیوں سے خوب واقف ہیں۔ بالخصوص لوازم نعت پر تو ان کی گہری نظر ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر طلحہ رضوی (بھارت) نے ان کے نعتیہ مجموعے ''کہف الوریٰ'' پر تبصرہ رقم کرتے ہوئے چار مصرعوں کو فنی طور پر محلِ نظر گردانا ہے۔ ایک مصرعے میں ڈاکٹر صاحب نے لفظ ''قامت'' کو مؤنث قرار دیا ہے۔ جب کہ ''قامت'' مذکر ہے اور قمروارثی نے درست باندھا ہے:

شاخِ حیرت پر کھلا ہے میرے قامت کا گلاب

ایک دوسرے مصرعے میں کمپوزنگ کی غلطی کو شاعر کی فنی کم زوری سمجھا گیا ہے۔ ہمارے خیال میں ''محوِ حیرت'' کی ترکیبِ لفظی اتنی عام ہے کہ قمروارثی جیسا مشاق شاعر اس کے بجائے ''محوِ حیراں'' نہیں لکھ سکتا۔

دم بخود ہیں ماہ و انجم، محوِ حیراں آفتاب

البتہ بقیہ دو مصرعوں پر گرفت بجا ہے۔

عاصی کرنالی کی نعت فکر و نظر کے نئے نئے در وا کرتی ہے۔ احمد صغیر صدیقی کے حمدیہ و نعتیہ قطعات ان کی خدا اور رسول ﷺ شناسی کی غمازی کرتے ہیں۔ ان کا پہلا حمدیہ اور دوسرا نعتیہ قطعہ خوب ہے۔ دوسرے حمدیہ قطعے میں ''لفظ'' آذر'' کا استعمال مناسب نہیں ہے۔ ''آذر'' فارسی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے لغوی معنی ''شمسی نواں مہینہ'' یا ''آگ، چنگاری'' کے ہیں۔ اسی سے آذر پرست کی ترکیب وضع ہوئی ہے یعنی آگ کی پرستش کرنے والا یا مجوسی... ہمارے خیال میں

صدیقی صاحب نے لغوی معنی کے تناظر میں لفظ آذر استعمال نہیں کیا ہے۔ شاید انھوں نے ایک تاریخی کردار آذر، جس کا پیشہ بت گری تھا، کو بطور مشبہ بہ استعمال کیا ہے۔ جب کہ مشبہ اپنے خالق کو ٹھہرایا۔ یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ خالق کو مخلوق سے تشبیہ دینا صریحاً شرک ہے۔ اگر وہ آذر کی جگہ ''صانع'' کا لفظ استعمال کرتے، تو عیب بھی دُور ہوجاتا اور قطعہ بھی اپنے اثر و تاثیر سے محروم نہ ہوتا:

میرا آذر ہے جو وہ کیا ہوگا

میرا صانع ہے جو وہ کیا ہوگا

تسلیم الٰہی زلفی کی نعت کی نمایاں خوبی فکر و اسلوب کی تازہ کاری ہے۔ مگر درج ذیل شعر میں لفظ ''دھیان'' کے استعمال میں فنی سقم پایا جاتا ہے۔ دھیان بروزن ''دھان'' باندھا جاتا ہے۔

تابندہ کس کی یاد ہے اور کس کا تذکرہ

روشن ہیں جسم و جاں مرے کس کے دھیان سے

درست استعمال کی مثال پیشِ خدمت ہے۔ خواجہ میر دردؔ فرماتے ہیں:

ان دنوں کچھ عجب ہے دل کا حال

سوچتا کچھ ہوں دھیان میں کچھ ہے

صابر وسیم کی شاعری میں ندرتِ بیان کی خوبی پائی جاتی ہے۔ نعت گوئی میں بھی انھوں نے یہ خصوصیت قائم رکھی ہے۔ عرش ہاشمی کی غالبؔ کی زمین میں نعت ایک اچھی کاوش ہے، تاہم اس مصرع پر نظرثانی کرلیں تو بہتر ہے:

فیض جاری ہے گر یقین نہ آئے

''نعت رنگ'' شمارہ ۱۴ کا آغاز بھی حمدِ باری تعالیٰ سے ہوا ہے۔ یہ حمد حفیظ تائب کی فکر کا نتیجہ ہے اور ان کی فکری و فنی پختگی کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔

بادی النظر میں ''نعت رنگ'' کے اجرا کی غرض و غایت فروغِ نعت قرار دی جاسکتی ہے۔ لیکن اشاعت اوّل ہی نے اجرا و اشاعت کے پس منظر میں کارفرما مرتب و معاونین مرتب کی فکری تحریک وتشویق کا راز کھول دیا کہ ''نعت رنگ'' کے طلوع کی اصل بلکہ غایت اولیٰ فضائے نعت میں تجدد و اجتہاد کی روشنی پھیلانا اور فن و موضوع کے تعلق سے ایسے مباحث کے در وا کرنا ہے، جو پہلے سوئے ادب متصور ہوتے تھے۔ ڈاکٹر سیّد وحید اشرف کچھوچھوی کا مضمون ''اردو زبان

D:NaatRang-15
File: Khutoot
Final

میں نعت گوئی فن'' ''نعت رنگ'' کے بنیادی مقصد سے صد فی صد ہم آہنگ ہے۔ ڈاکٹر صاحب ایک صاحب الرائے قلم کار ہیں۔ انھوں نے اپنے مضمون میں نعت کے مطالبوں، قواعدِ زبان کے تقاضوں اور فکری و فنی کج رویوں کی نقد و نظر کے گہرے شعور کے ساتھ نشان دہی کی ہے۔ ان کا مطالعہ وسیع اور روایت و درایت کے تمام تر رجحانات پر محیط ہے۔ سیّد صاحب کا اسلوبِ بیان منطقی ہے اور دلیل و برہان سے مزین ہے۔

ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری کا شمار بھی ان قلم کاروں میں ہوتا ہے جو''نعت رنگ'' سے اپنی کمٹمنٹ پر قائم ہیں اور باقاعدگی سے نعتیہ ادب کے سرمائے میں اضافہ کر رہے ہیں۔ ان کا مضمون ''نعت کا ادبی مقام'' صنفِ نعت کا مکمل مگر اجمالی تاریخی ارتقا قرار دیا جاسکتا ہے۔ انھوں نے عربی، فارسی اور اردو نعت گو شاعروں کا ان کے فنی پس منظر کے ساتھ تعارف کرایا ہے، یہ تعارف بیک وقت تحقیق و تنقید کا ایک اعلیٰ معیار پیش کرتا ہے۔ ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری کو ہم اکابرین نعتیہ کی صف میں جگہ دیتے ہیں۔ ہمیں یہ کہنے میں ہرگز باک نہیں ہے کہ''نعت رنگ'' نے چند ہی برسوں میں جتنا گراں مایہ نعتیہ ادب پیش کیا ہے، وہ گزشتہ نصف صدی کے ماحصل کے برابر ہے۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے کہ ''نعت رنگ'' کے اجرا سے پہلے نعت کی فکری و فنی جہات پر کوئی قابلِ ذکر کام نہیں ہوا تھا، جو تھوڑا بہت ہوا تھا تو اس میں سنجیدگی کا عنصر عنقا تھا۔ ''نعت رنگ'' نے ثقہ و معتبر قلم کاروں کی توجہ نعت کی طرف مبذول کرانے میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ یہ''نعت رنگ'' ہی کی کرشمہ کاری ہے کہ کئی ایک اربابِ علم و دانش کا نعت کے حوالے سے تخلیقی کام کتابی شکل میں محفوظ ہونے لگا ہے۔ نعتیہ ادب میں اس سرعت سے تخلیقی، تنقیدی اور تحقیقی پیش رفت متحیر کن ہے اور اس کا سہرا ''نعت رنگ'' کے سر ہے۔ عزیزاحسن ان قلم کاروں میں سے ایک ہیں، جن کی ''نعت رنگ'' میں شائع ہونے والی علمی و ادبی تخلیقات کتابی صورت میں منظرِعام پر آچکی ہے۔ عزیزاحسن نعتیہ ادب کی تخلیق و تنقید کے حوالے سے ایک معتبر نام ہے۔ انھوں نے اپنے مضمون ''معجزۂ فن سے خونِ جگر کی نمود'' میں عمومی طور پر شاعری اور خصوصی طور پر نعتیہ شاعری میں فنی التزام کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ انھوں نے نعت کی سہ حرفی ترکیب کی جذبۂ ایمان وایقان کی روشنی میں جو توضیح کی ہے وہ ان کے مستنیر ومنور قلب وذہن کی عکاس ہے۔

حضرت امام احمد رضا فاضل بریلویؒ کی نعت گوئی پر جتنا لکھا گیا ہے، اتنا شاید ہی کسی اورشاعر کی اردو نعت گوئی پرلکھا گیاہو۔ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی (بھارت) نے بھی نہایت بالغ نظری

سے ان کے فنِ نعت گوئی کا ایک مطالعاتی جائزہ پیش کیا ہے۔ البتہ اس جائزے میں امام صاحب کی نعتیہ شاعری کا کوئی نیا پہلو سامنے نہیں آیا ہے۔

ڈاکٹر عاصی کرنالی سے ہم ہمیشہ کسی بڑے کام کی توقع رکھتے ہیں۔ ان کا مضمون ''جنوبی پنجاب میں اردو نعت گوئی کا پچاس سالہ جائزہ'' معقولیت کی حد میں ہے، مگر ڈاکٹر عاصی کرنالی کا عالمانہ معیار پیش نہیں کرتا ہے۔ البتہ مضمون کی تمہید نے ہمیں ضرور متاثر کیا ہے۔

شہناز کوثر کا مضمون ''آستانہ اور آستانہ کا شاعر'' ضیاء القادری بدایونی کی نعتیہ شاعری کا ایک واجبی سا تعارف ہے۔ مضمون نگار نے صرف ان کا نمونۂ کلام پیش کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ ضروری تھا کہ ان کے شعری محاسن و معائب بھی سامنے لائے جاتے۔

ظہیر غازی پوری کا مضمون ''علامہ ارشد القادری کی نعت میں معنویت، شعریت اور تخلیقیت'' نقد و نظر کے حوالے سے ایک شہ کار ہے۔ ان کے یہاں تنقیدی شعور کی ارزانی ہے۔ وہ کسی بھی تخلیق کے داخلی و خارجی محرکات کا کھوج لگانے کی قابلِ رشک استعداد رکھتے ہیں۔ انھیں اللہ تعالیٰ نے دیدۂ بینا عطا کیا ہے۔ علامہ ارشد القادری کی نعت گوئی کی روح تک رسائی ہمارے دعوے پر دال ہے۔

احمد صغیر صدیقی ایک کہنہ مشق شاعر و نقاد ہیں۔ ان کے انتقادی اسلوب سے بعض تخلیق کار الرجک ہیں، مگر ہمارے خیال میں وہ جو محسوس کرتے ہیں، بے کم و کاست لکھ دیتے ہیں۔ خوبی کی بھی دل کھول کر داد دیتے ہیں اور خامی سے بھی صرفِ نظر نہیں کرتے بلکہ بعض اوقات تو بخیے ادھیڑ دیتے ہیں۔ پروفیسر شفقت رضوی کی دو کتابوں پر (جو حال ہی میں شائع ہوئی ہیں) ان کے تبصرے نے ہمیں ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے۔ کیوں کہ اپنے تبصرے میں انھوں نے رضوی صاحب کے شعور نقد و نظر کو ہدف بنایا ہے اور بعض حوالوں سے ان کے خلاف جانب داری کا فتویٰ صادر کیا ہے۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے تو ہم دونوں قلم کاروں کے مداح ہیں۔ شفقت رضوی کی علمیت اور فراست کے بھی قائل ہیں اور احمد صغیر صدیقی کی تنقیدی فہم کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔ چوں کہ ہم نے رضوی صاحب کی زیرِ تبصرہ کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا ہے، بنابریں صدیقی صاحب کے مضمون کے بارے میں کوئی رائے دینے سے قاصر ہیں۔

''نعت رنگ'' شمارہ ۱۴ میں شائع شدہ نعتوں میں سے ہمیں حفیظ تائب، طلحہ رضوی برق (بہار)، سیّد افتخار حیدر اور محمد فیروز شاہ کی نعتیں اچھی لگی ہیں۔

آخر میں ہم بصد معذرت ''نعت رنگ'' کے مشمولات کے حوالے سے آپ کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں کہ کچھ عرصے سے ''نعت رنگ'' میں ایسا مواد شائع ہو رہا ہے، جس میں چند باتیں مختلف انداز سے بار بار دُہرائی جا رہی ہیں۔ کسی بات کے ایک بار دُہرائے جانے میں تو قندِ مکرر کا لطف تلاش کیا جاسکتا ہے، مگر بار بار کا اعادہ اُکتاہٹ اور بے زاری کے علاوہ کچھ نہیں دے سکتا۔ بعض شماروں میں تو عنوانات میں تنوع کے باوصف متن و مواد میں یکسانیت پائی جاتی ہے، جب کہ کئی ایک قلم کار ایک ہی موضوع کے حصار میں محصور ہوکر رہ گئے ہیں اور اپنی ہر تحریر میں اس موضوع کی کسی نہ کسی بہانے گنجائش پیدا کر کے چبائے ہوئے نوالے منھ میں پھرانے لگتے ہیں۔

سیّد ریاض حسین زیدی۔ ساہیوال

''نعت رنگ'' کے دو شمارے ۱۳،۱۴ (دسمبر ۲۰۰۲ء) نظر نواز ہوئے۔ سبحان اللہ، نعت کے فروغ اور اس کی ہمہ جہت اشاعت کا نہایت ایمان افروز سلسلہ ہے۔ اس سے قبل کے شمارے میری نظر سے نہیں گزرے (یہ میری کم نصیبی ہے۔ اگر آپ شمارہ ۱ سے ۱۲ تک مجھے قیمتاً (بذریعہ وی پی پی) بھجوا دیں تو میں اسے پا کر بے حد خوشی محسوس کروں گا۔ یعنی ۱۲ شمارے یا جتنے بھی ہوں) ''نعت رنگ'' کا ہر مضمون معانیٔ نعت کو واشگاف کرتا ہے اور اس کی لطافتوں کو انگ انگ میں اتارتا ہے۔ شمارہ ۱۳ کا پیرایۂ حمد (حفیظ الرحمٰن احسن) اور شمارہ ۱۴ کی دو حمدیں (حضرات حفیظ تائب و امین راحت چغتائی) نہایت وجد آفریں ہیں۔ ''نعت رنگ'' میں حمدوں کی تعداد میں اضافہ کریں کیوں کہ حمد کے بغیر نعت کا حسن اجاگر نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ تصور کہ نشانی کے طور پر ایک آدھ حمد شامل اشاعت کر دی جائے، زیادہ مناسب نہیں۔ حفیظ الرحمٰن احسن کا سرمایہ حمد و نعت نہایت وقیع ہے۔ ان کے اشعار میں آمد ہی آمد ہے۔ جناب حفیظ تائب کی ذات والا تبار ہمارے کے لیے باعث صد افتخار ہے کہ آپ نے حمد و نعت کے باکمال شاہ کار پیش کر کے اپنے آپ کو ہر محبت حمد و نعت کا گرویدہ اور حمد و نعت کے بہترین ادبی رویوں کا روشن ترین اظہاریہ منوا لیا ہے۔

جناب امین راحت چغتائی کا یہ شعر حمد انشراح صدر کا باعث ہوا۔

ہم اس کے ہیں کہ جس کی رحمتیں ہیں سارے عالم پر
کوئی پرکھے گا کیا راحتؔ ہمارا جذبۂ ایماں

میرے برادر نسبتی صدارتی ایوارڈ یافتہ نعت خواں سیّد منظور الکونین فرماتے ہیں کہ حفیظ تائب اور امین راحت چغتائی کی دونوں حمدیں ترنم کے اعلیٰ معیاروں پر بھی پورا اترتی ہیں۔ لہٰذا وہ آئندہ مجالس میں ان کی ترنم ریزی کا حق ادا کرتے رہیں گے۔ ''اردو زبان میں نعت گوئی کا فن'' ڈاکٹر سیّد وحید اشرف کچھوچھوی کا مضمون نہایت چشم کشا ہے۔ تاہم صرف ''تو'' یا ''تم'' کے ذیل میں حضور کے لیے اس صیغے کو غیر مستحسن قرار دینے کے دلائل دل کشا نہیں ہیں۔ اس کو معیار مان لیں تو علامہ اقبالؒ کی بہترین نعت ''لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب'' کس کھاتے میں جائے گی۔ مولانا ظفر علی خانؒ، مولانا محمد علی جوہرؒ، اعلیٰ حضرت بریلویؒ اور حسرت موہانی جیسے بلند مرتبت نعت گو حضرات نے نہایت خضوع و خشوع سے صرف ''تو'' سے عشق و محبت کے لافانی جذبات منسلک کیے ہیں۔ میرے خیال میں یہ شاعر کے انداز پر منحصر ہے کہ وہ اسے حضور ﷺ کی عظمت و رفعت میں ''خدانخواستہ'' کسی کمی یا خرابی کا مرتکب تو نہیں بنا رہا۔ میں اپنے طور پر ہمیشہ ''آپ ﷺ'' کا صیغہ ہی استعمال کرتا ہوں۔ ''ریاضِ مدحت'' میرا مجموعۂ نعت ہے جس پر صدارتی سیرت ایوارڈ عطا کیا گیا ہے۔ اس کی تمام نعتوں میں صرف ''آپ ﷺ'' کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ لہٰذا شعرا کے لیے بہترین روش یہی ہے کہ حضور ﷺ کے لیے ''آپ ﷺ'' کو اپنائیں۔ حضرت عاصی کرنالی نثر لکھیں یا حمد و نعت کا حق ادا کریں، جی چاہتا ہے کہ ان کے ہاتھ چوم لیں۔ ان کا قلم تھام لیں اور اس سے یہ راز پوچھیں کہ عاصی جس جذب و شوق کا والہانہ اظہار کرتے ہیں، کاش اس کی کوئی رمق ہمارے اندر بھی اتر آئے۔ مضمون ''جنوبی پنجاب میں نعت گوئی'' تھا اور آپ نے اس کے جملہ پہلوؤں کا کماحقہٗ احاطہ کیا ہے۔ علامہ کوکب نورانی کا خط ایک جامع مقالہ نظر آتا ہے۔ آپ نے علامہ اقبال جیسے عاشق رسول ﷺ کے لیے رحمۃ اللہ علیہ لکھنا گوارا نہیں کیا۔ اسی طرح اپنے مسلک کے علاوہ دوسرے حضرات کو بھی تقدیم و تقدیس کا مستحق نہیں گردانا۔ میرے خیال میں ''نعت رنگ'' جیسے پرچے میں اس قدر فرقہ واریت کو فروغ نہیں ملنا چاہیے۔ ''نعت'' تو محبت کی بہترین تبلیغ اور زمزمۂ محبت کا خوش ترین ترانہ ہے۔ لہٰذا جس نے بھی نعت کہی ہے، یقین کرنا چاہیے کہ اس نے حضور سے ٹوٹ کر پیار کیا ہے۔ ان سے وابستگی کا حق ادا کیا ہے۔ میرا یقین ہے کہ جس مسلک کے آدمی نے بھی نعت کہی ہے وہ حضور کی ختم المرسلینی کو بے مثال اور ان کی رحمۃ للعالمینی کو بے نظیر سمجھتا ہے۔ ظفر علی خان، محمد علی جوہر اور سیّد نفیس الحسینی شاہ، حضرت کوکب نورانی کے ہم مسلک تو نہیں لیکن ان کی نعتیں اس قدر عشق رسول

میں ڈوبی ہوئی ہیں کہ انھیں پڑھ کے حضور سے وابستگی اور والہانہ پن زیادہ اجاگر اور دل نشیں ہونے لگتا ہے۔ لہٰذا نعت کے حوالے سے اس قدر کرخت فقہی بحثیں شاید سود مند نہ ہوں۔ میں آپ کی اشاعتی کوششوں کو فروغِ نعت کے حوالے سے بہترین قرار دیتا ہوں۔ دعا گو ہوں کہ یہ پھلیں پھولیں۔ میں ان شاء اللہ آپ کے ساتھ ہوں۔

حافظ عبدالغفار حافظ۔ کراچی

''نعت رنگ'' کے دو شمارے نمبر۱۳ اور نمبر۱۴ پیش نظر ہیں۔ خوشی کی بات ہے کہ لکھنے والوں میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ دراصل آپ کا خلوص ہے جس نے اس کتابی سلسلہ کو بام عروج تک پہنچا دیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کے صدقہ میں آپ کو سلامت رکھے اور یہ سلسلہ جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

مضامین، خطوط اور نعتیہ کلام اپنی اپنی جگہ خوب ہیں لیکن چند چیزیں ایسی ہیں جن کا اظہار میں ضروری سمجھتا ہوں۔

شمارہ نمبر۱۳ میں راجا رشید محمود صاحب کا ایک طویل مضمون شائع ہوا ہے جو ۱۰۰رصفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ میرے خیال میں ایک ایسا مضمون جو کسی قسم کی ندرت نہ ہونے کے باوجود شمارہ کے ایک تہائی حصہ پر مشتمل ہو ''نعت رنگ'' کے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتا۔ اس قسم کے مضامین علاحدہ کتاب کی صورت میں شائع ہوں تو بہتر ہے۔

نعتیہ کلام میں معیار پر خاص توجہ کی ضرورت ہے۔ شمارہ نمبر۱۳ میں صفحہ نمبر ۲۳۱ پر عبدالرحمٰن عبد صاحب کا مقطع قابل توجہ ہے۔ اسی شمارہ میں صفحہ ۲۳۶ پر محسن علوی صاحب کی نعت کے آخری ۳ اشعار میں بحر کی پابندی نہیں کی گئی ہے۔

شمارہ نمبر۱۳ ہی میں شارق جمال صاحب کا مضمون ''نعت کے اشعار اور فنی سقم'' شائع ہوا جس میں انھوں نے ۱۸۹۳ء کی ایک تحریر سے اقتباس درج کیا ہے۔ اس کے بارے میں وہ فرماتے ہیں:

> اس قاعدے کے وجود میں آنے کے بعد خواہ غالب کے اشعار میں، ظہیر غازی پوری کے کلام میں یا فاضل بریلوی احمد رضا کے شعروں میں یہ سقوط حروف علت نظر آنے پر اس سے فنی بحث یقیناً کی جائے گی۔ اس

سقم پر سابقہ شعرائے فارسی و عربی کے اشعار کا سنداً پیش کرنا بھی درست نہیں کہ ان کے اشعار اس قاعدے کے نافذ ہونے سے پہلے کے ہیں۔

شارق جمال صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ ''قاعدۂ بے فائدہ'' ہے۔ کیوں کہ بعد کے اساتذہ نے اسے تسلیم ہی نہیں کیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مرزا داغ دہلوی نے ''قصیدۂ اردوئے معلیٰ'' میں جو کچھ فرما دیا اب تک اسی کو حرف آخر مانا جا رہا ہے۔ شارق صاحب نے خوامخواہ زحمت فرمائی کہ اعلیٰ حضرت کے مصرع ''یعنی محبوب و محبّ میں نہیں میرا تیرا'' کی باقاعدہ تقطیع کرکے ثابت کیا کہ یعنی، کی ''ی'' ساقط ہے۔ حضور والا ایک عروض داں مصرع پڑھتے ہی سمجھ لیتا ہے کہ کون سا حرف تقطیع میں آرہا ہے اور کون سا گر رہا ہے۔ بحث یہ نہیں کہ یعنی کی ''ی'' گری ہے یا نہیں۔ بحث اس پر ہے کہ یعنی کی ''ی'' گرائی جاسکتی ہے یا نہیں اور کیا اساتذہ نے اس کی پابندی کی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ''ی'' کسی بھی لفظ کی ہو نہ گرائی جائے تو بہتر ہے لیکن اگر ضرورتِ شعری کی وجہ سے گرانی پڑ جائے تو کوئی حرج نہیں۔ آیئے میں یعنی کی ''ی'' گرانے کی چند مثالی پیش کرتا ہوں:

یاد رکھو نون آئے حرفِ علت کے جو بعد چاہیے اعلان اس کو نون غنہ بھی روا
یعنی دیں کو دین بولو، آسماں کو آسمان ہاں مگر یہ فارسی ترکیب میں ہے ناروا
(داغ دہلوی از قصیدۂ اردوئے معلیٰ)

یعنی وہ جس کی ہوئی ذات سراپا برکات باعث خلقِ زماں، موجب ایجادِ زمن
(محسن کاکوروی)

بھر کے ساقی ایک جام زہر سے آلود لا یعنی خاکم در دہن آج آتشِ دل تیز ہے
(فانی بدایونی)

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے یعنی وہ صاحبِ اوصاف حجازی نہ رہے
(علامہ اقبال)

چاہتا ہے عشق رازِ حسن عریاں کیجیے یعنی خود کھو جایے، ان کو نمایاں کیجیے
(جگر مرادآبادی)

وہ مرے اشک کو دامن پہ جگہ دیتے ہیں یعنی منظور ہے اس قطرے کو دریا کرنا
(بیدم وارثی)

D:NaatRang-15
File: Khutoot
Final

بہتے رہتے ہیں مری آنکھ سے ہر دم آنسو یعنی ہر وقت تمھیں یاد کیا کرتا ہوں
(بہزادلکھنوی)

وہ نگاہِ مست اٹھی گردش میں جام آہی گیا یعنی وقتِ امتیازِ خاص و عام آہی گیا
(شکیل بدایونی)

بات بگڑی ہوئی سرکار بنانے آئے یعنی مخلوق کو خالق سے ملانے آئے
(تابش صمدانی)

اگر دواوین کا بغور مطالعہ کیا جائے تو ایسے اشعار اور بھی سامنے آسکتے ہیں۔ شارق جمال صاحب اگر اس ''قاعدۂ بے فائدہ'' پر عمل کرنے والوں کے نام لکھ دیتے اور ان کے اشعار بھی درج کرتے تب تو کوئی بات تھی۔ میرے خیال میں اب اس باب کو بند ہو جانا چاہیے کیوں کہ ایک ہی لکیر کو پیٹتے رہنا کوئی دانش مندی نہیں۔ شارق صاحب اب فاضل بریلوی کے کلام میں کوئی اور ''سقم'' تلاش کریں۔ اس سلسلہ میں ظہیر غازی پوری صاحب اور ڈاکٹر ابوالخیر کشفی صاحب سے انھیں مدد مل سکتی ہے۔

میں نے شمارہ نمبر۱۲ میں اعلیٰ حضرت کے مصرع ''بے کسوں کے آقا اب تیری دہائی ہے'' کے بارے میں لکھا تھا کہ ''بے کسوں کی واو گرا کر پڑھیں''، اس پر احمد صغیر صدیقی صاحب اپنے خط (مطبوعہ شمارہ نمبر۱۳) میں فرماتے ہیں، ''ہم تو اس کی واو گرانے کے چکر میں خود ہی گر پڑے مگر واو نہیں گرا سکے''، جواباً عرض ہے کہ میں نے اس خط میں مشاہیر اساتذہ کے اشعار بھی بطور حوالہ پیش کیے تھے۔ اگر ان کو پڑھنے کا طریقہ بھی بتا دیتا تو شاید صدیقی صاحب بے ہوش ہو جاتے۔ مجھے تو ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ چند بزرگوں نے دانستہ ''اینٹی فاضل بریلوی موومنٹ'' چلا رکھی ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ جو باتیں مشاہیر شعرا کے کلام میں موجود ہیں ان پر کوئی حرف نہیں رکھتا لیکن اگر وہی چیز اعلیٰ حضرت کے کلام میں نظر آجائے تو صفحے کے صفحے کالے کر دیے جاتے ہیں۔

احمد صغیر صاحب نے اعلیٰ حضرت کی ایک اور نعت کے چند اشعار پر اعتراض کیا ہے۔ اس سلسلہ میں اجمالاً عرض ہے کہ مطلع کے دوسرے مصرع میں لفظ ''کیف'' حضرت جبریل امین کے لیے استعمال نہیں ہوا۔ انھوں نے ایک اور شعر میں لفظ ''قدس'' پر بھی اعتراض کیا ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اس لفظ کا املا دونوں طرح صحیح ہے یعنی ''دُ'' پر پیش بھی جائز ہے اور سکون بھی۔ اس سلسلہ میں کسی بھی عربی نعت سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ صدیقی صاحب نے اسی نعت کا ایک مصرع غلط لکھا ہے۔ اصل مصرع یوں ہے۔ ''دل کو دے نور و داغ عشق پھر میں فدا دو نیم کرُ''۔ اعلیٰ حضرت کے مصرع ''اے میں فدا لگا کر ایک ٹھوکر اسے بتا کہ یوں'' پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''اس میں میٹر پر جو گزری ہے وہ ضرور دیکھیے۔'' صدیقی صاحب سے عرض ہے کہ میٹر پر کچھ نہیں گزری۔ مصرع کا ہر حرف اپنی جگہ موزوں ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ آپ کی قابلیت اپنی جگہ مگر ''عروض چیزے دیگر است۔'' فاضل بریلوی کی یہ نعت جس بحر میں ہے اس کے ارکان یہ ہیں:۔ ''مفتعلن مفاعلن مفتعلن مفاعلن'' اور مصرع میں دونوں جگہ (درمیان میں بھی اور آخر میں بھی) مفاعلن کی جگہ مفاعلان استعمال ہوسکتا ہے اور اساتذہ نے کثرت سے استعمال کیا ہے۔ اگر موصوف غالب کا مصرع ''دل ہی تو ہے نہ سنگ وخشتِ درد سے بھر نہ آئے کیوں'' پیشِ نظر رکھتے تو انھیں اس اعتراض کی زحمت نہ کرنی پڑتی۔

D:NaatRang-15
File: Khutoot
Final